

عید مبارک

عید مبارک

WWW.PAKSOCIETY.COM

چند ہی عرصے میں اس کا نام چڑھ کر مجھے اپنے اگلے وقت آتے ہیں۔ یہ عمارت کا بھی بہت طرز و نقش ہو جائے جس بارشانی اور تہذیبی اس کے آگے ہیں۔ محسن علی صاحب سوچا کہاں سے کیا ہے ایسے فن میں خوش آمدید۔ آپ نے دو کاموں کو سامنا کرنا کہنے میں کاؤرٹ میں کاؤرٹ صرف چلے گا اور مرزا انجم جہاں صاحب کا بھی صاحب کی چڑھ کر ان کی نگاہیں رہتا ہے۔ ایسا کریں ہم دوستوں پر تبصرہ کرتے ہیں آپ صرف کہانیوں پر تبصرہ کیا کیجیے۔ کہ اور میں خان دوست و گم۔ عمر اقبال آپ کوئی سختی تھے کہ آپ کو یاد کر لیا ہوا ہے۔ اس کی مدافعت کا شعر یہ جاسوسی میں خوش آمدید۔ یہ تبصرہ جاسوسی جہاں کیوں عمل میں شریک نہیں ہو رہے ہیں ان کے تبصروں کو بہت مس کر رہی ہوں پلیز بھائی واپس آ جائیں۔ سب سے پہلے عمر اقبال کی سزا کر چڑھی۔ کیا ہیں؟ میں ہوسکا کہ عمر اقبال کی بدولت وہی اور کلاٹ ذبح کی رہا اور اس کی لاشیں والی کہانیاں ہر ماہ شائع ہوا کرتی ہیں۔ مجھے یہ دنوں بہت پسند ہیں۔ اس پر بھی کی آتش راہزیر دست کہاں کی جاتی؟ انجسٹریز کا ہے۔ بھائی بلال سے جاسوسی اس دلچسپ تھا۔

ہیلو بھائی سے بھر حسن کی تحفیں "جہاں علی کا شمار دنیا کی ساری کتابوں میں آ رہا ہوں امید ہے پہلے میں ہیبت سے کی جو محبت جاسوسی کے قاری اور جاسوسی والے دیتے ہیں۔ یہ محبت بھائی کی جاسوسی (یہی ہے) نقل آپ کی ہے۔ عمر آدھی ہیبت کے دم سے اس میں مددتی ہے اس بار کا سزاوتی بہت خوب تھا فری کے یا قوت جیسے لب اور مرد کی ہے۔ ... لکھی کہتے تھے کہ محسن علی صاحب نے پہلے سے انم و جاسوسی میں شکیل تصویر ایسے کے تبصرے خوب تھے۔ مہاں، عمر اقبال، عہد مسعود، اور جہاں کی تحفہ تھی محسن علی صاحب نے کہا کہ آتش راہزیر دست کے دیکھو یا۔ کوئی اور صیغہ کا کردار جان دار تھا اور بہت ہی خوب صورت سے کہانی کو ترتیب کیا گیا۔ اس پر بھی صاحب ویلڈ لٹریچر کی بروری مگر مرزا خان نے بھی جاسوسی کو چار چاند لگا رکھے تھے۔ سزا کر عمر اقبال کی اور کاہنہ بھی خوب تھی۔ کلاٹ ذبح کی اور شریک کے بارے میں تبصرے فری کے کیا کیے۔ شانی نے بہت جڑ کا مہرہ الجا ہا سے بد یا تھا۔ اللہ پاک کلاٹ صاحب کو جزا دے اور ان کی خوشی بھی اچھے تھے۔ ہائی کہا جاتا ہے محسن علی صاحب۔"

خالیہ ال سے مجھے مسعود مسعود کی سہلک ہڈی کا شمار دنیا کی ساری کتابوں میں آ رہا ہوں امید ہے پہلے میں ہیبت سے کی جو محبت جاسوسی کے قاری اور جاسوسی والے دیتے ہیں۔ یہ محبت بھائی کی جاسوسی (یہی ہے) نقل آپ کی ہے۔ عمر آدھی ہیبت کے دم سے اس میں مددتی ہے اس بار کا سزاوتی بہت خوب تھا فری کے یا قوت جیسے لب اور مرد کی ہے۔ ... لکھی کہتے تھے کہ محسن علی صاحب نے پہلے سے انم و جاسوسی میں شکیل تصویر ایسے کے تبصرے خوب تھے۔ مہاں، عمر اقبال، عہد مسعود، اور جہاں کی تحفہ تھی محسن علی صاحب نے کہا کہ آتش راہزیر دست کے دیکھو یا۔ کوئی اور صیغہ کا کردار جان دار تھا اور بہت ہی خوب صورت سے کہانی کو ترتیب کیا گیا۔ اس پر بھی صاحب ویلڈ لٹریچر کی بروری مگر مرزا خان نے بھی جاسوسی کو چار چاند لگا رکھے تھے۔ سزا کر عمر اقبال کی اور کاہنہ بھی خوب تھی۔ کلاٹ ذبح کی اور شریک کے بارے میں تبصرے فری کے کیا کیے۔ شانی نے بہت جڑ کا مہرہ الجا ہا سے بد یا تھا۔ اللہ پاک کلاٹ صاحب کو جزا دے اور ان کی خوشی بھی اچھے تھے۔ ہائی کہا جاتا ہے محسن علی صاحب۔"

عصیم: دن خالیہ ال سے مجھے مسعود مسعود کی سہلک ہڈی کا شمار دنیا کی ساری کتابوں میں آ رہا ہوں امید ہے پہلے میں ہیبت سے کی جو محبت جاسوسی کے قاری اور جاسوسی والے دیتے ہیں۔ یہ محبت بھائی کی جاسوسی (یہی ہے) نقل آپ کی ہے۔ عمر آدھی ہیبت کے دم سے اس میں مددتی ہے اس بار کا سزاوتی بہت خوب تھا فری کے یا قوت جیسے لب اور مرد کی ہے۔ ... لکھی کہتے تھے کہ محسن علی صاحب نے پہلے سے انم و جاسوسی میں شکیل تصویر ایسے کے تبصرے خوب تھے۔ مہاں، عمر اقبال، عہد مسعود، اور جہاں کی تحفہ تھی محسن علی صاحب نے کہا کہ آتش راہزیر دست کے دیکھو یا۔ کوئی اور صیغہ کا کردار جان دار تھا اور بہت ہی خوب صورت سے کہانی کو ترتیب کیا گیا۔ اس پر بھی صاحب ویلڈ لٹریچر کی بروری مگر مرزا خان نے بھی جاسوسی کو چار چاند لگا رکھے تھے۔ سزا کر عمر اقبال کی اور کاہنہ بھی خوب تھی۔ کلاٹ ذبح کی اور شریک کے بارے میں تبصرے فری کے کیا کیے۔ شانی نے بہت جڑ کا مہرہ الجا ہا سے بد یا تھا۔ اللہ پاک کلاٹ صاحب کو جزا دے اور ان کی خوشی بھی اچھے تھے۔ ہائی کہا جاتا ہے محسن علی صاحب۔"

سائنس اور افعال

ادارے کے دیرینہ کارکن اور معروف مشہور شاہد حسین ادارے سے فخر کرتے ہوئے دے پر ہوں میں ایک مدت تک سب فنانس کے مولیٰ نمبر نے رہے۔ ان کے پہلے طرز و نقش سے لیکل جسے وہ اپنی طاعت کی جیسے جیسے اپنا کام سرانجام دیتے رہے اور اپنی طاعت جلدی سے کرنے لگے 15 رمضان المبارک کو آخر کار خالیہ ال سے جانے۔ ادارہ میں ماند لکھن کے سدا گم میں برابر کا شریک ہے۔ کارکن سے احسان ہے کہ مرحوم کے لیے خیر اور مائے خیر لکھیں۔

www.paksociety.com

12

جاسوسی ڈائجسٹ - 12 - اگست 2014ء

اپنے منہ میں ہر وہاں سے گزر جائے، اللہ کی داستان تو نہیں... دولت کا لیوان کے منہ لگ چکا تھا...

دندنے

رومیسٹر تشید

خونخوار درختے صرف
جنگلوں میں ہیں نہیں... بھرتے بھرتے
شہروں کے عالی شان گھروں میں بھی بستے
ہیں... شکاری بمقابلہ شکاری، شکار در شکار...
صرف جنگلی جانوروں کا ہی وصف نہیں، یہ صنعت خون
ریزی حضوت آدم کے لہو میں بھی بہر پور شدت سے موجزن ہے...
وہ ہڈیاں پر ایک قدر بار تھا لیکن شوق کے پردے میں پٹیاں نواذرات ہی
اس کا اصل دھندا تھا... سمیٹے کہہ گئے ہیں کہ کبھی کبھار چکا چونڈ
روشنی میں بھی منظر صاف نظر نہیں آتا اور بعض اوقات جسے نگاہ حقیقت
سمجھے وہیں فریب نظر ثابت ہوتا ہے... کچھ بھی حال اس کا بھی تھا... پیش قیمت
اصل نواذرات کی ہو بہو لیکن یہ قیمت نقول کی آقا صفت اس کا کھیل کامیابی سے
جاری تھا لیکن ایک غلطی سے معاملہ الجھا تو پھر جتنا بے جا جانے کی کوشش کی...
سلسلہ الجھتا ہی چلا گیا... اور پھر شروع ہو اٹھا شکاری کے لہانے میں چھبے درختے کا
خونی کھیل...

ایک طرف زندگی تو دوسری طرف موت... اس آکھ بھولی میں محبت بھی دل گرفتہ مری تھی...

اس گھر سے پندرہ جلد دور بھاگ جانا پڑتا تھا۔ سیاہ و سفید رنگ مرمر سے مزین یہ قیمتی اور شہنشاہ مکان کسی کی
زندگی کی سب سے بڑی تمنا جو کئی تھیں شاید ان کے حصول کے لیے لوگ کشت و خون سے بھی گریز نہیں کرتے مگر قہر
علی کے لیے اس کی حیثیت ایک ڈنڈاؤ نے خواب سے زیادہ بگڑ گئی تھی۔ یہاں اس کا دم گھٹ رہا تھا۔
"ابھی تو صاحب! اس آواز نے اسے چونکا دیا۔ اس کا سیدھا ہاتھ تیزی سے جیب میں ہمیشہ موجود سروں
پر پولو کی تلاش میں لے گا مگر اب وہ جیب خالی تھی۔ اس نے گہری سانس لی۔ اب وہ ایس کی تلاش رہا تھا اسے پولیس
کی ملازمت سے استعفیٰ لینے ایک ہفتہ ہونے والا تھا۔ یہ لوہ بات ہے کہ اس کا استعفیٰ اب تک منظور نہیں کیا گیا
تھا مگر اس وقت وہ کوئی وضاحت پیش کرنے کے موافق نہیں تھا اس لیے وہ مائے گھر سے سوورہ کھنی کے
پہرہ انڈر کو گھور کر رہ گیا۔

"سرا! آپ اوپر کی منزل بھی چیک کر لیں، ہم نے تمام مکاناں مناسب طریقے سے رکھوا دیا
ہے۔ اگر آپ کسی اور چیز کو مشکل کرنا چاہتے ہیں تو بتا دیں ورنہ کام ختم ہو چکا ہے۔"
پہرہ انڈر نے معذرتاں انداز میں کہا۔

غیر تمام ملازمین کو پہلے ہی فارغ کر چکا تھا۔ سامان کا ٹولہ پھرتا اور
گرد و غبار سے بچا کر محفوظ رکھنے کے لیے اس نے شہر کی
بہترین سوورہ کھنی کی خدمات حاصل کر لی
تھیں۔ یہ لوگ

جاسوسی ڈائجسٹ 14 اگست 2014ء

www.paksociety.com

www.paksociety.com



اپنے کام کے باہر تھے پھر بھی انہیں کام کرنا تھا۔ میں دونوں تک مجھے تھے۔ قہر اوپر جانے کے لیے سڑکیوں کی جانب بڑھا مگر پھر گیسٹ سے سفید سرسبز کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر رک گیا۔

"اوو گاؤ... ایک نیا مسئلہ..." وہ بڑبڑایا۔ یہ اس کی داد دیکھ کر ریت حیدر علی کی کارنگی اور غائب ہے کہ اس وقت ان کی یہاں آمد ہے سب پر گز نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اپنی جگہ جا آئیں کار سے اترتا دیکھ رہا تھا۔ مگر سال کی عمر میں بھی وہ بہت متحرک تھیں۔

"قہر! وہ اس کے قریب پہنچ کر قدم سے فیسے میں بولیں۔" سب ہو کیا رہا ہے آخر...؟ میرا خیال تھا کہ میں نے انہیں قائل کر لیا ہے، آخر اپنے خاندانی گھر کو چھوڑنے کے لیے کوئی مناسب وجہ تو ہونی چاہیے۔"

"خاندان...؟ کیا ہم بھی یہاں یا کہیں بھی ایک خاندان کی طرح رہے ہیں؟" اس نے کامٹ وار لہجے میں پوچھا۔

"قہر! اس طرح تم صرف اپنے اور میرے لیے جنگلات کھڑی کر رہے ہو۔ جو ہو چکا ہے وہ ہو چکا ہے، اسے بھول کر آگے بڑھنا سیکھو... دیکھو میں نے تمہارے بولیس کی ملازمت کے فیصلے کی سب سے زیادہ مخالفت کی تھی مگر اب میں مانتی ہوں کہ تم نے اس طرح خاندان کا نام برداشت کیا..."

"میں نے یہ ملازمت اس لیے نہیں کی تھی..." "ٹھیک ہے، اس وقت تم نے اپنے دادا مرحوم اور پورے خاندان کی سخت مخالفت کے باوجود یہ راستہ اپنایا۔ پھر جب اپنے والدین کے انتقال کے بعد تم دونوں بہن بھائی یہاں آ کر رہے تب بھی مجھے یہ مناسب نہیں لگا تھا مگر تمہارا فیصلہ بالآخر درست نکلا اور میں تمہارے فیصلوں کی عزت کرنے لگی مگر زرناب کے خاتمے کے بعد سے تم مجھے مشکل باپوس کر رہے ہو۔"

"وہ مجھے دادو! میں اپنی زندگی کا خود ذمے دار ہوں اور جہاں تک اس گھر کی بات ہے تو میں اور زرناب اسے بچنے کا فیصلہ پہلے ہی کر چکے تھے اب... اب وہ بھی جا چکا ہے تو یہ میرا فیصلہ ہے۔" وہ حتی الامکان ملاجعت سے بولا۔

"مگر یہ غلط ہے۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولیں۔

غصہ اب قہر کی کشتیوں پر غور کریں مارنے لگا۔

"کیا آپ اتنی سی بات نہیں سمجھ پارہیں کہ میں یہاں زندہ نہیں رہ سکتا... مجھے یہاں سے نکالنا ہے۔" وہ پھٹ پڑا۔

"تو تم کچھ عرصے کے لیے میرے پاس آ جاؤ... ہم کتنے عرصے سے ساتھ نہیں رہے۔ میں تمہاری حالت کچھ سنبھالوں گا۔" زرناب کو گھسنے ڈر رہا تھا۔

"میں جانتا ہوں۔" وہ دھیرے سے بولا۔ یہ بات اس سے زیادہ کون جانتا تھا۔ آخر ایک طرح سے وہ بھی تو اس کا قائل تھا۔ اس کے کندھے سے جھک سے گئے۔ "آپ کا شکر یہ مگر میں نے کچھ اور سوچا ہے، میں آج ایک اپارٹمنٹ دیکھنے جا رہا ہوں۔"

"اپارٹمنٹ؟" وہ گویا ہراساں ہی ہو گئیں۔ "اب تم اپارٹمنٹ میں رہو گے؟"

"کم آؤں اور... اب یہ کوئی ایسی دردناک بات نہیں ہے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ ایک پُر سکون اور بہترین جگہ ہے۔ مجھے لی انکال تنہائی دردناک ہے۔ شاید اس طرح میں خود کو سنبھال پاؤں۔"

"اچھا...؟" وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولیں۔ "صرف اس شہر میں تمہارے باپ دہرا کے کئی بنگلے ہیں جن کے تم اکیلے وارث ہو اور تم کرائے کے اپارٹمنٹ میں رہنا چاہتے ہو، بہر حال اگر یہ نہیں سکون دے سکتا ہے تو ٹھیک ہے۔"

"شکر ہے... آئیے باہر چلیں۔" وہ پھر دائرہ کو کام سمیٹنے کا اشارہ کر کے باہر نکلتے ہوئے بولا۔ گیسٹ سے ملنے ہوئے اس کی نظریں پورچ کی آخری حد پر جمی گئیں مگر وہ وہاں ایک لمبے سے زیادہ روک نہیں پایا۔ اس کی سماعت میں وہ زوردار دھماکا پوری شدت کے ساتھ گونج اٹھا۔

☆ ☆ ☆

گھر سے اندھیرے میں بالکلیت جیسے کوئی پٹا ٹا سا پھوٹا تھا پھر ایک تیز چمکتی ہوئی آواز اس کی سماعت کے درپے ہو گئی۔ مریم بے حد گہری نیند میں تھی مگر ادا دہ کی ضد بہر حال جیت گئی۔ وہ بستر پر اچھل کر بیٹھ گئی۔ چند لمحوں کی کچھ میں کچھ نہیں آیا پھر ہوش و حواس کا کشن کسی حد تک بحال ہوتے ہی اس نے الارم کا منہ بند کیا۔ چند لمحوں کے بعد پر جینٹلی جھومتی برقی اور پھر دوبارہ ٹپے پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ ابھی وہ نیند کی پُر سکون دلدلی میں اتری بھی نہیں تھی کہ کسی لمبائی نے اسے چوٹا یا اور اس نے اٹھ کر بیڈ سائڈ پر رکھی گھڑی کو اٹھا کر دیکھا۔ اس نے ٹھنڈی سانس لی اور حسرت بھرے انداز میں بستر سے باہر نکل آئی۔ آج اتوار ہونے کے باوجود اس کے کام کا دن تھا۔ اسے آکشن میں خریداری کے لیے جانا تھا، ابھی خریداری کے لیے نیلائی

وہ بھاڑیوں پر گر کر تباہ ہو گیا تھا۔ اس کے بعد کئی گھنٹے، کئی دن، کئی ہفتے پہلے یقین اور بے یقینی اور بھرپور تماشائی تکیف کے اندر حیدروں میں ڈوب گئے۔۔۔ وقت ہر دم کا مرہم ہے۔ یوں دن، صبحیں اور سال گزر رہے گئے تھے اور رفتہ رفتہ زندگی اپنے معمول پر لوٹ آئی تھی۔

مریم نے لیکن بھائی کے طور سے سے گھر فرودخت کر دیا تھا اور فاطمہ کے گھر کے قریب کنکشن میں ایک دو منزلہ عمارت خرید لی تھی۔ یہیں اپنی منزل پر اس نے اپنا ٹیک اسٹور قائم کیا تھا جو کہ سماجی سے چل رہا تھا۔ وہ شروع سے بچپنا کا وہ بار کر چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آدھ لونی میں ماسٹرز کے بعد اس نے انہی ملازمتوں کی آفر کے باوجود اپنا اسٹور بنانے کو ہی ترجیح دی۔ اب وہ اپنے شے میں خاص جانی بچپائی جاتی تھی۔ اس عمارت کی اوپری منزل پر دو کشادہ اپارٹمنٹ بنے ہوئے تھے جن میں سے ایک میں ان کی رہائش تھی۔ اور دوسرا اپارٹمنٹ گرانے پر دیا جاتا تھا جس سے اخراجات میں خاص مدد ہو جاتی تھی۔

مریم چند عتوں میں فاطمہ کے گھر پہنچ گئی۔ کئی بار اندر بھانے کے بعد گیت پر فاطمہ کا چہرہ نظر آیا۔

"فاطمہ! ہم لیت ہو رہے ہیں جلدی آؤ۔" وہ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے بولی۔

پانچ منٹ بعد فاطمہ بھاگتے بھاگتے آئی۔ اس کے پیچھے ہی مریم نے گاڑی بدلاؤ دی۔

لالہ نثار میں بچ لگا رہی ہے آگے۔ ایک خاصا بڑا ہتھ تھا۔ اس کی انگلی انگلی کی نیلائی کے لیے استخوان کی جاتی تھی۔ یہاں عموں عام قسم کے انگلیس کی نیلائی ہوتی تھی۔ یہاں ہر سینے کے پہلے اتوار کو نیلائی ہوتی تھی۔ مریم یہاں سے پہلے بھی کئی بار اشیاء خرید چکی تھی۔ انگلیس میں کافی لوگ موجود تھے۔ ان میں انگلیس اسٹورز چلانے والوں کے ساتھ ساتھ انفرادی شوقین خریداروں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ انگلیس کا بڑا ہاں بے شمار چھوٹی بڑی چیزوں سے بھرا ہوا تھا۔ مختلف اشیاء یوں پر الماریوں میں میزوں پر رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے مالک مقیم الدین جتے میں بہت اچھی طرح جانے جاتے تھے۔ مریم کو سودے کرنا، چیزیں خریدنا بیچنا ہمیشہ سے بہت دلچسپ کام لگتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کا اسٹور چند سالوں میں اچھی خاصی سا کھ بنا چکا تھا۔ وہ نہایت شوق و ذوق سے ہر چیز دیکھ رہی تھی۔

"فاطمہ یہ دیکھو۔" مریم نے سہری پلیر کی شکل میں بنے پاؤں رکس کو برائے شوقی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

شروع ہونے سے قدرے پہلے وہاں پہنچا کارآمد ثابت ہوا ہے۔ یہ اس نے کافی عرصے پہلے ہی سیکھ لیا تھا اور ابھی تو اسے فاطمہ کو بھی پک کرنا تھا۔

فاطمہ اس سے صرف ڈیڑھ سال بڑی تھی اور ان دونوں سے چھوٹا حسن تھا۔ فاطمہ کی شادی اسی بابا کے چچے جانے سے کافی پہلے ہوئی تھی۔ بابا کا اپنا فیصلہ تھا۔ اکبر اور وہ ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ ان کی پسندیدگی کو محبت اور پھر شادی کے فیصلے میں بدلنے میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ پڑھائی ختم ہوتے ہی ان دونوں کی شادی ہو گئی تھی۔ اب فاطمہ اپنے دو بچوں کی پرورش اور گھرباری کے ساتھ ساتھ مریم کے اسٹیک اسٹور پر ہر وقت کام کر کے اپنا شوق پورا کر رہی تھی۔

مریم چند لمحوں میں تیار ہو کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ حسن کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کی نظر لاونچ میں ڈانٹنگ ٹیبل پر موجود کافی پاٹ اور اس کے نیچے دبے کانڈ پر پڑی۔ "یعنی حسن یہاں نکل گئے تھے پر۔" وہ بڑبڑائی۔ کانڈ پر اس کی توجہ کے عین مطابق وہ چلتے گئے ہوئے تھے۔

"آپ! بہت ضروری کچ ہے۔ وہ پھر تک آجائیں گا اللہ حافظ۔"

"یہ لڑکا پتا نہیں کب بڑا ہوگا۔" وہ گاڑی کی چابیاں لے کر باہر نکلتے ہوئے بڑبڑائی۔

حسن لی بی اے کر رہا تھا۔ پڑھائی کی مصروفیات کے علاوہ اس کی غیر نصابی سرگرمیوں کی طویل فہرست اسے سال کے تین سو پچاس دنوں تک مصروف رکھتی تھی۔ وہ شروع سے ہی گھر بھر کا لالہ تھا اور ابی بابا کے جانے کے بعد اسے سنبھالنا سب سے مشکل ثابت ہوا تھا۔

ای بابا کا خیال آئے ہی اس کے ہاتھ اسٹیرنگ پر جم سے گئے۔ ہمیشہ مسلمان اس کا ایمان تھا کہ موت برحق ہے اور یہ اختتام نہیں صرف تبدیلی کا عمل ہے۔ اصل زندگی موت کے بعد ہی شروع ہوگی مگر موت کا دوسرا نام جدائی بھی تو ہے۔ اسے اب وہ دن ایسے یاد تھا جیسے آنکھوں کے سامنے کوئی فلم چل رہی ہو۔ وہ اور حسن ابی بابا کو آخر پورٹ چھوڑ کر آئے تھے۔ بابا کی سینگ تھی اور وہ ابی کو ہمیشہ اپنے ساتھ لے کر جاتے تھے۔ گھر واپس آ کر اس نے اپنے اور حسن کے لیے نانا بنا یا، تھوڑی دیر گپ شپ کی اور پھر فی دی کھولا۔ جہاں سے نشر ہونے والی برینگ نیوز این کی خوشیوں کو بریک لگا گئی۔ ابی بابا جس جہاز میں جا رہے تھے

"تمس قدوز بدست ہے۔"

"اس کے لیے صحیح نقطہ عجیب و غریب ہو سکتا ہے مریم۔" اس نے گویا اس کی سچائی کی۔

"پار! اس دنیا میں کچھ بیکار نہیں ہے عجیب و غریب اور متحکم غیر چیزوں کی بھی ایک جگہ ہوتی ہے۔"

"بالکل۔" فاطمہ نے طاعت سے کہا۔ "تمہارا مشورہ... میں جانتی ہوں۔ تم کمال یہ ہے کہ تم اسکی چیز میں سچ بھی لیتی ہو۔"

"اچھا بس... اب چلو بیٹھتے ہیں۔" دو عورتیں بولنے لگی۔

"ارے... کیا بات ہے، ایک منٹ روکنا... اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔"

وہ ایک پیشنگ تھی۔ اور زیادہ بڑی نہیں تھی۔ زیادہ سے زیادہ اتحاد، ہائی چائیں انج کے لگ بھگ تھی۔ اسے ایک سادہ اور قدورے مضبوط جوتے فریم میں لگایا گیا تھا۔ کیپس پر رنگوں کی بادشاہی کی گئی تھی۔ وہ تجربہ بدی آمدت کا بہترین نمونہ تھی۔

"تم! اسے الٹا دیکھ رہے ہو۔" مریم نے تصویر کو دیوار کے سہارے کھڑے کرنے والے لڑکے کے سے کہا۔ "نہیں یہ ایکن ہی ہے۔" اور خود سے تصویر کو دیکھ کر بولا۔ "اصل میں یہ سنٹ اگلی رہی آئی ہے۔"

"اوکے۔" وہ مسکرائی۔ اسے یہ تصور پسند آئی تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ یہ پیشنگ ضرور خریدے گی۔ نیلامی کی کارروائی شرمناک ہوئے لگی تھی۔ مریم بخوبی سے بڑھنے کی کوشش میں سامنے سے آتے ہوئے ایک طاعون معترض سے ٹکرائی۔

"اوہ معاف کیجیے گا۔۔۔"

"ارے کوئی بات نہیں۔" وہ شفقت سے مسکرایا۔ "تمہاری عمر میں، میں بھی بہت جلدی میں رہی کرتا تھا۔ عجیب بات ہے ناکہ جانے کی عمر میں جب وقت کم رہ جاتا ہے انسان کی رفتار بھی سست پڑ جاتی ہے۔"

"سر؟ پھر بھی میں بہت معذرت خواہ ہوں... نیلامی شروع ہونے والی ہے، آئیے نشست تک چلتے ہیں۔" مریم کو ان کی شخصیت پسند آئی تھی۔

"بالکل... مگر پہلے تعارف، میں جعفر اسلام ہوں۔ پیشے سے متعلق رہا ہوں۔ لہذا ایک پہلے شوق تھا پھر رہا مٹا مٹا سے کچھ پہلے ہی پڑنس میں گیا۔ میری بیوی خدا سے جنت نصیب کرنے کی کوشش کا مشورہ تھا۔ اب اس کا دوبارہ سے کئی لوگوں کا

روزگار چڑا ہے لہذا چار ماہوں۔"

"خوب، میں مریم ہوں کلکشن میں ایک شاپ ہے میری۔" قدوزی دیر میں یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ایک دوسرے کو کمرے سے جانتے ہوں۔ فاطمہ نے ان کی دکان اور گھر کی تصویات نوٹ کر لی تھیں۔

والہی پر مریم کی گاڑی کی ڈکی اور پچھلی سیٹ خریدی ہوئی اشیاء سے بھری ہوئی تھیں۔

"آج کچھ زیادہ عیادیر ہو گئی۔" فاطمہ نے مریم کے گاڑی، اسنادت کرنے کے بعد کہا۔ "مریم! مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم نے وہ پیشنگ خرید لی ہے، اس میں کیا اجڑا لگا ہے؟ یہ ایک بھٹا مشکل ہے کہ بے کیا وہ... مجھے نہیں لگتا کہ تم اسے سچ پاتھو گی... یہ پانچ ہزار روپے ضائع ہو جائیں گے۔"

"میں سمجھتا ہوں، یہ بات بھی گئی۔ تم دیکھنا یہ پک جائے گی اور یہ بھی تو میں اکثر کو قہقہے میں اسے دلی گئی۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔ "پھر تم آرام سے بیٹھ کر اسے سمجھ رہا۔"

وہ شہر کے معروف کاروباری علاقے کی بند اور پہلی ترین عمارت تھی۔ اس عمارت کی دوسری منزل شوکت اللہ کے دفتر کے لیے مختص تھی۔ شوکت اللہ اس وقت اپنی روزوار کی عالی شان میز پر دونوں پاؤں دنگے سست رہا تھا۔ اس کی پیر کے عین سامنے والی دیوار پر آٹھ ایل سی ڈیز لگی ہوئی تھیں جس میں سے ایک پر سی این این، دوسرے پر مقامی نیوز چینل اور باقی سب اس کے بیڑ پر دفتر کے اندرونی مناظر نظر آرہے تھے۔ اس کی نظریں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کا شاندار دفتر اس کی امارت اور ذوق کی بہترین عکاسی کرتا تھا۔ قیمتی شیٹے سے بنی دو الباریاں دنیا بھر سے آئے قیمتی نوپودات سے بھری ہوئی تھیں۔ شوکت اللہ کی شخصیت بھی اس کے ذوق کے مانند نہایت شاندار تھی۔ اس کا لباس عموماً خوبو، جوڑے ہر چیز انتہائی قیمتی تھی۔ کاروباری دنیا میں اسے پڑنس کنگ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، کامیابی اس کی پہچان تھی اور وہ میاں پر کھجور کا گرنے کا عادی نہیں تھا۔ سبکی وجہی کہ وہ شوکت ایڈ کو کے ساتھ ساتھ اپنے طبعی ڈائریز کی اسکریننگ کے حصہ سے میں بھی اتنی ہی کامیاب تھا بقول خود اس کے اسکریننگ اب کسی آمدت سے کم نہیں رہی اور وہ اس آمدت کے ماہرین میں سے ایک تھا۔

دروازے پر ہونے والی ہلکی سی دستک نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرانی۔

خونددے

شوکت اللہ کے لیے وہ بیکار تھا۔ اس نے مشتعل انداز میں اسے مگی زمین پر دے مارا۔

”آخر میرا سامان کہاں گیا؟“

”سرا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یقیناً کہیں کوئی غلطی ہوئی ہے۔“ مصدور ہکلا یا۔

”غلطی...“ شوکت اللہ نے اسے شرور ہار لگا ہوں سے گھورا۔

”فرحان! اس نے سوچا۔ فرحان! اسلام آباد میں اس کے کاموں کا نگران تھا۔ تو جوان، آگے بڑھنے کا

شوٹنگ، لاپچی، سفاک گروہ ہے دقوف نہیں تھا۔ اتنا بے دقوف تو ہرگز نہیں کہ وہ شوکت اللہ کو لاش کر اس کرے۔۔۔

بہر حال اس سب کا جواب تو اسے عیاں دینا تھا۔ ”مصدور فوراً

فرحان سے میری بات کرواؤ۔“

”جی سر۔“ وہ تیزی سے میز پر دیکھے فون کی طرف بڑھا۔

شوکت اللہ اس دوران میں ڈبے میں موجود ہائی اشیاء کو ہاری ہاری توڑتا جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

تعبیر دس وقت شدت سے جانے کی طلب محسوس کر رہا تھا۔ آخری کارڈنگ مین کی میز پر رکھ کر اس نے تنقیدی نگاہوں

سے اپنا رمنٹ کا جائزہ لیا۔ وہ بیڈ روم، لاونج، اسٹڈی اور ڈورنگ روم پر مشتمل یہ خاصا کشیدہ اپارٹمنٹ تھا، چرچیز

مالکان کی ذالی توجہ اور دیکھ بھال کی عکاسی کر رہی تھی۔

سامان اوپر اٹاتے ہوئے اسے سیز جیوں کی ریجک الہیت بہت کمزور محسوس ہوئی تھی۔ اس کے انداز سے کے مطابق وہ

ایک تین سالہ بچے کا وزن بھی نہیں سہار سکتی تھی۔ میز جیوں سے ہر پر آتے ہی ایک مختصر سی ہل نما جگہ میں آسنے سامنے

دونوں اپارٹمنٹ بنے ہوئے تھے۔ اس کا سارا سامان میٹ اور چکا تھا۔ اس کا سابق ساتھی اور پرانا دوست ایسرا پی

آصف لودھی اس کی مدد کے لیے آیا تھا۔ کام تقریباً ختم ہو چکا تھا۔

اب وہ آرام سے اپنے لیے چائے کا گرم کپ تیار کر سکتا تھا۔ وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں الیکٹرک کھیل میں

پانی گرم کرنے لگا۔ ابھن اس کے دل و دماغ پر کشش مارے بیٹھی تھی۔ وہ زندگی میں ایک بالکل نئی شروعات کرنا

چاہتا تھا۔ پونیس کی ملازمت سے استعفیٰ کے بعد اس کا نئی شروعات کی جانب پہلا قدم تھا۔ اس کے چہرے نے استعفیٰ

قول کرنے کے بجائے اس کی طویل چٹھی منظور کر لی تھی مگر

تعبیر اپنی طرف سے خود کو تسلیم کر چکا تھا۔ اب وہ پولیس میں

تخلی رہا تھا، وہ اپنی زندگی کے چودہ سال اس نوکری کو دے چکا تھا۔ اس کے خیال میں یہ بہت تھا۔

”کم ان۔“ اس کی ہمدانی تھکسا نہ آوار کے کمرے

میں کو فحشی ہی مصدور عباسی اندر داخل ہوا تھا، وہ ایک مختصر الوجود شخص تھا جو شوکت ایڈ کو میں انگریزیکٹو اسسٹنٹ

کے ہمدانی عہدے پر فائز تھا۔ اس وقت اس کے چہرے پر ہوائیاں گز رہی تھیں۔

”سرا مجھے اسوس ہے مگر... ایک چھوٹا سا مسئلہ ہو گیا ہے۔“

”مسئ۔“ شوکت اللہ نے اہمراٹھا کر اسے دیکھا، اس کے ہوتوں پر حسب معمول انکی ہی مسکراہٹ تیر رہی تھی

مگر اس کی آنکھیں سفاکی سے اپنے قاطب کو گھور رہی تھیں۔

مصدور، شوکت اللہ کے خوفناک غصے سے انکی طرح ہوا تھا۔ افسانہ اسی لیے جب وہ بولتا تو اس کی آواز لرز رہی تھی۔

”سرا! اسلام آباد سے جو شینٹ آتا ہے...۔۔۔۔۔“

”کیا اس میں تاخیر ہوئی ہے؟“

”نہیں سر... وہ آتو فنی ہے مگر اس میں دو نہیں ہے جو آپ نے منگوایا تھا، کہیں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔“

”جو کچھ ہے وہ لے کر آؤ... فوراً۔“ شوکت اللہ فرمایا۔

”جی سر۔“ مصدور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

شوکت اللہ نے اس سامان کے لیے لاکھوں روپے خرچ کیے تھے۔ اسے اس کا منج سے انتظار تھا اور اب یہ

گڑبڑ... اس نے خود کو پُر سکون رکھنے کے لیے سگار منگایا۔

جس کپی کی غلطی ہوئی اسے سزا ضرور ملے گی اور کو یا اپنے آپ کو شینک دلار ہا تھا۔

مصدور عین ہی چند لمحوں میں ڈالیں آ گیا۔ ان اس کے ساتھ ایک یاد رہی چیز اسی بھی تھا جو کارٹ میں ایک

کارڈنگ رکھ کر ساتھ لایا تھا۔ وہ مصدور کا اشارہ پاسے ہی کارٹ دہاں رکھ کر فوراً باہر نکل گیا۔

”مصدور! مجھے دکھاؤ تو اس میں ہے کیا...؟“

اس نے لرزتے ہاتھوں سے کارڈنگ کھولا۔ اس میں

تھرموپول کی محفوظ پیکنگ کو ہٹاتے ہی جو کھلی چیز اس کے ہاتھوں میں آئی وہ ایک خوب صورت لی پائ تھا۔ شوکت

اللہ نے اسے اس کے ہاتھوں سے لے کر دیکھا وہ واقعتاً کارنگری کا نمونہ تھا مگر اس کی قیمت سو ڈیڑھ سو دلار سے

زیادہ نہیں تھی۔ شوکت اللہ نے اسے زمین پر دے مارا۔

”اور...؟“ وہ فرمایا۔

مصدور نے ڈبے سے ایک خوب صورت اٹالین گھڈان نکالا۔ اس کی خاصیت اس کا پیڑ میڈ ہونا تھا مگر

ابھی تک اسے سامنے والے اپارٹمنٹ سے ہلکی سی آواز بھی سنائی نہیں دی تھی۔ لیکن اب پھر اس شخص نے اسے یقین دلایا تھا کہ اسے پُر سکون ماحول بنے گا۔ یہ عمارت کلکشن کی مصروف شاہراہ کے بالکل نزدیک تھی۔ اسے معلوم تھا کہ ہلکی منزل کی دکان کے لیے محض بے گھر سے اس عام شور سے کوئی سروکار نہیں تھا، وہ کسی سے کوئی تعلق رکھتا نہیں چاہتا تھا۔ خوب صورت اور وسیع و عریض قفص کی جگہ اس اپارٹمنٹ میں رہتا بہر حال ایک آرامانی تبدیلی تھی۔ اب وہ درمیان میں قریبی کسی کے بارے میں کچھ سوچتا نہیں چاہتا تھا۔ وہ چائے کا کپ لے کر لاؤنج میں رکھی آرام کرسی پر بیٹھا تھا کہ چائیک اس نے کوئی آواز سنی۔ وہ اپنی جگہ ساکت سا ہو گیا۔ چند لمحوں میں وہ آواز دروازہ کھلنے لگی کی ہلکی سی ہنسی اور پھر میز صوفوں پر قدموں کی چاپ میں داخل ہوئی۔ قہر نے سر جھکا اور چائے پینے لگا۔

مریم حسبِ عادت گنگنائی ہوئی میز صوفیاں چڑھ رہی تھی۔ اس دوران میں وہ منظر ایک میں چائیاں بھی تلاش کرتی جا رہی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ سن گھر پر نہیں ہے، اس کی کچھ دیر پہلے ہی اس سے بات ہوئی تھی۔ اسے گھر لوٹنے میں کم از کم ایک گھنٹا اور لگتا تھا۔ اوپر ہال دے میں قدم رکھتے ہی اسے دوسرے اپارٹمنٹ سے آتی روشنی نظر آئی۔ "اوہ تو نیا کمرے دار آ گیا ہے۔" اس نے سوچا۔ اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ مریم تھوڑا آگے بڑھی۔ وہ سامنے لاؤنج میں رکن آرام کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اس کی توجہ کھینچنے پر بند گھڑی نے اپنی جانب کھینچی تھی۔ وہ یقین طور پر ایک جیسٹن دو انگلیس تھی۔ لاؤنج میں چار کرسیوں والی ڈائننگ ٹیبل، ایک آرام کرسی لمبی لمبی اور ویٹ لفٹنگ کا کچھ سامان رکھا ہوا تھا۔ مریم نے اب اس کا جائزہ لیا۔ وہ طویل قامت، کمرتی جسم اور بہترین شخصیت کا مالک تھا۔ اس کے منظر یا لے بال پیشانی پر گھرے ہوئے تھے۔ عین اسی وقت قہر نے سر اٹھا کر اہلکار دیکھا۔ دروازے پر کھڑی مریم کو دیکھ کر وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا تھا۔ اس کی سیاہ آنکھیں سخت سے اسے ٹک رہی تھیں۔

"آپ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔" مریم معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

"تو... وہ دروازے کی طرف آ گیا۔"

"میں مریم ہوں... سامنے والے اپارٹمنٹ میں رہتی ہوں آپ کو یہاں خوش آمدید، کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے؟" اس نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

"جی نہیں...۔" قہر نے یہ کہہ کر کھٹک سے اس کے عہد پر دروازہ بند کر دیا۔ مریم کاٹھ کھٹے کا کھلا رہ گیا تھا۔ وہ چند لمحوں کے بعد کھٹک کے عالم میں وہیں کھڑی رہی پھر کھٹائی ہوئی اپنے اپارٹمنٹ کی جانب بڑھی، ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے وہ لون کی طرف ہلکی۔ اسے فی الفور لیکنٹ سے بات کرنا تھی مگر اس کا منہ مسلسل بند آ رہا تھا۔ فون بیٹ کے نیچے رکھے لیئر ایئرینٹ اور اس کی کاپی پر نظر پڑتے ہی اس کا رمانچ پھر محسوس کیا۔ اس نے لیئر کی کاپی اٹھائی اور اپارٹمنٹ سے باہر نکلے۔ قہر کا دروازہ کھلی دنگ پر کھل گیا تھا۔

"یہ آپ کے دروازے کے لیے ہے۔" اس نے لیئر کی کاپی اس کی جانب بڑھاتے ہوئے سخت انداز میں کہا۔

"مگر یہ آپ کے پاس کیوں کر رہی ہے؟" قہر نے لیئر لیتے ہوئے کہا۔ "اس شخص نے یہ آپ کو کیوں دی؟"

"یہ تھک رہا ہے۔" قہر نے میرا ہونے کی ہے اور یہ عمارت میری ملکیت ہے۔" وہ قہر سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "اور اس گھر یہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو ادا کرنا ہوتا ہے آپ کے لیے بھر ہے کہ آپ اس کا چیک میرے دروازے کے نیچے سے سر کا دیا کریں اور... اپنا دروازہ بند رکھا کریں تاکہ آپ خود کو انسانوں سے ابھی طرح محفوظ رکھ سکیں۔" وہ بات ختم کر کے مڑی اور خارج ہوئی اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ بند کر کے مطمئن انداز میں کمرے کی طرف چل دی۔

☆☆☆

فرحان کا سارا پروگرام دھڑے کا دھڑا رہ گیا تھا۔ اسے اس وقت پر ایم کوڈ میز سرورس کے دفتر کی جگہ فارم باؤس پر اپنے دوستوں کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ اسے پیکٹ کی تبدیلی سے حلقی سوالات کا جواب چاہیے تھا اور اسے وہ جواب فوری طور پر درکار تھا کیونکہ شرکت اللہ اس سے کل شام جواب طلب کر چکا تھا۔ کراچی سے آنے والی کال بہت دلچسپ تھی۔ اسے چوبیس گھنٹوں میں گمشدہ سامان تلاش کرنا تھا یا پھر نتائج کے لیے تیار ہونا تھا۔ نتائج کیا بلکہ کیا کیا ہو سکتا تھا، یہ وہ سمجھ سکتا تھا۔ اس نے گھڑی کی جانب دیکھا اس کے پاس موجود مہلت کے صرف سولہ گھنٹے باقی رہ گئے تھے اور وہ یہیں کرسی پر بیٹھا سپردِ اندر کا انتظار کرنے پر مجبور تھا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"مسٹر فرحان معاف کیجیے گا، آپ کو انتظار کرنا پڑا... آپ کچھ لینا پسند کریں گے؟" ہال آخر سپردِ اندر کمرے میں آ گیا۔

ہیں... پلیز مجھے معاف کر دیجیے۔ اس روز ایک اور اتنا بڑا منہ کھج کر لہجہ روانہ ہوا تھا۔ الوانسو کی غلطی کی وجہ سے ایڈریس بدل گیا تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ فرحان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "یقیناً آپ کا سامان اس پتے پر چلا گیا ہے۔"

فرحان نے بے صبری سے کاغذ کو دیکھا اس پر ایک پتا تحریر تھا۔ تیم الدین، بلاک نمبر 111، لالہ زارہ کراچی، اس نے وہ کاغذ اپنی جیب میں رکھ لیا۔

"پلیز فرحان صاحب! آپ میری شکایت مت کیجیے گا۔" وہ ابھی تک گھبرائی ہوئی تھی۔

"میں ہاں پتے کو چیک کر لوں۔ اس بات کا فیصلہ اس کے بعد ہوگا۔" وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

آج وہ صبح سے ہی کافی مصروف تھے۔ اس وقت بھی اسٹور میں نین گاہک موجود تھے۔ ان میں سے ایک کو انجیل دیکھ رہی تھی۔ انجیل، مریم کے پاس اسٹنٹ اور سٹل گرل کے طور پر کمرے سے کام کر رہی تھی۔

"مریم! تمہارے پاس کوئی ایجنسی اسٹیشن ڈور اسٹا پرز ہیں؟" یہ اس کی پرانی گاہک مسز صفد تھیں۔ وہ کالی دیر سے اسٹور میں موجود تھیں مگر شاید وہ فیصلہ نہیں کر پارہی تھیں کہ انہیں کیا خریدنا ہے۔

"بالکل موجود ہیں اور یہ زیادہ تر وکٹورین عہد کے ہیں۔"

"میری بھانجی شہلا حال ہی میں اپنے نئے گھر میں شفٹ ہوئی ہے۔ میں اسے کوئی تحفہ بنا چاہتی ہوں۔"

"کیا آپ خاص طور پر انہیں ڈور اسٹا پر ہی دینا چاہتی ہیں یا میں اور چیزیں بھی دکھاؤں؟" اس نے پوچھا۔

"اصل میں شہلا بوفیک چلاتی ہے اس نے جو گھر خریدنا ہے وہ قحوظ اچرانا ہے وہ جس کمرے میں ملائی اور

ایڈائننگ کا کام کرتی ہے اس کا دروازہ کھلا نہیں رہتا جبکہ اس کا بیٹا بہت شرمیلے ہے ابھی تین سال کا ہوا ہے اور ایک منٹ بچلا نہیں دھشتا۔"

"چاہتی ہے کہ دروازہ کھلا رہے تاکہ وہ اس پر نظر رکھ سکے۔ میں نے اس کی سالگرہ پر چھبھاری دکان سے اسے ایک گلدان خرید کر دیا تھا وہ اسے بہت پسند آیا تھا۔"

"ہاں، یاد آیا جس پر ستارے، پھول اور میٹڈک بنے تھے۔"

"تمہیں یاد ہے اب تک؟" وہ اسے تعریفی

"نہیں... میں نے کراچی میں شوکت اللہ صاحب کے نام ایک کارڈن روانہ کیا تھا مگر انہیں اس کی جگہ کوئی اور پیکٹ ملا ہے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ پیشہ ورانہ مہارت کا کون سا کمال ہے؟" اس نے نہ ہرے لکے میں پوچھا۔

"اوہ...!" سہرا انور نے اس کے لکے پر ہلکا کر اس سے رسید طلب کی اور پتا کیپوٹر آن کیا۔ "سہرا... ہم نے یہیں اس کی پینٹنگ کی تھی پھر یہ غلطی کیسے ہو گئی؟" وہ خود حیران تھا۔

"یہی تو سوال ہے۔" فرحان چڑ کر بولا۔ "اور اس کا جواب آپ کو دینا ہے۔"

"یہ آرڈر اسٹیشن نمبر تین سے روانہ ہوا تھا مجھے دیکھنے دیجیے کہ وہاں کس کی ڈیوٹی تھی... صنوبر... میں اسٹاف سے بات کرتا ہوں۔"

"مجھے اس شخص... اس صنوبر سے خود بات کرنی ہے۔" فرحان فرمایا۔

"وہ شخص نہیں خاتون ہے۔" سہرا انور بولا پھر ریسیور اٹھا کر اس نے کسی کو صنوبر حسین کو اندر بھیجے کی ہدایت دی۔

صنوبر چھوٹے سے قدم کی دلی پتل خاتون تھی۔ سارے موٹے کون کر دے گھبرا گئی۔

"میں چیک کرتی ہوں... اصل میں دیکھنے دینے بہت پریشان رہی ہوں، میرا بیٹا بہت بیمار تھا اور مجھے کئی کئی

بازے تھیں۔" "تو یہ ساری باتیں سن کر تو دل میں ہلکا ہے۔"

"جیسے تو یہ... وہ بہت بیمار تھا۔"

"میں کوشش کر رہی ہوں مگر آپ مجھ سے اس طرح بات نہیں کر سکتے۔"

"نہ کر سکتا ہوں اور اگر میرا کام نہ ہوتا تو تم اپنی نوکری سے فوری طور پر باہر ہو جاؤ گی اور یہ میرا وعدہ ہے۔" وہ سرد لکے میں بولا۔

"پلیز... مجھے نوکری کی شدہ ضرورت ہے میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔" وہ رو باکی ہو کر بولی۔ "دیکھیے ہو سکتا ہے کہ مجھ سے الوانسو میں غلطی ہو گئی ہو۔ میں ابھی چیک کر چکی ہوں... مجھے بہت افسوس ہے۔"

"تمہیں اور زیادہ افسوس ہوگا اگر مجھے اپنے سامان کے بارے میں جلد معلوم نہ ہو سکا تو۔" وہ بولا، صنوبر سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی گئی۔ وہ جلد ہی لوٹ آئی تھی۔

"میں نے اس روز کے سارے کاغذات دیکھ لیے

"مریم سہا اور آپ؟" اسے یاد آیا کہ کل صفے میں وہ لیز پر اس کا نام دیکھنا بھول گئی تھی۔
"میرا نام فقیر علی ہے۔"

"دیر سے سنی چلیے قمار کی رسم تو ہوئی۔ یہ بکس 1770 میں ہرکا کی پروڈکٹ ہے۔ یہ شاہ ایدہ اورڈ کے استعمال میں رہا ہے اور اس کی قیمت ساٹھ ہزار روپے ہے۔"

"اس قدر زیادہ؟..." فقیر نے بکس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی تفصیل سے بھی پھوٹا تھا۔
"جی، تاریخی اعتبار سے یہ خاصی اہمیت کا حامل ہے۔"

"ہوگا..." فقیر نے اسے اسی احتیاط سے میز پر داپس رکھ دیا جیسے وہ کوئی بم ہو اور ڈراما کی بے احتیاطی سے پھٹ سکتا ہو۔

"میرا خیال ہے کہ میں پھولوں کا گلدستہ بنالے جاتا ہوں۔"

"بہتری ہے اس فن میں مگر وہ صرف ایک دن میں ختم ہو جائیں گے۔" مریم کو اس کے انداز پر ہنسی آگئی۔ "اگر آپ پسند کریں تو مجھے خاتون کے بارے میں بتائیے۔ اس طرح میں بیٹ کے اندر اچکی چیز لینے میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔"

"وہ میرے دوست کی بیوی ہیں، چٹے کے اعتبار سے اکاؤنٹ اور تین بچوں کی ماں ہیں۔ مجھے انہوں نے کھانے پر مدد کیا ہے اور اس لیے میں کوئی تحفہ لے کر جانا چاہتا ہوں۔" اس نے بتایا۔
"اوکے۔ یعنی خطے کو زیادہ ذاتی نوعیت کا نہیں ہونا چاہیے۔ آپ انہیں گھر کے حوالے سے کچھ دے سکتے ہیں۔" مریم نے کچھ سوچتے ہوئے دوسرے کمرے کا رخ کیا جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں لکڑی کا خوب صورت جادو تھا جسے تانبے میں تراشا گیا تھا۔
"یہ... ہینکٹ وغیرہ کے لیے ہے نا؟" فقیر نے پوچھا۔

"جی ہاں... یہ لوک کا ہے اور 1870ء کا بنا ہوا ہے۔ استعمال میں بہترین اور دیکھنے میں قیمتی... اس کی قیمت صرف دو ہزار روپے ہے۔ میں آپ کو بجلی پار خریداری پر دس فیصد سکاؤنٹ دے رہی ہوں۔"

"شکریہ..." اس نے جواب دیا۔

"کیا میں اسے پیک کر دوں؟"

"بالکل..."

ظہروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔
"مجھے بخود نہیں بہت پسند آیا تھا۔" مریم مسکرائی۔
"مجھے خوشی ہے کہ اسے ایک اچھا گھر مل گیا۔"

اسی وقت داخلی دروازے پر کئی گھنٹیاں بیٹھ گئیں۔
مریم کو اندر داخل ہونے والے کو دیکھ کر حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ نیا کرائے دار تھا۔ مریم نے اسے اندر آتے دیکھا مگر بے نیازی سے اپنے کام میں مصروف رہی۔

"اگر شہلا کو وہ پسند آیا تھا تو پھر ان کو شاید یہ بھی پسند آئے گا۔" اس نے اگلے ریک کے اوپر دکھاتا ہے سے بتا دیا اس بات کی نرا اور اسٹاپر نکالا۔ "یہ لیٹی بزنس سے منسلک رہا ہے اور اس کا نام جو ہے۔"

"اوہ بہت خوب..." مسز صلور کو جیو بجلی نظر میں پسند آ گیا تھا۔ دوسری نظر میں انہوں نے اس کے ساتھ لگنے قیمت کے ٹیگ پر غور کیا۔ "یہ بالکل ٹھیک رہے گا۔" وہ اطمینان کی سانس لے کر بولیں۔

"کیا میں اسے گنٹ پیک کر دوں؟"

"ضروری۔" وہ مسکرائیں اور پھر چیزوں کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئیں۔ اس بار انہیں ایک سوئے ہوئے کتے کا مجسمہ پسند آیا تھا۔ اسے مریم دو دن پہلے نکالا اور زار کی ٹیلائی سے خرید کر آئی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ میں یہ بھی لے لوں..." یہ مجھے بہت پسند آیا ہے..." انہوں نے قیمت کے ٹیگ کو پام۔
"میں کارڈ سے ہینکٹ کر سکتی ہوں نا؟"

"بالکل..." اس میں چند لمبے تھپن کے آپ بلیز تب تک چائے نہیں۔ "مریم نے ساتھ ساتھ پورے چائے کے گلاسک اور ہینکٹ کے جاذبی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ان کی دونوں چیزیں لے کر کواؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔
"آپ کو کیا اور کار ہے؟" اگر آپ برائے نام نہیں تو کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتی ہوں؟" اس نے بچے کرائے دار کے قریب سے گزرتے ہوئے غری سے پوچھا۔
"بالکل مجھے ایک خاتون کے لیے گھٹ ورکار ہے۔"

"تو کچھ پسند آیا..."

"ہاں یہ بکس..." فقیر نے لکڑی کا چھوٹا سا بکس پسند کیا تھا۔ اس پر سرخ گلاب استھالی خوب صورتی اور کارنگری سے بنائے گئے تھے۔

"اور، آپ کا ذوق بہت بہترین ہے۔" مریم سراپے والی ظہروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"شکریہ..."

درمختج

چیک کرنا شروع کیا۔ چند لمحوں بعد ہی وہ پرانے زمانے کے
تھے کہانیوں کے کرداروں کے مانند پہلے ہنسنے اور پھر رونے
پر مجبور ہو گیا۔ وہاں تمام چیزیں موجود تھیں۔ تجریہ کی آرٹ
کی چیتنگ، چائے کا سوتے ہوئے کتے کا بھس، سوروں سے
سجا گھٹان، لکاشی کا عتاب، کرشل کا غول اور عیسے آزادی کی
خوب صورت نقل۔۔۔ مگر مایوسی کن بات یہ تھی کہ ان میں سے
کوئی چیز مقیم الدین کی ملکیت میں موجود نہیں تھی۔ وہ تمام
کی تمام چیزیں نیلائی میں بک چکی تھیں۔

اس کی دوسری جیب میں ان اصل نادرا اور قیمتی ترین
چیزوں کی لسٹ تھی جو ان کم قیمت اشیاء کے اندر نہایت
فٹکار دی اور مہارت سے چھپائی گئی تھیں۔ انہیں عام طریقے
سے اسی لیے بھجوا دیا گیا تھا کہ کسی کو ان پر ڈراما بھی شک نہ ہو
پائے۔ یہ کام بڑی آسانی اور کامیابی کے ساتھ مری سے
جاری تھا۔

"اسی روز نیلائی بہت کامیاب رہی تھی۔ میں آپ کی
پریشانی سمجھ سکتا ہوں مگر ہمارے غم میں کچھ نہیں تھا پھر
سوچتے سمجھتے کا وقت بھی نہیں ملا۔ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ
کوئی بڑا وقت پر ملے ہیں مگر ایسی غلطی پہلے بھی نہیں ہوئی۔
بہر حال، میں آپ کے ساتھ پورا تعاون کروں گا۔ میں آپ
کو اس روز فروخت ہونے والی اشیاء کی تفصیل، خریداروں
کے ناموں کی لسٹ اور ان کے پتے فراہم کروں گا۔ میں آپ
ان سے مل کر بات کر لیں۔ شاید آپ کا مسئلہ حل ہو جائے۔"
مقیم الدین ہمدردی سے اس کی جانب دیکھ کر بولے۔ "نظارہ
سامان شاید آپ کے پاس پہنچا ہوگا آپ ہمیں وہ واپس بھجوا
دیں ہم آپ کے سامان کی قیمت آپ کو دے دیں گے۔"
فرحان جانتا تھا کہ یہ سب کتنا مشکل نہایت ہوسکتا تھا
اسی طرح اسے کئی دن تک ہفتہ بھر تک تھا اور شوکت اللہ
اتکا انتظار کرنے والا نہیں تھا مگر اب وہ بھی کر سکتا تھا۔

میں منٹ بعد جب وہ وہاں سے نکلا تو اس کے
سامنے امید کی ایک کرن موجود تھی۔ ان اشیاء کے خریداروں
میں سے ایک کی دکان اور گھر ہمیں لالہ زار میں موجود تھا۔
اگر وہ وہاں سے چھ مئی سے ایک چیز حاصل کرنے میں
کامیاب ہو جاتا تو شاید شوکت اللہ کا غصہ کچھ کم ہو جاتا اور
اسے مزید وقت مل سکتا تھا۔ اس نے لسٹ میں سب سے اوپر
لکھے اس ۴م کو دہرایا "جعفر اسلام" اس نے
سوروں سے سجادہ گھٹان نیلائی سے پانچ ہزار روپوں میں
خریدا تھا وہ اسے اس کی دینی قیمت دے سکتا تھا یقیناً وہ تیار
ہو جائے گا۔ یہ سوچ اس کے ہوتوں پر مسکراہٹ لے آئی مگر

"امید ہے کہ یہ حملہ آپ کے دوستوں کو پسند آئے
گا۔" مریج نے رسید اور پیکٹ اس کی جانب بڑھاتے
ہوئے کہا۔ "تجربہ خاموشی سے پیکٹ لے کر باہر نکل گیا۔
"عجب آدمی ہے۔" وہ بڑبڑائی۔ مسئلہ یہ تھا کہ عجب
چیز یہاں سے ہمیشہ سے پرکشش محسوس ہوتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

فرحان کے ہاتھ اسٹیرنگ پر جمے ہوئے تھے۔ کار کو
اٹرپورٹ کے پارکنگ لٹ میں روکتے ہوئے اس نے
ڈیش بورڈ پر دیکھے جیکبیری کو اٹھایا۔

"مجھے شوکت اللہ صاحب سے بات کرنی ہے۔"

رابطہ ہونے ہی وہ بولا۔

"بولو۔۔۔" چند لمبے بعد شوکت اللہ کی بھاری آواز
سنائی دی۔

"سرا میں نے تمام معلومات حاصل کر لی ہیں، کوڈ میٹر
سروں کی ایک اعلیٰ ٹکرک نے ہمارا پیکٹ لالہ زار کے ایک
پتے پر روانہ کر دیا تھا اور ان کا سامان آپ کو موصول ہو گیا۔
میں فوری طور پر کراچی کے لیے نکل رہا ہوں۔"
"اچھا۔۔۔ اور تمہارے اس "فوری" کی کیا تعریف
ہے؟"

"سرا میں اٹرپورٹ پر ہوں، وہ گھنٹے میں کراچی
میں ہوں گا۔ اٹرپورٹ پر کرائے کی گاڑی میری منتظر ہو
گی۔"

"ٹھیک ہے، تم جانتے ہو فرحان کہ وہ سب میرے
لیے کتنا اہم ہے۔ اسے مجھ تک یہ حفاظت پہنچانا تمہاری
ذمے داری ہے۔ تمہیں یہ قیمت پر یہ کام کرنا ہے کسی بھی
طرح، سمجھ رہے ہو نا۔۔۔ کی اپنی قیمت پر۔" اس کی سرد آواز
فرحان کو اپنی ہڈیوں میں اتارتی محسوس ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

چار گھنٹے بعد لالہ زار کے بجلا نمبر 111 کی انٹیکسی
میں مقیم الدین کے سامنے بیٹھا تھا۔ مقیم الدین فائل چیک
کر رہا تھا۔

"یہ دیکھیے۔۔۔ یہ لو انہیں اور یہ اس روز آنے والے
پیکٹ میں موجود سامان کی لسٹ۔۔۔ آپ دیکھیے کیا یہی آپ کا
پیکٹ تھا، اصل میں جب یہ پیکٹ پہنچا نیلائی شروع ہو چکی
تھی۔ ہنگامی طور پر وہ سامان بھی اس میں شامل کر دیا گیا
تھا۔" مقیم الدین نے فائل سے لسٹ نکال کر اس کی جانب
بڑھاتے ہوئے کہا۔

فرحان نے اپنے پاس موجود لسٹ نکال کر سامان

کر دھپانا خدا نرس دھکا دیا۔ جعفر اسلام اچھل کر زمین پر گر پڑا۔ فرحان نے کلب کو اوپر اٹھایا اور پوری قوت سے زمین پر گرے جعفر اسلام کے سر پر سے مارا۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ اسے ذرا سی آواز لگانے کی بھی صہانت نہیں مل پائی تھی۔ وہاں سے بھاگنے سے پہلے فرحان اس کی موت کا یقین کرنا نہیں بھولا تھا۔ جب پولیس کے سائرن کی آواز اس کی سماعت سے ٹکر لگی وہ کئی گھیاں آگے بٹھ چکا تھا۔

سڑک پر ٹپکتے ہی اس نے شرکت اللہ کو فون کیا اور اپنی کامیابی کی خبر سنائی۔

”اچھل گھسٹیل درکار ہے فرحان۔“ وہ متاثر ہوئے بغیر بولا۔

”جی سر۔“ اس نے عظیم الدین واسٹ ہوور پھر جعفر اسلام تک پہنچنے کی داستان بتا دی۔ ”اس دوران حصول کی دشواری پیش آئی گی سر۔۔۔ وہ دکاندار مرچکا ہے۔“

”او۔۔۔ پھر تیرے خیال میں تم نے عظیم الدین کا بندوبست بھی کر دیا ہوگا؟“

”اس کا بندوبست۔۔۔؟“ فرحان سمجھ نہیں پایا تھا۔

”محق انسان۔۔۔ وہ نہیں اس حادثے سے جوڑ سکتا ہے۔۔۔ ہے کہ نہیں؟ اور تم تک پہنچنے کا مطلب ہے مجھ تک پہنچنے کی راہ ملنا اور میں یہ کی صورت میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا شعور ہے کہ تم اس راستے کو فوراً بند کرو۔ اس کے بعد میرا سامان لے کر واپس پہنچو۔۔۔“ وہ فرایا اور فون بند کر دیا۔

اب فرحان کی کار کا رخ عظیم الدین کے بنگلے کی جانب تھا۔ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔۔۔ گولی چلانے میں ایسے ہی کتنا وقت لگتا ہے۔ وہ جیب میں پڑے دیوالیہ پر ہاتھ رکھ کر مسکرایا۔

☆☆☆

کئی چھپتا یہ نہیں لگ رہا پر دیکھ کر تم اپنی حد سے باہر نکل رہے ہو۔“ مریم کا چہرہ دلالی بھوکا ہوا تھا۔

”تم اتنا ناراض کیوں ہو رہی ہو؟ کیا کسی کو پسند کرنا

کوئی جرم ہے؟“

”پسند کرنا بالکل جرم نہیں ہے لیکن کسی پر خود کو اس طرح مسلط کرنا جرم ہی ہے۔“

”ہم کو تو یہی اور تمہیں کبھی نہ کبھی شادی کرنا ہی ہے تو پھر مجھ میں کیا برائی ہے؟“ وہ صوفے سے کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

جعفر اسلام کے اسٹور کے سامنے پہنچ کر اس کی مسکراہٹ دم توڑ گئی تھی اس کی دکان بند تھی۔ اس نے ٹکڑی اور شیشے کے بے دروازے کے کباب کو گھمانے کی کوشش کی مگر وہ مضبوطی سے بند تھا۔ انتہائی مایوسی نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا اسے معلوم تھا کہ شرکت اللہ کو پوری تنہا رکھا تھا۔ وہ اندر جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس دوران اس نے ایک پوڑھے جوڑے کو وہاں سے گزرتے دیکھا، اس کی مٹھیاں اچھی لگیں۔ جروہ نہیں چاہتا تھا وہی ہو رہا تھا۔ ان کے ہاں سے جاتے ہی وہ اپنی کار کے پاس پہنچا۔ گھوڑکیا منسٹ میں رکھے فون بکس سے اسکر وڈ رائیج دکھایا اور دکان کا جانب بڑھا۔ گھبراہٹ میں اس کی ڈھال جتا جا رہا تھا۔ اسے اس دکان میں کسی سیکورٹی سسٹم کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ اسکر وڈ رائیج کی حد سے وہ ایک منٹ میں دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو گیا اور تیزی سے اندر داخل ہو کر اس نے اپنے پیچھے دروازہ بند کر لیا۔ اس چوری کو ڈھکی کی عام واردات ظاہر کرنے کے لیے اس نے معمولی سی تور پھوڑ ضروری سمجھی ساتھ ہی پھولی مولی چیزیں اپنی جیبوں میں بھرنا شروع کر دیں۔ گاؤنٹر کے سیدھے ہاتھ والی الماری پر وہ موجود تھا جواسے درکار تھا، موروں والا گلدان دیکھ کر اس نے اطمینان بھری گہری سانس لی۔ ”وہ مارا۔۔۔ وہ دلی بلی اول میں بولا اور گلدان کو اٹھالیا۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ سماعت سے ہو گیا دکان کے فرش پر روشنی اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔“

”میں پولیس کو فون کر چکا ہوں۔“ وہ پوڑھا آدھی نیچے اترتے ہوئے زور سے بولا۔

فرحان بیٹے میں ادب کیا۔ آہستہ بیٹے ہی وہ غصے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ اب اس کی کچھ میں آ رہا تھا کہ غالباً دکان کا بالک دکان کے اوپر تھا، ہاتھ پڑ رہا تھا۔ دکان میں آوازیں سن کر وہ نیچے اتر اٹھا اور اس سے برابہ ہوا تھا کہ وہ پولیس کو فون کرتا ہوا آیا تھا۔ کاش وہ خاموشی سے اپنا کام کر لیتا مگر اب پچھتاوے کا وقت نہیں تھا اس سے غلطی ہوئی تھی مگر اس سے بڑی غلطی اسی ہوڑھے سے بچے آکر ہوئی تھی۔ اس نے سوچا۔

اس نے موروں والے گلدان کو فٹ پال کے مانند اپنے ایک بازو میں اٹھایا اور تیزی سے جعفر اسلام کی جانب بڑھا۔ جعفر اسلام کے ہاتھوں میں گولف کلب تھا جسے وہ ہتھیار کے طور پر ساتھ لایا تھا۔ فرحان کو دیکھتے ہی اس نے کلب کو گھمایا۔ فرحان کے ہونٹوں پر اسے دیکھ کر ایک سٹاک مسکراہٹ ابھری۔ اس نے کلب کو درمیان سے پھر

سے پوچھا تھا کہ مجھے کچھ اور کار تو نہیں، یاد ہے؟
 "جی ہاں تو پھر..."

"تو مجھے ذرا دیر سے سی ٹیگرپ اس کا جواب کچھ
 میں آیا ہے۔"

مریم کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتی
 رہی۔

"مجھے ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟"

"چائے...؟" وہ اس کی فرمائش پر حیرت زدہ رہ
 گئی پھر کندھے اچکا کر بولی۔

"اگر آئیے۔" چائے بننے کے دوران وہ قہر کو
 پرویز کے بارے میں تمام تفصیلات مع اپنے تاثرات سے
 مطلع کر چکی تھی۔

"آپ کیا کرتے ہیں؟" چائے پیتے ہوئے اسے
 خیال آیا۔

"آپ کے بھائی نے مجھ سے میری تمام تفصیلات
 طلب کی تھیں اور غائب کچھ ریفرنسز بھی لیے تھے۔"

"تو میں ان سے اب تک بات نہیں کر پائی... بکزر
 ہر کے لیے ہاتھ دھو کر رہے ہوں گے، آپ؟"

"میں اس طرف سے بے ہودا ہوں، مگر ہر کے
 لیے کافی کچھ ہے میرے پاس۔" وہ مسکرایا۔

"پھر وقت کیسے گزارتے ہیں؟"

"آرام کرتے ہوئے... طی الحال... ہاں یہ آپ
 کی ریٹنگ بہت کمزور ہے سوچ رہا ہوں کہ اگر آپ مناسب

بجائیں تو میں اسے ٹھیک کر دوں۔"

"آپ کر نہیں گے۔" مریم نے اسے بے یقینی سے
 گھورا۔

"ہاں کیوں نہیں... اب اتنا بھی نا کارہ نہیں ہوں
 میں۔" وہ مسکرایا۔ "چائے کا شکر یہ... اور آپ کے لیے

ایک صحت مشورہ ہے، دردناک سے گناہ سے لاک رکھیے آپ
 کا وہ کزن دھمکیاں دے کر گیا ہے۔"

"... پاگل ہے۔" مریم نے پروائی سے بولی۔

"طاردی تربیت یہ کہتی ہے کہ کسی کو بھی ہلا نہیں لیتا
 چاہے آپ کی وی پر وہ پروگرام نہیں دیکھتیں، جرم کی

دستک۔" وہ مسکرا دیا۔ "آگے آپ کی مرضی ہے۔"

قہر کے جانے کے بعد مریم کو احساس ہوا کہ اس نے
 کتنی خوب صورتی سے بغیر کچھ بتائے اسے کھٹنے میں مدد دی
 تھی۔

شام کو وہ ظالمہ کے گھر ڈانر پر مدعو تھی۔ اکبر کو دیکھتے

"کوئی ایک نہیں، حماقت، لالچ اور جہالت کے علاوہ
 اور بہت ہی خصوصیات تمام میں، مگر میرے پاس اتنا وقت

نہیں ہے کہ اتنی تفصیلات میں جاؤں۔" اس کی برداشت
 جواب دہی جاری تھی۔ پرویز اس کی پھوپھی کا بیٹا تھا۔ بابا

کی زندگی میں بھی پھوپھی ایک بار اس کا دھندلے کر آئی تھیں
 مگر بابا کو پرویز پسند نہیں تھا اس لیے بہانے سے منع کر دیا

تھا۔ پرویز کوئی کام دھام نہیں کرتا تھا جس باب دادا کی
 جانکاد پر مزے کرنے کی عادت اب خطر بن گئی تھی۔

لڑکیوں سے دوستی کرنا، دوستی یاری اور تھوڑی بہت بدعاشی
 اس کے پسندیدہ مشاغل تھے۔ اگھوتا بیٹا ہونے کی بنا پر وہ

پھوپھی کا انتہائی لاؤلا تھا اور اس لاڈلے بیٹا کا وہ خوب فائدہ
 اٹھایا کرتا۔ مریم کے بابا وی کے انتقال کے بعد سے وہ کئی

بار مریم سے اس سلیے میں گفتگو کرنے کی کوشش کر چکا تھا مگر
 ہر بار محسوس کیا کہ وہ بڑا مزہ نہیں ہوتا تھا۔ آج وہ کافی عرصے

بعد آیا تھا مگر بالآخر وہ بھی تھا جو پہلے کی بار ہو چکا تھا۔

"اور تم خود کیا ہو؟ کون جانتے کیا کچھ کرتی پھرتی ہو
 ابھی تو شادی نہیں کرنا چاہتیں تم جیسی عورتیں پیاد محبت کی

زبان نہیں سمجھتیں۔" جیسا کہ کوئی اور بندہ بست کرنا پڑے گا۔
 وہ خشم میں بھٹا گیا۔ "یہ سب تمہارے بابا باپ کی لالچ

تربیت کا نتیجہ ہے۔"

"تم ذلیل انسان، تمہاری امت کیسے ہوئی میرے
 ابا بابا کے بارے میں کچھ بولنے کی۔" مریم نے اسے پائل

ہوئی تھی۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر اس کا ہاتھ بلند ہوا اور پرویز
 کے چہرے پر نشان ثبت کر گیا۔ اس نے تیزی سے آگے

بڑھ کر دروازہ کھولا اور چٹائی۔ "نکل جاؤ میرے گھر سے۔"

یہ سب کچھ اٹھا اچانک ہوا تھا کہ پرویز مستحضرہ
 گیا۔ دو لمبے وہ لمبے سرخ گال پر ہاتھ دے کے کھڑا رہا

جزی سے کھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ مریم اندر جانے
 کے لیے مڑی تو اس کی نظر سامنے اپنے دروازے پر کھڑے

قہر پر پڑی۔ اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔

"آپ نے کوئی لینڈ سٹا ہے؟" وہ اسے گھور کر
 بولی۔ اس کا لہجہ اب بھی تیز تھا مگر آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی

صاف جھلک رہی تھی۔

"نہیں... لیکن جس طرح آپ نے اسے نکالا وہ
 مجھے پسند آیا۔"

"وہ کیوں؟"

"چاہے نہیں، شاید اس کے سوٹ کا رنگ مجھے اچھا نہیں
 لگا۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "آپ نے اس دن مجھے

”گڈ... اور تم میرے لیے صرف یہ لائے ہو؟“

اس نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔

”سرا! میرے پاس بقیہ چیزوں کی لسٹ بھی ہے اور ان کے خریداروں کی تفصیل بھی۔ میں نے سوچا ہے کہ میں ان سے یہ اشیا خرید کر دوں۔“

”تم نے سوچا...“ شوکت اللہ نرم لہجے میں اس کی بات کاٹ کر بولا۔ ”اگر تم سوچ سکتے تو میرا سامان آج یہاں اس میز پر میرے پاس ہوتا۔ خیر مجھے یقین ہے کہ تم اپنی ذمہ داری پوری کرو گے۔“ اس نے گلدان اٹھا کر اسے الٹ کر دیکھا۔ ”اچھا نہیں ہے کیا خیال ہے تمہارا...؟“

”جی سرا! بہت مہارت سے بتایا گیا ہے۔“ اس نے کہا مگر اس کی آواز گلدان ٹوٹنے کی آواز میں دب گئی۔ شوکت اللہ نے میز پر رکھی مارٹل کی اینٹ ٹرے سے گلدان کے نچلے حصے پر ضرب لگائی۔ گلدان دو ٹکڑے ہو گیا اور اس کی آواز سے سب سے پہلے بلا سنگ میں لپٹا ایک لٹافہ برآمد ہوا۔ شوکت اللہ نے اسے آگے بڑھاتے ہوئے کھولا، فرحان کو اس میں سہرے سبز رنگت لائبرٹس کی جڑ نظر آئی اس پر بہت سارے چھوٹے پتھر لپٹے ہوئے تھے۔

”اوہ... کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟“ شوکت اللہ اسے اٹھالی پر رکھ کر پورا اشتیاق نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

”یہ ایٹمی ہے۔“ وہ ہلکی سی ہنسی کے ساتھ بولا مگر اس نے اس کی ایک جانب بہت جلدیوں کے جھٹکے کو دہرایا تو وہ چھوٹا سا ہنس کھل گیا۔ ”اس میں چھوٹا مینی کیورینٹ یا سوئیاں مشین وغیرہ رکھے جاتے تھے۔ یہ خالص سونے کا ہے اور یہ سارے نیچے یا قوت، فیروزہ دار میرے ہیں۔ انہی کی اہمیت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ پولین کا جو بیٹاؤں کے لیے آخری تحفہ تھا۔“

فرحان نے کھولے من رہا تھا۔

”اس وقت میں بہت خوش ہوں کہ یہ میرے ہاتھ میں ہے مگر یہ مجھے میرے باقی سامان کی یاد دل رہا ہے۔ ان تمام چیزوں کے مصونی اور بنیادی میں پورا ایک سال لگا اور ہزار نظروں کے باوجود انہیں یہاں لے آیا گیا۔ اسوس کی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاتھ میں آنے کے بعد یہ غزوہ ہمارے ہاتھ سے نکل گیا۔ مسٹر فرحان! مجھے اپنی تمام چیزیں جلد از جلد و رکاز ہیں۔ میں تمہیں اس کے لیے چار دن کی مہلت دیتا ہوں۔ یاد رکھنا پانچ ال دن تمہارا آخری دن ہو گا۔ مجھے میری تمام چیزیں و رکاز ہیں... کسی بھی قیمت

میں اسے قہر کا خیال آیا۔

”ارے وہ... لڑکھنڈی آدمی ہے اور وہ اسٹیل فوریس کا ایس ایس لی رہا ہے۔... رہا اس لیے کہ وہ ہا ہوں کہ وہ اسٹیل سے چکا ہے۔ میں نے اس سے رابطہ کرنا چاہا تھا اور اس کے چیف کو فون بھی کیا تھا انہوں نے بتایا کہ اس کا اسٹیل منظور نہیں کیا گیا ہے اور وہ اس کی واپسی کا انتظار کر رہے تھا۔“

”مگر اس نے اسٹیل کیوں دیا ہے؟“ طاہر نے پوچھا۔

”یہ اس کا کوئی ذاتی معاملہ ہے۔...“ اکبر نے جواب دیا۔ ”اس پر بات نہیں ہو سکتی اس انہوں نے یہ بتایا کہ وہ ان کے بہترین ٹوکوں میں سے ہے۔“

”چلو... یہ اچھا ہے اس سے مجھے اطمینان ہوا ہے۔“ طاہر نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ مریم اس دوران بالکل خاموش رہی تھی۔

☆☆☆

فرحان کو اس بڑے سے عاقلانہ دفتر کے استقبال پر چھینے میں منت سے زیادہ ہونے لگے تھے۔ عام زندگی میں وہ اتنا انتظار کرنے کا عادی نہیں تھا مگر یہاں معاملہ اس کے بھی پاس شوکت اللہ کا تھا۔ اس وقت وہ بہت زیادہ خوف زدہ بھی تھا۔ مقیم الدین کا معاملہ وہ نمٹا کر آیا تھا اور اس میں کوئی دشواری بھی نہیں ہوئی تھی۔ فرحان وہاں پہنچا تو دو دھڑکتے ہوئے اکیلا ہی تھا اور غائب گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ فرحان کے ہاتھ میں رپورٹ تھی کہ اس نے چار سے پانچ لاکھ کے مد سے ہلکی سی آواز تک نہیں بولی تھی۔ سر پر لگنے والی گولی اسے معاملے کو سمجھنے سے پہلے ہی واپس لے لیا ہے بے خبر کر گئی تھی۔ فرحان کو اسل ٹھہر یہ بھی کہ جو گلدان وہ لایا ہے وہ وہی ہو جو شوکت اللہ کو رکاز تھا ورنہ اس کا انجام بہت برا ہو سکتا تھا۔

”فرحان صاحب...“ ریپ پشیمت کی آواز اسے خیالات کی دنیا سے باہر نکالائی۔ ”سرا! آپ کو بار ہے؟“

”نہی۔“ وہ تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ گلدان ایک شاہ میں لپٹا اس کے بازو سے لگا ہوا تھا۔ شوکت اللہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”مسٹر فرحان! حالات قلاب میں ہیں؟“

”جی سرا... سب ٹھیک ہے۔“ وہ مزاحیانہ انداز میں گلدان شاہ سے نکال کر اس کی میز پر رکھتا ہوا بولا۔

انتظار کی گھڑیاں ختم ہونیں ستمبر 2014ء

کا ایک حرکتہ الآرا
خاص نمبر

سرگرمی
ماہنامہ

خطا نمبر

خطائے اول
انسانی تاریخ کی پہلی خطا، ایک سیریل تحریر
خطائے سیاست
سیاست دانوں کی خطائیں جس سے نقش بدل دیا
سائنسی خطائیں
سائنس کی دو خطائیں جنہیں سچ سمجھا جاتا تھا
فجشل خطا
پرفیورکس اس لڑکی سے خطا کی اور پھر اس کی شخصیات میں چھپاتے تھیں
خطائے ہوا باز
یونان کے ساتھ پوری دنیا میں پھیل چکا دینے والی کھانا

گزشتہ تمام خاص
شماروں سے اہم شمارہ

لڑکی کی عمارت

بہت ہی خطا کی حیرت انگیز، دلچسپ اور دہلا دینے والی
کھائیں۔ سچ بیابان، آپ بیتیاں، جگ بیتیاں

نزدیکی بیک اسٹال پر آج ہی اپنا شمارہ مختص کرالیں

پر.... کچھ؟
"نئی سر۔" فرحان کے منہ سے ہلکے لہجے میں
پائے تھے۔

فرحان کے جانے کے بعد شوکت اللہ کافی دیر تک
ایٹوی کا جائزہ لیتا رہا۔ اس نے فرحان کو اس کے بارے
میں جو کچھ بتایا تھا وہ بالکل سچ تھا مگر ایک بات اس نے اسے
بھی نہیں بتائی تھی۔ وہ یہ تھی کہ صرف یہ چھوٹا سا کس اسے
پینتیس لاکھ روپے کا منافع دینے والا تھا۔
☆☆☆

نمبر ریٹنگ کا سامان لے آیا تھا اور اس وقت وہ اسے
بھی ٹھیک کر رہا تھا۔ اسے شروع سے گڑی کے کام میں دلچسپی
تھی۔ اسے یاد تھا کہ شاید دو سال پہلے ہی اس نے ہنگے کے
مضب میں موجود سرونٹ کو درجن میں درکشاپ بنانے کے
بارے میں سوچا بھی تھا مگر وہ ابراہیم گروپ کے کیس کی
شروعات سے پہلے کی بات تھی۔ اس کیس سے جو اس کی
زندگی کا مقصد بن گیا تھا اور جن تعلیمات کی قیمت زرباب
نے پائی تھی۔ بالکل سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے
آ گیا تھا جس سے وہ چھپتا پھرتا تھا جسے وہ بھلا دینا چاہتا
تھا۔

وہ سلور سرنیز بزنس میں جو کار پارٹیج کے آخری حصے
میں کھڑی تھی۔

زرباب جو اس کی انکوائری میں تھی۔ اور وہ ضرور
دھماکا جاب بھی اس کی سائنس میں کوئی نہ تھا۔
اسے امید تھی کہ زرباب کو انجین میں پانی بھرنے
کے بعد کچھ محسوس نہیں ہوا ہوگا۔ وہ آگ سے بہت ڈرتی تھی
اور اس ہم نے اس سمیت گاڑی کی ہرجے کو بھلا کر خاک کر دیا
تھا۔

اچانک وہ جیسے ہوش میں آ گیا۔ اس کا جسم پسینے میں
ڈوبا ہوا تھا۔ اب وہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ اس نے گویا
خود کو یقین دلایا۔ زرباب مر چکی تھی اور کسی صورت وہ اس
میں آ سکتی تھی۔ ابراہیم بھی مر چکا تھا۔ اس نے اسے خود
اپنے ہاتھوں سے مارا تھا اور اب وہ اسے دوبارہ قتل نہیں کر
سکتا تھا۔ وہ خود دیرسا ہی تھا جیسا اس نے چاہا تھا۔۔۔ بھلا اور
کیلا۔۔۔

☆☆☆

فرحان بہت خوش تھا۔ بالآخر وہ بھی ہوئی قسمت مانتی
نظر آ رہی تھی۔ وہ شوکت اللہ کی پانچ چیزوں میں سے تین
ماصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ بھرتی زاد کی کالسی کا

مضب اسے لسٹ میں موجود دکان کے پتے سے پرسانی مل
گئے تھے جبکہ طوطا اسے تین گنا قیمت پر ایک گاہک سے
دوبارہ خریدنا چاہتا تھا۔ اب صرف خریدی آرٹ کا وہ نمونہ
اور سوتے ہوئے کتے کا مجسمہ باقی رہ گیا تھا۔ اس کی
معلومات کے مطابق یہ دونوں چیزیں مریم آرٹ اسٹور نے
خریدی تھیں اور اب وہ وہیں جا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شوکت
اللہ کے لیے پانچوں چیزیں نہایت اہم تھیں خصوصاً وہ
پینٹنگ۔۔۔ اس کے مطابق وہ اس بوری کسانٹ میں سب
سے قیمتی آئٹم تھا۔ وہ تین بج کر عتیس منٹ پر مریم کے
اسٹور میں داخل ہوا تھا۔ گاؤن پر نگہ سالانہ سمیٹ رہی
تھی۔

"خوش آمدید۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرائی۔ "آپ نے
میں میں وقت پر پکڑ لیا ہے، ہم آج چار بجے اسٹور بند
کر رہے ہیں۔"

"پھر تو مجھے کسے گا کون پر نہیں بہت نصرت ہو گا؟"

اس نے بھی مسکرائے کی کوشش کی۔
"کیس نہیں، گاہک کا آنا تو خوشی کی بات ہوتی
ہے۔" وہ ہارنگ میں مشرقی عائیشان کار کو دیکھ نکلی تھی۔ پچھلی
سے پہلی گڑی تل کی امید نے اسے خوش کر دیا تھا۔

"کیا آپ کو کوئی خاص چیز دیکھ رہے ہیں؟"
"ہاں، اصل میں میں کئی مینٹوں بعد گھر واپس جا رہا
ہوں اور میری خال کو جانوروں کے مجسمے جمع کرنے کا شوق
ہے خصوصاً وہ کتوں کے مجسموں کی شائق ہیں۔"

"پھر تو میرے پاس آپ کے لیے ایک بہترین چیز
موجود ہے میں آپ کو دکھاتی ہوں۔" نگہ لپک کر کاؤنٹر
سے باہر نکلی اور سامنے رکھی الماری کی چابی دراز سے منہرے
کام سے جاسپا رنگ کا آئینہ نکالا۔ وہ ان کی دکان کے چند
مینگے ترین آئینوں میں سے ایک تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ان کا ذوق اتنا اعلیٰ نہیں ہے۔"

وہ اسے دیکھ کر بولا۔
"یہ ٹھیک ہے پھر میں آپ کو کمرشل میں ایک اعلیٰ
چیز دکھاتی ہوں۔"

"آپ پلاسٹر آف پیرس اور چائنا میں بھی کچھ خاص
ہوتو نکالے اور اگر آپ پرانے مینٹوں میں اسٹور کا ایک پکڑ کا
لوں، شاید مجھے کچھ پسند آ جائے۔"

"بالکل آپ آرام سے دیکھیے۔"
فرحان نے وہاں کمرشل، گڑی، مینٹل، کالسی مٹی کو
چاندی کے کتے بھی دیکھ لیے مگر اسے سوتے ہوئے کتے کا وہ

بھرسے نظر نہیں آیا۔ وہ بینک گزرتے ہی گھور گھور کر تھک گیا۔ وہاں درجنوں بینکنگز تھیں مگر ان میں چوڑے لمبے رالی وہ بینکنگ موجود نہیں تھی۔ اس کا سوا غراب اور ہاتھا۔

"یہ دیکھئے سربراہ" غیسر بولا یہ ایک خوب صورت بڑے کتے اور تین نٹے چوہے کا بھرسہ تھا۔ "یہ آپ کی خانہ کو یقیناً پسند آئے گا۔" فرحان نے بمشکل مسکرا کر اسے دیکھا۔ قیمت کا ایک انیس ہزار روپے طلب کر رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اس شخص سے کچھ کو اس بے وقوف لڑکی کے سر پر سے مارے مگر وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے، میں یہ لے لیتا ہوں۔" اس نے جیب سے کرنیٹ کا مڑا نکال کر اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اصل میں میری خانہ کو ایک خاص مجسمے کی تلاش تھی۔ ان کی کسی دوست نے ذکر کیا تھا اس اب انہیں یہ ورکار ہے۔ اس مجسمے میں ایک بڑا سا سفید کتا سونا ہوا دکھایا گیا ہے۔"

"کوہو کوہو... آپ تھوڑا لیٹ ہو گئے۔" غیسر کا روٹو استعمال کرنے کے بعد مجسمہ ایک کرتے ہوئے بولا۔ "ہمارے پاس بالکل ایسا ہی نہیں اسی بننے آیا تھا مگر وہ بک گیا۔"

"بک گیا، ہف کاش میں اسے خرید سکتا۔" وہ اپنی ماپوی کو چھپا نہیں پارہا تھا۔

"مگر جو آپ نے خریدا ہے وہ اس سے بہت اچتر ہے آپ جیسے کیجیے۔" غیسر نے سپلائی سے کہا۔

"یقیناً آپ ٹھیک کہہ رہی ہوں گی، آپ کے پاس کچھ اچھی بینکنگز ہیں؟"

"جی ہمارے پاس لالی ایچا اسٹاک ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں؟"

"نہیں مجھے ماڈرن آرٹ ورکار ہے تجربہ دی..."

"اوہ آئی ایم سوری... ہمارے پاس ایسی کوئی بینکنگ نہیں ہے، ماڈرن آرٹ ہم کم ہی دیکھتے ہیں جیسے انہیں سمجھنا مشکل ہوتا ہے ویسے ہی ان کا بکنا بھی رکتی بزنس ہے۔"

جب تک وہ اس کی رسید بنا کر لائی فرحان کاؤنٹر پر ہاتھ رکھے سوچ میں ڈوبا کھڑا رہا، اس وقت دن کی روشنی ہو رہکان میں موجود دوسرے گاہک اس کے راستے کی رکاوٹ تھے، درندہ اس باتولی سیل گزل کے سر پر ہتھول رکھ کر اس سے اس مجسمے کے خریدار کا پتہ لے لیتا، اسے جھین تھا کہ بینکنگ کے بارے میں وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ

بینکنگ یقیناً اسی اسٹور کے کسی حصے میں موجود تھی۔ ہو سکتا ہے کہ کسی اندرونی کمرے یا گودام میں... غیسر کو آتا دیکھ کر وہ سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

"یہ لیجئے سر رسید... یقیناً یہ مجسمہ آپ کی خانہ کو بہت پسند آئے گا۔" وہ مسکرائی۔

فرحان وہاں سے نکل آیا۔ اسے اب کھانا کھانا تھا پھر شام گھر کی ہونے کا انتظار کرنا تھا جب یہ دکان خالی ہوتی اور چاروں طرف رات کا اندھیرا چھا جاتا پھر اسے یہیں واپس آنا تھا۔

☆☆☆

مریم کے گھر کا فون اچانک ڈیڑھ ہو گیا تھا۔

"کیا تو بالکل ٹھیک تھا چائیکس کیا ہو گیا اسے۔" وہ

بڑ بڑائی۔ لڑکی غراب ہونے کا مطلب نیٹ کا بند ہو جانا تھا مگر اسے ایک ضروری ای میل کرنی تھی۔ اس نے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ اسے یقین تھا کہ وہ انتہائی سڑے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کا استقبال کرے گا اور ایسا ہی ہوا۔ وہ خانہ ٹریڈ مل پر ورت رہا تھا۔ لیجئے اس کی پیشانی پر چمک رہا تھا۔

"فرمائیے..."

"میرا فون بچانک ڈیڑھ ہو گیا ہے، کیا میں آپ کے فون سے کیسٹن کر سکتی ہوں۔"

"ضرور..." وہ سر دھری سے بولا اور اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔

"ویسے کیا آپ فون کرنے کے لیے ہمیشہ اتنا تیار ہوتی ہیں۔"

مریم اس وقت نیلے رنگ کے خوب صورت انارکلی سوٹ میں ملبوس تھی۔ اس کے جوتوں پر مرغ لپ اسٹک چمک رہی تھی، کالوں میں ہیرے کے چاہس تھے۔ اس کی نیلی آنکھیں کاجل کی لہریوں کے ساتھ بہت پُر کشش لگ رہی تھیں۔

"میں تھوڑی دیر پہلے لہلی بین کے گھر سے آئی ہوں۔" وہ جھٹکا کر بولی۔ "کیا اب میں فون کر لوں...؟"

اس نے رمبہور اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اوہ یہ بھی ڈیڑھ ہے... خدا جانے کیا مسئلہ ہوا ہے۔ دونوں فون ایک ساتھ ڈیڑھ ہو گئے ہیں۔" وہ بڑبڑائی۔

"مگر ابھی دس منٹ پہلے تو یہ ٹھیک تھا۔" غیسر بولا۔

"خیر دیکھتے ہیں آپ اپنی ورزش جاری رکھیے..."

"وہ جانے کے لیے مڑی تھی کہ ایک آواز نے اسے پرتکا دیا۔"

”یہ... کیسی آواز ہے؟“ وہ آنکھیں پکڑ کر آواز کی جانب متوجہ ہوئی۔

”کوئی نیچے دکان میں ہے۔“ قہر شری علی سے اترتا ہوا بولا۔ ”اس طرف نیچے سے آنے والی آوازیں صاف سنائی دیتی ہیں۔“

”مگر ہم تو چار بچے دکان بند کر چکے ہیں۔“ وہ چند لمحے اپنی جگہ سناکت سی کھڑی رہی پھر دروازے کی جانب لپکی۔

”کہاں جا رہی ہیں آپ...؟“ قہر نے اسے روک لیا۔

”نیچے... یقیناً کسی نے لالام کا تار کاٹ دیا ہے تبھی وہ دکان میں آیا ہوگا۔“

”آپ خاموشی سے یہاں بیٹھیں۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر آرام کرسی کی جانب دھکیلتے ہوئے بولا پھر وہ اپنے کمرے کی طرف گیا، وہاں ہی پر اس کے ہاتھ میں اعشاریہ تین آنچہ کار پوا لود تھا۔

”یہ...؟“

”ہاں! یہ لائنیں شدہ ہے، پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے آپ کو یہ سننا کہ دروازہ بند کر لیں... آپ کو باہر نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

لو پر بال سے ایک سیزم دکان کے اندر موجود گودام نما استود میں گھنٹی بھئی، وہ اسی سیزم سے نیچے اترتا تھا، اسٹور کے دروازے کو آہستگی سے کھولتے ہوئے اسے ایک آواز سنائی دی۔ یہ قائل کیسٹ کے بند ہونے کی آواز تھی۔ اسی وقت عقب سے آنے والی لگی سی سرسراہٹ نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی۔ وہ سڑا پھوٹنے والی سانس لے کر وہ گیا۔

مریم اس سے تین سیزموں پہلے کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک ذخرا تھا۔ قہر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے واپس جانے کا اشارہ کیا مگر وہ اپنی جگہ ہی کھڑی رہی۔ اندر سے آنے والی آہٹ پر قہر دبے قدموں اندر داخل ہوا۔ گودام میں کوئی نہیں تھا۔ وہ چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اس کا ہر کسی چیز سے ٹکرایا اور گرنے کرتے پہا... بچنے کی کوشش میں اس کا ہاتھ ایک فریم کو لگا جو ہلکے سے دھماکے سے زمین ہل گیا۔ اس کے فوراً بعد وہ چیز میں ایک ساتھ ہوئی تھیں۔ دونوں کمروں کے درمیانی دروازے سے ایک ہاتھ نمودار ہوا تھا جس میں سائیکسنگ کا رپا لود موجود تھا۔

کمرے میں لٹک کی ہلکی سی آواز گونجی تھی، قہر اسے دیکھتے ہی ایک چھلانگ مار کر دوسری طرف گرا، اس کا سر کسی بھاری

چیز سے ٹکرایا اور کئی چیزیں اس پر آ گری تھیں۔ مریم پر سے مٹھر کو بچھ نہیں پائی مگر دیوار اور پھر قہر کو گرتے دیکھ کر اس نے چیخا شرع کر دیا تھا۔ شاید اس کی چیخ دیکھ کر دیوار پر وار کو بھگنے پر مجبور کر دیا۔ قہر سامان کو دھکیل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور پیردنی کمرے کی چاب لگا۔ اسٹور کا پیردنی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکلا مگر بھاگتے قدموں کی آواز دہلے بعد ہی طاقتور انجن کی غراہٹ میں تبدیل ہو گئی تھی وہ جو کوئی بھی تھا ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ قہر پیردنی دروازہ بند کر کے اندر پلٹا۔

”اے آپ بہت زخمی ہیں...“ مریم اس کے قریب آ کر بولی۔

قہر کی ٹانگ اور ہاتھوں سے غون بہہ رہا تھا۔ گرنے ہوئے اس کا سر اور چہرہ بہت سادہ کی چیزوں سے ٹکرایا تھا اور یہ اسی کا شاکسٹ تھا۔

”آپ کا لٹنٹک سائن واقعی اٹھاروں سے کم نہیں۔“ قہر نے اپنے چہرے کو ہاتھ لگا کر نقصانات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی پھر اس کی نظر اس ڈنڈے پر پڑی جو اب تک مریم کے ہاتھ میں تھا۔ ”اور آپ اس ڈنڈے سے کیا کرنے والی ہیں؟“

”یہ... میں نے سوچا کہ اگر آپ کی اور چور کی ہاتھ پائی ہو گئی اور اس نے آپ پر قابو پایا تو میں پیچھے سے آ کر اس کے سر پر اسے گھا کر ماروں گی۔“

”شباباش... گڈ ٹھنٹک، کیا بات ہے آپ کی پلاننگ کی۔“ اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آ گئی جس کے نتیجے میں اسے کراہنا پڑا۔

”آپے میں دو انگدوں۔“ وہ خفیف سا ہو کر بولی۔

”ارے... اب ایسا بھی چوٹ نہیں... میں دیکھ لوں گا۔“ وہ باہر کی جانب جا کر لپٹا ہوا بولا۔

”ویسے کیا آپ نے سیکرٹری سسٹم کے بارے میں کچھ سن رکھا ہے۔“

”میں نے ایک لالام لکوا دیا ہوا ہے۔“

”بیچارہ... بچوں کا کھلونا ہے یہ... اس نے اسے شاید چند مینٹ میں ناکارہ بنا دیا ہوگا۔“ فون کا تار اس نے اسیطی تدبیر کے طور پر کاٹ دیا تھا۔

”وہ عجیب سی آواز کیا تھی جو آپ کی دیوار کی طرف دیوار اندر چھلانگ سے پہلے سنائی دی تھی؟“ مریم کو یاد آیا۔

”وہ گولی کی آواز تھی۔“ قہر نے سادگی سے کہا۔

”گولی...؟“ مریم اب دہشت زدہ ہو گئی تھی۔

کارڈن اور یاروں پر گئے فیلپس، الماریاں بھی سامان سے بھری ہوئی تھیں۔ اس سے ملحقہ کمرے میں مریم کا دفتر تھا۔ یہاں بھی کافی سامان موجود تھا۔

"کچھ چوری نہیں ہوا ہے۔" حیران پریشان مریم تھوڑی دیر میں لوٹ آئی تھی۔

"اگلی جلدی... آپ یقین سے کہہ سکتی ہیں؟ آپ نے صحیح طرح سے دیکھ لیا ہے؟"

"جی، مجھے اپنی چیزوں کے بارے میں معلوم ہے، شاید وہ آپ کے نیچے آجاتے سے گھبرا گیا تھا۔"

"اور کیش...؟"

"ہم روز کی آمدنی ویک بیچ دیتے ہیں یہاں صرف ایک ہزار روپے چھوٹے لونوں یا سکوں کی شکل میں رکھے جاتے ہیں اور وہ بھی موجود ہیں۔" وہ بولی پھر اس نے دفتر میں رہنے والی فائل کیبنٹ کو کھولا۔

"وہ...؟" اس کیبنٹ کے منہ سے عجیب سی آواز برآمد ہوئی۔

"اس کیبنٹ میں کڑ بڑ ہوئی ہے۔"

"یعنی وہ جو کوئی تھا اسے ان فائلز میں سے کسی چیز کی ضرورت تھی۔" قہر کو یاد آیا کہ اس نے فائل کیبنٹ کی آواز سن لی تھی۔

"مگر یہاں تو عام سے کاغذات، رسیدیں وغیرہ ہی لٹائے کسی کے کیا کام آسکتے ہیں؟" مریم خود اپنے آپ سے پوچھ رہی تھی۔

"وہ جو آپ کا کرن تھا جو آپ کو برے ملاک کی دھمکی دے کر گیا تھا؟"

"نہیں نہیں، وہ پاگل ضرور ہے مگر ایسا کام نہیں کر سکتا۔"

"پھر بھی مجھے اس کی پوری تفصیل درکار ہوگی۔"

"ضرور... آپ اس پر اپنے پولیسیاء طریقہ کار سے تھوڑا رعب بھی ڈال دیجیے گا۔"

"میں اب پولیس میں نہیں ہوں۔"

مریم کہنا چاہتی تھی کہ وہ دل سے دوسراغ سے، انداز سے طور طریقے سے صرف اور صرف ایک سپاہی پس منظر ہی نظر آ رہا ہے مگر وہ چپ رہی۔

"شکریہ۔" وہ جب بولی تو اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"اب یہ کس لیے؟" قہر اسے سوالیہ انداز میں دیکھ کر رہا۔

"آپ نے آج میری بہن بچائی ہے۔ دہشتہ شاید وہ

"میں نے ویک لمحے کے لیے ریور اور تو دیکھا تھا مگر آواز تو نہیں آئی۔"

"اس نے سائیکس لگا رکھا تھا۔"

"سائیکس جیسے کیسٹر قلموں میں ہوتا ہے کس نے آپ پر گولی چلائی تھی... شکر ہے... وہ الٹ پلٹ ہو لے جا رہی تھی۔"

"مجھ پر گولی چلانے کا شکر...؟" قہر نے اسے گھورا۔

"میرا مطلب ہے اللہ کا شکر ہے کہ آپ کو کچھ نہیں ہوا۔" وہ مڑ بڑا گئی۔

"آپ کا سوال کہاں ہے؟" قہر نے اس کی بات کو ان سنی کرتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ... کیا میں لے آؤں؟"

"پلیز اگر ممکن ہو..."

مریم اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے میزوں کی طرف بڑھ گئی، وہاں ہی اس کے ہاتھ میں سوبائل کے ساتھ فرسٹ اینڈ بکس بھی تھا۔ قہر نے اس کے ہاتھ سے سوبائل لے کر آصف لودھی کا نمبر ملا یا۔

"یار آصف! یہاں ایک چھوٹا سا مسئلہ ہو گیا ہے، کوئی اپارٹمنٹ کے نیچے اسٹور میں گھسا تھا۔"

"کیا کیا چوری ہوا ہے؟" آصف نے استفسار کیا۔

"ابھی معلوم نہیں، اس نے مجھ پر دغا بازی کی ہے، پتھول پر سائیکس لگا ہوا تھا یعنی کوئی پرانا کھلاڑی ہے۔"

"اور...؟" قہر نے پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے ہانک کو اٹھائی کیا پھر سے چھوٹے ہوئے کہا۔ "خون اب بند ہو چکا تھا۔" اس کی کارکنیں قریب ہی کھڑی تھیں، ان کی آواز سے اندازہ ہوا کہ وہ کوئی بڑی گاڑی تھی۔

"اس کے میں بھی رہا ہوں۔"

"شکریہ۔" وہ ٹولیاں بند کر کے مریم کی جانب متوجہ ہوا، اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔

"پریشان مت ہوں۔ کیا آپ پولیس کے قہقہے سے پہلے ایک جائزہ لے سکتی ہیں تاکہ پتا چل سکے کہ کیا کچھ چوری ہوا ہے؟"

"ضرور۔" وہ آستین سے بولی۔

قہر نے اسٹور روم میں نظر گھمائی، یہاں بہت سارا سامان موجود تھا مگر اسے صفائی اور ترتیب سے رکھا گیا تھا۔

سائمنسٹر لگا کر پورے ختم کر چکا ہوتا۔
 "مگر جب میں آپ کو یہ کہہ کر آیا تھا کہ آپ کو نیچے نہیں آتا ہے تو پھر آپ آئی ہی کیوں نہیں؟" کبیر کو گویا یاد آگئی۔

"آپ نہیں جہ۔" مریم کو کھلی پارکس کا بگڑنا برا نہیں لگا تھا۔

"یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں ہے۔"
 "میں آپ کی مدد کرنا چاہ رہی تھی۔ تو دوسری زبان میں کو روکے ہوئے تھی۔ اس بار وہ مسکرائی۔

"تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ یہ کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا خاص طور پر میرے لیے۔"

"وہ کیوں؟" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔
 "وہ تو اندازہ صحیح سر پر پڑتا ہے ضروری تو نہیں تھا۔۔۔ اور خاص طور پر اس وقت جبکہ وہ کسی آتش خاتون کے ہاتھ میں ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ اس ہیر دانہ چھلانگ کے نتائج آپ کی ذہنی صحت کے لیے زیادہ بہتر ثابت نہیں ہوئے۔ ہیر حال، میں چائے تیار کر رہی ہوں اس وقت اس کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔"

تھوڑی ہی دیر میں آصف ٹی وی سکرین کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ عمومی کارروائی کے بعد دیگر لوگ باہر چلے گئے جبکہ قہر نے آصف کو روک لیا تھا۔ مریم کو وہ خاصا پسند آیا تھا اس کا جس کچھ چہرہ، نرم انداز گفتگو اور مسکرائی آنکھیں چارہ ہی تھیں کہ اس میں فوراً دوست بنانے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس نے باتوں ہی باتوں میں مریم کا بیان لے لیا۔

"نہیں، دکان سے کوئی چیز ظاہر نہیں ہوئی ہے۔"
 "نہیں، فائل کیسٹ میں کوئی چیز نہیں تھا۔"
 "نہیں، اسے دکان میں کسی پراسرار آدمی کی آغوش میں نہیں چھپی۔"

"دھن؟ اس سوال پر مریم ہاتھ دھو کر نکلی۔ "ہم عام سے لوگ ہیں اسے اس پلی صاحبان کا راز کوئی دھن نہیں ہے۔"

"اور وہ کون سا صاحب۔" قہر بولا۔
 "پلیز اوہ صرف ایک احمق انسان ہے۔"
 "مگر اس کے باوجود آصف نے اس کا نام چٹا لوٹ کر لیا تھا۔"

"مریم صاحبہ ان سے ایک دو سوال کر لینے میں کیا حرج ہے۔ اس طرح فلک دور ہو جائے گا۔" وہ اپنی ٹوٹ

کب بند کرتا ہوا بولا۔ "آخر میں، میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کے بہ کو کیز بہت زبردست تھا۔"
 "شکریہ۔۔۔ یہ میں نے خود بنائے ہیں۔۔۔ آپ کے بچے ہیں؟"

"ہمیں۔" آصف مسکرایا اور جیب سے وائٹ ٹکڑی کر مریم کو ان کی تصویر دکھانے لگا۔۔۔ قہر نے بے بسی کے عالم میں ہمت کو تھکے ہوئے اسے بالوں میں ہاتھ بھیرا کھانا اور بچے یہ دونوں چیزیں آصف کی کمزوری تھیں۔

"یہ میری بڑی بیٹی آصف۔۔۔ فاؤنڈیشن میں تیسری جماعت میں پڑھتی ہے۔"

"اوہ میری بھانجی انیسا بھی اسی اسکول میں تیسری میں ہے یقیناً یہ دونوں دوست ہوں گی۔"

"آپ کبیں ایسا اکبر کی بات تو نہیں کر رہی؟"
 "اس بابا ہی۔۔۔"

"اور سے وہ تو درجنوں بار ہمارے گھر پر آ چکی ہے۔ وہ ہم سے ایک گل بچھے رہتے ہیں اس کی امی اور میری دانتک میں، ابھی وقت ہے۔"

"اس کی امی میری بہن ہیں۔" وہ بولی اور وہ دونوں ہنس پڑے۔

"کیا میں باکرہ سوچاؤں؟" قہر نے چل کر پوچھا۔
 "آصف پلیز مجھے بتا دے کہ کیا یہ شخص بیحد ہی ایسے چڑچڑے پن کا مظاہرہ کرتا ہے یا مجھے ہی کوئی خاص تجربہ ہوا ہے؟" مریم نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"نہیں نہیں، پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے یہ عادت ہے۔" آصف اسے اطمینان دلاتے ہوئے بولا۔ "مگر جس طرح کرنا صحت کے لیے بہترین ہے ویسے قہر آتش فشاں فورس کا بہترین آفیسر ہے اس کی یہاں موجودگی کا صرف ایک ہی مطلب ہے اور وہ یہ کہ تمہیں بالکل بے خبر کر دینا چاہیے۔"

"شکریہ۔۔۔ میں بچوں کے لیے کچھ کوکیز لاد رہی ہوں لے کر جائے گا۔"

قہر، آصف کو چھوڑنے باہر نکلا۔
 "زبردست خاتون ہیں یہ۔۔۔ تمہارے پاس وقت ہے آج کل انہیوں سے فائدہ اٹھاؤ اور اسے میری بھانجی بنا دو۔" وہ نرم لاشی انداز میں بولا۔

"آصف! ہوش میں آ جاؤ۔۔۔ یہ سوچ کہ کوئی شخص سائمنسٹر کے پستول کو لے کر کسی دکان میں صرف ہے صرف کاغذات وصولی لے کے لیے کیوں مجھے گا؟"

"نہیں ڈالو کا سوال ہے۔" آصف مسکرایا۔

تھا وہ سونے سے قبل پتے والا دورہ ضرور لیا کرتی تھیں۔

"آج تو غیر روزہ... شو بہت اچھا جا رہا ہے۔" انہوں نے اپنے پیچھے لگی سی آہٹ پا کر اپنی بھانجی سے کہا۔

جواب میں ایک سلگتا ہوا شعلہ ان کے جسم میں قفس کیا تھا۔ گرٹل کا نازک گلاس ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر سامنے رکھی کافی ٹیبل سے ٹکراتا ہوا چمٹا کے سے نیچے جا گرا۔ دور کی شدت نے انہیں مفلوج سا کر دیا تھا۔ پھر ایک سخت کھروری مردانہ آواز ان کی سماعت میں گونجی۔

"سوئے ہوئے گتے کا وہ مجھ کہاں ہے؟ کہاں ہے وہ بھروسہ؟" پھر پھر وہ کچھ سننے کے قابل نہیں رہیں۔

☆ ☆ ☆

آخری رات کے بعد فرحان اپنے ہوٹل میں داخل ہوا تھا ان کے ہاتھوں میں کئی ڈبے تھے آج کا دن اس کے حساب سے کامیاب بن گیا تھا اس نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے سوچا۔ اسے اس دکان سے مجھے کے خریدار کا پتال کیا تھا اگر وہ عورت اور مرد نیچے نہ آجائے تو وہ شاید اس پیشنگ کو تلاش کرنے میں بھی کامیاب ہو جاتا۔ اس کی چلائی ہوئی گولیاں کسی کوگی بھی نہیں پا سکتیں تھیں اس کے علم میں نہیں تھا مگر اسے اس کی کوئی خاص پروا نہیں تھی۔ اس کا ہینڈل ڈانسس یا نہ نہیں تھا اور ان گولیوں سے کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا تھا اب اس کے پاس کافی کا قصاب، بھروسہ آزادی کی لٹک اور سنہرے طوطے کے ساتھ ساتھ چائے کا ڈاک بھی آچکا تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھتے ہوئے مسکرایا... اب وہ بقیہ رات آرام سے سو سکتا تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح ساڑھے نو بجے کے قریب جب قبر نے مریم کا دردازہ نکلتا یا تو جس آخری ترین بات کا وہ تصور کر سکتا تھا وہ جواب میں آنے والی مردانہ آواز تھی۔ "ٹھیک منٹ... آ رہا ہوں۔" دردازہ جواب کے فوراً بعد نکل گیا تھا۔ اس کے سامنے ایک جیس ہائیس سال کا لڑکا کھڑا تھا۔ چمکی طور پر وہ ہلکی ٹینڈ سے بھاڑا ہوا تھا۔ اس نے چادر کو دھوئی کی طرح لپیٹا ہوا تھا۔ "اگر آپ کچھ بیچنے آئے ہیں تو میری دعا ہے کہ وہ گرما گرم کافی ہو۔" وہ اسے غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

قبر بھی چند لمحوں سے دیکھتا رہا۔ آخر یہ عورت کیا کرتی پھر رہی ہے پہلے وہ جنگلی کزن اور اب یہ کالج کا لڑکا... اس نے سوچا۔

"مریم... بالآخر وہ بولا۔" کیا میں مریم صاحبہ سے مل سکتا ہوں۔"

"آخر کوئی اس پرانے سامان کی دکان کی فائزر میں کیا احوال رہا تھا؟"

"جگ ہے۔" آصف کار کا دردازہ کھینچتے ہوئے بولا۔ "آپ خود کو فورس سے باہر نکال سکتے ہیں مگر خود میں موجود فورس کو نہیں نکال سکتے جناب قبر علی صاحب اس ذاتی دلچسپی کی وجہ تمہاری پولیس یا نہ طبیعت ہے یا تمہاری ٹینڈ لارو؟ سوال یہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"اگر کوئی مجھ پر گولیاں چلاتا ہے تو مجھے اس معاملے میں ذہنی دلچسپی لینا ہی چاہیے۔" قبر نے اسے گھورا۔

"کچھ بھی کہو... جگ یہ ہے پاس کہ ہم سب تمہاری کئی بہت شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔۔۔ فورس کو تمہاری ضرورت ہے۔" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اس معاملے میں جیسے ہی کہ معلوم ہوتا ہے میں بتا ہوں۔"

وہ اندر آیا تو مریم کو وہیں کرکری پر بیٹھنے پایا اس کی آنکھوں میں تشویش بکھرے لے رہی تھی اور چہرہ قد سے بیچ پڑا ہوا تھا۔ قبر نے اندر داخل ہو کر بیرونی دروازے کو قفل کیا۔

"تمہیں اتنا حشر ہونے کی ضرورت نہیں ہے آصف بہت جلد اسے پکڑ لے گا۔"

"مجھے معلوم ہے مگر ابھی ابھی میرے ذہن میں ایک سوال آیا ہے۔" وہ بولی۔ "کیا آپ کے خیال میں وہ وہاں آ سکتا ہے؟"

قبر نے ایک لمحوں کے لیے اس کو غور سے دیکھا مگر کدھے چاکر بولا۔ "مجھے نہیں معلوم مگر ہو سکتا ہے۔" "نہ بدست۔" مریم نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔ "ظاہر ہے کہ کوئی اس معاملے میں کیا کر سکتا ہے۔"

"مگر میں نے یہ بھی کہا ہے کہ آصف بہترین آفیسر ہے اور میں یہاں ہوں لہذا ڈوٹ وری... اب آرام کرنا چاہیے۔" وہ ادھر پر جاتے ہوئے اندرونی دروازے کو بھی داخل لاٹ کر بائیس بھولا تھا۔

"اچھا دردازہ بند کر لیتا۔" اس کے دردازے کے لاٹ کی آواز سن کر وہ اپنے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ ایک چھوٹے سے خوب صورت ٹاؤن ہاؤس کا لیوٹک روم تھا۔ سہاوت کا انداز مالک کے ذاتی کی مکاری کر دیا تھا مسز صوفی صوفی پر نیم دردازہ کیل دیٹن پر ڈھٹا پتندیدہ شود کچھ رہی تھیں۔ ان کے ہاتھ میں دردازہ کا گلاس

"جی... جی۔" حسن نے ایک طرف ہو کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

"مریم کہاں ہے؟" اس بار وہ قدم سے سختی سے بولا۔

حسن کے جواب دینے سے قبل ہی وہ کمرے سے برآمد ہو گئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈرائر اور دوسرے میں برش تھا۔

"دو گھنٹہ... صبح بخیر۔"

"صبح بخیر، کیا میں ایک منٹ کے لیے بات کر سکتا ہوں؟"

"بالکل... ارے آپ حسن سے ملے؟" اس نے بچہ چہرہ پر خود ہی بولی۔ "یہ جو چادر کاٹو کا بنائے گھوم رہا ہے یہ میرا چھوٹا بھائی حسن ہے اور حسن یہ جو شخص شیو بنانا بھول گیا ہے یہ قہیر ہے ہمارے لئے بڑا دکھ..."

"بھائی۔" قہیر کو یہ سن کر خود اپنے دل میں اتر آنے والے اطمینان پر غصہ آ رہا تھا۔

"ادکے... آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" حسن گرم جوشی سے بولا۔ "خو آپ جہاں وہ بہادر سابق پولیس میں جس نے کل رات چوروں کو مار بھگایا۔ آپ کی کا خیال رکھنے کا بہت شکریہ... آپ پلیز مجھے پانچ منٹ دیجیے میں انسان بن کر آتا ہوں۔"

"یہ تو مشکل ہے حسن۔" مریم اسے چپٹ کر بول۔

"پلیز آپ جیسے قہیر... حسن میرا چھوٹا بھائی ہے۔"

"چلو یہ بہت اچھا ہے ورنہ میں سمجھ رہا تھا کہ شاید آپ تیار رہتی ہیں میں آپ کو بتانے آیا تھا کہ آج ایک شخص دو پہر تک آئے گا وہ ایک تیار اور طاقتور سکیورٹی سسٹم رکھے گا میں اسے انہی طرح چاہتا ہوں اور وہ اپنے کام کا ماہر ہے اس لیے آپ بے فکر رہیے۔"

"اوہ شکریہ... اگر آپ انہیں لانے سے قبل مجھے بتا دیجئے۔" اسے برسوں سے اپنے لیے غور کرنے کی عادت تھی۔

"میری اس سے بات ہی بات ہو گئی تھی... آپ کو محفوظ تالوں کی ضرورت ہے۔ کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے؟"

"نہیں... مگر آپ کی اس مہربانی پر میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ مجھے حیران ہونا چاہیے، متاثر ہونا چاہیے یا برا ماننا چاہیے۔"

"میں ہارڈ ویئر سے اس کا مطلوبہ سامان لے آؤں گا اور لکرمٹ کر دوں گا... اس کا ہٹل جس میں ٹن جائے گا۔" وہ اس کی تقریر کو نظر انداز کرتا ہوا بولا۔

اس کے انداز پر مریم کو فحشی آگئی۔ "ٹھیک ہے جناب... آپ کو اجازت ہے ہماری اس مٹی کی دنیا کو محفوظ بنا دیجیے۔" وہ شانہ انداز میں بولی۔ "مگر اس سے پہلے ناشتا ضرور کر لیجیے سب تیار ہے۔"

"شکر..."

"نو اگر مگر... سر؟" وہ مسکرائی۔ حسن بھی اتنی دیر میں نہا کر آ گیا تھا۔

"تو ناشتا پی رہے... میں لی وی کھول لیتا ہوں۔ دو دن سے نہیں کھاتا کچھ کھانا کھا ہوں۔"

"رات والے والے کھائے گئے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے قہیر بھائی... اب کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے نا؟" حسن کا لی ٹالچے ہوئے بولا۔

"جب کوئی مجھ پر گولیاں چلاتا ہے تو وہ میرے لیے پریشانی کی بات ہی ہوتی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"گولیاں... کیا مطلب؟" حسن شدید رہ گیا۔

"بلٹ... ہتھول، گولی، فائرنگ۔" قہیر کا لی کا کھنٹ لے کر بولا۔

"مگر مجھے آپ نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔" وہ یکدم پریشان ہو گیا۔

"اب سب ٹھیک ہو چکا ہے حسن۔" مریم نے بولنا چاہا۔

"پھر بھی آپلی... اس نے اسے گھوما۔" آپ بتاتے سر۔ "اب وہ قہیر کی طرف متوجہ تھا۔ قہیر نے مختصر الفاظ میں اسے پوری تفصیل بتادی۔ وہ چپ چاپ سنا رہا۔

"تو یہ سب ہوا ہے کوئی تالے توڑ کر اندر گھسا، قاتل میں کچھ ڈھونڈا۔ گولیاں چلائیں اور فرار ہو گیا مگر کیوں؟"

"پولیس اس کا جواب ڈھونڈ رہی ہے اور لکرمٹ کرو مریم محفوظ ہے۔"

"آپ کس فورس میں تھے؟"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا اب میں پولیس میں نہیں ہوں۔"

"مگر...؟" اچانک اسے جیسے کچھ یاد آیا۔ "قہیر"

فل... نام ذہن میں گونج رہا ہے ایس ایس پی قہیر... اچانک فورس آپ نے ایبراہیم بلو کو اثر دیا تھا۔" اسے اب انہماک کی سرشتی بھی یاد آ گئی تھی۔ "مگر ڈی جی ایس ایس پی نے"

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں بھی چلتا ہوں۔" وہ باہر نکل گیا۔ حسن واپس آیا تب تک مریم نے جانے کی تیاری کر چکی تھی۔

"تم نے مجھ سے ہر بات چھپائی ہے آبی۔" اس نے آکر بہن کو گھورا۔ "تم نے مجھے یہ بھی نہیں بتایا کہ ہمارا کرایہ دار مشہور پولیس افسر ایس ایس ایف ہے جس نے ابراہیم بلو کے گینگ کا مٹایا کیا تھا۔"

"ابراہیم بلو... یہ کون ہے؟"

"آبی! تم کون سی دنیا میں رہتی ہو۔ وہ غیبات کا بہت بڑا ایکٹ چار رہا تھا۔ لوگوں کو گول کرنا، ہم سے اثر و بناء اس کا مشغلہ تھا۔ وہ اختیارات سونچ تھا کہ پولیس ڈپارٹمنٹ اس سے قمر اتا تھا۔ ایس ایس ایف کی فیکٹری نے اسے نہ صرف بری طرح مارا لالچا لکھا اس کے گینگ کا بھی خاتمہ کرو دیا تھا۔"

"ادو... اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔"

"اس کو اس پریذیڈنٹ بھی غارتھا اور وہ صدر اوتی تھے کے لیے بھی مامور کیا گیا ہے۔ چند مہینے پہلے اخبار اس کے ذکر سے بھرے پڑے تھے مگر تم تو اخبار پڑھتی ہی نہیں ہو... سید محمد علی کا پوتا ہونے کی بنا پر اسے بے حد کوریج ملی تھی۔"

"سید محمد علی... وہ تو بہت دولت مند خاندان ہے۔"

"وہی... ان کی بہت ساری جائیدادیں ہیں۔"

"پھر وہ... ہمارے اس دو بیٹروم کے اپارٹمنٹ میں کیوں رہ رہا ہے؟" مریم نے پوچھا۔

"مجھے لگ رہا ہے کہ گروڈیٹی پولیس میں کچھ وقت سب سے الگ رہتا چاہتا ہے جب سے اس کی بہن کا ریم کے حادثے میں مری ہے۔"

"تو کو... تم نے کیا کہا... اس کی بہن..."

"ہاں! کہا جاتا ہے کہ ابراہیم بلو نے اسے لہرانے کے لیے اس کی بہن کو جھوٹا کے شہر اندھا کیا تھا۔"

"ادو گاڈ... وہ واقعی مشکلوں سے گزر کر آیا ہے۔"

"صرف یہی نہیں... میں نے ان دنوں کئی آرٹیکل پڑھے تھے اس کی بہن طلاق لے چکی تھی۔ اس باب میں کبھی نہیں جانی، دولت کے علاوہ اس کے بچپن میں فالسبا کوئی خوشی نہیں تھی۔ اب پتا نہیں یہ سب کچھ ہے کہ اخبار والوں نے کہا یا نہیں جانی ہیں۔" حسن ہوا۔

"پھر تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ وہ اکیلا رہنا چاہتا ہے۔" اس کی آنکھیں جھپک گئیں۔ "اچھا

منشیات کے بادشاہ کو اڑا دیا۔" وہ اسے غور سے دیکھنے لگا پھر احترام سے بولا۔ "اب واقعی لکڑیوں ہے جس نے ابراہیم بلو جیسے ہارسونگ اور خطرناک مجرم کو لہجہ ہوا اس کی موجودگی میں میری بہن واقعی مگلوٹ ہے۔"

"حسن تمہارا سوا ہاگ بنگ رہا ہے۔" مریم کمرے سے باہر آتے ہوئے بولی۔ وہ قہقہے سے سحریت کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"تم نے اسے بڑی بات کیوں نہیں بتائی تھی؟"

"مما اسے پریشان نہیں کرتا چاہتی تھی۔ دراصل ہمارے خاندان میں ڈراما تک ہونے کے کافی جرائم پاسے جاتے ہیں۔ وہ اپنا کالج وغیرہ چھوڑ کر گھر واپس جانے کا اور مجھے کام کے لیے بھی مسئلہ ہو جائے گا۔" وہ مسکرائی۔ حسن اب تک دوسرے کمرے میں فون پر مصروف تھا۔

"وہ تو فون پر لگا ہے، میں لی وی بند ہی کر دیتی ہوں۔" وہ سن دہانے ہی والی تھی جب اسکرین پر لیویشن کا آغاز ہوا۔ لیوڈ کا منہ کے پیچھے بنے ہاگس میں سسراندر کی تصویر دیکھ کر وہ چونک اٹھی۔

"ابھی تک اس ٹریڈی کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں مل سکی ہیں۔ ماضی کی مشہور گلوکارہ سسراندر ورنی اب بھی کوسے کی حالت میں ہیں۔ کل رات ان کے گھر چوری کی واردات میں مظلوم طرہ ان انکس اور ان کی

بھانجی کو گولیاں مار کر قرار ہو گئے تھے ان کی بھانجی سسراندر فیروزہ موقع پر ہی چاک ہو گئیں جبکہ سسراندر کو بے ہوشی کی حالت میں اسپتال پہنچایا گیا۔" لیوڈ کا سزا سننے کی تفصیل بیان کر رہا تھا۔

"ادو خدا یا... یہ تو سسراندر ہیں، میری کلاسٹ ریٹ۔ ابھی پرسوں تو یہ دکان پر آئی تھیں۔" مریم بری طرح کانپ رہی تھی۔

"ہلیو خود کو سنبھا کو۔" قہر اسے کندھے سے پکڑ کر کمری تک لے آیا۔ "ہر بات دل پر نہیں لی جاتی، یہ افسوسناک ہے مگر ہمیں اپنے آپ پر قابو رکھنا چاہیے۔"

"میں اسی لیے نہیں نہیں دیکھتی مجھ سے یہ سب برداشت نہیں ہوتا جب بھی کسی کی خبر سنی ہوں تو میرے ذہن میں خون و خواب بدلتے ہوئے بچے آ جاتے ہیں۔ ہر ایک کی پہلی ہوتی ہے ایک شخص کی موت کا مطلب نہ جانے کتنے افراد کی تباہی ہوتا ہے۔" وہ لہجہ بولی۔ "خیر... میں آج جلدی دکان پر چلی جاتی ہوں۔" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

میں دکان پر جا رہی ہوں ہم آرام کر لو۔“
 ”آپنی محتاط رہتا۔“ وہ دودھ مارہ بند کرتے ہوئے
 بولا۔

☆ ☆ ☆

قبر کو دابیں آئے آئے جا رہا تھے۔ اسٹور
 معمول کے مطابق کھلا ہوا تھا۔ سکیورٹی سسٹم کے متعلق
 معلومات کے لیے وہ سیدھا دکان میں چلا گیا۔ مریم احمد
 اپنے آئس میں سوچ رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ دیکھ پاتا
 مریم نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اس کے گالی سفید
 ہو رہے تھے۔ نیلی آنکھیں حورم اور آنسوؤں سے بھری
 ہوئی تھیں۔

”کوئی بری خبر...“ اس نے پوچھا۔ جب مریم نے
 کوئی جواب نہیں دیا تو وہ کرسی کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ
 گیا۔ ”مریم کیا ہوا ہے؟“ اس نے جواب میں صرف سر ہلایا
 مگر اس کوشش میں آنکھوں میں رکا ایک آنسو رخسار تک پہنچ
 گیا۔

”کیا میں تمہاری اسسٹنٹ یا حسن کو بلا لاؤں، تم کیا
 محسوس کر رہی ہو؟“ وہ پریشان ہو گیا۔
 ”نہیں۔“ مریم نے ہونٹ دبا کر خود پر قابو پانے کی
 کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”اتوار کو ہم ٹیلائی کے لیے لاپہ
 زار گئے تھے وہیں ہماری شکات ایک صاحب سے ہوئی
 تھی وہ بالکل بامعاہیے گئے تھے مجھے، ان کا نام جعفر اسلام
 تھا۔ میں نے انہی ان کو فون کیا تھا، ان کے پوتے سے بات
 ہوئی، وہ مرچھے ہیں۔ انہی دنوں پہلے ان کے اسٹور پر
 چوری کی ایک واردات میں مل کر دیا گیا۔“

”اوہ آ“

”چتا نہیں یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ایک کے بعد ایک
 واردات اور ہی ہے۔“ اس کے لیے یہ جھکا شہد تھا۔
 ”کیا قابل پکڑا گیا؟“

”نہیں، مجھے تفصیلات کا علم نہیں ہے... یہ بہت
 مشکل ہے... خبریں میں لوگ مسلسل اس دباؤ کو اس کیفیت
 کو کیسے برداشت کرتے ہیں؟“ اس نے بے اختیار لہجہ کا
 ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اس کی اس بے اختیاری نے دونوں کو حیران
 کر دیا۔

”وہ چیزیں کو سوچنے کی طرح نہیں لیتے مریم۔“
 ”تو کیا تمہاری خورس کو چھوڑنے کی وجہ یہ تھی کہ تم
 چیزوں کو سوچنے کی طرح لینے لگے تھے؟“ اس کی ذہنی رد
 اس کی طرف ہٹ گئی۔

”شاید۔“ وہ پہلے اس کے سوال پر حیران رہ گیا پھر
 اس کا چہرہ بے تاثر ہو گیا۔

”مگر یہ کوئی منطقی وجہ تو نہیں ہے۔“

”میرے خیال میں یہ وجہ کافی تھی...“

”تھی... یعنی اب یہ سوچ بدل گئی ہے...؟“

”میں اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہتا مریم...“
 وہ کھڑا ہو گیا۔

”او کے۔“ وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی اور اسے
 کمرے سے نکال دیتی رہی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بات کرے
 گا، پھر کبھی، کسی اور وقت... کسی اور جگہ... مگر کرے گا
 ضرور...

☆ ☆ ☆

رات کے دس بج رہے تھے۔ خراجان کی گاڑی تیسری
 مرتبہ مریم کی دکان کے سامنے سے گزری۔ اس کا انداز ہمارہ
 بچے کے بعد دکان میں گھسنے کا تھا۔ اسے اس کے اسٹور روم
 میں اس شخص سے شک کو تلاش کرنا تھا۔ اس کے پاس اس کام
 کو ختم کرنے کے لیے صرف دو دن کا وقت بچا تھا۔ تیسری بار
 اس نے بخور بلندنگ اور پارکنگ ایریا کا جائزہ لیا وہاں کوئی
 گاڑی موجود نہیں تھی۔ دکان تو خیر بند ہی تھی مگر عمارت کی بھی
 زیادہ تر بیرونی روشنیاں جل رہی تھیں، یعنی اس وقت نیچے یا
 اوپر کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اس نے پاؤں میں تبدیلی کا فیصلہ
 کیا اب وہ اسی وقت دکان میں داخل ہونے کا سوچ رہا تھا۔
 نیا سکیورٹی سسٹم اس کے لیے سخت چیلنج ثابت ہوا۔
 اسے اندر داخل ہونے میں آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت لگ
 گیا۔ اسٹور روم میں گزرے پندرہ منٹ اسے یہ سمجھانے
 کے لیے کافی تھے کہ وہ بینکنگ وہاں نہیں ہے۔ وہ بہت ابھرا
 ہوا تھا اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پوری دکان کو لپٹ کر کے
 رکھ دے مگر وہ خود پر قابو پا کر نہایت احتیاط سے نکلتی لپٹا
 دیا۔ آخر میں اس نے اسٹور کا ایک چکر لگا دیا۔ اس بار وہ کسی
 چھٹی چیزیں اپنی جیب میں ڈال گیا تھا جس میں کتے کا وہ
 چھٹی بھروسہ بھی شامل تھا جو پہلے دن اس سٹیز گرل نے اسے
 بچنے کی کوشش کی تھی۔ وہاں سے ناکامی کے بعد وہ میز میوں
 کی طرف بڑھا۔ اوپر جانے والے دروازے کا تالا کھلا ہوا
 تھا۔ ہل دے میں داخل ہو کر وہ چند لمحوں تک دیر اور سے
 چپکا کچھ شے کی کوشش کرتا رہا، وہاں کھل خاموشی تھی۔
 رینج، ٹیلا ویشن، کھٹک کوئی آواز نہیں گئی۔ وہ آگے بڑھا،
 اگلے تیس منٹ میں وہ لہجہ کے ایڈمنسٹ میں تھا۔ اس
 ایڈمنسٹ کی کھٹی چند لمحوں میں ختم ہو گئی۔ وہاں ہر چیز اپنی

درخت

"میں تو سونے جا رہی تھی..." اس کی سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔

"فصلوں بات کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی میرے سامان کو چھو رہا ہے تو مجھے اس کا پتا لگ جاتا ہے..." تم کیا تلاش کر رہی تھیں؟

"کیا کچھ اس ہے؟ میں کیا اور کہاں ڈھونڈ رہی تھی؟"

"لو... ہو کے..." اس نے مریم کا ہاتھ پکڑا اور اسے فوراً گھسیٹا ہوا اپنے اپارٹمنٹ میں لے آیا۔ "لو اب تمہیں جتنی تلاش کرنی ہے لے لو..." ڈھونڈو کیا چاہیے ہے تمہیں؟

"تم پاگل ہو گئے ہو مسٹر قہر علی۔" اسے اب شدید غصہ آ رہا تھا۔ اس دوران اس دوران میں سے کسی نے مریم کے دروازے سے آگے سے باہر نکلتے فرمان کو نہیں دیکھا۔

"مریم! تمہارا کیا خیال تھا کہ مجھے پتا نہیں چلے گا کہ میں نے جو دو سال پہلے اس کو چھو لیا ہے۔"

"مگر میں نے یہ نہیں کیا ہے۔" وہ روہانی ہو گئی۔ "جھوٹ مت بولو... اور یہ ڈراما کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بولا۔

"اب بہت ہو گیا۔" معاملہ واقعی اس کی برداشت کی حد سے باہر ہو گیا تھا۔ "تم جا کر میری گاڑی کا پورٹ چیک کرو مسٹر پینس میں وہ ابھی تک گرم ہو گا۔ میں خود زیادہ سے زیادہ چھ یا سات منٹ پہلے آئی ہوں۔ قاطر کا نمبر لو اور اس سے پوچھو کہ میں اس کے گھر سے کتنی دیر پہلے آئی ہوں اور میں نے تمہارے اپارٹمنٹ میں قدم بھی نہیں رکھا ہے۔ سمجھ میں آیا؟" اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور دروازے کی جانب بڑھی۔ آنسو اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

"مریم...! میری بات سنو۔" قہر نے اسے روکنا چاہا۔

"مجھ سے دور رہو... مجھے تمہاری عقل بھی نہیں دیکھنی ہے۔" وہ دروازے سے پٹائی دور دوڑتی ہوئی اپنے اپارٹمنٹ میں گھس گئی۔

قہر اپنی جگہ ساکت کھڑا رہا۔ وہ غلط نہیں تھا۔ لیکن طور پر کوئی اس کے گھر میں داخل ہوا تھا۔ اس کی کتابیں اپنی جگہ سے ہل رہی تھیں۔ اس کے دروازے کو کسی نے اٹھایا تھا

جگہ پر تھی۔ پورے اپارٹمنٹ میں کوئی ہینٹک نہیں تھی۔ اگلے دو منٹ میں وہ مریم کے اپارٹمنٹ میں داخل ہو چکا تھا۔ یہاں رنگ رنگ سامان بڑے بڑے ٹیبلٹوں کی بھرمار تھی مگر کافی دیر کی تک وہ در کے بعد فرمان کو باہر ہی ہوئی۔ وہ ہینٹک یہاں بھی نہیں تھی۔ وہ مریم کی خواب گاہ میں تھا جب اسے نیچے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے پاس بالکل وقت نہیں بچا تھا۔ آنے والا اب سیز جیوں پر تھا اور وہ ایک منٹ میں گھر میں داخل ہو سکتا تھا۔ وہ ٹپک کر الماری میں گھس گیا۔ رنگ رنگ کپڑوں کے ڈھیر کے نیچے وہ غائب ہو گیا۔ مریم مکان سے سیدھی قاطر کے گھر چلی گئی تھی۔ حسن کو آج ایک اہم سائنٹسٹ تیار کرنا تھا اس وجہ سے تھوڑی دیر سے آنے والا تھا۔ یہ معلوم ہونے ہی قاطر اسے ساتھ لے جانے پر بے ہوش ہو گئی۔ وہاں بچوں کے ساتھ واقعی اس کا وقت بہت اچھا گزرا تھا مگر اب وہ تھک گئی تھی۔ وہ لاؤنج کی لائٹ آن کر کے سیدھا اپنے کمرے میں آئی تھی۔ پہلے اس نے نہانے کا ارادہ کیا مگر پھر ٹھنکنے نے اسے بھی مسترد کر دیا۔ اس نے کرسی پر رکھے ٹائٹ سوٹ کو اٹھایا اور کپڑے تبدیل کرنے لگی۔ الماری میں چھپا فرمان دروازے کی جھری سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس منظر نے اس کے اس برا وقت سے پیدا ہونے والے غصے کو ختم کر دیا۔ "نہرو منٹ" اس نے دلدی... اب اس کا پلان بدلنا چاہتا تھا اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اس کے بستر میں جانے کے بعد... باہر آ جائے گا۔ اس کی پستول اس قاتل عالم کو ہینٹک کا پتا بتانے پر رضا مند کر لے گی اور پولیس کے بعد اس کا کچھ وقت اچھا بھی گزر جائے گا۔

میں اس وقت جب وہ بستر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ دروازے پر زوردار دستک سنائی دی، مریم چونک گئی اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل... حسن کے پاس تو چابی تھی پھر یہ اس وقت کون ہو سکتا ہے؟ الماری میں چھپے فرمان کے لیے یہ باہر ہی اور غصے کی بجائے تھی... اس کا کوئی پلان پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا رہا تھا۔

"کون... قہر؟" وہ دروازہ کھولتے ہوئے تھوڑا سا ہچکچائی۔

"دروازہ کھولو۔" قہر کی آواز پر اس کی جان میں جان آئی اور اس نے دروازہ کھول دیا۔

"میں آ رہی تھی..." وہ کہتے کہتے رک گئی۔ قہر کے چہرے پر شدید غصہ تھا۔

"تم نے کیا سوچ کر یہ کیا...؟" وہ فریاد۔

مکروہ... مریم نہیں تھی۔

اور وہ نہیں کرتے...

"کیسا نہیں ہے..."

"ایسا ہی ہے، کم از کم اس وقت تو یہی لگ رہا ہے۔"
وہ قلعی انداز میں بولی۔ "اور اب میں سونا چاہتی ہوں۔"
"او کے، کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں یہ خرچہ خور دوں؟"
"نہیں، اس کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔

"اب تم ٹھیک ہو؟" مریم نے جواب میں سر ہلایا۔
"او کے... دروازہ بند کر لو اور لاک کرنا مت بھولنا۔" وہ یہ کہہ کر سیدھا باہر نکل گیا۔
☆ ☆ ☆

اسے صبح اسٹور میں اپنی میز پر پھولوں کا ایک خوب صورت گلدستہ ملا جس پر گئے کاغذ پر کسی کا نام نہیں تھا صرف سوری نکلا تھا۔ وہ اس سے زیادہ حیرت زدہ ہوئی تھی۔ اس نے رات فیصلہ کر لیا تھا۔ فیصلہ علی... کتنا ہی عجیب اور پریشانی کیوں بلکہ وہ ان کے لیے وہ صرف ایک کرائے دار ہے۔ وہ کسی کو بھی خود کو اس طرح خوف زدہ اور دنگی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی تھی اور درجن بھر پھول کسی برقیل کرنے کا ازالہ یقیناً نہیں کر سکتے۔ دس بج سے خود کو مسلسل معصوفہ رکھے ہوئے تھی۔

"مریم! کیا تم نے وہ قیمتی ڈاگ کا مجھے کہیں رکھا ہے؟" نفیسہ نے اس سے پوچھا تب بھی وہ اپنے مستقل گاہکوں کوئی لسٹ کے بارے میں ای میل کر رہی تھی۔
"نہیں... میں نے تو کئی دن سے اسٹاک کو ادھر آؤر میں کیا۔"
"وہ مجھے اپنی جگہ پر نظر نہیں آ رہا ہے۔"
"تم قاطعاً سے پوچھو۔"

"میں پوچھ چکی ہوں اور خود اپنے طور پر جان رہی ہوں۔"
"ارے وہ چلو میں دیکھتی ہوں۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

"میں نے اسے پرسوں ایک مسٹر کو دکھایا تھا اور مجھے یقین ہے کہ وہ کل تک یہی تھا۔" نفیسہ نے کہا۔
چند منٹ میں ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ کئی قیمتی اشیاء غائب ہیں۔ نفیسہ بہت شرمندہ ہو رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید یہ چیزیں شاہ لالہ کی نذر ہو گئی ہیں۔

"اب اس کا حل تو یہی ہو سکتا ہے کہ ہم اسٹور میں کمرے لگاؤ لیس یا پھر ہر چیز کو بند الائنی میں رکھیں۔"

اس نے پشیمانی سے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ یہ کیا کیا اس نے... شاید یہ ہفتوں کا قصہ تھا۔ آج وہ پوری شام سلی اور اکاؤنٹنٹ کے ساتھ انجینئری میں گزار کر آیا تھا پھر یہاں آکر جو اس نے محسوس کیا، اس نے اس کے قصے کو ہمیشہ کر دیا اور اب... اس نے انہوں سے ہاتھ ملے... یہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ آخر اس نے ایک گہری سانس لی اور مریم کے دروازے کی جانب بڑھا۔

"مریم! پلیز دروازہ کھولو... مجھے انہوں سے بات کرنے کی ضرورت ہے، اندر سے جواب میں پشیمانی گہری خاموشی اس کے لیے امتحان ثابت ہو رہی تھی۔ کافی دیر بعد اس نے دروازے کو کچک کر کھلایا تو وہ کھتا چکا گیلاہ پھر دروازہ لاک کرنا بھول گئی تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ اسے نظر آئی تھی، وہ آرام کرتی پر ہنسی تھی اور اس کا چہرہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا۔
"پلیز! مجھے معاف کر دو۔" قہر آنکھوں سے بولا۔

"یہاں سے چلے جاؤ۔"
"چلا جاؤں گا مگر پلیز... میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں۔"

"کیوں... تمہیں یہ خیال آیا ہی کیسے کہ میں نے یہ کیا ہو گا تم نے کیا سمجھ کر یہ بات کی؟" وہ پھٹ پھٹ کر بولی۔
"تمہیں حق ہے، ہمارے ماضی کا... یہ میری غلطی ہے۔"
"مگر کیوں؟ مجھے اس بات کا جواب چاہیے۔"

وہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا، اس کے گلے میں ہتھ اٹک سا رہا تھا مگر اسے اس سبیل کا جواب دینا تھا۔
"ابراہیم کے نوکے دروازے کے گلے سے چند روز پہلے میرے گھر میں گھسے تھے۔ انہوں نے وہاں سے کچھ نہیں چرایا تھا وہ صرف مجھے بے بسی کا احساس دلانا چاہتے تھے کہ وہ جب جہاں جو چاہیں وہ کر سکتے ہیں۔ آج جب میں گھر آیا تو وہی سب کچھ میرے سامنے میں تازہ ہو گیا... میں سمجھا شاید یہ تم ہو... میرے بارے میں جانتے کے لیے شاید یہ کر رہی ہو اور میں بخود پر قایم نہیں پا سکا... وہ بہت ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا، مریم کا دل چاہا کہ وہ سب کچھ بھول جائے... مگر جب وہ بولی تو اپنی آواز اسے خود بھی اجنبی لگ رہی تھی۔
"کل رات اور آج مجھے یہ یقین ہو چلا تھا کہ شاید میری زندگی میں وہ لوہہ آگیا ہے جب دل پر سے چین سے کسی پر اعتبار کر لیتا ہے... مگر اب مجھے وہ سب لگا لگ رہا ہے، اعتماد ہر شخص کی پہلی سیڑھی ہوتی ہے اور تم مجھ پر

پوچھا۔

"اس کا میرے پاس ایک ہی جواب ہے قہر...
وہیں آجاؤ یا ر... ہم نے اپنی اس فحش کا ایک امر بنایا
ہے، یہ اس کی سناٹا کا سوال ہے۔" اس کے جواب پر قہر کی
آنکھیں جھک گئیں۔

"آصف میں اس قابل نہیں ہوں۔ میں اپنے لیے
پر قابو رکھنے میں ایک بار کام ہو چکا ہوں... کہیں یہ جگہ
سے کوئی اور غلطی نہ کرادے۔" وہ چند لمبے خاموشیوں کو
بولے۔ "میں تم سے کچھ بات کرنے آیا تھا، کل رات کوئی
میرے گھر میں کھسا تھا۔"

"اور... چور کی کے لیے؟"

"نہیں، کسی نے صرف تلاش لی ہے، میں سارا دن
باہر تھا ذات گئے وہیں آیا تو یہ دیکھا، میں سمجھا شاید مریم
نے بخشش میں سب کیا ہے۔"

"پھر... تم نے اس پر کوئی سختی تو نہیں کی؟"

"نہیں، صرف پوچھا تھا مگر وہ... راض ہو گئی
ہے۔ سوائے یہ ہے کہ اگر وہ نہیں تھی تو پھر کون تھا..."

"شاید وہی... مگر کیا تم نے سکیورٹی سسٹم نہیں بدلا
ہے۔"

"بدل دیا تھا... مگر یہ کوئی باہر آدمی ہے۔ ہو سکتا ہے
کہ یہ لبرائیم گروپ کا چکر ہو... بدلہ لینا چاہتے ہوں۔"

"وہ اس قابل تو نہیں تھا کہ کوئی اس کا انتقام لے۔
ایسے لوگوں کے دوست صرف ان کی زندگیوں میں ہی ان
سے دغا دار ہوتے ہیں پھر بھی... وہ کچھ سوچ کر بولا۔
"اگر یہ معاملہ ہوتا تو وہ شاید بڑا حملہ کرتے بہر حال میں اس
بلڈنگ کی نگرانی کر دیتا ہوں۔"

"شکریہ... اگر کسی کو مجھ سے کوئی مسئلہ ہے تو میں
فحش چاہتا کہ اس کا نقصان مریم کو پہنچے۔"

"میں سمجھتا ہوں اس۔" آصف نے آنکھیں
پٹی ہیں۔ قہر جواب میں مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

واپسی پر اس نے اوپر جانے کے بجائے اسٹور کا رخ
کیا۔ شام ہو چکی تھی مگر مریم اپنی لایک پر موجود تھی۔

"مجھے تمہیں کچھ دینا ہے۔" اس نے ایک پیکٹ اس
کی میز پر رکھا۔

"یہ کیا ہے؟" مریم نے پیکٹ کھول کر دیکھا۔ اس
میں شیشے کے خوب صورت باکس میں چھوٹا سا ٹینڈل دیڑ
موجود تھا جس کے گلے میں سواری کے الفاظ کا بار پڑا ہوا تھا،
وہ گلے سے مسکرائی۔

مریم بولی۔ "بہر حال، میں اسٹورس کھلی کو خبر کرتی ہوں۔
اس وقت کے لیے ہی ہم انہیں پریمیم دیتے ہیں اور فیئر کم
اتنی پریشان مت ہو۔"

☆☆☆

قہر کے لیے اپنے ہیڈ کوارٹر جانا ایک مشکل فیصلہ تھا۔
اس نے یہاں ان گنت شب و روز گزارے تھے۔ وہ
آصف سے کتنا باہر بھی نہیں سکتا تھا مگر شاید اس طرح وہ اپنی
سزا کو مزید سخت بنانا چاہتا تھا پھر فرار بہتر مل بھی نہیں ہوتا۔ یہ
وہ جانتا تھا۔ وہاں سب کچھ دیکھا ہی تھا۔ وہی آوازیں،
جائے کی خوشبو، سگریٹ کی مہک، ٹیلی فون کی گھنٹیاں، گنگنگ
کی تیز ہلکی آوازیں۔

"اور... قہر صاحب! اسے سب سے پہلے اسٹور
ابھرنے دیکھا۔" کیسے ہیں آپ...؟"

"بالکل ٹھیک اور تندرست...؟" قہر مسکرایا۔ "کیسا جا رہا
ہے سب؟"

"طبیعی ہے مگر آپ کے بغیر یہاں کام کا لطف نہیں
رہا ہے، اسٹورس میں بھی لکڑیوں کا دفتر بن گئی ہے۔" وہ منہ بنا
کر بولا۔

"کیا مطلب...؟"

"کانڈی کارروائیاں اب ترجیحات کی لسٹ پر سب
سے پہلے آتی ہیں۔ آپ جمشید صاحب کو جانتے ہیں وہ اسی
کام کے ہادشا ہیں... قاعدے... ریکرکیشن... چاہے
اس میں مجرم لندن کیوں نہ پہنچ جائے۔" وہ مسکرایا۔

اس دوران میں کل لوگ وہاں آگئے تھے۔ وہ سب
اس سے مل کر خوش تھے، اس کی واپسی کے جملے تھے۔ وہ
ایک ایک سے مل رہا تھا، اس رہا تھا، سوالات کے جواب
دے رہا تھا پھر اس نے ابھرنے آصف لودھی کے بارے
میں پوچھا۔

"وہ اپنے کمرے میں آگیا۔" ابھرنے نے جواب
دیا۔ وہ سیدھا اس کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ آصف
فون پر کسی سے الجھ رہا تھا۔ اس نے قہر کو دیکھا تو فون بند کر
دیا۔

"خوش آمدید قہر... پلیز بیٹھو۔" آصف کسی
صالے میں الجھا ہوا تھا اور قہر وہل دینا نہیں چاہتا تھا۔ اس
کے خیال میں اب یہ اس کا حق بھی نہیں تھا پھر بھی وہ چہچہاتے
بغیر بندہ نہ تھا۔

"یار! کیا یہ جمشید چیزیں غراب کر رہا ہے؟" اس نے
اپنا جھگڑا کرنے واسطے ایس ایس لی کے بارے میں

"کیونکہ تم نے مجھے ہو کر پھونوں کا گلدستہ، یہ ٹیوٹ لٹری
اس شب کا غم کو کم کر سکتے ہیں جو تم نے مجھ پر کیا ہے؟"
اس نے آہستگی سے بوجھا۔
"چائیس مگر کچھ کرنا کچھ نہ کرنے سے تو بہتر ہے۔"
وہ مسکرایا۔ "مجھے شاعری سے کبھی ذرا بھی لگاؤ نہیں رہا مگر پھر
وہ جو مرزا غالب نے کہا ہے کہ صحت مردانہ درخشاں..."
"وہ مرزا غالب نے جس عطا صا قبل نے کہا ہے۔"
مریم نے اسے گھورا۔

"اور... سیاق و سباق کا حوالہ ہمیشہ میرے لیے
مسائل تھرتھرتے کرتا ہے اسی لیے تو میں تمہید کا قائل نہیں
ہوں۔۔۔ ایک لمبے رنگ کردہ پھر بولا۔ "کیا ہم کل رات کو
بھول سکتے ہیں؟"

"ہو سکتا ہے لیکن میری شرطوں پر۔۔۔"
"ٹھیک ہے، مجھے منظور ہے۔" وہ تاحہ اولیٰ سے
بولا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں کہ تمہارے لیے کسی دوسرے کی
بات ماننا اور اس پر چلنا سب سے مشکل کام ہو سکتا ہے۔۔۔
اس لیے اس اسپرٹ کو سراہنا پڑے گا۔" وہ مسکرائی۔ "پھر
آج مجھ میں بھی زیادہ بحث کرنے کی صحت نہیں ہے، غصا
مشکل دن رہا ہے آج کا۔۔۔"
"کیوں؟ کیا ہوا ہے آج؟" قہر کی حسابات گویا
جانب ڈھکیں۔

"شاب لفٹنگ، بھاری کٹی، اہم چیزیں غائب ہیں
جبکہ غیب کا خیال ہے کہ کل تک سب موجود تھا ویسے سب کچھ
اشور رہا ہے۔"

"بات اشور نس کی نہیں ہے۔" قہر کچھ سوچے
ہوئے بولا۔ "تمہاری کٹی چیزیں نانب ہیں اور کل کوئی
میرے گھر میں گھسنا تھا۔" وہ اس کے چہرے پر شکوک
لہراتے دیکھ کر بولا۔ "پ میں اس لیے نہیں کہہ رہا ہوں کہ
میری بد اخلاقی کو جو ذلیل سمجھ، کوئی رات میرے گھر میں
گھسنا تھا۔" وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔

"مگر ہم نے تو نیا سیکورٹی سسٹم بھی لگوا دیا ہے۔"
"ہاں مگر دنیا کے سب سے بہترین سسٹم کی سوچو دی
میں بھی جرائم ہوتے ہیں۔" وہ اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا۔
"آؤ میں اندرونی میزبیاں چیک کرنا چاہتا ہوں۔۔۔
چاہیاں کیا۔۔۔؟"

"وہ میں نے تالا تو لگایا ہی نہیں ہے۔" جواب میں
وہ اسے گھور کر رہ گیا۔ "در اصل میں نے سوچا کہ باہر پوری

سیکیورٹی کا سسٹم موجود ہے۔"

وہ اندر بے دستور سے ہوتے ہوئے اوپر ہال دے
میں اور پھر مریم کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر پہنچے۔
ہمیشہ کی طرح اس کا دروازہ بھی لاک نہیں تھا۔ قہر نے مڑ کر
اسے جھنکی انداز میں گھورا۔

"حسن کیا ہے آؤ میں۔۔۔ میں تو صبح جلدی اسٹور پر
آئی تھی۔" اس نے گڑبڑا کر مٹائی پیش کی۔

اندروں میں ہو کر قہر نے گہری نگرہوں سے لاؤنج کا
جاغہ لیا۔ "وہ تجربہ ہی آرٹ کا نمونہ کہاں گیا جو یہاں
صوفے پر دکھا تھا۔"

"وہ۔۔۔ میں نے اکر کو دے دیا ہے۔"

"او کے۔۔۔ اور زیندات وغیرہ چیک کرو۔" مریم

نے البانوی چیک کی اور وہیں سے پاکاؤں۔ "یہاں سب
ٹھیک ہے آئی ایم سویری ایس ایس پی صاحب۔۔۔ میرے
پاس رپورٹ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

"تم مجھے اسٹور سے غائب ہونے والی اشیا کی لسٹ
دے دو پتہ۔۔۔ میں آصف سے کہہ کر چیک کراتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، یوں بھی اشور نس کے لیے مجھے
رپورٹ تو کرنا ہی ہے۔"

"اور اب آخری بات۔۔۔" وہ اس کی طرف مڑتا ہوا
بولا۔ "وہ جو تم نے کل کہا تھا وہ کچ تھا۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟"

"وہی کہ کچھ غسون کرنے کے لیے سالوں کی رفاقت
ضروری نہیں ہے اور اگر تم مجھ سے کچھ معنوں میں کل رات کو
بدل لینا چاہو تو اس کے لیے صرف اتنا کہنا ہی کافی ہوگا کہ تم
مجھ پر اعتماد نہیں کر رہے۔" وہ بھاری سچے میں بولا۔

"شرقی ہوں۔" مریم نے فوراً جواب دیا۔ وہ مسکرا
دیا۔

"اب تم کیا کر رہی ہو، میرا مطلب ہے کیا ہم قدر
ساتھ کر رہے ہیں۔"

"نہیں آج میری ایلو اور غی کے ساتھ ڈنٹ بٹے ہم
ایک بار اوئی فلم دیکھنے والے ہیں۔" وہ ہنسی پر

"مگہ۔۔۔ حالانکہ انہیں اس کے لیے کسی پکچر ہاؤس
جانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"بالکل۔۔۔ مگر ابھی وہ اتنی زیادہ ہارر فلمیں نہیں دیکھ
پاتے۔" وہ اس کی جانب اشارہ کر کے کھل کے مسکرائی۔

"ٹھیک ہے پھر میں بھی آج اپنے اسٹیل سے مل آتا
ہوں۔"

خونچے

”شکر یہ بھیسر...“ اس نے اپنا ایک ہاتھ کھڑکی پر رکھا اور سگراتے ہوئے جیب سے ہسٹول نکال کر آئیسر کے سینے پر رکھ دی۔ ان کی نظریں ہشکل ایک لمبے کے لیے ملی تھیں پھر چپ بپ کی دو مختصر سی آوازیں آئیں، پولیس افسر کے جسم کو جھکا سا لگا اور وہ سیٹ پر ڈسے گیا۔ فرحان نے اطمینان سے اس کی نبض دیکھی، اسے ساکت پا کر مسکرایا۔ اس نے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ والا دروازہ کھولا۔ پولیس آفیسر کی بظلوں میں ہاتھ ڈال کر اسے سیدھا بٹھا دیا، کھڑکی کے شیشے کو بند کر کے وہ باہر نکل آیا۔ اسے شکایت کی کوئی فکر نہیں تھی کیونکہ اس کے دولوں ہاتھوں پر دستانے موجود تھے۔ وہ پوری تیاری کر کے آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

مریم جیسے جیسے قدموں سے سبز صباں چڑھ رہی تھی۔ ایلینا اور علی کے ساتھ اس کی شام بہت اچھی گزری تھی۔ وہ لوگ اسے روکنا چاہ رہے تھے مگر وہ گھبروت آئی تھی اسے سوچنے کے لیے تھالی اور سکون دے گا تھا۔ اصل میں وہ کئی سالوں سے اکیلے رہ رہے تھے پھر حسن کا زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزرتا تھا۔ اس ساری پریشانی نے اسے اکیلے رہنے کا عادی بنا دیا تھا۔ آج رات کے لیے اسے خاموشی چاہئے تھی گرم کتلی اور آٹھویں کتب درکار تھی۔ اپارٹمنٹ میں داخل ہو کر اس نے بیگ اور ہاتھ کا سامان بھل پر رکھا لاؤنج کی لائٹ جلائی اور مگن میں داخل ہوئی۔ وہ چائے چادر کے مگن سے قلی تو حیران رہ گئی۔ لاؤنج کی لائٹ بھی ہوئی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے لائٹ جلائی تھی۔ وہ ابھی ہوئی ہی لاؤنج کے درمیان کھڑی تھی اچانک اس کے پیچھے مگن کی لائٹ بند ہو گئی۔

اس کی سانس رک سی گئی۔ خوف کی انگلیاں اس کے بدن پر سرسرا رہی تھیں۔ وہ اپنی جگہ جی کسی انہونی کے ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے کانوں میں اس کے اپنے دل کی آواز ڈرم کے مانند بج رہی تھی۔ اس نے ہاتھ سر پر مارا۔ ”میں بھی پس... شاید بلب لیور ہوا ہے...“ وہ اتنا ہی کہہ پائی تھی کہ ایک بھاری سا ہاتھ اس کے منہ پر جم گیا، وہ کچھ سوچ پائی، اس سے نکل ہی کسی نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

”ابھی آواز نہ لکھے ہر دم جانتی ہوں کہ گولی نکلے میں کتنی دیر لگتی ہے۔“ وہ اس کی گردن پر ہسٹول رکھتے ہوئے سرگوشیانہ انداز میں بولا۔ ”کیا تم چاہتی ہو کہ میں اسے استعمال کروں؟“

فیسر کے جانے کے بعد بھی وہ لاؤنج میں بیٹھی مسکراتی رہی۔ فوشی بھی مدہنی کی طرح ہوتی ہے جہاں جہاں پہنچتی ہے سب کچھ جگمگا کر دکھاتی ہے۔ کب کا پڑھا جملہ اسے آج ٹھیک طرح سے سمجھ میں آیا تھا۔

☆ ☆ ☆

فرحان اس شاندار ہوٹل کے آرام وہ کرے اور وہیں موجود سہولتوں سے یقیناً لطف اندوز ہو سکتا تھا اگر وہ اس پینٹنگ کو یا اس کے بارے میں معلومات کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا... وہ تقریباً کامیاب ہو ہی گیا تھا مگر وہ منہوں میں دہائی لپک نہ پڑتا۔ اس نے ایک ہاتھ کا نمکا دوسری ہتھیلی پر راسے ہوئے سوچا، وہ شوکت اللہ کو اچھڑی رہ پورٹ نہیں دینا چاہتا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ پینٹنگ اس کے لیے بہت اہم ہے۔ اس کے پاس ابھی دو دن تھے۔ اسے یقین تھا کہ ان دونوں میں وہ اپنا کام مکمل کر لے گا۔ وہ اب تک اس بات پر حیرت زدہ تھا کہ اتنی احتیاط کے باوجود اس آدمی کو فرحان کے اس کے گھر میں گھسنے اور تلاشی لینے کے بارے میں اس قدر جلد کیسے معلوم ہو گیا... یہ یوں بات ہے کہ اس کا سارا قلب اس عورت پر تھا عورت کا خیال آتے ہی اسے وہ منظر یاد آ گیا۔ فیسر باپس ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ گویا اپنے آپ سے بولا۔ جو کچھ ہوا تھا، اس سے فرحان کے منسوبے پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

وہ آج وہی کچھ کرنے والا تھا جو کل نہیں ہو پایا تھا۔ غصہ آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ فرحان رات کے دس بجے کے قریب مریم کے اسٹور کے پاس پہنچی گیا تھا مگر عمارت سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی پولیس گاڑی کہ اس کا رخ مگھوم گیا۔ یہ مسئلہ اس کے ذہن پر پلان میں نہیں تھا مگر اب اسے اس کا حل بھی ملنا تھا۔ وہ ملائے میں گھومنا رہا، اس کا ذہن پلاننگ میں مصروف تھا، اس صحت بعد وہ دوبارہ عمارت کے قریب پہنچا۔ اب وہ طے کر چکا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے پولیس گار کے قریب گاڑی روکی، اور پولیس گار کی طرف چل پڑا۔

”جی فرمائیے۔“ اندر موجود انسپکٹر نے شیشہ اتار کر اس کی طرف دیکھا۔

”اصل میں مجھے اس ایڈریس کی تلاش ہے، کیا آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔“ وہ کھڑکی کے قریب آ کر مسکرایا۔ ”دیکھا ہے ایڈریس... ہمارا تو کام ہی پبلک کی مدد کرنا ہے۔“

اس نے ہنسل لٹی میں گردن ہلائی...

"میں بھی نہیں چاہتا تم مجھے پسند آئی ہو... کل میں نے تمہیں کپڑے بدلنے دیکھا تھا... اس وقت میں تمہارے کمرے کی الماری میں تھا اس لیے پورا منظر ٹھیک سے دیکھ نہیں پایا... مگر دیکھو میں کل کا کام آج پورا کرنے پہنچ گیا ہوں۔" وہ کیمنگی سے بولا۔ مریم کی آنکھوں میں طعنے، طعنا اور بے عزتی کے احساس سے آنسو بھر آئے۔

"میں ہاتھ بتا رہا ہوں اگر تم چلیں چلاؤں تو میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔" چہرے سے دباؤ ہٹے عیا مریم نے ہونٹوں کو سمجھتی کر گہری سانس لی وہ پوری کانپ رہی تھی۔

"اب پہلے برفیں... وہ اتنے سلاکی سے مگھورتا ہوا بولا۔" مجھے اس تصویر کے بارے میں بتاؤ؟" وہ ہسٹول کو اس کی پیشانی کے درمیان رکھ کر بولا۔ "پھر میں اسے جیب میں دکھاؤں گا۔"

"تصویر... اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔" تم جو تصویر مانگو گے میں دے دوں گی مگر اس ہسٹول کو ہٹاؤ... خول کے عالم میں میں کچھ سمجھ نہیں پاتی۔" وہ ہاتھ سوتی کر بولتا۔

"او کے... تم صرف یہ بتاؤ کہ وہ کہاں ہے۔" فرحان ہسٹول دوسرے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے بٹا۔ اس کا یہ اظہار اسے ڈوبا مریم نے اپنا گھٹنا پودھی ملائت سے اس کے پیٹ کے نیچے مارا اور اسے دھکا دیتے ہوئے روکواڑے کی جانب بھاگی۔ یہ اس کا گھڑا اور اسے اندھیرے میں مست کی بائٹل سمجھ بھانجی تھی۔ فرحان درد کی شدت سے دیرا ہو گیا۔ ہسٹول اس کے منہ سے نکل کر زمین پر جا گرا تھا۔ مریم نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے ہسٹول کے گرنے اور فرحان کی گچھیاں دینے کی آواز سنی، اس سے جھک کانپ رہے تھے۔ میزبیدوں کی طرف بھاگتے ہوئے وہ دوبارہ گرتے گرتے پٹی۔ وہ میزبیدوں والے دروازے تک پہنچ گئی تھی کہ فرحان نے اسے پکڑ لیا۔

"اب معافیت اسنے آرام سے نہیں ملیں گے۔" وہ اس کی گردن کو اپنے بازو میں جکڑتے ہوئے بولا۔ اس کی سخت گرفت نے مریم کے لیے سانس لینا دوبارہ کر دیا۔ وہ اسے اپنی انداز میں کھینچتا ہوا تار یک اپر مہشت کی جانب سے جاہ دیا تھا۔ مریم سانس لینے اور خود کو بچانے کے لیے حتی الامکان ہاتھ پیر مار رہی تھی۔ اس کے حلق سے بے معنی آوازیں نکل رہی تھیں۔ اسی لمحے ان دونوں نے میزبیدوں پر

کسی کے چہرے کی آواز سنی۔

"او... اکاش یہ قہر ہو... حسن نہ ہو۔" مریم کے دل تے دعا کی۔

فرحان اسے جکڑے ہوئے دیوار سے جالگا اسی وقت دروازہ کھلا اور قہر داخل ہوا، اس کے ہاتھ میں دیوار پھرتھا۔ "اسے نیچے پیسٹک دو۔" فرحان پھنکارا۔ "ورنہ اس عورت کی کمر پر دکھا ہسٹول چل جائے گا۔"

قہر کو اندھیرے کی وجہ سے چہرے تو صاف نظر نہیں آ رہے تھے مگر وہ مریم کی گردن کو اس کراڈیل شخص کے بازوؤں میں پھنستے دیر سے سانس لینے کے لیے جدوجہد کرتا فحش کر سکتا تھا۔ وہ ایک لمحہ کھڑا سوچتا رہا پھر اس نے جھک کر ہسٹول زمین پر ڈالا اور اسے آہستہ سے آگے کی طرف دھکیں دیا۔ اب ہسٹول اس کے اوپر مریم کے درمیان زمین پر پڑا تھا۔ فرحان کو ہسٹول اٹھانے کے لیے آگے آنا پڑا۔ وہ مریم کو اپنی اٹھائی ہٹائے آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ ہسٹول کے قریب آ کر وہ اسے اٹھانے کے لیے ہچکا اس دوران مریم کے گٹے پر اس کی گرفت برائے نام رہ گئی تھی قہر کو اسی لمحے کا ہتھکڑیاں اٹھائی مگر مریم نے دکھایا۔

"اس کے پاس ہسٹول نہیں ہے۔" وہ تیز تیز سانسوں کے درمیان چوٹی اور اس نے زمین پر رکے ہسٹول کو چیر مار کر آگے دھکیل دیا۔ قہر نے اس کے ساتھ ہی فرحان پر چٹانگ لگائی۔ اس شخص کو دھکیں فرحان مریم کو مچوڑ کر میزبیدوں کی جانب پکا۔ قہر بھی اس کے پیچھے دوڑا اور وہ دونوں آپس میں اچھٹے ہوئے ریٹنگ سے جا گرائے ان کی ٹکڑے ریٹنگ کوڑھیا کر دیا تھا۔ قہر کی اسے پکڑنے کی کوشش میں ریٹنگ دو ٹکڑوں میں ٹوٹ کر بھرنی اور وہ دونوں نیچے لڑھک گئے۔ ان کے نیچے گرتے عیا مریم بھی ہسٹول کی تلاش میں میزبیدوں پر آگئی۔ اسے اس نیم اندھیرے میں ہسٹول تو نظر نہیں آیا لیکن نیچے کی روشنی میں اس نے فرحان کو ریٹنگ کے ایک ٹکڑے کو اٹھا کر نیچے کرے قہر پر حملہ کرتے دیکھ لیا وہ تیزی سے نیچے آئی اور کچھ سوچتے کچھ پھیر فرحان کے بازو کو اپنے دانتوں کی گرفت میں لے لیا۔ اس اچانک اٹاؤ نے فرحان کو مگڑبزا دیا، ریٹنگ کا ٹکڑا اس کے ہاتھ سے قہر پر گرا۔ جب تک وہ مریم کو خود سے دور کر پاتا، اس نے اس کے بازو سے خون نکال دیا تھا۔ فرحان نے مڑ کر اسے زور سے دھکا دیا۔ اس کے نیچے میں وہ میزبیدوں کے کونے میں جا کر گری۔ اسے خود نہیں مہم ہوا کہ اس کا سر کسی چیز سے ٹکرایا جو آخری منظر

خونہ

"ہاں، ہاتھ دھو میں منہ سین کی الماری میں۔" اور بولی۔

تھمر نے اسے دو گولیاں پانی میں گھول کر پلائیں اسی دوران دروازے کی کھنکھائی گئی۔ یہ اسے ایس پل آصف لودھی تھا۔

"اوه آصف! آپش فورس نے کیسے جہان رکھنا شروع کر دیے ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے مجرم دغا خانے ہوئے کسی بھی گھر میں گھس جاتے ہیں؟" وہ غصے سے بولا۔

"سجاد ہمارے بہترین بندوں میں سے ایک تھا۔" آصف لودھی کا چہرہ اتر ا ہوا تھا۔ اس نے صوفے پر کھینچ کر دیکھا۔

مریم کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ "اس نے اسے گولی مار دی۔۔۔ ہے؟" اب غصہ۔۔۔ ایک شخص میری حفاظت کے لیے باہر نکلے گا اور اب وہ مر چکا ہے۔" وہ صوفے سے کھڑکی بولی۔

"مریم جب گولی شخص فورس جوائن کرتا ہے تو اسے ان خطرات کا علم ہوتا ہے۔" قہر نے دھیرے سے کہا۔

"مگر بہر حال یہ سب اتنا آسان نہیں ہے آپ لوگوں کے اعصاب یہ سب کیسے برداشت کر لیتے ہیں۔" اسی دوران حسن بھی آگیا تھا۔ وہ یہ سب دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اس نے سب کے لیے کافی بھی بتائی۔ آصف لودھی و مریم کا بیان درکار تھا۔

"وہ مجھ سے کوئی تصویر مانگ رہا تھا۔" مریم اسے تمام تفصیل بتاتے ہوئے بولی۔

"تصویر۔۔۔؟" قہر اور آصف ایک ساتھ چوہکے۔ "کس طرح کی تصویر؟" آصف نے پوچھا۔

"معلوم نہیں۔۔۔ اس وقت میں اس پر زیادہ توجہ نہیں دے پائی تھی۔" اس نے کہنا۔

"قہر کیا تم اسے دیکھ پائے تھے؟"

"ہاں۔۔۔ اس کا قد چوٹ کے قریب تھا۔ اچھا لیم شیم بندہ تھا۔ اس کے ہال اور آنکھیں سیاہ تھیں۔ دیکھنے میں وہ کوئی بزنس ایگزیکٹو لگ رہا تھا۔"

"تم دونوں کو کل کچھ دیر کے لیے ہیڈ آفس آنا ہوگا" ہم کچھ دیر پر کچھ قسوریں دیکھ کر اس کی شناخت کر رہے تھے۔ آصف لودھی نے جانتے جانتے کہا۔

آصف کے جانتے کے کچھ دیر بعد قہر بھی چلا گیا۔

"یہ سب بہت خطرناک ہے آپ۔۔۔" اس گڑبڑ نے

اس نے دیکھا وہ لمبا حلق کے پیچھے کھڑے قہر کا چہرہ تھا جس کے ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ کچھ درد کا تیز احساس اس پر حاوی ہو گیا اور منظر دھندلا ہوتے ہوئے اس کی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا۔

مریم کو جوش آیا تو سب کچھ آنکھوں کے سامنے ڈوٹا شخصوں پر ہوا تھا۔ مریم کافی درد تھا اس نے کچھ نہ دیکھے ہوئے آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔

"نہیں۔۔۔ آنکھیں کھولو مریم۔۔۔" قہر کی آواز نے اسے آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا۔

اسے کمرہ اب بھی چلتا ہوا شخصوں پر ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سر کے پچھلے حصے کو چھونے کی کوشش کی جواب میں اس کے ہونٹوں سے سسکی نکل گئی۔

"یہ۔۔۔ یہ کتنی اگلیاں ہیں؟" قہر نے اس کے سامنے ہاتھ لہرا کر پوچھا۔

"دو۔۔۔ کیا ہم ڈاکٹر ڈاکٹر بھیل رہے ہیں؟" اس نے کمرہ سے لہجہ میں پوچھا۔

"شکر ہے۔" وہ بولا۔ "اسے اطمینان ہوا تھا کہ سر کی چوٹ نے کوئی شدید اثر نہیں ڈالا تھا۔ اس کی نظر اور منہ ٹھیک بالکل ٹھیک تھی۔ اطمینان ہوتے ہی اس کا منہ خود کھل گیا تھا۔

"تم یہ کہہ رہی تھیں۔۔۔ کس نے کہا تھا اس کے اگلے قریب جانے کے لیے؟" اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔

"ارے۔۔۔ میں مدد کر رہی تھی۔" اسے سب یاد آ رہا تھا۔

"اچھا مجھے بتاؤ کہ کیا ہوا تھا؟"

مریم نے اسے پورا واقعہ بتا دیا۔ قہر دھیرے سے بولی۔ "کل نیم بالکل ٹھیک تھو۔۔۔ اگرچہ کہ مجھے بالکل اندازہ نہیں ہو سکا مگر وہ پوری ہڈی ٹھیک کی ٹھیک سے چکا تھا۔

اس نے خود بتایا کہ کل اس نے مجھے کپڑے تبدیل کرتے ہوئے دیکھا تھا اور اگر تم نہ آجاتے تو۔۔۔" وہ ہچکچاہٹ کر خاموش ہو گئی۔

اس کا چہرہ خول، شرم اور غصے کے تاثرات میں ڈوبا ہوا تھا۔ "وہ آج بھی پہلے سے گھر میں بیٹھا تھا۔"

وہ دو منٹ کے لیے بالکل خاموش ہو گئی پھر بولی۔

"وہ تو میں نے یہ سب ڈھنکے کورس تین ماہ پہلے ہی کیا ہے جس میں سنبھالایا گیا تھا کہ ایسی کسی صورت حال میں کہاں ہوں

کس طرح مارا جائے۔" وہ جوش میں اٹھنے لگی مگر درد نے اسے پھر لیٹنے پر مجبور کر دیا۔

"کیا گھر میں ڈیپریس ہو چکا ہے؟" قہر نے پوچھا۔

حسن کو بہت متاثر کیا تھا۔ "اب میں اس وقت تک یونیورسٹی
یا کہیں بھی نہیں جاؤں گا جب تک وہ شخص پکڑا نہیں جاتا۔"
"سب ٹھیک ہو جائے گا، حسن تم اپنی فکر مت کرو۔"
اس نے اس کا سر سہلایا۔ حقیقت میں تو وہ اس کی طیر
موجودگی پر خدہ کی شکل کر رہا تھا۔ مگر وہ اس وقت گھر پر ہوتا
تو نہ جانے کیا ہوتا۔
صبح اس کی آنکھ کافی کی خوشبو سے کھلی تھی حسن اس کے
لیے ناشتا بنا کر لایا تھا۔

"تم بھی سیکھ لے آؤ اپنا ناشتا۔" اس نے کہا۔
"وہ تو میں لایا ہی ہوں۔" وہ نرے ٹیکل پر رکھتے
ہوئے بولتا۔ وہ جیسے ہی لگا تھا کہ دروازے کی گھنٹی بگی۔
"یہ سو فیصد تعبیر بھائی ہیں۔" حسن نے کہا۔ "میں
دروازہ کھول کر ان کے لیے بھی کافی لے آتا ہوں۔"
آنے والا واقعی تعبیر ہی تھا۔ "کیا حال ہے؟" اس
نے حسن سے کافی کا کپ لیتے ہوئے پوچھا۔
"ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائی۔

"میں یہ کہنے آیا تھا کہ سارے گیارہ بج گئے۔
تم پولیس ہیڈ کوارٹر چلنے کے لیے خود کو بہتر پارسی ہو؟"
"ہاں... برا اور کندھے میں تھوڑا سا درد ہے مگر میں
پہلے سے بہت بہتر ہوں۔" وہ بولی۔
"گڈ... تو پھر میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" وہ
کافی پی کر رخصت ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

فرحان بستر پر بیٹھا ہوا تھا۔
وہ تمام رات نہیں سو پایا تھا۔ اسے بہت جلد بچہ کرنا
تھا۔ پولیس واسے کا کل ایک مسئلہ بن سکتا تھا مگر اصل ابھیں
یہ تھی کہ ان دونوں نے اس کا چہرہ دیکھ لیا تھا اور اب وہ اسے
شناخت کر سکتے تھے۔ اسے اب فوری طور پر اٹھ کر گاؤنڈ
ہونا تھا... کم از کم چھ ماہ تک۔ تب تک تحقیقات کا سچا پکا ہو
کر چھینے لگے۔ اس کے لیے اس کے پاس ٹھیک ٹھاک چھ
بھی تھا اور وہی میں سکون سے رہنے کے لیے جگہ بھی... مگر
اس سب میں ایک ہی رکاوٹ تھی... شوکت اللہ...

فرحان نے سامنے میز پر سے اس کے ہاتھی سامان پر
نظر ڈالی۔ وہ ایک قطار میں رکھے اداس اور خطرناک دیکھے
ہوئے جھنڈوں کے ساتھ لگ رہے تھے۔ اگر شوکت اللہ کی جگہ
کوئی اور ہوتا تو جو میں سے پانچ چیزوں کے حاصل ہو جائے
کو کا سامنا کر دیتا مگر اس کے لیے وہ پیشنگ بہت اہم تھی
اور وہ پوری کوشش کے باوجود اسے حاصل نہیں کر پایا تھا۔

اب اس سے زیادہ وہ کیا کر سکتا تھا۔ اس کی ایک آنکھ سیاہ
ہو رہی تھی، ہونٹ پھٹ گیا تھا، جسم پر جا بجا چوٹیں لگی ہوئی
تھیں۔ مریم کے کانے ہونے باز میں شدید درد تھا۔ جیسے
ہی حالات بہتر ہوں گے، وہ اس کو ریٹر کلرک اور ان دونوں
مردوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا اس نے فیصلہ کیا۔

سوال یہ نہیں تھا کہ وہ کیا کیا کرے گا سوال یہ تھا کہ
ابھی وہ کیا کرے۔ اسے شوکت اللہ سے بات کرنا ہی ہوگی۔
وہ اس کا سامان اس تک پہنچا دے گا اور اسے بتائے گا کہ
پیشنگ کے حصول کے لیے اس نے کتنی محنت کی ہے اور اب
ابھی وہ اپنے خرچے پر کسی اور کو یہ کام سونپ دے گا۔ تاکہ وہ
تاخیر سے کسی مگر شوکت اللہ کو اس کی پیشنگ مل جائے گی...
بس یہ ٹھیک ہے، اس نے فیصلہ کیا اور فون اٹھا لیا۔

☆ ☆ ☆

"میرا خیال ہے کہ اس کا چہرہ تھوڑا لبا تھا۔" مریم
اور تعبیر پولیس آفیسر لوئس کے ہیڈ کوارٹر میں کچھ بڑ پر اس
حملہ آور کا حلیہ بتاتے ہوئے آٹھ بج رہے تھے۔ "آنکھیں
تھوڑی بڑی تھیں۔" مریم بولی۔ "ہونٹوں اور ناک کو تھوڑا
چلا کر... آنکھیں تھوڑی گہری... تھوڑی کو پیچھے سے
چلا۔" تعبیر اس کی کرسی کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا۔ "اب رجعت
کو بھی تھوڑا گھبرا کر... ہونٹ کاظم باریک کر دو۔" تعبیر ٹرکی
اسکرین کو کتنی مریم کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھٹکی جا رہی
تھیں۔ اب اس حملہ آور کا مکمل چہرہ صاف طور پر سامنے
اسکرین پر نظر آ رہا تھا۔

"... یہ وہی ہے۔" وہ کچھ پانی آواز میں بولی۔
"ہمیں اس کا پرنٹ آؤٹ دو اور مجھے ای میل بھی کر
دو۔" آصف لوئس نے آپریٹر کو ہدایت دی۔ "ہم اتنے میں
اسے اپنے ریکارڈ میں چیک کراتے ہیں۔"

"مجھے بھی ایک کافی یادگار ہے تاکہ قاتل اور قبیحہ کو
دکھا سکوں۔" مریم بولی۔ "اگر وہ دکان پر یا آس پاس
مٹھلائے تو وہ اسے پہچان سکیں۔"

"ٹھیک ہے۔" آصف بڑ۔ "مل جائے گی تم
دونوں میرے کمرے میں چلو... چائے آگئی ہوگی۔"

"جب تک وہ پکڑا نہیں جاتا، میں نے ایک سو ہاتھ
کی ڈیپٹی تمہارے گھر کے پاس لگا دی ہے۔" آصف نے
چائے چتے ہوئے مریم کو بتایا۔

"مگر میں کسی اور کی جان خطرے میں نہیں ڈالتا
چاہتی۔"

"مریم! اس وقت ساری فورس وہاں جانا چاہتی

درخت

قہر نے ایک ہنگامے سے گاڑی روک دی۔ وہ مگر پہنچ گئے تھے۔ مریم دروازہ کھولنے ہی لگی تھی کہ اس نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اپنی طرف موڑ لیا۔ مریم کے چہرے پر بھی اس کی آنکھیں ہر احساس سے عاری نظر آ رہی تھیں۔ "کیا تم جانتی ہو کہ میں نے فوری کیوں چھوڑ دی؟" اس نے سرد لہجے میں پوچھا۔ "مجھے ابراہیم کو نہیں مارنا چاہیے تھا، میں اسے برا سہائی کرتا رہی کر سکتا تھا مگر میں معاملات کو اس حد تک لے گیا جہاں ہم میں سے کوئی ایک ہی زندہ رہ سکتا تھا اور اتفاق سے میں جگا گیا۔ میں نے فوری کی نوکری کو اپنے ذاتی انتقام کے لیے استعمال کیا۔۔۔ سمجھیں تم۔۔۔"

"تو یہ انسانی جبلت ہے اور دوسرے وہ درختوں ہزاروں کا قاتل تھا۔" شایاں کا زہریلا کام کرتا تھا وہ۔ "مریم نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "دوسری بات یہ ہے کہ کوئی انسان مکمل نہیں ہوتا، بے عیب ذات صرف خدا کی ہے قہر اور اب جب تم اپنی کمزوری سمجھ چکے ہو اور اس پر شرمندہ دیکھتی ہو تو یقیناً آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"تم میرے ساتھ یہ سب کیوں کر رہی ہو؟"

مریم نے ایک گہری سانس لی پھر بولی۔ "اگرچہ یہ لائسنز ہمیشہ سیرور ہی ہوتا آیا ہے مگر ہماری انٹی کھانی میں انہیں بھی میرے جیسے میں لکھ دیا گیا ہے۔۔۔ سیدھی سی بات ہے ایسا ایسا ہی قہر ملے۔۔۔ میں جانتی ہوں کہ یہ ملازمت نہ تمہاری ضرورت سے ہو نہ مجبوری۔۔۔ یہ تمہارا حقوق ہے اور تم اس کے بغیر خوش نہیں رہ سکتے۔ یہ میں اس لیے جانتی ہوں کہ میری کامن سنس بہت اچھی ہے ہمیشہ سے۔۔۔ اور یہ کہ مجھے تمہاری پروا ہے بہت ہر دو۔۔۔"

"میرا سوال اب بھی وہی ہے۔۔۔ کیوں؟" اس کی آنکھیں مریم کے چہرے پر جمی تھیں۔

"کیونکہ مجھے ہمیشہ سے عجیب و غریب چیزیں اچھی لگتی تھیں، کیا کروں یہ میری مجبوری ہے۔" وہ مسکرا کر بولی اور تیزی سے گاڑی سے لٹک کر آگے بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

شوکت اللہ کا گھر کسی عایشان گلی سے کم نہیں تھا۔ اس کا ہر کمرہ بہترین اور قیمتی فرنیچر سے مزین تھا۔ دیواروں پر قیمتی پینٹنگز آویزاں تھیں۔ اس کے دفتر کی طرف یہاں بھی ہر کمرے میں کمرے لگے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت اپنے ہیڈ روم میں موجود تھا۔ اس کے بیڈ کے سامنے والی دیوار پر ایک بہت بڑی ویل کی ڈی اسکرین لگی ہوئی تھی۔ اس نے ریوٹ پر کوئی ٹیمن دیا تو اسکرین پر بچن کا منظر نظر آنے

ہے۔ وہ ٹھنکے تارے آفیسر کا قاتل ہے ایک پولیس والے کو مارا ہے اس نے۔۔۔ جو بلیٹ تیار کے سینے سے لٹکی ہیں وہ اور تمہارے گھر میں بیٹے والی گولیاں ایک ہی پتول سے چلائی گئی ہیں۔"

"یہ تم نے بہترین کام کیا ہے۔" قہر گتھو میں شامل ہوا۔

"مگر تم کب کرو گے؟" آصف نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "یہاں فوری کو اس وقت تمہارے جیسے لیزر کی ضرورت ہے قہر۔۔۔ اس وقت یہاں مورال کا لیول گتھوں کے برابر ہے۔"

قہر جواب میں خاموش رہا۔ اس کے پاس بولنے کے لیے کچھ نہیں تھا اس لیے خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"میں جلتی ہوں۔" وہ دروازے تک پہنچ کر مڑی۔ مسکرائی اور بولی۔ "آصف شاید تمہارے سوال کا جواب اسے جلد ہی مل جائے۔" گھر وہ باہر نکل گئی۔

"آج قدرے زیادہ گرمی ہے۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بعد بولی۔

"مریم پلیز، میں اس وقت بات کرنے کے سونڈیا حالت میں نہیں ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔ آصف نے جیسوں کا جواب کر دیا ہے مگر بات اس نے ٹھیک کی ہے۔"

"برائے مہربانی مجھے مت بتاؤ کہ کتنا خطرہ ہے اور کیا ٹھیک۔۔۔ اور خاموش رہو نہ غائب ہو جاؤ۔" وہ فرمایا۔

"نا ممکن۔۔۔ تو تم گھر سے مجھے ایسا ڈرتے ڈارتی پر لائے ہو۔۔۔ اور میں کبھی بھی اس انتظار نہیں رہی کہ غائب ہو سکوں۔" وہ چکی۔

"تو تم خاموش نہیں رہو گی۔۔۔ یہ سب تمہارا مسئلہ نہیں ہے مریم۔۔۔"

"کیوں نہیں ہے؟" آصف تمہارا دوست ہے وہ اس لیے پریشان ہے کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور تمہیں اس کی بات اس لیے بری لگی ہے کیونکہ تم نہیں چاہتے کہ وہ یا کوئی اور تمہارا خیالی کرے اس سے تم پر دے والی کا بوجھ بڑھ جاتا ہے اور پھر تمہارے مفروضات خود تمہیں مطمئن نہیں کر پاتے۔" وہ اطمینان سے بولی۔ قہر اسے سمجھتا رہا۔

"میرے پاس اس قدر بھی دینے کی وجوہات ہیں اور وہ ابھی بھی موجود ہیں۔"

"تو پھر مجھے بتاؤ نا کہ وہ وجہ کیا ہے؟"

لگا۔ اس کا باور بھی اس کی پسندیدہ چٹکن سلاخ تیار کر رہا تھا۔ شوکت اللہ نے روم، ان دنوں۔ اب اس کے ساتھ ڈرائنگ روم کا منظر تھا۔ فرحان ایک بڑے سے سونے میں رخصت نظر آ رہا تھا اس کے ہاتھ میں تازہ جوس کا گلاس تھا وہ کبھی اپنی مائی ٹیک کر رہا تھا تو کبھی سوچی میں ڈوب چکا، شوکت اللہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔ وہ خاموشوں اور پریشان لگ رہا تھا۔ شوکت اللہ کے حساب سے یہ ابھی بات تھی۔ بالآخر اس نے ڈرائنگ روم میں جانے کا ارادہ کیا۔ وہ اسے زیادہ انتظار نہیں کرانا چاہتا تھا آخر وہ اس کی دلی گنجائش سے چھٹیں گئے پہلے ہی واپس آ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

فرحان کو مسلسل یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔ "وہی ہے اس میں غلطی بھی کیا ہے۔" وہ خود پر ہنسا۔ اس کمرے میں اتنی پیشنگز اور جیسے تھے کہ باہر مائلہ درجنوں آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ شوکت اللہ کا ڈرائنگ روم کسی میوزیم سے کم نہیں تھا۔ اس نے اچھ کر ایک پینٹنگ کو قریب سے دیکھنے کے ارادے میں سوچا ہی تھا کہ شوکت اللہ کمرے میں داخل ہوا، وہ اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"فرحان تمہیں زیادہ دیر انتظار تو نہیں کرنا پڑا؟" انہیں سر... میں یہاں کی ڈیکوریشن ہو رہی ہے۔" سر اڑ رہا تھا۔ یہ سب خواب جتناوش ہے۔ "وہ بولا۔" ابھی تک کے بعد میں تمہیں اپنا گھر دکھاؤں گا؟" شوکت اللہ قاخرانہ انداز میں بولا۔ "یہ کیا بڑے چہرے کو کیا ہوا ہے؟ کیا کوئی حادثہ ہوا ہے؟" "جی سر..." وہ بولا۔ "میرے بچے داخوان کا تصور کر کے اس کا بازو جھرجھرا اٹھا۔" میں اس میں آپ کا کام جلد از جلد کرنا چاہوں۔" وہ دائرے پر ان کی دسک نے اس کی بات کاٹ دی۔

"یہ مندر صاحب ہوں گے، میں نے ان کو بلا دیا تھا تاکہ وہ تمام چیزوں کو دیکھنے میں ہماری مدد کریں اور اب میں انتظار نہیں کر پا رہا ہوں، میری چیزیں غالباً لائبریری میں رکھی گئی ہیں... آئیے وہیں پہنچتے ہیں۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

لائبریری میں ابھی چوڑے اور گلابوں کی ملی جلی خوشبو رہی ہوئی تھی۔ وہاں دو لمبے گن دانوں میں مختلف رنگوں کے گلابوں کے بڑے گل دستے رکھے گئے تھے لائبریری میں سینکڑوں کتابیں موجود تھیں جنہیں جتنی لکڑیوں کی الماری نما شیفٹس میں رکھا گیا تھا۔ وہیں بڑی سی میز پر فرحان کے

لائے ہوئے چادرہاں ڈبے موجود تھے۔ شوکت اللہ کی ہدایت پر ایک پھوٹی بھڑکی، چاقو اور روٹی کی ٹوکری بھی وہاں موجود تھی۔ شوکت اللہ نے سب سے پہلے ملائی ٹوٹے کوڑے سے نکالا اور نکامت سے اٹھوڑی کی ضرب لگائی۔ طوطا درجوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ چند لمحوں میں اس کے ہاتھ میں شخص کا ایک جوا نما بیگ آ گیا تھا اس بیگ میں جتنی سیدھ تر سے سجا بروج تھا اس کے درمیان بیروں سے انگریزی حرف A کھدو تھا۔

"یہ اسکاٹ لینڈ کی ملکہ میری کی ملکیت تھی۔" وہ بولا۔ اس کے بعد اس نے ہنس آواز کی کل میں سے ایک خوب صورت مٹی انگلیں دان برآمد کیا جو کرسٹل کا بنا ہوا تھا اور خوب دکھ رہا تھا۔ کاسی کے عقاب کو مغالی سے دوڑھے کرنے کے بعد اندر سے پینٹنگ میں ایک چھوٹا سا باللا۔ یہ ڈاؤنڈوڈ کا بنا ہوا تھا جو اس کی قیمت کے اندازے کے لیے کافی تھا گھر کی اصل اہمیت اس کے اوپر بنی تصویر کی وجہ سے تھی اس پر اسیریل پیکس کی تصویر کھدو کی گئی تھی۔

"یہ ڈاؤنڈوڈ کی ملکیت تھی اور اب یہ میرا ہے۔" شوکت اللہ بہت خوش تھا۔ فرحان کو اپنی بات کہنے کے لیے یہ وقت مناسب لگا تھا مگر شوکت اللہ نے اسے روک دیا۔ "انتظار سے پہلے کام مکمل کرنا ضروری ہے۔" اب اس کے ہاتھ میں چائنا ڈاگ کا بھروسہ تھا۔ اس میں سے سونے کی بی برآمد ہوئی۔

"تو جانتا ہے کہ یہ بی میز کی طرف سے قبول پھر کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔" شوکت اللہ بولا۔ "اب تم سمجھو کہ یہ کتنا غنیمت کس قدر قیمتی تھا مگر ابھی سب سے قیمتی چیز باقی ہے اور وہ ہے۔ پینٹنگ... وہ کہاں رکھی ہے؟" "وہ میں بھی بتانا چاہ رہا تھا سر... اس میں تھوڑا سا مسئلہ ہے۔" فرحان بولا۔

"مسئلہ...؟" شوکت اللہ نے اسے گھورا۔ "جی سر! میں بھی بتانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت میں وہ نہیں لا سکا ہوں۔" پھر اس نے مختصراً تینا بار مریم کی دکان میں گھسنے کی اپنی کوشش اور تمام واقعات کی تفصیل بتائی۔

"اب اس وقت میرا دہاں جانا ہم سب کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے مگر یہ میری ذمہ داری ہے اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے فریق پر کڑا اور کوہ ذمہ داری دے کر وہ پینٹنگ آپ تک پہنچاؤں گا سر... بس اس میں کچھ وقت لگے گا ایک لڑکھاہ کا وقت..."

جسوسی دلچسپ 46 اگست 2014

کھلا رہ گیا تھا۔ شوکت اللہ نے ریحان اور دہاڑہ جیب میں رکھا اور چھوٹے چھوٹے قدم ہٹاتا لڑکچ میں داخل ہوا۔

"صنعدہ..." اس کی آواز پر صنعدہ بڑھنے کے جن کی طرح حاضر ہو گیا۔ اس نے فائر کی آواز سن لی تھی۔

"فرحان صاحب کا انتظام کر دو۔" صنعدہ نے شیشے کے دروازے سے باہر دیکھا۔

"بہتر سر۔"

"اور ہاں... کل ذرا اس میں مریم کے بارے میں معلوم کرواؤ، مجھے لگتا ہے کہ اب یہ کام ہمیں خود ہی کرنا پڑے گا۔ وہ پیشنگ میں جلد از جلد دیکار ہے اس کی حالت ہمیں ناگوار ہے۔"

"جی ہر... پورے دن لاکھ ڈالرز..." وہ سادہ بانہ انداز میں بولا۔

"تعمیر میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آپ کا شکر یہ کیسے ادا کروں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔" یہ قلم کی قلم سے نکلی آٹا بھلا کات تھی۔

"اس میں شکر یہ کی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ مسکرایا۔

"میں تو سمجھتی ہوں کہ آپ کا انتخاب کر کے اکبر نے اپنی زندگی میں دوسرا اچھا کام کیا ہے۔"

"دوسرا۔" تعمیر سمجھ نہیں پڑا۔

"ہاں... پہلے تو ان سے شادی تھا نا۔" اکبر بولا۔

"یہ عورتیں پہلے تو ان کی منگیل اور پھر اوپر سے بیوی... بھئی مجھے تو تم پر رشک آتا ہے۔" تعمیر ان دونوں کی ٹوک جھونک پر ہنس رہا۔

"میں تو چاہتی ہوں کہ مریم اور حسن میرے پاس آ جائیں مگر مریم بھی ٹھیک ہی کہتی ہے کہ یہ اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔ خدا جانے آگے کیا ہوگا، اب تک وہ شخص پکڑا نہیں گیا ہے۔" قلم پریشان تھی۔

"وہ پکڑا جائے گا، آپ بالکل ٹھیک کریں۔"

"وہ کیسے...؟ مطلب آپ اسے چرچینا کیوں کر لیں گے؟"

"یہی کہ اب اس کا نیچا تیار کر لیا گیا ہے۔ اگر اس کا کوئی ریکارڈ ہوتا تو وہ آسانی پکڑ میں آ جائے گا ورنہ اس کی تلاش شروع ہو جائے گی۔"

"آصف اس نیچے کو مجھے میل کر دیں گے پھر تم اور نصیر بھی دیکھ لیتا تا کہ اگر وہ اس طرف آئے تو تم لوگ اسے پہچان سکو۔" مریم بولی۔

"ایک ڈیڑھ ماہ..." شوکت اللہ بڑبڑایا۔ "تم نے کہا کہ تم سے ایک پولیس والا بھی مل ہو گیا ہے؟"

"جی ہر یہ ضروری تھا... وہ عمارت کی گمرانی کر رہا تھا۔"

"مگر کیوں...؟"

"شاید اس عمارت نے پولیس پر وٹکیشن لے لی تھی۔"

"اچھا۔" شوکت اللہ چند لمحوں سوچتا رہا پھر جیسے وہ کسی فیصلے پر پہنچ گیا تھا، پھر وہ بولا۔ "تیرے لیے ہم کچھ کرتے ہیں۔"

کچھ بہت اچھے ماحول میں کیا گیا۔ شوکت اللہ فرحان کو بہت اہمیت دے رہا تھا۔ فرحان کے ذہن پر چھائی پریشانیوں کی وجہ سے جھٹ کانچی صرف صنعدہ بالکل خاموشی تھا۔ کچھ پھر گریں فی سے لادرا ہو کر شوکت اللہ کھڑا ہو گیا۔

"صنعدہ اتم یہیں رکھو... مجھے فرحان سے کام کے سلسلے میں کچھ بات کرنی ہے، کیوں... فرحان تھوڑی چھل قلمی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ضرور سر، اس قدر پُر لطف کھانے کے بعد چھل قلمی لازم ہے۔" وہ دونوں وسیع و عریض لاکھڑے سے گزار کر لائن میں آ گئے۔

لان کے گرد پھولوں اور پھولوں کے پتوں پر درخت اور پودے تھے۔ چٹیل اور مکھایوں کی خوشبو ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔

"اب تمہارا پلان کیا ہے فرحان...؟" تھوڑا آگے جا کر شوکت اللہ نے پوچھا۔

"جی میں کسی کو اس عمارت کے نیچے لگاؤں کا تا کوہ اس سے اس پیشنگ کے بارے میں معلوم کر سکے۔"

"اور پھر؟"

"پھر وہ اسے قلم کر دے گا۔ سر میں یہ کر لیتا مگر ابھی میرا انڈر گراؤ نہ ہونا ضروری ہے مگر آپ فکر نہ کریں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔"

"تم درست کہہ رہے ہو مجھے مسائل پسند نہیں ہیں اور جنہیں اب انڈر گراؤ نہ ہو ہی جاتا چاہیے۔" شوکت اللہ نے یہ کہہ کر اچانک جیب سے ریحان لکھا، اس کے چہرے پر مسکراہٹ اسی طرح برقرار تھی۔ "تم خوش قسمت ہو کیونکہ جس ریحان سے تم پر گولی چلائی جا رہی ہے اس کی اپنی تاریخی حیثیت ہے۔" اس نے فرحان کے دل کا نشانہ لیا۔

دھماکے کی آواز نے درختوں پر بیٹھے پرندوں کو سہا دیا تھا۔ موت نے فرحان کی آنکھوں میں بے یقینی اور خوف کو نمودار کر دیا تھا۔ وہ زمین پر منہ کے بل ہی گرا تھا اور اس کا منہ کھلے گا

"ہاں مجھے اور میری خالہ زار بہن فیروزہ کو انہوں نے ہی پالا تھا۔ اس سارے میں اس کی جان چلی گئی۔" وہ افسردہ ہو کر بولی۔ "ایسے کیا خریدتا تھا آنٹی نے میرے لیے؟" شہلا نے کھلی آنکھوں سے بوجھا۔

"ایک بڑا ڈراما شاہ پر... کانٹا کا تھمبی... جیو۔"

"ہاں ہاں وہ مجھے ان کے ٹیبلٹ روم میں سے مل گیا ہے اور..."

"اور ایک چاکاڑا گ تھا، بہت کیوٹ سا مجسمہ تھا۔" وہ نہیں ملا، ہو سکتا ہے کہ وہاں ہونے والی توڑ پھوڑ میں وہ ٹوٹ گیا ہو۔۔۔ ایسے لوگوں کو پچانسی ہوتی چاہیے جو معمولی چیزوں کے لیے کسی کا خون بہانے سے بھی نہیں جھرتے۔" شہلا لڑکتے ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چلی گئی تھی۔

مریم نے اس کے جانے کے بعد اپنا لیپ ٹاپ کھولا، اسے آئی فون کی لٹی سکل کا انتظار تھا اور سکل آئی تھی۔ اس نے اس شخص کا ایڈز ایک ٹاپ پر ڈاؤن لوڈ کیا اور پھر ٹاپ کو ریسیٹ کر ڈاؤن لوڈ کیا۔

"ارے یہ...؟" نصیرا سکرین دیکھ کر حیرت زدہ رہا۔ "مریم یہ تم نے اس کسٹمر کی تصویر کیوں لگا رکھی ہے۔" وہ تین دن پہلے جس میوزیم نے چار بجے دکان بند کی تھی، میں نے اسے ایک مجسمہ بھی بچا تھا۔

مریم کا دل گویا اس کے کانوں میں دھڑک رہا تھا۔ "کیا اس نے نقد ادائیگی کی تھی؟"

"نہیں... بیکارڈ تھا اس کے پاس۔"

"پلیز مجھے اس کی رسید اور تفصیلات دکھا دو۔"

"ابھی نکالتی ہوں۔ اس کا نام عمران یا اسی جیسا تھا۔ وہ کندھے اچکا کر بولی اور کمرے سے نکلی گئی۔

"عمران... فرحان خان۔" آصف لودھی نے قہر کے سامنے ایک کاغذ رکھ دیا۔ "نام فرحان خان، فی الدخان متیم اسلام آباد۔ پولیس میں باقاعدہ رجسٹرڈ موجود ہے مگر ڈکیتیوں اور چورخوئیوں میں غوث ہے۔ ایک بار خشیات کے دھندے کے چکر میں بھی پکڑا گیا تھا۔ عدالت میں اسے دو چار سالوں کا جیل کیس تھا۔"

"یہ سب مجھے آج صبح ہی موصول ہوا ہے۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ اسلام آباد کا چکر لگانوں۔"

قہر بولا۔

"مجھے اندازہ ہے کہ تم اسے فوراً پکڑ چاہتے ہو۔"

"مجھے تو یہ سب کچھ کسی جاسوسی فلم کی طرح لگ رہا ہے، اللہ سب خیر کرے اور وہ بچہ اچانے۔" فاطمہ کا ڈنکر کی طرف جاتے ہوئے بولی۔ وہ پولیس ہیڈ کوارٹر سے سیدھے اسٹور آئے تھے۔ اکبر اور فاطمہ وہیں ان کے منتظر تھے۔

"مریم میں باہر جا رہا ہوں، تم اسٹور پر ہی ہو؟" نصیر نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں اور آج حسن بھی گھر پر ہی ہے۔"

"گڈ۔" نصیر کے جانے کے بعد اکبر بھی نکل گیا۔ کچھ دیر بعد فاطمہ پھر آفس میں آ گئی۔

"مریم یہ نیا کمرے دار بہت اچھا ہے۔ اس کی آنکھوں میں شرافت اور خلوص ہے۔" فاطمہ نے بات شروع کی۔ وہ چپ چاپ سن رہی تھی۔ "تم کچھ کہو گی نہیں؟"

"کیا کہوں؟" وہ غصہ دی۔

"پہلے تو میں جب کسی کے بارے میں اس قسم کی بات کرتی تھی تو تمہیں پیٹھے ٹک جاتے تھے۔ اس بار یہ خاموشی... جین اسٹور کیا ہے؟"

"فاطمہ اکبر صاحبہ! کیا آپ کام کی طرف توجہ دین کی؟" مریم دکان میں گاہک کو داخل ہونے دیکھ کر سکرین پر ہونے لگی تھی۔

"نصیر اور مریم صاحبہ گریہ بات ابھی اڑھوڑی ہے۔"

"آپ مریم ہیں۔" وہ عورت ابھی ابھی اسٹور میں داخل ہوئی تھی۔ اس کی گودلی رقص پر اسے ہونے والی بیچ رہے تھے۔

"جی... فرمائیے گا! وہاں سے دیکھ کر سکرین کی۔"

"میں شہلا ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"اوہ... سز سندرہ کی بہن تھی کیا آپ... پلیز جیسے کسی جیو وہ اب..."

"آپ وہ کون سے باہر ہیں عمران کی حالت ابھی ابھی زیادہ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ چلتے ہوئے بولی۔ "میں یہاں قریب ہی آئی تھی۔ آپ کا شکر یہ ادا کرنے آئی ہوں آپ نے اسپتال میں آتی گئے لیے کل دس بجے کھوائے اور آپ کے کئی لون بھی آئے تھے۔"

"وہ میری کلاسٹ تھی۔ مجھے بہت افسوس ہوا ان کے حادثے کی خبر دیکھ کر۔۔۔ اس حادثے سے ایک دن پہلے ہی وہ یہاں آئی تھیں اور انہیں نے خاص آپ کے لئے گھر کے لیے دو تھنے بھی خریدے تھے۔ وہ آپ سے بہت محبت کرتی تھیں۔" مریم بولی۔

لوگوں میں چار ہو گیا۔

نقیہ گھٹ کے علاقے میں رہائش پذیر تھی۔ وہ دونوں جب اس کے گھر پہنچے تو اسے گھر آئے صرف آدھا گھنٹا ہی ہوا تھا۔ انہیں دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"سب خیریت ہے؟" وہ ان کے بیٹے کے بعد بولی۔

"بالکل خیریت ہے نقیہ! قہر کو تم سے اس مسٹر کے بارے میں بات کر لی ہے۔"

"اس نے کیا فریاد تھا؟" قہر سیدھا مطلب کی بات پرا گیا۔

"اس نے ایک بڑے گتے اور تین بچہ والا بھر خریدا تھا۔ اس نے قیمت پر پورا بھی بحث نہیں کی حالانکہ وہ خاصا مہنگا نہیں تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ اپنی خالہ کے لیے اسے خرید رہا ہے جو جانوروں کے مجسمے جمع کرتی ہیں۔"

"جانوروں کے مجسمے...؟" قہر نے دہرایا۔

"اس نے کہا تھا کہ وہ خاص خود پر کتوں کے مجسمے جمع کرتی ہیں اور ہاں... یاد آیا، اصل میں اسے بالکل دینا مجسمے چاہیے تھا جیسا ہم نے ایک روز پہلے بچا تھا وہ جو چائنا ڈاگ تھا جو تم لالہ زار کی غلامی سے خرید کر لائی تھیں۔ اس نے اس کی پوری تفصیل بتائی تھی اس پر میں نے اسے بتایا کہ تاسے پاس اتفاق سے بالکل ایسا مجسمہ تھا مگر یک چکا ہے۔"

مریم کا چہرہ یک دم سفید پڑ گیا۔ اس کے بعد وہ کچھ عرصے پہلے کہ باہر نکل آئے... قہر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا مریم...؟" وہ چوڑی میں بیٹھنے ہی بولا۔

"وہی مجسمہ میں نے سبز صندوق کو بچا تھا قہر... اسے یہ بات معلوم ہوئی اور اس کی رفت ان کے گھر پر حملہ ہوا۔" وہ ہاتھ دکان پر رہی تھی۔

"مگر ایسا ہے بھی تو اس میں چہارہ کوئی قصور نہیں ہے۔" قہر نے اسے تسلی دی۔ "خود کو سنبھالو۔" راستے میں قہر نے فون کر کے آصف کو سب بتایا تھا۔ اس کے بعد اس نے گاڑی کا رخ اس اسپتال کی جانب موڑ دیا جہاں سبز صندوق داخل تھیں۔

☆☆☆

"صرف ایک چائنا ڈاگ کے لیے... اس نے ایک عورت کو قتل اور دوسری کو شدید زخمی کر دیا... مجھے یقین نہیں

آتا۔" مریم بہت الجھی ہوئی تھی۔ وہ دونوں سبز صندوق سے ملاقات کے بعد آصف کو دہی کے گھر میں آئے تھے۔

مریم نے بھی پہلے۔ "آصف مسکرایا۔" مریم واقعی بہت اچھی ہے۔ ڈیڑھ گھنٹے...

مریم نے بھی پہلے۔ "آصف مسکرایا۔" مریم واقعی بہت اچھی ہے۔ ڈیڑھ گھنٹے...

"شبت آپ ایسی ہی۔" قہر بھی مسکرایا اور باہر نکل گیا۔ قہر کی کار کو یا سڑک پر دھچک رہی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے مریم کو یہ بتانا چاہیے یا نہیں، اصولاً تو اسے سب جاننے کا حق تھا مگر اسے معلوم تھا کہ پھر وہ ہر معاملے میں دخل دینے کی کوشش بھی کرے گی اور اس کی یہ مداخلت چاہیے کے کام کو مشکل ہی بنائے گی اسے صرف مریم کے خیال سے اس کیس میں دخل بھی ہے اس نے خود کو اپنی سٹائی پیش کی مگر

کیا واقعی ایسا تھا؟ اس نے سر جھکا... نہ ملنے کی ٹکلی بارود کی کے لیے کچھ غصوں کو رہا تھا۔

گھر پہنچ کر اس نے لباس تبدیل کیا اور اپنی ارٹ گالز کے لیے ٹریڈ مل پر کھڑا ہی ہوا تھا کہ دروازہ بج اٹھا۔ "قہر

مجھے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔" مریم اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا...؟" اس نے اسے گھورا۔

"جب میں تمہیں بتاؤں گی کہ میں نے کیا معلوم کیا ہے تو تم اپنے اس چڑچڑے پن پر خود غور کرو۔" وہ جاؤ گے۔ "وہ منہ بنا کر بولی۔" نقیہ نے اس آنکھ کو پھیلان لیا ہے۔ وہ دو دن پہلے دکان پر آیا تھا اس نے ایک مجسمہ خریدا تھا اور کارڈ سے ڈالا۔ اس کی گئی اور اس کا نام...

"فرحان خان ہے، اس کا آخری پتا جو معلوم ہوا ہے وہ اسلام آباد کا ہے۔" قہر اس کی بات کاٹ کر بولا۔

"اوہ۔" مریم کا منہ لٹک گیا۔ "تمہیں کیسے معلوم ہوا اور اگر ہو بھی گیا تھا تو میری جاسوسانہ صلاحیتوں کے

اعتزال میں چپ ہو کے نہیں بن سکتے تھے؟"

"تم اصل میں جینو باؤ ہو مریم مگر پولیس والے زیادہ تیز کام کرتے ہیں... اگر کرنا چاہیں تو... وہ گویا اطمینان دلاتے ہوئے بولا۔

"ہاں اگر کرنا چاہیں تو دن بیاں تو سالیہ اسٹیبل گزر جاتے ہیں اور کیس حل ہو گیا شروع بھی نہیں ہوتا۔" مریم کی

سے بولی۔

"تم تمام باتیں چھوڑ دو میں نقیہ سے بات کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ مجھے ہے؟"

"نہیں... مگر اس کی کیا ضرورت ہے میں اس سے تمام تفصیلات معلوم کر چکی ہوں۔"

"مگر اور بہت کچھ پوچھنا ہے مجھے، ہو سکتا ہے کہ اس نے کچھ اور کہا ہو، پوچھا ہو اور نقیہ بھول گئی ہو۔" وہ چہرہ

جاسوسی ذالجت

"اب اس میں کوئی شک نہیں ہے۔" آصف نے کہا۔ "قہار سے فون کے بعد میں نے ضروری کارروائی کی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ سز مسطور اور ان کی بھانجی کو گھنے والی گولیاں بھی اسی ہسپتال سے چلائی گئی ہیں جس سے سجاد کو مارا گیا تھا اور جو قہار کی دکان سے برآمد ہوئی تھیں۔"

"مردود کوئی قیمتی چیز نہیں تھی میں نے بھی اسے صرف اس لیے خریدنا تھا کہ وہ ایک اور بہت کیڑا تھا۔"

"تم نے اسے نیلا ہی میں خریدنا تھا؟" قہار نے سوچ کر بولا۔ "کہاں سے خریدنا تھا؟"

"لالہ نثار سے۔"

"اور اگلے دن تم نے اسے بیچ دیا، اگلے روز وہ آیا۔۔۔ اسی رات وہ قہار کی دکان میں گھسا اور نیکی طور پر قہار کی فائلز سے سز مسطور کی رسید نکالی ان کا پتا حاصل کیا۔ اس رات ان کے گھر واردات ہوئی مگر اس کے بعد وہ وہاں یہاں آیا۔۔۔ کیوں؟ یعنی اسے کچھ اور بھی چاہیے۔۔۔ تم نے اس نیلا ہی سے اور کیا کیڑا خریدنا تھا مریم۔۔۔؟"

"کالی چیزیں۔۔۔ میں جنہیں بس نکال دوں گی۔"

"اس چائے لگاؤ سے پہلے اور بعد میں۔۔۔؟"

"اس سے پہلے۔۔۔ سرما کا تک جو 1900 کا تھا اور قہار اس کے بعد وہ تجربہ کی آرٹ کا نمونہ۔۔۔ چھوٹی فریج میں دگوں کی بارش۔۔۔ اور بولتے بولتے تک کئی دسے اختیار اس کا ہاتھ منہ پر آتا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتیں۔"

"کیا ہوا؟" قہار نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔

"ایک تصویر۔۔۔ وہ خوف زدہ انداز میں بولی۔

"وہ جو ماتنگ رہا تھا۔ وہ کوئی تصویر یا فوٹو گراف نہیں تھا۔ پینٹنگ تھی ایک پینٹنگ۔"

"جو تم نے اکبر کو چھلے میں دے دی تھی؟" قہار نے پوچھا۔

"ہاں۔" مریم نے ہنسنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی قہار اور آصف نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور پھر وہ تینوں وہاں سے نکل گئے۔ ان کی منزل قافلہ کا گھر تھا۔ انہوں نے وہاں سے "پینٹنگ اٹھائی اور گھر کا رخ کیا۔ آصف نے اس کام کے لیے اسٹور سے بھائے مریم کے گھر کا انتخاب کیا تھا وہاں خاموشی بھی اور زیادہ جگہ بھی۔۔۔ قہار نے احتیاط سے پینٹنگ کا فریم اتار لیا۔۔۔ اور اس کی پھر پڑاؤ لگا لی۔

"اس میں کچھ نہیں ہے۔" اس نے سر ہلایا۔ "کیوں

پلائی ول پر چپکا ہوا ہے، مجھے کوئی اسکرپٹ رائٹر یا چاقو ملے گا؟" مریم نے اس کی ڈیڑھا پوڈی کر دی۔

"قہار ان خیال ہے کہ اس صاف ستھرے کیٹوس کے پیچھے کچھ چپکا ہوا ہوگا۔۔۔ غشیات یا پھرے؟"

"چنگ کر لیتے ہیں۔" قہار بولا۔ "آخر کیٹوس کو اس پر لگانے کا تردد کیوں کیا گیا ہے۔" مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔۔۔ قہار نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"کچھ نہ کچھ تو ہے اس پینٹنگ میں۔۔۔ مگر کیا؟" وہ بڑبڑایا۔

"کیٹوس کا پچھلا حصہ بہت پرانا محسوس ہو رہا ہے۔"

مریم اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔ "ورنہ یہ پینٹنگ اتنی پرانی نہیں ہے اور نہ ہی ایسی قیمتی ہے، لگتا ہے کہ مصور نے پرانا کیٹوس استعمال کیا ہے۔"

"میں نے قہار پڑھا تھا کہ لوگ قیمتی پینٹنگ پر ایک خاص مخلوق کے رنگوں سے پینٹ کر کے اسے اسمگل کرتے ہوئے پکڑے گئے تھے۔" قہار نے کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

"قہار! یہ مطلب ہے کہ کسی نے کسی پرانے ماسٹر پینٹنگ پینٹنگ بنائی ہے۔۔۔ اس کون جیو پائنڈ بن رہا ہے۔"

مریم کو کسی آئی مگر قہار نور سے رنگوں کی بارش کو دیکھ رہا تھا۔

"ہمیں یہ پینٹ بنا کر دینا ہوگا۔" وہ فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

"اے۔۔۔ پھر میرے پاس کچھ ہے۔" مریم بولی۔

"دوست کو۔" وہ تیزی سے اسٹور روم سے ایک پوٹل نکالی کر لائی تھی۔ ساتھ ہی ایک بڑا کپڑا اور کچھ کپڑے کے تھڑے بھی ساتھ لائی تھی۔

"اس سے کیا ہوگا؟"

"میرے ایک کسٹمر سے ایک قیمتی پینٹنگ پر رنگ کر مجھے سب سے بہت کم قیمت پر مل گیا تھا۔ ہمیں بہت محتاط اور کر چھوٹے دائروں میں رنگ اتارنا ہوگا۔" اس نے مخلوق کپڑے کے ٹکڑے پر لگا کر قہار کی جانب بڑھایا۔ وہ آہستگی سے چھوٹے چھوٹے دائروں کی شکل میں مخلوق بن رہا تھا۔ پہلے اس نے مصور کے دستخط کو ملایا اور پھر نیلے رنگوں کی ٹکیریں کو۔۔۔ پہلے سے دوسرے رنگ واضح ہو رہے تھے۔

"اس کے نیچے بچھاؤ ہے۔" وہ چلا یا۔۔۔ پھولوں کو

میں وہ آہی تصویر صاف کر چکا تھا۔

"اور۔۔۔ یہ کیا ہے؟" مریم حیرت زدہ رہ گئی۔

"یہ۔۔۔ مونٹ کا ماسٹر پینٹ ہے۔۔۔ اور میرے خدا۔۔۔ یہ مونٹ کی قیمتی ترین تصویر ہے۔۔۔ یہ یہاں کیسے آئی۔ اس

سنگرز

ستمبر 2014
کی کہانیاں

سنگرز

جرات و بہادری کے نیکو کے حالات زندگی

والتاسی خان

ایک بہادر قبیلے کی سرگزشت جو
دادیوں میں چکراتار ہوتا ہے

مذاہب و رسوم

شوہر کی دنیا میں چارو جگانے
والی انسان دوست کا تذکرہ

امید بہار

اس منظر کے حالات زندگی
جس نے لوگوں کو جینا سکھایا

اختری راستہ

ایک بے بی ٹی کی داستان جنوں

پاک سوسائٹی

لہو کی گردش تیز کر دینے والی طوفان داستان "سراب"
عقلمند دنیا کی کہانی من کی داستان "عقلمند لیلہ"
اور بہت سے دلچسپ

واقعات سے بچے قصبے، آب پتیاں، بگ بیتیاں

آج ہی نزدیکی بسا سال پڑنا شروع کر لیں

پاک سوسائٹی

کی قیمت لاکھوں ڈالرز سے کم نہیں ہوگی اور میں نے اسے
صرف پانچ ہزار روپے میں لے لیا ہے۔"

"یہ کوئی بڑا ریکٹ معلوم ہوتا ہے ایس بی۔" تعمیر
نے کہا۔ "تعمیر جیوشی کی معلومات میں سب نے آؤ۔"
"ہاں ضرور کل ہوگا۔۔۔ اب اس سے کل ہی ملاقات
ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ میں آج ہی لالہ زار میں اس آکشن
ہاؤس کو دیکھتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں دفتر بہار ہوں کوئی اہم بات ہو تو
مجھے ضرور بتانا۔" آصف کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

"ہم کیا فوراً چل رہے ہیں؟" آصف کے جانے
کے بعد مریم نے پوچھا۔

"میں اکیلا چار ہوں۔" تعمیر فوراً بولا۔
"مگر میں چلنا چاہتی ہوں ساتھ ہو پھر تمہیں کیا معلوم
کہاں جاتا ہے۔"

"میں معلوم کر لوں گا۔۔۔ مریم یہ خطرناک ثابت ہو
سکتا ہے۔"

"اگر تم ساتھ نہیں لے کر مجھے تو میرے پاس دوسرا
راستہ موجود ہے۔ میں اپنی گاڑی میں آ جاؤں گی۔"

"مجھے تم سے ملنے سے پہلے درود مریم کا مطلب معلوم
نہیں تھا۔" وہ جمل کر بولا۔

"یعنی میں ساتھ چل سکتی ہوں۔۔۔ شکریہ۔" مریم
جو اب میں اطمینان سے بولی۔

☆☆☆

وہ آکشن ہاؤس کے لیے مخصوص ایکس بی بی بیجے کار
پارکنگ میں ایک بڑی کپ اپ پہنے سے موجود تھی۔

"نگاہ ہے کہ نیا سامان آیا ہے۔" مریم اسے دیکھ کر
بولی۔

"مریم تمہیں ادھر ادھر نہیں ہونا ہے۔ میرے ساتھ
آنے کا مطلب میرے قاعدے سے چلنا ہے۔" وہ ٹھکانا

انداز میں بولا۔

"ہاں کل اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مجھے خاموش رہنا
ہے، سوالات تم خود کرو گے۔۔۔ یہاں کس قدر خاموشی ہے،

اصل میں معیم الدین صاحب خامے عجیب مشہور ہیں، مستقل
طور پر ان کے پاس صرف دو افراد کا اسٹاف ہے۔"

"دفتر کس طرف ہے؟" تعمیر نے عمارت میں داخل
ہوتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں دائیں جانب کے ایک کمرے میں ان کا دفتر

"یہ کیا کیا...؟ بہت بری بات ہے۔" مریم نے اسے ٹوکا۔

"اس وقت ہمارے لیے وقت بچانا بہت ضروری ہے ہم کاپی کرنا نہیں اسل واہیں بھیج دیں گے... آؤ چلو۔"

گاڑی میں بیٹھنے کے بعد وہ دوسرے خاموش رہی پھر بولی۔ "جنرل اسلام صاحب نے بھی اسی لاٹ سے ایک گل وان خریدی تھی۔"

"وہ لیکچر ڈیپارٹمنٹ کا چوری کی واردات میں لگی ہو گیا تھا۔" قہر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ان کی دکان بھی قریب میں ہے؟"

"ہاں۔"

"تو اب ہم وہیں چل رہے ہیں۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

"مگر میں پہلے اپنے اسٹور پر فون کرنا چاہتی ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ قاتل اور غیب وہاں پھریں... دکان بند رہانی چاہیے۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔"

انہیں جنرل اسلام کے اسٹور پر زیادہ وقت نہیں لگا۔ ان کا بیٹا ان کی موت پر لندن سے آیا تھا۔ اس سے مختصری گفتگو میں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان کے دو بیٹا مل اور توڑ پھوڑ کے علاوہ وہاں سے آکشن میں خرید دیا گیا وہ بھی وان بھی قاب تھا۔ وہ اپنی کے سفر میں مریم بالکل خاموش رہی تھی۔ وہ اس وقت چوٹیا جب قہر نے گاڑی ایک ریستوران کے باہر روکی۔

وہ دونوں ڈائٹنگ ہال میں داخل ہوئے۔ مریم بیٹھنے کے بجائے فریش ہونے چلی گئی اور قہر نے کھانا آرڈر کر دیا۔ اس کے بعد اس نے آصف کو کال ملائی۔ کال چلتی ہی فون پر ریسیو کر لی گئی۔

"جیسے وہاں کچھ...؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں... ایک اور لاش... بلکہ اس مسئلے سے بڑے اور مہم نواگ۔" اس نے اسے اب تک کی تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے مقیم بلدین کے دفتر سے اس کار کا راز ملا ہے جس کے مطابق وہ لاٹ کی احمد جواد نے اسلام آباد سے بھیجی ہے۔ فرحان خان کا گھر بھی وہیں ہے سوچ رہا ہوں کہ کل صبح کی فلائٹ سے اسلام آباد چلا جاؤں۔ تیز ترین کارروائی کے لیے یہ ضروری ہے۔"

ہے۔" دختر خالی تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکلے ہی تھے کہ سامنے سے ایک خاتون آئی نظر آئی۔ وہ دلی چل سی تھی۔ آنکھوں پر قد سے بڑے فریم کا چشمہ لگا ہوا تھا۔

"جی فرمائیے۔" اس کی آواز شخصیت کے مقابلے میں حیرت انگیز حد تک جواں تھی۔

"میں مقیم الدین صاحب سے ملنا ہے، کیا آج وہ تشریف نہیں لائے؟" مریم نے خالی دفتر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ اس سوال نے اس خاتون کی آنکھوں کو ڈبڈبا دیا۔ اس سے پہلے کہ قہر کچھ کہہ پاتا، مریم اس کا بازو پکڑ کر اسے کمرے میں لے گئی اور گری پر بٹھا دیا۔

"کیا میں آپ کے لیے پانی ملاؤں؟"

"نہیں نہیں۔" وہ اتنی دیر میں خود کو سنبھال چکی تھی۔ "میں رقیہ ہوں مقیم صاحب کی اسسٹنٹ... آپ کو شاید علم نہیں ہے۔ مقیم صاحب کاٹل ہو گیا ہے۔"

"آؤ خدا۔" مریم نے گری کو مضبوطی سے تھام لیا۔

تین دن پہلے... میں نے خوراکیں یہاں اس میز پر دیکھا تھا۔ ان کا سر اور چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ "وہ بات دوسری چھوڑ کر چپ ہو گئی۔"

"بولیں کوئی پریش ہے؟"

"نہیں، اب تک مقصد ہی سمجھ میں نہیں آیا۔" خاتون سے بھی کچھ چوری نہیں دیا ہے اور آپ..."

"میرا نام قہر علی ہے اور یہ مریم بلدین لیکچر ڈیپارٹمنٹ اسل میں پچھنے آکشن میں انہوں نے یہ بیان کیا کہ چیزیں خریدی ہیں ہم جانتا چاہتے ہیں کہ وہ لاٹ کہاں سے آئی تھی یہ بہت ضروری ہے۔" خاتون نے اس کی مدد دعا کی۔

ہے۔"

"اے کے ہوئے یہ ہم کرتے نہیں ہیں مگر میں مریم کے لیے یہ کر رہی ہوں... آپ کو لاٹ نمبر یاد ہے مریم۔"

"جی ایف 15 اور ایف 18۔" مریم دھیرے سے بولی۔ اسے کچھ اور یاد آرہا تھا۔

"یہ لاٹ اسلام آباد سے آئی تھی۔ کسی چودھری صاحب کا لیکشن تھا مگر اس میں وہ کوئی نہیں تھی۔ آکشن والے دن ہی یہ لاٹ آئی تھی اور لوہرائی مثال کر دی گئی تھی۔ ہاں مریم آپ نے دو میں خریدے تھے۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر لون کی جانب متوجہ ہو گئی تھی۔ وہ ان سے مدد کر کے چند لمحوں کے لیے کمرے سے باہر چلی گئی۔ قہر نے اس کے جانے کے بعد وہ قاتل اٹھالی اور جو کا قہر اسے درکار تھا وہ کال کر جب میں رکھ لیا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

محکم خاص کیوں نہیں؟

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

پادرینگ ایر یا موجود تھا۔ قبر نے گاڑی کٹری کی اور بولا۔
 "میں تھوڑی دیر میں آ رہا ہوں۔"
 "کیوں... میں بھی ساتھ چلوں گی۔"
 "تمہیں... اور خند بانگ نہیں... ہاں آئیں کھلی
 رکھنا اور شیشہ دروازے ٹاک... کچھ میں آئی بات۔" وہ
 بولا۔

اسے اوپر گئے آدھے گھنٹے سے زیادہ ہو گیا تھا۔ مریم
 نے باہر نکلنے اور اس کی تلاش میں جانے کے بارے میں
 سوچنا شروع کیا ہی تھا وہ اسے واپس آتا نظر آیا۔
 "کیا ہو؟" اس کے بیلنے ہی اس نے بے تابی سے
 پوچھا۔

"بلڈنگ کا میجر کافی بکٹ و ٹیمپس کے بعد مجھے اس
 کے فلیٹ میں لے گیا تھا۔"
 "پھر کیا ملا؟ وہ کہاں ہے؟"

"وہاں بڑا بڈ سٹ، جوتے، پرٹو، بہترین
 فرنیچر ملا۔ کافی لیٹر پیڈر لے لیا ایک کھنی کے جس کا ہم
 اس نے پتھر پر اتار دیا۔ اس کا ہیڈ آفس کراچی میں ہے کافی
 کاغذات کے غنیمت کے مطابق وہ اس کھنی کے لمبا بندے کے
 طور پر یہاں کام کر رہا تھا اس کے فون پر آفسنگ مشین لگی
 ہوتی ہے جس میں اس کی ماں اور اس کی دوست کے کافی
 پیغامات ہیں۔ وہ ایک بھٹے سے گھر نہیں آیا۔" قبر گاڑی کو
 سڑک پر موڑتے ہوئے بولا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کراچی میں ہی ہے۔"
 مریم پریشانی سے بولی۔ "اب؟"

"اب ہم اس آدمی کی طرف جا رہے ہیں جہاں سے
 یہ سامان لالہ زہر کے آکشن ہاؤس کو روٹہ کیا گیا تھا۔" اس
 منت کی ڈرائیو کے بعد وہ کانٹہ میں موجود ہوتے پر پہنچے
 تھے۔

"یہاں تم ساتھ چلنا چاہو گی؟" قبر نے پوچھا۔
 "بالکل۔" وہ اس سے پہلے گاڑی سے اتر گئی۔
 "شکر صوفی پر چلنا ہوگا۔" قبر نے اسے خبردار کیا۔
 "بالکل، ساری بات تم کرو گے مجھے معلوم ہے۔"
 اس نے سر ہلایا۔

احمد جواد کا دفتر دو چھوٹے کیمپ اور پیچھے بنے ایک
 لیے سے گودام پر مشتمل تھا۔ بیرونی کمرے میں ایک
 نو جوان بیٹا فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ آہر نے اس
 سے احمد جواد کے بارے میں دریافت کیا۔

"میں جانتا ہوں سچی۔" وہ اندر گھبرا اور فوراً

"جسٹ صاحب نے ہال آف اسپیڈ آفسر کی ہلاکت کا
 نوٹس لے لیا ہے۔"

"شکر ہے، ہم فرحان خان کو اس کی گود میں ڈال
 دیں گے۔"

"اگر ہم اسے ڈھونڈ پائے، لگ رہا ہے کہ وہ انڈر
 گراؤنڈ ہو گیا ہے۔"

"ہم اسے زمین کے نیچے سے بھی کھود لائیں گے۔"
 وہ جوش سے بولا۔ "میں کل تمہیں کال کروں گا۔"

آصف لودھی بہت خوش تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کا
 پسندیدہ ایس ایس لی واپس لوٹ رہا ہے۔

مریم کو ٹھنڈے سے پانی کے چھیکوں نے کافی پراسکون کر
 دیا تھا۔ وہ میز پر ٹوٹ کر آئی تو اس کا رخ بھی ٹھنڈا ہو چکا
 تھا۔

"آئی ایم سوری، مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں صرف
 میری وجہ سے آئے ہو۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"مجھے بھوک لگ رہی تھی اور بس یہی وجہ ہے۔" وہ
 مسکرایا۔

"مجھے ڈر لگ رہا تھا۔"
 "وہ تمہیں چھو بھی نہیں سکا، یہ میرا وعدہ ہے۔"

"اوہ ہاں، بتاؤ کس اب ہم کیا کر رہا ہے؟"
 "ہم کل صبح کی فلائٹ سے اسلام آباد جا رہے ہیں۔"

وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ "ہم اس لیے گئے کہ تمہیں اپنے
 تعاقب میں آتا دیکھنے اور کسی اچانک آفت میں پڑنے سے
 ہمیں اپنے ساتھ رکھنا زیادہ بہتر ہے۔"

مریم جواب میں مسکرائی اور بولی۔
 ☆☆☆☆

اسلام آباد انٹرپورٹ کے باہر ایک گاڑی ان کی منتظر
 تھی۔ قبر نے چابیوں لے کر ڈرائیو کو روانہ کر دیا تھا۔ مریم
 نے ہوشی سے سب دیکھتی رہی۔

"کیا یہ گاڑی کرائے کی ہے؟" ہال آف اس نے پوچھ
 لیا۔

"جی ہاں... یہاں میرے دادا کا ایک گھر ہے وہاں
 سے منگوائی ہے۔" قبر نے کہا۔ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ
 اس موضوع پر مزید بات نہیں کرنا چاہتا۔

اسلام آباد ہیڈ سے مریم کو بہت اچھا لگتا تھا مگر ای
 باؤ کے بعد وہ بہت کم بھائی آتی تھی۔ انٹرپورٹ سے سیدھے

ریف 10 کی طرف نکلے۔ فرمان کا ڈیپارٹمنٹ وہیں ایک
 "خبراف بند ٹکٹ" دوسری منزل پر تھا۔ اپنا دستے کے نیچے

...

...

واپس آ گیا۔

"وہ آ رہے ہیں، آپ تشریف رکھیے۔" چند لمحوں بعد اندر سے ایک اوچل عمر شخص برآمد ہوا۔ اس کی ناک کی پینٹنگ پر بینک گلی ہوئی تھی اور ہاتھ میں ایک مولیٰ ہی کتاب تھی۔ اس نے پرانی سی جینز اور لی شرت پہنی ہوئی تھی۔

"جی فرمائیے... کوہاں دونوں کو پاؤں باری دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ احمد جواد ہیں؟" قبر نے اس سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی، میں ہی ہوں اور آپ...؟"

"میں قبر علی ہوں اور یہ مکن مریم ہیں کیا آپ متیم الدین صاحب سے واقف ہیں؟"

"جی ہاں... اس کے چہرے پر تاسف کے تاثرات آ گئے۔" اس کے ساتھ بہت پر اہوا۔

"آپ نے دیکھے ہفتے انہیں ایک کوریئر بھیجا تھا؟"

"جی ہاں، کسے مطمئن تھا کہ وہ اسے بھیجے جانے والا آفری سامان ہو گا۔ ہم سالوں سے ساتھ کام کر رہے ہیں... حق۔"

"اس سامان میں ایک پینٹنگ بھی تھی۔ ہم اس کے بارے میں جانتا چاہتے ہیں؟"

"پینٹنگ؟" اس نے حیرت سے بینک کو ناک پر ہنایا۔ "میں نے کوئی پینٹنگ نہیں دیکھی۔"

"تجربہ کی آرٹ کا نمونہ... رنگوں کی بارش۔" مریم نے پوچھا۔

"نہیں بی بی میں نے کوئی پینٹنگ نہیں دیکھی، تجربہ کی آرٹ کو تو میں ہاتھ بھی نہیں لگاتا، اس میں نقصان کا خدشہ ہوتا ہے۔"

"آپ کے پاس اس کوریئر میں جیسے مکے سامان کی لسٹ ہے؟" قبر نے اٹکھے ہوئے انداز میں کہا۔

"ظاہر ہے... میں دکھاتا ہوں۔" وہ اندر غائب ہو گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ دوبارہ نمودار ہوا تو اس کے ہاتھ میں دو فائلیں تھیں ایک کارنگ پیپ تھا اور دوسری کال لال۔

"یہ میرا فکر کو تسلیم ہے۔" وہ فوریہ انداز میں بولا۔ "اس فائل فائل میں اس سامان کی لسٹ ہے جو میں نے خریدنا تھا۔ یہ دیکھیے... منظور حسین، بلا نمبر 225، ایک 5 اور اس لسٹ میں کوئی پینٹنگ نہیں ہے۔" اس نے لسٹ قبر کے سامنے رکھ دی۔ اس میں چائنا لاک بھی نہیں تھا اور نہ ہی وہ گل دالان تھا جس کے لیے جطر اسلام کی جان گئی۔ قبر نے حیرت سے

لسٹ پڑھی۔

"اور یہ سرخ فائل آکشن والوں کو جیسے مکے سامان کی رسیدیں ہیں اور یہ دیکھیے۔" اس نے سب سے اوپر والی رسید پر انگلی دکی۔ "یہی آخری کوریئر تھا جو متیم الدین کو بھیجا تھا اس میں بھی کوئی پینٹنگ نہیں ہے، لگتا کہ کہیں کوئی گزیرا ہو گئی ہے۔ مرحوم متیم تھوڑا بے پروا آدمی تھا۔"

☆☆☆

"وہ غلط کہہ رہا ہے متیم صاحب بے پروا نہیں تھے اور جس روز آکشن ہوا ہاتھ میرے سامنے وہ لاٹ آئی تھی۔" مریم باہر آتے ہی بولی۔

"ہم...؟" قبر کی آنکھیں سوچتی ہوئی لگ رہی تھیں۔ "اس کا بھیجا ہوا کوئی بھی آٹلم اس کو کوریئر میں نہیں تھا جو وہاں پہنچا۔ وہ یہ بتاؤ مریم اگر تم مونسٹ جیسی قیمتی تصویر اسلگ کر رہیں تو کیا کر رہے ہو؟ کیا اسے کسی آکشن ہاؤس میں بیہتیں؟"

"ہرگز نہیں...؟" جب دم اس کی آنکھیں چمکیں۔ "اور سب سے بڑا گریز ہوئی ہے... کہیں سامان بدلا گیا۔"

۴۔

"ہاں... جو رسید ہمیں متیم الدین کے دفتر سے ملی وہ اور جڑان صاحب نے دکھائی وہوں میں پریم کوریئر سروس سے متعلق ہیں۔" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "میرا لائن ایک آئی نیچے پر لٹکا رہا ہے جہاز ہانڈ اور وہ یہ ہے کہ وہ مختلف کوریئر لگاتوں پر لٹکی گئے ہیں اور یہ گزیر چھپنا کوریئر سروس کے آفس میں ہوئی ہے۔"

"یعنی...؟"

"یعنی ہم پر پریم کوریئر سروس کے دفتر جارہے ہیں۔"

☆☆☆

"وہ گاڑی پھر وہی مسئلہ۔" سپردانہ طاری سحران کی بات من کر بڑبڑایا۔ "کیا آپ رسیدیں گے؟"

"کیا کوئی مسئلہ پہلے بھی ہو چکا ہے؟" قبر نے پوچھا۔

"اس میں اسی تاریخ میں ایک کوریئر فلائیڈ ریس پر پہنچی گیا تھا۔ وہ صاحب بہت زیادہ پریشان تھے اور انہوں نے کالی شور شراب بھی کیا تھا۔" وہ شرمندگی سے بولا۔

"فرحان...؟ ہے نا؟ فرحان خان۔" مریم نے عام سے انداز میں پوچھا۔

"جی... جی آپ جانتی ہیں انہیں؟"

"جی ہاں، ہم مل چکے ہیں۔" وہ مسکرائی۔

☆☆☆

صبح سے قہر کنہا غائب تھا۔ آصف لودھی کے مشورے سے انہوں نے مریم کا اسٹوڈ کھلے رکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ کل شام گئے واپس آ گئے تھے۔ اسی وقت سے اسے قہر کی سرگرمیاں مشکوک سی محسوس ہو رہی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ وہ اس سے کچھ چھپا رہا ہے۔ وہ دیر چلائے واپس آیا تو اس کی خبر بہت معلوم کرنے سیدھا اسٹوڈ گیا تھا۔

"مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟" ہاں خرد وہ پوچھ رہی تھی۔

"جیسے ایسا کیوں نہ ہو؟"

"کیونکہ تم اور آصف کچھ چھپوٹی کار ہے ہو اور مجھے اسی سب سے شک ہے کہنا چاہتا ہوں۔ کوئی بات نہیں مجھے خود ہی معلوم ہو جائے گا۔"

"وہ کیسے؟"

"ہیں... یہ میرا بزنس سیکرٹ ہے۔" وہ مسکرائی۔
 "اور ویسے بھی شاید تمہیں اب تک معلوم نہ ہو سکا ہو مگر مجھ پر کہ تم مجھ سے کچھ چھپاؤ گے، مجھے معلوم ہو جاتا ہے۔" وہ شرارت سے بولی۔

جواب میں وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ چند دنوں میں ہی وہ اس کے اس قدر قریب آ گئی تھی جو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ سب اور ہاتھ اور کمال کی بات یہ ہے کہ اسے خود اس سب پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

"تم اتنے عجیب کیوں ہو آخر؟" وہ اس کے کھونٹے سے ٹک آ کر بولی۔

"کیا تم واقعی جانتا چاہتی ہو؟" اس نے عجیب طریقے سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تو پھر چلو میرے ساتھ۔" وہ ملت لہجے میں بولا۔
 "میں جیسے کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد وہ اس بڑے سے بنگلے کے باہر کھڑے تھے۔ سفید سیاہ سنگ مرمر سے بنا یہ خوب صورت، مشکلا درختوں سے چھپا ہوا تھا۔ چوکیدار نے قہر کی گاڑی دیکھ کر فوراً گیٹ کھول دیا۔ سرخ انٹوں سے لگی روشی اور خوب صورت لانا نے مریم کو اپنی جانب متوجہ کر لیا تھا۔ رنگ رنگ پھولوں سے سجے پودے بتا رہے تھے کہ ان کا بہت اچھی طرح خیال رکھا جا رہا ہے۔

وہ دونوں پورے میں کار سے اترے تھے۔ قہر

"عجیب اتفاق ہے۔" اس نے اپنے کپڑے پر تفصیلات دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا ایک ڈاٹ سائز ٹیکل پر رکھا تھا جس کی وجہ سے قہر بائیں پر تمام تفصیلات کو بہ آسانی دیکھ رہا تھا۔

"اب دیکھیے کہ ایسا سالوں میں بھی ہوتا ہے یا نہ۔" کوریٹر ایک ہی دن روانہ ہوئے، منور کی قسطی سے ایڈویس ہرل گئے۔ اب آپ دونوں مل گئے ہیں۔ کیا میں مسٹر فرحان کو مطلع کر دوں کہ ان کا سامان آپ کے پاس ہے اور آپ کا فائنل کے پاس..."

"نہیں ہم خود بات کر لیں گے۔"

"شکریہ۔" اس کے سر سے گویا مصیبت مل گئی۔ "ہم آپ دونوں کے اخراجات واپس کرنے کے نئے دار ہیں۔"

اس کے کمرے سے نکلنے کے بعد کوریٹر میں آگے جا کر قہر باہر جانے کے بجائے اندر کی جانب مڑ گیا۔

"کہاں جا رہے ہیں ام؟" مریم نے پوچھا۔

"باتا ہوں۔" قہر نے جواب دیا اور برابر سے گزرنے والے لڑکے سے پوچھا۔

"منور مسکن کہاں چلتے ہیں؟"

"منور... سامنے اسٹیشن پر..."

"تم کیا کرنے والے ہو؟" مریم نے سرگوشی کی۔

"پلیز صرف دیکھو۔"

کچھ دیر بعد وہ کوریٹر کے دفتر سے نکلے تو سب کچھ صاف ہو چکا تھا۔ منور نے انہیں اپنی کہانی سنائی تھی۔

الو اسز بدلتے سے سارا مسئلہ پیدا ہوا تھا۔

"مجھے تو لگتا ہے کہ مجھے بھی پولیس جوائن کر لینا چاہیے۔"

"مریم گاڑی میں بیٹھتے ہوئے قریب انداز میں بولی۔

"جو تم کر رہی ہو وہی بہتر ہے تمہارے لیے..."

"تم کم از کم یہ تو کہہ سکتے ہو کہ میں نے اچھا کام کیا۔"

"تم نے اچھا کام کیا اور اب تم رستہ پر ہو رہی ہو۔"

وہ مسکرایا۔

"قہر، اب فرحان کو تلاش کرنا باقی ہے۔" وہ اس کی طرف سے جیسے بچس ہو کر بہ آواز بلند سوچ رہی تھی۔

"وہ پولیس پر چھوڑ دو، ہم چار بیچے کی فلائٹ سے واپس جا رہے ہیں۔" وہ بولا۔

وہ لورڈا کو اپنی بیٹھنا چاہتا تھا۔ پیراڈر کے کپڑے

وہ سکرین پر اس نے وہ بتا دیکھا تھا جہاں ایم الدین کا کوریٹر قسطی سے چلا گیا تھا اور وہ پتا صندوق تھا... شوکت اللہ

خاموشی سے گھر کو دیکھ رہا تھا۔
 "تم یہاں پہلے بڑھے ہو؟" بالآخر مریم نے خاموشی
 کی چادر کھنڈا۔

"ہاں..." قصیر نے آگے بڑھ کر بھولے سے
 برآمدے کے آگے بے نگہی کے بڑے سے دروازے کو
 کھولا، گھر اندر سے اتنا ہی ناایمان تھا۔
 "تم اسے بچا چاہتے ہو؟" وہ پسندیدگی سے چادروں
 طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہاں... آؤ میں تمہیں گھر دکھاؤں۔" اس کے
 چہرے پر ہنسیا کیے تاثرات تھے کہ مریم نے آگے بڑھ کر
 اس کا ہاتھ تھام لیا۔
 "یہ ضرور ہی نہیں ہے قصیر..."

"آؤ اوپر۔" اس نے اوپری منزل پر پہنچ کر ایک
 دروازے کی جانب اشارہ کیا۔ "یہ میری اہلی کا کمرہ تھا
 میرے ڈیڑی کا کمرہ اگلی منزل پر تھا۔ تمہیں معلوم ہے وہ
 ایک منزل پر بھی ساتھ رہنے کو تیار نہیں تھے۔"
 "اور تمہارا؟"

"یہ..." اس نے لابی میں بیٹے تیسرے کمرے کی
 طرف اشارہ کیا۔ مریم نے اس کمرے کا دروازہ کھولا، یہ
 کافی بڑا اور روشن بندہ تھا۔ یہی جی کھڑکیوں سے نیچے
 لان نظر آ رہا تھا۔ بندہ کمرے کے ساتھ چھوٹا سا تیکر تھا۔

"پہلے اس کے ساتھ ایک درخت ہوتا تھا اور میں اس
 کی شاخوں سے اتر کر وہ دستوں میں چلا جاتا تھا۔ ایک رات
 ایک نوکر نے دیکھ لیا اور میرے ڈیڑی کو بتا دیا۔ انہوں نے
 اگلے روز اس درخت کو کٹا دیا۔ میرے کمرے میں آئے
 دروازہ بند کر کے مجھے بہت مارا، میری عمر اس وقت چودہ
 سال تھی۔ اس کے بعد ہی میں بے ایتھنک شرمائی کی
 میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہی مجھے مار نہیں سکے گا مگر پھر مجھے
 پورٹنگ ہاؤس بھیج دیا گیا۔"

"اور تمہاری اہلی..." مریم نے آہستگی سے
 پوچھا۔

"وہ مجھے نہیں دہاؤ میں، لینٹن میں جزیں بھیجے
 اور توڑنے کی عادی تھیں۔ ایک روز انہوں نے مجھ پر تانبے
 کا گول مارا تھا۔ میرے سر سے خون نکل آیا تھا۔"
 "اور تمہاری بہن..." مریم نے ڈرتے ڈرتے

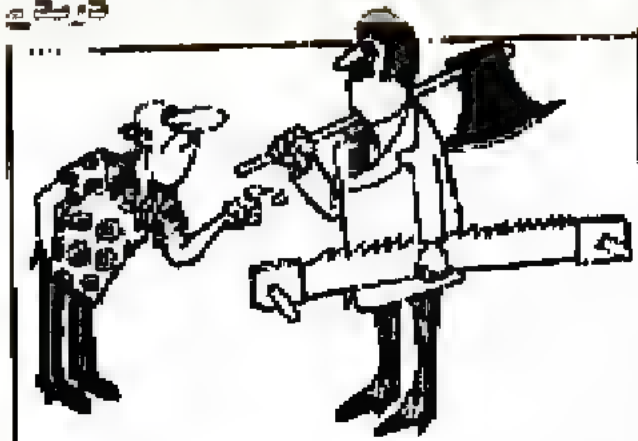
پوچھا۔
 "چھوٹی تھی وہ... اس ماحول میں نیم پاگل بن گئی
 تھی۔ وہ دونوں اسے ان ہر چیز کی اجازت دیتے اور انکی

سب باتوں پر پابندی لگا دیتے۔ ایک دن دوستوں کی
 دعوت میں شرکت تو دوسرے دن کمرے میں قید... اپنے
 ماں باپ کے اختلافات کی سزا، ہم دونوں نے بھگتی۔ میری
 اہلی ڈیڑی سے کئی سال بڑی تھیں۔ ڈیڑی کی سہیلی اور سے
 شادی کرنا چاہتے تھے مگر خاندان میں شادی دنوں کی
 مجبوری تھی، سوانہوں نے رشتہ جوڑ دیا مگر بنایا تیار نہیں
 سکے۔ ذرا بے بسی بعد میں بعد ازاں ہاؤس چلی گئی تھی۔ اہلی
 ڈیڑی کے جانے کے بعد ہم دونوں نے ساتھ رہنے کا فیصلہ
 کیا اور ہم خوش بھی تھے۔ میں ایرائیم گروپ کے خلاف
 تحقیقات کر رہا تھا، اس روز اتوار تھا، میں اتوار کو دیر تک سو
 تھا۔ ذرا بے بسی ہر اتوار کو گیارہ بجے والہ کے بتائے ہوئے نیم
 خانے جاتی تھی، وہ اس کی قریبی تھی۔ میری آنکھ موہاں کی
 کھنٹی سے کھلی تھی۔ فون پر کوئی تھا جو مجھے بتا رہا تھا کہ آج
 میری بہن کی زندگی کا آخری دن ہے۔ میں اسے کچھ نہیں
 سمجھا تھا مگر پھر اس نے کہا کہ گیارہ بج رہے ہیں اور وہ گھر
 سے جا رہی ہے۔ اگر میں اسے بچا سکتا ہوں تو بچا لوں، میں
 فون سمیٹ کر باہر بھاگا مگر میرے باہر نکلے تک وہ گاڑی
 میں بیٹھ چکی تھی۔ اس نے غالباً گاڑی کی چابی نکالنے کے
 ساتھ میری آواز سنی اور میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں
 میں حیرت اور سوچ تھا اور اسی لمحے وہ دھماکا ہوا، میری
 آنکھوں کے سامنے صرف آگ کے شعلے تھے۔ میں قبر علی،
 پولیس کی اسٹیشن کمانڈر فورس کا ایس ایس پی، کمانڈر... خود
 اپنی بہن کو نہیں بچا سکا۔ میری آنکھوں کے سامنے وہ جاگتی
 سوانی کرتی آنکھیں اندر میرے میں کھولیں۔ "اس کی آواز
 ذرا بڑھ رہی تھی۔"

"تم نے اسے بچانے کی کوشش کی تھی قصیر۔" مریم کی
 آنکھوں میں آنسو تھے۔ "پوری کوشش کی تھی۔"
 "مگر میں اسے بچا تو نہیں پایا۔" وہ ہنسنے لگی۔
 "اور اب مجھے اس احساس کے ساتھ جینا ہے۔" وہ دونوں
 لان میں رہی کہ سبوں پر ہنسنے لگی۔

"تمہیں... میں یہ سب بتاتا چاہتا تھا۔"
 "میں جانتی ہوں کہ تم مجھے یہاں کیوں لائے
 ہو۔" کافی دیر بعد مریم بولی۔ "تم مجھے یہ خالی ہر دھرم مکان
 دکھا رہے تھے اور یہ جتنا چاہتے تھے کہ اس گھر کی طرح
 تمہارے پاس بھی مجھے رہنے کے لیے کچھ نہیں ہے کوئی
 جگہ ہے... کوئی احساس نہیں۔"

"یہ سب کچھ ایک بار اچھا انسان ہوں اور میرے
 پاس چھوٹا سا ہے۔"



دھت کاٹتے جا رہے ہیں
انہیں بار بار اسٹن کرتے جا رہے ہیں اس سے ڈر رہی ہے لڑکی

جیشید صاحب کو کچھ اعتراضات ہیں۔
”اعتراضات؟“ لکیر نے پوچھا۔
”کالی ہیں بھئی وہ تمہاری کرسی پر بیٹھا ہے، تمہاری
واپسی اس کے لیے تو خطرے کا مسئلہ ہے۔۔۔ میں صرف یہ
کہنا چاہتا ہوں کہ لکیر اب اس چیز کو مزید لمبا مت کھینچو۔۔
واپس آ جاؤ۔۔۔ مجھے معلوم ہے کہ آج تمہاری ڈی آئی جی
سے ملاقات ہے۔ تمہاری ذہنی کی چھٹیاں ختم ہونے والی
ہیں۔ پلیز مجھے بتاؤ کہ تم کب واپس آ رہے ہو؟“
”اگلے میں یہ نہیں کہہ سکتا، اہاں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں
اس بار سے میں سو رہا ہوں۔“ لکیر کھڑے ہونے لگے۔

”ہڑے۔۔۔“ آصف اپنی کرسی پر اچھل پڑا۔ ”میں
جیشید کو یہ خبر خود دوس کا پلیئر مجھے بتانے دو۔۔۔ اور پھر اس کا
چہرہ دیکھوں گا۔۔۔ آج تو تو نے مجھے خوش کروا دیا۔“ خوش اس
کے چہرے سے عیاں تھی۔

☆ ☆ ☆
مریم اس وقت بالکل خوش نہیں تھی۔ وہ سخت نظروں
سے لکیر اور آصف کو دیکھ رہی تھی۔
”آخر مجھ سے کیا چھپایا جا رہا ہے؟ یہ میرا کیس ہے
اور میرا حق ہے کہ مجھے اس کی تفصیلات کا علم ہو۔“ وہ سختی سے
بولی۔

”میں کل فرحان خان کے پاس سے ملنے کا پروگرام
بتا رہا ہوں۔“ بالآخر لکیر بولا۔

”صفر۔۔۔؟“ مریم نے پوچھا۔ ”اس کے نام سے
کی کوڈیز آیا تھا۔“

”نہیں۔۔۔ شوکت اللہ۔۔۔ یہ صفر کا پاس ہے اور میرا
خیال ہے کہ اس ڈرامے کا ڈائریکٹر وہی ہے۔ بظاہر وہ
امپورٹ ایکسپورٹ کا ایک بڑا کاروبار چلاتا ہے۔ آصف کا
خیال ہے کہ اسے لکیر کی شہرت کے پیچھے خاطر ناگ ہوگا مگر

”تم ہو نہیں۔۔۔ صرف ایسا سمجھنا چاہیے اور دوسری
بات یہ ہے کہ محبت منطقی کو نہیں مانتی۔۔۔ میں نے شاید تمہیں
احساس دلا یا کہ تمہارے اور میرے درمیان کچھ اور ہے تو
تم ایسے پریشان ہو گئے جیسے کسی نے تمہارے منہ پر پتھر مار
دیا ہو۔۔۔ ایسا ہی ہے مگر حراسے کی بات ایک اور ہے کہ یہ
سب سمجھنے کے باوجود میرا دل ایک نئی بات کہہ رہا ہے جو اس
نے پہلے بھی نہیں کی اور خود میں بھی تم سے کبھی نہ کہتی مگر تمہاری
اس بند باندھنے والی کوشش نے مجھے یہ کہنے کی طاقت دے
دی ہے، میں تم سے پیار کرنے لگی ہوں۔“ اس کی آنکھیں
پھلک پھلک تھیں۔ ”اب اس بات کو میری نظر سے دیکھنے کا
کوشش کرو، یہ محبت ایک ٹھنڈے سے تمہارے لیے۔۔۔ میں اس
کے بدلے میں تم سے کچھ نہیں مانگ رہی۔۔۔ محبت بھی نہیں
اور ایسا نہیں کہ میں یہ چاہتی نہیں۔۔۔ چاہتی تو ہوں مگر توقع
نہیں کرتی۔۔۔“ اس نے لکیر کی آنکھوں میں دیکھا اور نرمی
سے بولی۔ ”اور عمل کی بات یہ ہے کہ اس سودے میں تمہارا
کوئی نقصان نہیں ہے۔“

”تم بہت اچلی ہو مریم۔۔۔ سچ بات یہ ہے کہ تمہیں
زیادہ بہتر سامی ملنا چاہیے۔“

”میرے لیے وہ بہترین ہے، جو میں چاہتی ہوں۔“
وہ اس دیکھتی تھی مگر عجیب بات یہ تھی کہ اس کی آنکھیں
آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اس کی سوچوں کی پٹری پر خیالات کی ٹرین لگ اسیٹھ
میں دوڑ رہی تھی۔ مریم کو گھر چھوڑ کر وہ لکیر کے پاس پہنچ کر اتر چلا
آیا تھا۔ آصف اور اسے آج اپنی شکست کھانے کر رہی تھی مگر
اس کا ذہن مریم کے الفاظ میں ایسا ہوا تھا۔

”جناب ایس ایس بی صاحب اکھاں کھوئے ہوئے
تھا آپ آ آصف نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

”نہیں یاد اس جیسا سب سوچ رہا تھا۔۔۔ میرے
حساب سے ہمیں صفر کو چھوڑ کر اس کے پاس شوکت اللہ سے
بات کرنا چاہیے۔“

”وہ کالی ہاؤس سوخ آوی ہے۔ لکیر کی شہرت کے اس
پر ہاتھ ڈالنا مشکلات کو ختم دے سکتا ہے۔“

”ہوں۔۔۔ یہ تو ہے مگر اس سے ملنا ضرور پڑے گا۔
میری چھٹی حس اشارہ دے رہی ہے کہ وہ اس معاملے میں
موجود ہے۔“

”مجھے ایک اور ضروری بات کرنی ہے، ڈی ہاؤسٹ
اس کیس میں تمہارے لکیر بمشکل کچھ کر پالے گا مگر

ہیں کہیں سے ابداً نکلتی ہی ہے۔"

"درست... مگر ہو سکتا ہے کہ اسے طرمان خان کے معاملات کا علم نہ ہو۔" مریم بولی۔ اس کی آنکھیں کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

"تم زیادہ دست سوچو مریم۔" قہر خٹک نے سانس لے کر بولا۔ "تمہارا سوچا دوسروں کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔"

"میرے پاس ایک پلان ہے۔" وہ چند لمحوں بعد ڈراہٹکی انداز میں بولی۔
"بیس اسی کا ڈر تھا۔" قہر کراہا۔

"جو شخص شوکت اللہ سے ملے گا وہ تم نہیں۔" وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ "میں ہوں گی۔"
"تمہارا دامخ ٹھیک ہے؟ تم ان معاملات سے دور رہو گی۔"

"ذرا سوچو اس طرح اسے شک بھی نہیں ہوگا۔ اس کے ملازم کی گاڑی کی فٹکار تو میں ہوئی ہوں۔ وہ میرے گھر میں گھسائے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی اب میں اس کی فٹکارت لے کر اس کے پاس کے پاس جا رہی ہوں۔ وہ انٹیکس کا شوپین ہے جیسا کہ تم نے بتایا اور میں میرا کاروبار ہے۔ لکھ لو کہ یہ بے چاری مظلوم بڑی اس کی ہمدردی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔"

"یہاں ڈراہٹا یہ سہل نہیں ہو رہی ہے مریم۔ اگر وہ اصل آدمی ہے تو وہ بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ڈراہٹا آسان نہیں ہوگا۔ اس جیسا چالاک آدمی اسے جھڑپیں مٹانے کی نیک نیتی جائے گا۔"
"تمہیں مجھ پر یا میری صلاحیتوں پر اعتبار نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہے۔" مریم کی آواز ہلکے چلی گئی اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"یہ اعتبار کی بات نہیں ہے مریم۔ خطرہ بہت زیادہ ہے۔"

"نہیں... وہ ایک دم رو پڑی۔" مکالمہ میں کچھ نہیں کر سکی کہ قدر برا لگتا ہے جب کوئی آپ کی ذات کی نفی کرے۔" اچانک آنسو اس کے گالوں تک بہہ آئے تھے۔
"پلیز رونا بند کرو... میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے تم اچھی طرح جانتی ہو اصل بات صرف یہ ہے کہ میں تمہیں کسی طور بھی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا، اگر اسے شک ہو گیا تو بڑا مسئلہ ہو سکتا ہے۔" قہر اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"مطلب میری پرکار میں درست تھی... ہے؟"

یقین کرو کہ آپ کے مسٹر شوکت اللہ وہی دیکھ اور سمجھ پا میں گئے جو ہم انہیں دکھانا چاہیں گے۔"

قہر کو مریم پر سخت غصہ آ رہا تھا مگر یہ حقیقت تھی کہ وہ یہ کر سکتی تھی اور شاید یہی زیادہ بہتر پلان تھا۔
☆☆☆

دنیا معصومی کے مطابق شروع ہوا تھا۔ وہ کام میں معصوم تھی تاہم اس کی آواز پر وہ کاذب سے آفس میں آئی۔
"تمہارا دن ہے مریم۔" اس نے ریسیور اٹھایا۔
"مجھے مریم صاحبہ سے بات کرنی ہے۔" دوسری طرف سے ایک قدرے پھنس پھنس آواز سنائی دی۔

"جی میں بول رہی ہوں۔"
"میں مریم میں کلین لیں بول رہا ہوں میں آپ کو ایک پیشنگ کے مسئلے میں زحمت دے رہا ہوں، آپ سن رہے ہیں؟"
"آکٹین باؤس سے خریدی ہے۔"
مریم کی ریسیور پر گرفت سخت ہو گئی۔

"میں اس مسئلے میں کیا کر سکتی ہوں؟"
"مجھے اصل میں تھریڈ آرٹ اور خصوصاً بیٹھنے کی تصاویر بہت پسند ہیں۔ میں اپنی گھر پر تصاویر کی وجہ سے اس بنیادی میں شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ اب مجھے یہ جان کر تھوڑا مطمئن ہوا ہے کہ اسے کسی شائق یا پرستار نے نہیں ایک آرٹ ایلر نے خریدا ہے۔"

"ویسے میں بھی تصاویر جمع کرتی ہوں مگر اگر آخر اچھی ہو تو میں اس پر ضرور غور کروں گی، اگر آپ پیشنگ دیکھنا اور اس پر بات کرنا چاہتے ہیں تو ہم اگلے ملتے مل سکتے ہیں۔ اس دوران میں میرا شیڈول خاصا مٹا ہے۔"

"جی... جی یہ بہتر ہے گا... ہم کس دن مل سکتے ہیں؟"

"میرا خیال ہے کہ ہم جمعرات کو دو بجے مل سکتے ہیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے... پھر جمعرات کو ملاقات ہوتی ہے۔" معصومہاسی نے بات ختم کر کے ریسیور رکھتے ہوئے ماتھے پر آنے والے پسینے کو پونچھا۔ اب اسے مریم سے وہ پیشنگ حاصل کرنا تھی اور وہ یہ جانتا تھا کہ کسی بھی غلطی کا مطلب کیا ہو سکتا ہے۔

مریم ریسیور رکھ کر چند لمحوں تک اسے گھورتی رہی پھر اس نے قہر کا موبائل نمبر ملا یا۔ وہ تھوڑی دیر میں اس کے سامنے تھا۔

"اس نے رابطہ کیا ہے۔" وہ اسے دیکھ کر قہر کی قہر

وہ چند لمحے خاموشی سے اس کی بات سن رہا۔ اس دوران اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چلی رہی۔ "مجھے افسوس ہے مگر میں آپ کی بات سمجھ نہیں پا رہا ہوں، آپ میرے ایک اسٹال نمبر فرمان خان کے بارے میں جانتا چاہتی ہیں... اچھا... مجھے نہیں معلوم کہ میں اس خزانے سے آپ کی مدد کر پاؤں گا یا نہیں، ہمیں جو کچھ ان کے بارے میں معلوم تھا وہ ہم پولیس کو بتا چکے ہیں... وہ کئی دنوں سے غائب ہیں... جی جی مجھے آپ سے ملاقات کر کے ٹوٹی ہوئی ہوگی... کب ملنا چاہتی ہیں آپ؟ کل؟ یہ توڑا اشارت لوں ہے میں اپنے اسسٹنٹ کو لون دیتا ہوں وہ آپ کو وقت بتا دیں گے۔" شوکت اللہ نے ہولڈ کالز دیا یا پھر صفحہ کو دیکھ کر بولا۔

"اسے کل شام چار بجے کا وقت دے دو۔"

"جی سر... صفحہ نے ریسیور اٹھا لیا۔" مس مریم! جی میں صفحہ جہاں سی بول رہا ہوں۔ شوکت اللہ صاحب کا ایگزیکٹو اسسٹنٹ... کل ہن کے پاس چار بجے کا وقت ہے... جی شکریہ ہے آپ کے پاس ایڈریس موجود ہے بہترین... وہ ہم کل آپ کے گھر پر آئیں گے۔"

"نہرہ رست... شوکت اللہ خوش نظر آ رہا تھا۔ صفحہ؟ کل دوپہر کے بعد میری ساری مصروفیات کینسل کر دو۔ میں مس مریم کو پوری توجہ دینا چاہتا ہوں۔"

☆☆☆

"کل چار بجے... مریم نے ریسیور رکھتے ہوئے قہر کی جانب دیکھا۔ وہ قدرے الجھی ہوئی سی لگ رہی تھی۔

"گڈ... کیا بات ہے تم پریشان کیوں ہو؟" وہ اسے بطور دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یقین ہے کہ ابھی میں نے کھیل لیبل سے بات کی ہے۔"

"شوکت اللہ...؟"

"نہیں۔" وہ ہنسل مسکرائی۔ "اس کا اسسٹنٹ... صفحہ..."

☆☆☆

مریم، شوکت اللہ کے دفتر کی شان و شوکت کو گہری نظر سے دیکھ رہی تھی۔ دولت و ذوق کا ایسا احتراز بھی نہیں دیکھنے کو ملتا ہے اس نے سوچا۔ شوکت اللہ پورے اشیاء اور تصاویر کا دلدادہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا یہ شوق کھٹکوں آگے بڑھانے کے لیے بہترین بنیاد بنتا ہو سکتا تھا۔

اگر یہ نفس مجرم نہ ہو تو وہ اس کا اچھا کلائنٹ بن سکتا تھا مگر اگر اس سب پیچھے رہی ہوا... اس سوچ نے اسے تھوڑا

کے بولی۔

"کس نے...؟"

"شاہ فرمان خان نے... مگر اس نے اپنا نام کھیل لیبل بتایا ہے وہ پیشنگ خریدنا چاہتا ہے۔" اس نے حمام تحصیل بتائی۔

"آخر تم نے مجھ سے بات کیے بغیر اس سے ملاقات کا وقت کیوں طے کر لیا؟"

"مجھے سمجھ تو کہنا تھا قہر... وہ بولی۔" منع کرنے کی صورت میں اسے شک ہو سکتا تھا، میں ہنگامی کے بارے میں معلومات کر چکی ہوں اس نام کا کوئی مصدقہ ہے یا نہیں تو کوئی کیسے اس کا پرستار ہو سکتا ہے۔ اسے سوٹ کی پیشنگ چاہیے۔"

"اؤکے... جمہرات کو اسے دیکھ لیں گے تمہیں کل ہی شوکت اللہ سے ملنا ہوگا۔"

"یعنی میں یہ کام کروں گی۔" وہ جھل پڑی۔ "تم مان گئے۔"

"آصف کے خیال میں یہ زیادہ بہتر پلان ہے۔"

"تم دیکھنا سب ٹھیک ہوگا... ہم اس سے کس طرح لیں گے؟"

"اس کے لیے تم اسے آج لون کرو گے اور وہ کھڑکی جو تمہیں بتایا جائے گا۔"

☆☆☆

شوکت اللہ کے دفتر میں اپنی میز پر بیٹھا صفحہ عباسی لیبل لون کے ریسیور کو اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس نے بہت دیکھ لیا ہو اس کے ماتھے پر ایسے کے قطرے چمک رہے تھے اس نے "ہولڈ آن" کہہ کر ریسیور رکھا ایک فن پش کیا اور تیزی سے شوکت اللہ کے کمرے کی جانب بڑھا۔

"سر لائن نو پر کس مریم تھا... وہ آپ سے بات کرنے کی منتظر ہیں۔"

"اچھا۔" شوکت اللہ نے اس کی جانب دیکھا۔

"دلچسپ بہت دلچسپ۔" صفحہ بے لگائی سے انگلیاں مروڑ رہا تھا۔ یہ اس بات کی نشانی تھی کہ وہ بہت نراں ہے۔ "سرا" تنگ جب میں نے ان سے بات کی تھی تب تو سب ٹھیک تھا۔ انہوں نے مجھے ملاقات کا وقت بھی دے دیا ہے اور میں نے انہیں آپ سے اپنے تعلق کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہونے دیا۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"خیر جاؤ صفحہ... شوکت اللہ مسکرایا اور اس نے ریسیور اٹھا لیا۔ "میں مس مریم! شوکت اللہ بول رہا ہوں۔"

نروں کر دیا۔ اس نے ہاتھوں کو ہاتھ سے برش کیا، گرتے ہوئے دوپٹے کو سنبھالا اور گھڑی پر نظر ڈالی اچے پرچ کر دیں منٹ ہو رہے تھے اسے اور کتنا انتظار کرنا تھا۔

"نزد دست" شوکت اللہ اپنے کمرے میں لگی ہسکریٹ پر مریم کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ اس کے تصور سے زیادہ خوب صورت تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کی ٹانگیں ہار بازو بچاؤں پر لگی تھیں تصاویر اور لیسٹیک مجسموں کی جانب جا رہی تھیں۔ شوکت اللہ کو اس سے خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ ہاتھ خراش نے ریشیشنٹ کے لیے ہٹن دیا اور مریم کو اندر بھیجنے کو کہا۔

"سر آپ کو بلا رہے ہیں۔" ریشیشنٹ اسے دیکھ کر مسکرائی۔

"میں معافی چاہتا ہوں کہ آپ کو انتظار کرنا پڑا۔" اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی شوکت اللہ اپنی گری سے کھڑا ہو گیا۔

"کوئی بات نہیں، مجھے اندازہ ہے کہ آپ مصروف ہوں گے۔"

اس پر شوکت اللہ کا پہلا تاثر ایک مضبوط اور اچھی شخصیت کا پڑا تھا۔

"آپ کیا نہیں کی... چائے... کافی یا کوئی چیز...؟"

"کافی بہتر ہے گی۔" وہ مسکرائی۔

"جی مس مریم! آپ مجھ سے کچھ بات کرنا چاہ رہی تھیں؟" کافی آنے کے بعد وہ اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے بولا۔

"جی... اس کی آنکھوں میں نمی بنی تھی مگر میں نے نہیں آپ کو سمجھ رہا تھا۔" وہ اپنی گھڑی پر نشان ہوں کہ میں نے مین مناسب سمجھا کہ آپ سے بات کر لوں شاید آپ میری مدد کر سکیں۔"

"یقیناً مجھ سے جو ہو گا میں کروں گا آپ اطمینان سے بتائیے کہ آپ کو کیا چیز پریشان کر رہی ہے۔ کیا یہ فرحان خان سے متعلق ہے؟ کیا وہ آپ کا دوست رہا ہے؟ آپ جانتے ہیں؟"

"نہیں۔" اس کی آنکھیں خوف سے پھر گئیں۔ "میں اسے بالکل نہیں جانتی، میں آپ سے معلوم کرنا چاہتی تھی کہ آپ اس کے بارے میں کتنا جانتے ہیں؟"

"میں؟" اس نے ایک لمحہ سوچا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے کالی ملازمین کو ذالی طور پر نہیں جانتا۔"

"وہ کالی دنوں سے آپ کے ساتھ کام کر رہا ہے۔" "چھ سال... میں نے اس سارے معاملے کے بعد اس کی فائل منگوا کر پڑھی ہے۔ وہ ایک مخلص ورکر رہا ہے اور ان سالوں میں ہمارے سسٹم کے مطابق ترقی کرتے ہوئے برائے تجربے کے عہد سے پر ہٹکا۔ میری شاید ایک بار اس سے ایک راز ڈنڈ ٹیکل میں ملاقات ہوئی تھی۔ مجھے خود حیرت ہے کہ وہ کہاں غائب ہے۔ اسے اتنا غیر ذمے دار نہیں ہونا چاہیے تھا۔"

"میرا خیال ہے۔ میں آپ کو بتا سکتی ہوں کہ وہ کہاں ہے۔"

"کیا؟" شوکت اللہ نے اسے چونک کر دیکھا۔

"وہ یہیں کراچی میں ہے اور کسی غیر قانونی کام کے چکر میں ہے۔"

"کیا... ہاؤ میرے خدا؟"

"جی... آئی ایم سوزی مگر یہی سچ ہے۔" اس نے شوکت اللہ کو تمام واقعات بتائے۔ "میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے۔" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ "مگر میں بہت خوف زدہ ہوں۔"

"مجھے بہت دکھ ہوا ہے، میں آپ کی تکلیف سمجھ سکتا ہوں۔" وہ ہمدردی سے کہہ رہا تھا مگر اس کا ذہن اتنی ہی تیزی سے واقعات کی جمع تقریق کر رہا تھا۔ فرحان نے اسے یہ سب نہیں بتایا تھا اگر وہ زندہ ہوتا تو یہی اس کے لیے بڑی مشکل بن سکتا تھا۔

"میں اس مسئلے کو نہیں بھول سکتی اور نہ ہی اس کی فطرت باتوں کو... میں نے پولیس کو رپورٹ کی ہے اس کا انکج بھی بنوایا ہے مگر اس کے باوجود میری جان خطرے میں ہے۔" ایک آنسو اس کے گال پر آگرا۔

"اور... اور مس مریم۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر مریم کے برابر والی کرسی پر آ بیٹھا۔ "میں خود پریشان ہو گیا ہوں۔" ہمارا ایک اسٹاف ممبر عورتوں کو خوف زدہ کرنا چاہ رہا ہے، گٹل کی دادرماؤں میں ملوث ہے لگتا ہے کہ فرحان خان کے معاملے میں ہمارے انچ آرڈر پارٹنٹ سے بڑی غلطی ہو گئی ہے آپ پلیز مجھے بتائیے کہ میں آپ کی کیسے مدد کر سکتا ہوں؟"

"مجھے خود نہیں معلوم... میں نے سوچا کہ اگر وہ آپ سے رابطہ کرے تو..."

"بالکل یقین رکھیں میں خود اسے پولیس کے حوالے کروں گا بلکہ میں اسے سیکرٹری ٹی پارٹنٹ کو بھی اس کام پر لگاؤں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب وہ آپ کو

دھک دھک دل سے بول ... مرحباً اسپغول



مرحباً اسپغول بدن میں لائے طاقت اور جستی کیونکہ جب نہ تو تیز ایستہ
معدے کی جلن اور کولیسٹرول بھی ہو کم تو آپہ میں بہت اور تارک ہمیشہ



موقع ہے۔ "آصف بولا۔ "مریم! کیا وہاں صندوق عہدہ سے ملاقات ہوئی؟"

"نہیں، میں نے اس کے بارے میں ریسرچسٹ سے پوچھا تھا مگر وہ کسی کام سے گیا ہوا تھا۔"

"ظاہر ہے اگر اسے تم سے نکالیں۔ لیبل بن کر ملتا ہے تو آج اسے غائب ہی ہوتا تھا۔" گنبر نے کہا۔

"یہی سوچ کر میں نے ایک گارڈ سے اس کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ اس نام کا ایک شخص میرے والد کا دوست رہا ہے اور لمبا چوڑا سفید بالوں والا شخص ہے، اس نے بتایا کہ صندوق عہدہ سے ملنے کے بعد وہاں آکر رہتا ہے۔"

"خوب، جیو باغ۔" گنبر مسکرایا۔

"پھر قیصر اکیلا پان ہے؟" آصف نے پوچھا۔

"ظہیر ہے۔۔۔ بس خیبر پختونخواہ کو ڈاک پر جائیں گی مگر اس کے پاس سیاسی دیکھ بھال ہے گا تاکہ ہم وہاں ہونے والی گفتگو سن سکیں۔ تم اور میں ایک کار میں دھیمے قریب رہیں گے اگر ذرا بھی خطرہ محسوس ہوگا تو ہم اندر داخل ہو جائیں گے۔"

"ظہیر ہے؟" آصف اور مریم ایک ساتھ بولے۔

☆☆☆

مریم کو یقین تھا کہ دفتر کی طرح شوکت اللہ کا گھر بھی شاندار ہوگا مگر اس کا کھنڈہ کچھ کراس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ یوں تو اس نے ہر گھر بڑا اور خوبصورت ہی تھا مگر شوکت اللہ کا گھر اسٹیٹ آف دلی آرٹ تھا۔ دروازہ پو پھارم میں لمبوس ملازمہ نے کھولا۔ اس نے اسے ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا مگر مریم کے لیے وہاں بہت کچھ موجود تھا۔

شوکت اللہ جب کمرے میں داخل ہوا تب وہ میز پر رکھے چائے کی پیالی اور ٹینیس کوٹ سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا یہ آپ کو پسند آیا؟" وہ اس کی آواز پر چلی۔

"بہت نرہ دوست... آپ کے اس کمرے میں آکر مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میں اس میں ہوں اور ونڈر لیڈ کے بہترین حصے میں کھیلتی ہوں۔"

"مجھے غلطی ہوئی کہ آپ کو یہ سب اچھا لگا، اگر آپ پسند کریں تو میں ڈنر سے پہلے آپ کو اپنا ٹینیس وکھانے لے چلوں؟" اس نے پوچھا۔

"ضرور" وہ کھڑی ہوئی۔ شوکت اللہ نے اس کے

ذرا بھی تنگ نہیں کر سکے گا۔"

"بہت شکریہ... آپ بہت اچھے انسان ہیں شوکت اللہ صاحب۔"

"شوکت۔" وہ مسکرایا۔ "میرے دوست میرا نام لیتے ہیں۔"

"شوکت۔" وہ بھی جڑا ہوا مسکرائی۔ "مجھے یقین تھا کہ یہاں آنا فائدہ مند رہے گا، بہت اطمینان ہوا ہے مجھے۔۔۔"

اب اجازت دیجیے۔"

"ظہیر ہے مگر ایک شرط پر۔۔۔"

"شرط؟"

"جی... آپ آج رات کا کھانا میرے ساتھ میرے گھر پر کھا سکیں گی۔"

"اُسے نہیں، بلکہ یہ تکلف نہ کریں۔"

"کوئی تکلف نہیں... ایک تو شاید اسی طرح آپ کی پریشانی کچھ کم ہو جائے۔ دوسرے میں کچھ دیر چیزیں آپ کو دکھا کر آپ کی ماہرانہ رائے بھی چاہتا ہوں، میں آپ کو اپنا ٹینیس کھانہ بھی دکھانا چاہتا ہوں اور یقین کیجئے کہ آپ اسے دیکھ کر یوں نہیں ہوں گی۔"

"وہ تو میں آپ کے دفتر میں موجود اشیا کو دیکھ کر ہی اندازہ کر سکتی ہوں... یہ گھوڑے کا سر... جین ڈالی بیٹا سے ہے؟"

"بالکل۔" وہ مسکرایا۔ "بس تو طے ہو گیا، آپ آج میرے گھر پر مدعو ہیں اگر آپ چاہیں تو میں ڈرائیور کو بھیج دوں؟"

"اگر آپ اتنا اصرار کر رہے ہیں تو ضرور... مگر ذرا رنج کے تکلف کی ضرورت نہیں، آپ ایڈریس دے دیجیے، میں خود ہی آ جاؤں گی۔"

☆☆☆

"مگر میں نہیں سمجھتا کہ تمہارا گھر جتنا خوبصورت ہے گا۔" قیصر اس کی مادی بات سننے کے بعد بولا۔

"میں نے بھی یہ سوچا ہے مگر ہماری اس ملاقات کا مقصد ہی اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کرنا ہے قیصر... ہے کہ نہیں، تو پھر یہ اس کے لیے بہترین موقع ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مجھے وہ خاصا کٹر اور شریف آدمی لگا ہے۔"

"مگر مجھے یہ بہتر نہیں لگ رہا ہے۔"

"وہ اس لیے کہ تم مریم کے بارے میں فکر مند ہو مگر وہ کچھ کہہ رہی ہے۔ یہ اس کے بارے میں جاننے کا اچھا

بھاہرے پردائی سے بولی۔
"اگرچہ یہ باتا اچھا نہیں لگ رہا ہے مگر جی یہ ہے کہ میں بہت جلدی اور جانی ہوں۔"

"مجھے تو لگتا ہے کہ ایسا نہیں ہے آخر آپ یہاں آئیں، مجھ سے ملیں، یہ کم جمات کا کام تو نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ فرحان خان میرے گم پر یہ سب کر رہا ہو۔" اس کا لہجہ سرد تھا۔ اس بار مریم کا خوف حقیقی تھا، اس کا چہرہ عکس پڑ گیا۔ شوکت اللہ اس کی جانب دیکھ کر فحش پڑا۔ "میں نے آپ کو زبردیا... معافی چاہتا ہوں، میں صرف آپ کی تعریف کر رہا تھا۔" اس کی تیز ٹوٹی نظریں مریم پر جمی ہوئی تھیں۔ مریم یہ سن سے فوراً بھاگ جانا چاہتی تھی۔
کھانے سے فراغت کے بعد وہ ٹھہری ہوئی۔
"بہت اچھا وقت گزارا، میں آپ کی شکر گزار ہوں۔"

"یو ویگم... آپ کو پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔ فرحان اب آپ کو پریشان نہیں کر سکے گا، یہ میرا وعدہ ہے۔" شوکت اللہ مسکرایا۔ "اور مریم! ہم جلد دوبارہ ملیں گے۔"

☆☆☆

تکبر اور آصف اس کے ساتھ ہی گھر پہنچے تھے۔
اپارٹمنٹ میں حسن ان سب کا منتظر تھا۔
"کیسا بار بار...؟"

"زبردست... دو سکرائی۔" سب کچھ بہترین رہا بقول جہار سے سیر سے مگی ہو پر...
"ویسے تم نے بہت احماد سے بات کی۔" آصف مسکرایا۔

"یعنی اب میں جاسوس بن سکتی ہوں۔" وہ خوشی سے بولی۔

"بہن بھائی... اس ایک دن کی جاسوسی کے بعد آپ دے مڑ رہی ہیں۔" تکبر بولا۔
"لوگ جلتے ہیں یہاں۔" وہ آصف کو دیکھ کر معنوی افسوس سے بولی۔

"دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ کیا کرتا ہے۔" تکبر بولا۔
اسی وقت آصف کا فون بھا، وہ چند لمحوں پر بات کرتا رہا تھا۔ اس کے پیچھے تاثرات نے سب کو متوجہ کر لیا تھا۔ اس نے کال بند کر کے گھر کی جانب دیکھا۔

"کلی پلاڈی کے علاقے سے تین روڈ گلی ایک لاش برآمد ہوئی تھی۔ لکڑ پر جس لاور دوسرے ٹیسٹ کے بعد وہ

کندھے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھنے کو جگہ دی ہو کرچہ۔ یہ مہمان تو اڑی کا انداز تھا مگر مریم کو اس کے ہاتھ کے لمس سے عجیب سی الجھن کا احساس ہوا۔ شوکت اللہ نے اسے پورا گھر دکھایا۔ اس کے بعد وہ لاہور میں داخل ہوئے۔

"آپ پیچھے۔" وہ اس کے لیے کمری نکالتے ہوئے بولا۔ "کیسا لگتا ہے آپ کو میرا گھر؟"

"گریٹ! آپ نے اسے انتہائی اعلیٰ میڈیم کی طرح سجا رکھا ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ شاید ہمارے ملک کے کئی میڈیٹرز میں بھی اتنی سچی اور نادر چیزیں نہیں ہوں گی۔" وہ سچائی سے بولی۔

"شکر یہ اب میں آپ کو کچھ خاص اشیاء چیزیں دکھا رہا ہوں۔" اس نے دروازے سے طاقت اور سلاخ بھرا پردیج نکالا۔ "یہ دیکھیے اس کی خوب صورتی، مہارت اور کاریگری۔" وہ اسے اٹھلی پر رکھ کر اسے دکھاتے ہوئے بولا۔

"سید نکور بن جہد کا کام ہے۔"
"آپ کی اسی مہارت نے مجھے آپ کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ یہ اسٹاٹ لینڈ کی ٹنک میری ملکیت تھی، میں سوچتا ہوں کہ شاید یہ اسے اپنی گرفتاری کے وقت بھی پہنچے ہوئے ہو۔" مریم پردیج پر دلچسپی سے انگلیاں پھیر رہی تھی۔

"پارنچ کا محرم بھی قسم نہیں ہوتا۔"
"اور یہ...؟" اب شوکت اللہ کے ہاتھ میں اسٹیکل شدہ ہانڈی تھی۔

"ایک اور بدعیب ٹنک کی ملکیت تھی۔ یہ لیٹن کا یہ ٹنک جوڈیلائن کے لیے آفری تھو تھا۔"

"آپ کے ٹیکشن میں ادا ان کہانیاں زیادہ ہیں۔" بدظم چیزوں کو زیادہ ڈانڈ اور یادگار بناتا ہے، طے اسے ذکر کرتے ہیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا ذوق بہترین ہے اور میں نے کسی ایک شخص کے پاس اتنا زبردست اور قیمتی ٹیکشن نہیں دیکھا۔" شوکت اللہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ چمک رہی تھی۔

کھانے کی میز بہت پر شکوہ تھی، شوکت اللہ ہر چیز اسے خود پیش کر رہا تھا۔

"مجھے اپنی اداں کے بارے میں بتا ہے جیٹا چیزیں خریدنا اور دینا آپ کے لیے بے لطف ثابت ہوتا ہوگا، میرا اندازہ ہے مریم اگر آپ بہت بہادر ہیں۔" اس کے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ مریم کے سینے میں تلپاں اڑنے لگیں مگر وہ

اٹھ شاخت ہو گئی ہے۔ اب ہم فرحان خان کی تلاش بند کر سکتے ہیں، وہ مر چکا ہے۔"

مریم اس دوران میں بالکل خاموش رہی۔ اس کے کانوں میں شوکت اللہ کی آواز گونج رہی تھی۔ "اب وہ تمہیں کبھی پریشان نہیں کر سکے گا..." واقعی وہ نہیں کر سکتا تھا مگر... سوال یہ تھا کہ کیا اسے یہ معلوم تھا...؟

تھکے دوپہر سے پہلے ہی واپس آ گیا تھا۔ مریم اس کا انتظار کر رہی تھی۔

"کیا معلوم ہوا؟ کیا وہ فرحان خان جی ہے؟"

"ہاں... وہ وہی ہے، تصاویر میں اس کا چہرہ بھی پہچانا جا رہا ہے۔ اس کے جسم پر کوئی شناختی چیز موجود نہیں تھی مگر یہ چوری چکاری کا معاملہ بالکل نہیں تھا کیونکہ اس کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی موجود تھی۔ اس کے علاوہ کچھ خاص معلوم نہیں ہو سکا۔ اسے تین دن مل گئے کیا کیا ہے موت کی وجہ سینے میں گتے والی گولی تھی ہے۔ چہرے اور کندھے کے زخم تو میری اور اس کی ملائی کے دوران گتے تھے۔"

"یعنی مرتے وقت اس نے کوئی جدوجہد نہیں کی؟"

"ہاں، کمال یہ ہے کہ اس نے مرنے سے ذرا پہلے نہایت ہی بہترین کھانا کھایا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے معدے سے پھوٹے چمک دار مفید پتھر اور پھولوں کے نیلے رنگ کے مخصوص جج بھی برآمد ہوئے تھے جو غالباً مرنے سے پہلے دشمن پر گرنے کی وجہ سے اس کے منہ میں پھیل گئے ہوں گے۔"

"مفید پتھر..." مریم کچھ سوچنے کے انداز میں ہوئی۔ ایک دم اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "خیر! میں نے ایسے پتھر شوکت اللہ کے بارگاہِ شریف پر رکھے تھے... ہاں وہیں ایسے پتھر موجود تھے۔" وہ اچانک ہی پڑی۔

"اوہ! مریم تمہارا مشاہدہ بہت اچھا ہے مگر اب تم پر سکون ہو جاؤ... ہمیں اس معاملے کی چھان بین کرنا ہو گی۔" اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

ان سے کافی دور ایک بلند عمارت کی دسویں منزل پر بے شوکت اللہ ہڈیوں کے دفتر میں بیٹا صفدر عباس کی بھی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ فون کی گھنٹی پر اتر پڑا۔

"ہیلو... ہر... یہ دفتر میں تھا۔"

"صفدر! تمہارا..." شوکت اللہ نے سر اٹھاتے ہی کہا اور اس نے جان بوجھ کر...

"تمہیں میرے ساتھ کام کرتے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا؟" اس کے اندر آنے پر شوکت اللہ نے اسی انداز میں پوچھا۔

"آٹھ سال سر..." اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔

"آٹھ سال..." شوکت اللہ نے اپنی انگلیاں جکارتے ہوئے سر ہلایا۔ "میں ابھی تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا، صفدر! ان آٹھ برسوں میں تم نے ہمیشہ بہترین کام کیا ہے۔"

"شکر یہ سر... میری کوششیں کبھی وہی ہے کہ میں بہترین کام کروں۔"

"جیسے تمہیں ہے جب ہی تو میں آج اتنا ہلوس ہوا ہوں۔ کیا تم نے آج کا اخبار پڑھا؟"

"نہیں سر، میں نہیں پڑھا۔"

"اخبار پڑھنا ضروری ہوتا ہے صفدر! خیر یہ دیکھو..." اس نے اس کے سامنے اخبار پھیلے ہوئے کہا۔ صفدر نے کانچے انگوٹوں سے اخبار اٹھایا۔ ایک چھوٹی سی خبر کے گرد سرخ دائرہ بنا ہوا تھا جس میں سرخی چمک رہی تھی "لاش برآمد۔"

"میں تم سے بہتر کام کی توقع کرتا ہوں۔ اب یقیناً وہ لاش شاخت کر لی جائے گی اور مجھے بے گنے سوالات کے جواب دینے پڑیں گے میں تو خیر ان سے نسبت ہی لوں گا مگر یہ ساری مشکل تمہاری نالائقی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔"

"سر... میں بہت شرمندہ ہوں، بہت شرمندہ..."

"خیر، نہ ہو اسو ہو مگر مجھے امید ہے کہ مریم دالے معاملے میں تم بہتر نتائج دے سکو گے اور وہ یہ بیشک بلند میرے ہاتھوں میں ہوگی۔"

"یقیناً سر..." صفدر اس کی اجازت پا کر لڑکتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

شوکت اللہ اسے باہر جاتا دیکھتا رہا۔ اسے صفدر پر نظر رکھنی ہوگی۔ اس نے افسوس سے سوچا: گہری نظر اگر فرحان کے معاملے میں کچھ گڑبڑ ہوتی ہے تو پھر اسے اپنے فریادار صفدر کی قربانی دینی ہی پڑے گی... افسوس! مگر مجبور ہی... اس نے کدھے جھٹکے اور کھڑکی سے باہر کا نظارہ دیکھنے لگا۔

مریم آج اکان سے قافلوں کے گھر آگئی تھیں۔ آج ریلوے سے خصوصی طور پر اپنی کوٹنگ پارٹی میں بلایا تھا۔ اس...

جا گیا گی۔"

اس کے جانے کے بعد قہر چند لمبے سوچا رہا مگر اس نے آصف سے بات کر کے مریم کی تلاش کا فیصلہ کیا۔ اس نے فون نکالا لی تھا کہ اسے اوپر کی دروازے کے کھٹنے کی آواز آئی۔ جب وہ اندر داخل ہوئی تو وہ دروازے کے پاس ہی کھڑا تھا۔

"کیا تمہیں اندازہ ہے کہ کیا وقت ہو رہا ہے؟"
"ہاں۔" وہ اندر آتے ہوئے بولا۔ "مجھے بھی معلوم تھا کہ مجھ پر کر لیا گیا ہوا ہے۔"

"ایک منٹ... اس وقت ڈاکٹر ہاتھوں پر مت ہاؤ۔" جیسے معلوم ہے کہ تم ڈرگٹ پر ہو، اس لیے مجھے بھی بتائے۔
وہی دیر تک قہر رہتا غیر ذلت دہش کی حالت میں ہے؟"
"میں اپنے کاسوں کی غور و خیر کر رہی ہوں اور تم دیکھ سکتے ہو کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تم نہیں کہاں؟"
"میں اپنی مرضی سے جی جہاں بھی جی... تمہارا ملک ڈرا کر رہ گیا گی۔"

"کیوں کیا ہو گیا ہے۔" جیسے ذرا بھی خیال نہیں کہ ہم سب کتنے پریشان تھے۔ میں ابھی پولیس کو اطلاع دینے والا تھا۔ حسن، قہر کے مگر تمہارے بار سے میں پوچھنے گیا ہے۔"

"اسے کیوں پریشان کیا... وہ الجھ کر بولی اور فون کا کر حسن کو اپنے آنے کی اطلاع دیتے ہوئے اپنے اپارٹمنٹ کی طرف جانے لگی۔ قہر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"کیا مسئلہ ہے؟" وہ جھلکے سے ہاتھ چھڑا کر بولی۔
"جیسے کیا ہوا ہے؟"

"کچھ نہیں... ویسے میں تمہاری واپسی کی خبر سے خوش ہوں۔"

"ابھی وہ فائل نہیں ہوا ہے۔" وہ اسے بغور دیکھ کر بولا۔ "جیسے کیسے معلوم ہوا؟"

"جیسے بھی ہوا ہو مسئلہ وہ نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ تم نے نہیں بتایا۔" وہ رو آئی میں بول گئی۔

"تو تم ناراض ہو؟" اس نے اپنی حماقت پر خود کو دل ہی دل میں کہتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں ناراض نہیں ہوں، میں مایوس ہوں۔"

مایوس ہو رہا مسرور۔ یہ تمہاری زندگی کا بڑا فیصلہ تھا اور تم نے مجھے شریک کرنا تو ایک طرف بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔
"یہ ایسے نہیں تھا مریم پلیز..."

کی تین سیٹیوں کے ساتھ مریم بھی پاستا تیار کروانے اور پینے دینے میں ساری الجھنوں کو بھول گئی۔ شام ڈھلنے سب بچیاں اپنے گھر چلی گئی تھیں صرف آصف کی بیٹی رہ گئی تھی۔
"خاتمتہ اسے اسپتال سے واپسی میں پک کرے گی۔" قہر نے بتایا۔ "بہت اچھی عورت ہے۔"

"آصف بھی بہت اچھا ہے۔" مریم نے کہا۔ "آج اچھا ہے ان کی تنگم سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔"

مریم واپسی اس سے مل کر بہت خوش ہوئی تھی۔ وہ مریم سے اس طرح ملی تھی جیسے سے برسوں سے جانتی ہو۔

"آصف سے تمہاری بہت قریب سنی ہے مجھے تو لگتا ہے کہ میں تمہیں بہت غریب سے جانتی ہوں، یہ جو مسائل ہیں یہ انشاء اللہ جلد حل ہو جائیں گے تم فکر مت کرنا... ویسے قہر بھائی نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے... ہے نا؟"
"کون سا فیصلہ؟"

"قہر بھائی کا واپس آنے کا فیصلہ... فکر ہے کہ وہ اپنی ڈیوٹی پر واپس آ رہے ہیں۔ آصف تو اتنا خوش ہے کہ پوچھو مت۔ اصل میں ڈیپارٹمنٹ کو قہر بھائی کی اور قہر بھائی کو ڈیپارٹمنٹ کی ضرورت ہے۔ اب انہوں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ مریم کے تاثرات دیکھ کر یک دم خاموش ہو گئی۔ "شاید میں زیادہ ہی بول رہی ہوں، آصف ٹھیک کہتا ہے میں ابھی باتوں کی لڑین چلا دیتی ہوں، اصل میں جب آصف نے مجھے بتایا تو میں نے کچھ لیا کہ نہیں بھی معلوم ہوگا۔" وہ مسکرت خواہش انداز میں بولی۔

"نہیں، قہر نے ذکر نہیں کیا۔" مریم نے مسکراتے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو کب سے معلوم ہے؟"

"کل سے، میرے خیال سے وہ تمہیں سر پر اثر دیتا چاہ رہا ہوگا اور میں نے یہ غلطی کر دی۔"

"نہیں نہیں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مجھے بہر حال یہ سن کر قہر کے لیے خوشی ہوئی۔"

مریم اس کے تھوڑی دیر بعد ہی وہاں سے نکل گئی۔
☆ ☆ ☆

قہر کافی سے زیادہ پریشان تھا... سات کے دو بج رہے تھے۔ وہ اور حسن فائل و سے میں کھڑے تھے۔ اب تک مریم گھر نہیں پہنچی تھی۔ اس کا فون نہ سیکس اور پاتھا۔

"میں قہر باجی کے گھر سے ہو کر آتا ہوں۔" حسن بہت پریشان تھا۔ "شاید انہیں معلوم ہو کہ وہ وہاں سے کہاں گئی ہیں۔ وہ سوچیں ہوں گی اور فون پر بہت پریشان ہو

"یہ ایسے ہی ہے تمہارے لیے میری کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"تم جانتی ہو یہ جھوٹ ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اس چیز سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔" الفاظ منہ سے نکلنے لگے اسے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

"میرا وہ مطلب نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔"

"تمہارا واقعی مطلب ہے تمہارے... تم اپنے فیصلے خود کرتے ہو۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ تم نے میری حاجت کو نہ اپنانے کا فیصلہ کیا اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں مگر تم نے مجھے بہت دکھ دیا ہے۔ تم پہلے شخص جو جس نے میرا دل توڑا ہے۔"

"پلیز مریم خدا کے لیے میری بات سمجھو۔"

"میں سمجھ رہی ہوں برسوں کے بعد تم اس کیس کو حل کر رہی لو گے اس کے بعد تمہیں میری ضرورت نہیں رہے گی۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ ایسا نہیں ہے۔"

"ایسا ہی ہے۔" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے میری ہوئی تھیں۔ "اب جب سب کچھ سامنے آ گیا ہے میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس سب کے بعد میں کچھ دنوں کے لیے دکان بند کر کے کہیں چلی جاؤں گی۔ اس دوران کوئی دوسری جگہ تلاش کر لیتا تاکہ میں واپس آؤں تو ہمارا سامنا نہ ہو۔"

"تم ہوش میں نہیں ہو۔"

"میں سبک چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" اب بات اس کے دکھ کی بگنی تھی۔ "جیسا تم چاہتی ہو ویسا ہی ہوگا۔ تم غور کرو۔ اس کیس کے ختم ہوتے ہی تمہیں میری شکل نظر نہیں آئے گی اور اس کے لیے تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ یہ کہہ کر اس کے اپارٹمنٹ سے باہر نکل آیا۔ اپنے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ اسے لگ رہا تھا کہ ایک اور دھماکے نے اس کی زندگی کو جلا کر خاں کر دیا۔

☆☆☆

"تم دونوں کے ساتھ کیا مسئلہ ہے آج...؟" آصف نے گھر کے دین میں بیٹھتے ہی پوچھا۔

"آواز ٹھیک آ رہی ہے؟" گھر نے اس کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔

"صاف اور واضح۔" آصف بولا۔ انہوں نے مریم کی دکان میں سناؤٹ سسٹم اور ریکارڈنگ ڈیوائس لگا دیا تھا اب انہیں مندرجہ ذیل کی آواز کا انکار تھا۔ "اتنی صاف اور

واضح کہ تم دونوں کو اجنبیوں کی طرح بات کرتے سنا جاسکتا ہے۔" کیا تمہارے خیال میں اس وقت اسے پروسیجر پر پھر کے بجائے کسی ایسے مسئلے کی ضرورت نہیں تھی؟

"تھوڑا پیچھے لو...۔" گھر نے دین کو اس انداز میں کھڑا کر دیا تھا جہاں سے وہ دکان کے دروازے پر نظر رکھ سکتے۔

"میں، یونٹ ون کالک۔" دین میں موجود انٹریس پر آواز آئی۔ "مطلوبہ جیسے کا آرڈر ٹیکسی سے رو بلاک دور دراز ہے اور اب وہ اس طرف آ رہا ہے۔"

"شوٹاؤم۔" آصف مسکرایا۔ گھر نے اس سے پہلے مریم کا فون لے لیا۔

"مریم وہ کتنے دانا ہے۔ ہم سامنے ہیں۔"

"اوکے یہاں سب تیار ہیں۔"

"کیلیں لو گھر مریم۔"

"الگ رخصت کر دو۔" اس نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

انہوں نے صفحہ چھاپی کو چند لمحوں بعد دکان میں داخل ہونے دیکھا۔

"میں لیفل نگل ہوں۔ مجھے مریم صاحبہ سے ملنا ہے۔"

"میں مریم ہوں۔" وہ مسکرائی۔ "میں آپ کا ہی انتظار کر رہی تھی۔" اس نے آگے بڑھ کر شیشے کے دروازے پر گئی اور دین کی تخت لائٹ دلی تھی۔ "آپ کیا لیں گے؟"

"چائے بہتر رہے گی۔" وہ مسکرایا۔ "آپ کی دکان بہت شاندار ہے۔"

"شکریہ مجھے اپنے ارد گرد خوب صورت چیزیں ابھی ملتی ہیں۔ تو آپ کو تجربہ دین آرٹ میں دلچسپی ہے؟"

"بالکل...۔" اور میں نے اور ابھرتے ہوئے آرٹسٹوں کا کام مع کرتا ہوں جیسے یہ پلیٹیں... کیا میں دا

پینٹنگ دیکھ سکتا ہوں؟"

"بالکل...۔" وہ مسکرائی۔ گھر نے اس پینٹنگ کی نقل تیار کروا کر اس کی دکان پر رکھوا دی تھی۔ مریم اندر سے پینٹنگ لے آئی۔ مندر نے اسے دیکھ کر گہری سانس لی تھی۔

پینٹنگ موجود تھی، یہ احساس اس کے لیے کسی جان بچانے والی دوا سے زیادہ خوش کن تھا۔

"لوہ مجھے یہی دکھا رہی۔ بہت خوب صورت...۔" مریم آپ نے اس کی کیا قیمت رکھی ہے؟

"میں اسے پانچ کروڑ روپے میں بیچنا چاہوں گی۔"

"آپ مذاق کر رہی ہیں؟"

حوالے کر کے اوپر اپنے اپارٹمنٹ میں آگئی۔ نہ جانتے کتنی دیر وہ سوتی رہی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اندھیرا پھیل چکا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر بکن کی طرف گئی۔ چائے کا کپ تیار کر کے باہر لگی اسی گلی کے سامنے آرام کر رہی پر شوکت اللہ کو نیم دواڑ دیکھ کر وہیں ساکت ہو گئی۔

”تمہارا گھر بہت خوب صورت ہے مریم۔۔۔“ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

”تم اندر کیسے آئے؟“ دونوں ہی آپ سے تم پر آگئے تھے۔

”آج سارا دن ہی عیب گزارا ہے۔۔۔ ہے؟“ وہ مسکرایا۔ ”اصل میں مجھے پہلے ہی سے شک تھا کہ صندوق اس معاملے کو ٹھیک طور پر حل نہیں کر پائے گا۔“

”تو تم نے فرحان خان کو گھسیٹا تھا؟“ یہ ایک لمبی اور تکلیف دہ کہانی ہے مگر مجھے تم سے بات کر کے اچھا لگتا ہے۔ وہ آرام سے بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس نے دنیا کے مختلف ممالک میں پہلے اپنے نیت ورک کے کاموں میں گزارے، کس طرح وہ منتخب چیزوں کو حاصل کرتے ہیں کس طرح انہیں اسمگل کر کے ان کے گاہکوں تک پہنچایا جاتا ہے جب وہ لکھنؤ خان کے ذکر پر آیا تو اس نے گہری سانس لی۔

”تم ایک بہت اچھی اداکار ہو جب تم میرے دفتر آئیں میں تب ہی سمجھ گیا تھا کہ تم اور فرحان ملے ہوئے ہو۔“ ”کیا؟“ وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ ”تم یہ سمجھ رہے تھے کہ میں اس کے ساتھ ہوں جو میں نے تمہارے آفس میں کہا تھا وہ سچ ہے وہ یہاں گھسٹا تھا اور اس نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ میری دکان میں گولیاں چلائی تھیں۔“

”مجھے لگتا ہے کہ تم نے اسے بھی دھوکا دیا تھا اور اس کے مقابلے میں کسی اور کو نشان کر لیا تھا بھی وہ میرے پاس آیا تھا اور جب وہ واپس نہیں آیا تو تم خود میرے پاس آ گئیں۔ میں نے تم پر تقریباً یقین کر لیا تھا مگر میرے دل میں شک تھا کہ تم پولیس کے ساتھ مل کر کوئی جال بن رہی ہو اور افسوس۔۔۔ وہ سچ ثابت ہوا۔“

”وہ صندوق عباسی کو لے گئے ہیں اور اب تک وہ انہیں تمہارے بارے میں بتا چکا ہو گا۔“ خوف اسے اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا مگر وہ صمت سے ہوئی۔ شوکت اللہ نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر کندھے اچکا کر بولا۔

”یہ ممکن ہے مگر اتنی جلدی دوزبان نہیں کھولے گا اور

”نہیں۔۔۔ میں مذاق نہیں کر رہی۔۔۔ آپ اتنا حیرت زدہ کیوں ہو رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہم دونوں کو صاف صاف بات کر لینی چاہیے۔“ وہ بولی۔ ”یہ سٹے ہے کہ آپ آرٹ پیشنگ یا تجریدی آرٹ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ بالکل نام کا کوئی تصور نہیں ہے۔“

”یعنی۔۔۔ تم۔۔۔ تم۔۔۔ سب کچھ جانتی ہو؟“ ”ظاہر ہے، میں نے اسے خرید لیا تھا۔“

”مگر وہ ایک غلطی تھی۔۔۔ تو تم۔۔۔ سب جانتی ہو، مونٹ کے بارے میں، تم فرحان کے ساتھ مل کر ہوئی تھیں۔۔۔“ وہ غصے سے پاگل سا ہو رہا تھا۔ ”میں خود بخود افسوس کر رہا تھا کہ وہ اس طرح مارا گیا۔“

”تو تم نے اسے مارا تھا؟“ وہ سرگوشیاں انداز میں بولی۔ ”اس تصویر کے لیے۔۔۔؟“

مگر صندوق کچھ نہیں بن رہا تھا۔ ”اب مجھے سارا کچرا صاف کرنا ہو گا۔۔۔ ٹھیک ہے تم قیمت مناسب کر دو ہم دے دیں گے ورنہ دوسرا راستہ بھی موجود ہے۔“

”وہ اپنی نشست سے کھڑا ہو گیا۔ مریم بھی اس کے ساتھ ہی اٹھی مگر اس سے پہلے کہ وہ جیب سے ریوالور نکال پانچ دو پولیس والے دکان میں گھس آئے تھے۔“

”رک جاؤ۔“ صندوق عباسی نے ایک لمحے کے لیے اپنی جانب اٹھی بندھنوں کی طرف دیکھا اور گڑگڑاہٹ سے بول کر ہو گیا۔

مریم پولیس والوں کو صندوق عباسی کو ساتھ لے جاتے دیکھ رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر خود اس کے پیچھے کا پیچھے لگے تھے۔

”غیر اور آصف ایک جانتا تھا اور اٹل ہوئے تھے۔“

”تم ٹھیک ہو؟“ ”غیر نے اس سے پوچھا۔“

”ہاں۔۔۔“ اس نے افسانہ کی سانس لی۔ ”اب آخر پر مسئلہ حل ہوا۔“

”اس کا فیصلہ صندوق سے تحقیقات کے بعد ہو سکے گا۔“

ابھی ہمیں عطا رہتا ہے۔“ ”ٹھیک ہے۔ میں تو یوں بھی اب جا کر سونے ہی والی ہوں۔“ وہ مسکرائی۔

”تم کیس قسم ہونے کے نیپاں سے بہت خوش ہو؟“ ”غیر نے عجیب انداز میں پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں تکلیف، باہری اور چٹائی کیا کیا تھا۔ مریم جواب میں کچھ نہیں کہہ پائی۔

وہ ان سب کے جانے کے بعد دکان کو شبہ کے

ہے کیونکہ وہ... برادرہ کرتی ہے تم سے بھرمانے میں نکتی رہ
گئی ہے۔" وہ ہنسا۔

"اتنا آسان نہیں ہے..."

"مٹکل بھی نہیں ہے، میں ہوں نا۔"

وہ دونوں اب بیڑیاں چڑھ رہے تھے جب انہیں
نئی لگی چٹنوں کی آواز سنائی دی۔ لمبے بھر میں گمن آن کے
ہاتھوں میں تھی اور وہ آہستگی سے ہار پھینچ گئے تھے۔

مریم کے دروازے کے پاس پہنچ کر وہ ایک لمبے کو
ر کے دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور ایک
ساتھ دروازے پر رات باندی اور دروازہ ایک جھٹکے سے کھلی
گیا۔ ان کے ہاتھ شرمندہ انداز میں اٹھ اٹھ اس کے ایک ہاتھ
میں پلٹ تھا اور دوسرے میں ہاتھوں، زمین پر مریم ہے
ہوٹا چلنے کی آواز اس کے اور گرد و محوین غن غوغا تھا۔ اس سے
پہلے کہ وہ کوئی حرکت کرے، دو چلیس گمن آن ایک ساتھ گر جیں 9
ایم ایم نے وہ چلیس شرمندہ انداز کے سینے میں ہاتھ گھسے تھے۔

"مریم... مریم..." قبر تیزی سے اس کے پاس
پہنچا۔ وہ بہت زیادہ خوف زدہ تھا۔ وہ اسے کھونا نہیں پا جاتا
تھا اور گرد و محوین غن غوغا اس کا سفید چہرہ سے دھشت زدہ
کر رہا تھا۔

"یہ... آصف نے ایک تو لیا اس کی جانب
بڑھایا۔" ایسی چلیس راستے میں ہے۔ یہاں اندر حسن بھی
ہے ہوش پڑا ہے نہ نہیں یہ کب سے یہاں چھپا بیٹھا تھا۔
وہ اس کے ساتھ ایسی چلیس میں اچھٹی مہنگا۔ حسن کو
گھر میں ہی ہوش آ گیا تھا۔

وہ پوری رات ان سب کے لیے بہت بڑا امتحان ثابت
ہوئی تھی۔ فقیر زندگی میں پہلی بار آنسوؤں سے دوبا تھا۔ اس
نے اللہ کے حضور بہت شدت کے ساتھ صرف ایک دعا مانگی
تھی کہ مریم کو کھونا نہیں پڑتا تھا اور غن غوغا ان کے ساتھ ہی
مریم کو ہوش آ گیا۔ ڈاکٹر کی اجازت پا کر وہ سب سے پہلے
الودہ گیا تھا۔ مریم اسے سنبھال کر پیچھے سے انداز میں سسکرائی۔

"تو تم نے مجھے بھر بھالیا..."

"اس اپنے لیے۔" وہ بھی مسکرایا۔

"سوچنا پڑے گا۔"

"جی بھر کر سوچو... بلکہ ہم مل کر سوچیں گے،
میرے ہی کمرے میں جہاں پہلے میں بھی خوش نہیں رہا۔"
جواب میں مریم کی مسکراہٹ نے گویا اسے دوسری
زندگی دے دی تھی۔

شاید اب تک وہ کسی جان لیوا حادثے کا شکار ہو چکا ہو۔ میں
اس کا بندوبست کر چکا ہوں۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ پولیس نے
میری اصل پینٹنگ کہاں رکھی ہے؟

"یہ مجھے کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟" وہ اپنی حیران رہ گئی۔
"جھوٹ مت بولو پلیز... میں چاہتا نہیں تھا مگر شاید
فوری علاج کے لیے یہ ضروری ہو گیا ہے۔" اس نے جیب
سے ایک نقشہ دیا اور دکھا۔

"مریم! میری پینٹنگ کہاں ہے؟"

"مجھے... مجھے یاد نہیں۔"

بازو میں پکھتھن جانے والے شخص نے مریم نوٹا
کر رکھا۔ وہ دروازے کے پاس جا کر گری تھی۔ اسے تکلیف
کی شدت کے باوجود چھین چھین آہ ہاتھ اس نے اسے گولی
خار کھا ہے۔

"تم چند لمبے سوچ لو اتنی دیر میں تمہاری چیزیں دیکھت
ہوں۔"

وہ اسے خون میں نہاتا چھوڑ کر آرام سے وہاں موجود
پینٹنگس کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"ہاں کچھ یاد آیا؟" وہ پانچ منٹ بعد پھر اس کے
سر سے آبیٹھا تھا۔ "پینٹنگ کے بارے میں؟" اس کے
بازو سے خون اب تک بہہ رہا تھا۔ اس کے دانت بچ رہے
تھے۔ اسے شدید سردی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بولتا چلا رہا تھا
تھی مگر اتفاقاً اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"پولیس... پولیس اسے لے گئی۔" وہ ہنسنے لگی۔
اس کے گرد گھوم رہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ تمہیں بچنے کے لیے کوئی اور وجہ
بھی چاہیے۔" اس نے اپنی جگہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"مریم! وہ پینٹنگ کہاں ہے؟"

مریم سن راتے دماغ کے ساتھ اس کے ہاتھ میں نکلتی
جگہ اور برابر میں دیکھ پستول کو دیکھ رہی تھی۔

ہلا ہلا

"تو ہم اب مریم کی طرف جا رہے ہیں؟" آصف
گازی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اس کے لیے کئی خوش خبریاں
ہیں۔ اصل مجرم کے خلاف ثبوت اور بیان دونوں مل گئے
ہیں کل بڑا گھر مجھ بھی پکڑا جائے گا۔ اسے حکومت کی طرف
سے خاص انعام ملے گا اور ایک بڑی ٹرائل اسے فقیر علی
صاحب کی شکل میں پیشہ والی ہے۔"

"وہ مجھ سے برا نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں دیکھو ہاں تم دونوں کو... مگر اس



دوستانہ چہرے

اسلم انور

پہلے چہرے کے پیچھے کوئی نہ کوئی کہانی ضرور ہوتی ہے... جو بڑی
خواتین ہوتی ہے... ایک ایسے شخص کی الجھن... جو مسلسل
اپنے ارد گرد ایسے چہروں کو دیکھتا تھا... جنہیں وہ جانتا
نہیں تھا... مگر وہ انہیں دوستانہ چہروں سے مشروط کر دیتا تھا...

بے وقالی اور ریاکاری کے گیسر سے زندگی مختصر کرتا...

"دوستانہ چہرے ہیں۔" میں نے وضاحت کی۔
مارگریٹ اور میری شادی کو سولہ برس ہو چکے تھے اور
مجھے اس سے بات کر کے سکون محسوس ہوتا تھا، موضوع سے
قطع نظر۔

"ہاں! اگر میں ایک سائیکالوجسٹ نہ ہوتی تب بھی
نیاں چہروں کا دکھائی دینا صحت مند کی نشانی نہیں ہے...
چاہے وہ دوستانہ ہوں یا کوئی اور..." مارگریٹ اپنی کرسی سے
اٹھ کر ایک مرتبہ پھر کمرے میں ٹھٹھکی گئی پھر میرے پاس

جاسوسی ڈائجسٹ - 69 - اگست 2014ء

تھے۔ میں ابھی ان دروازوں سے گزر کر اگلے کمرے میں پہنچا ہی تھا کہ میرے عقب میں وہ دونوں دروازے ایک جگہ سے بند ہو گئے۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" میں نے بلند آواز سے کہا۔
میں نے پشت کر ان دروازوں کو کھولنے کی کوشش کی لیکن وہ مجھ سے کھل نہیں سکے۔ "تم لوگوں نے مجھے یہاں اندر بند کیوں کر دیا ہے؟"

میں نے اپنی اپنی کال کا مطالبہ کرتے ہوئے زور زور سے دروازہ پٹخا شروع کر دیا لیکن کسی نے میری ایک نہیں سنی۔

مجھے اپنے عقب میں وہ لوگ دکھائی دیے۔ سفید کوٹ میں لمبے ان آدمیوں نے مجھ پر چڑھائی کر دی۔ جلد ہی میں پشت کے بل لیٹا ہوا تھا۔ میں نے ہاتھ ہر مار مار کر شروع کر دیے۔ میں اپنی کوشش کر رہا تھا، ان لوگوں کی گرفت اتنی ہی مضبوط ہوئی جیسا کہ تھی۔

"تم میرے ساتھ یہ کیوں کر رہے ہو؟" میں چیخنے لگا۔ "میں نے کیا کیا ہے؟ میری جی کی کہاں ہے؟ مار گریٹ کہاں ہے؟"

انہوں نے میرے بازوؤں کو مضبوطی سے میرے سینے سے جکڑ رکھا تھا۔ میری ٹانگیں بھی حرکت نہیں کر سکتی تھیں۔ میں نے کن آنکھیں سے دیکھا تو مجھے وہ دوستانہ چہرے دکھائی دیے لیکن وہ کوئی مدد کرنے سے قاصر تھے۔ وہ سب غیر فہم لگا ہوں سے جو کچھ ہو رہا تھا اسے دیکھ رہے تھے۔

اب دیگر لوگوں نے مجھے اپنے گھر سے من لے لیا لیکن کیا ان لوگوں کو یہ نظر نہیں آ رہا تھا؟ کیا ان میں تیرہویں بالکل بھی نہیں تھی؟

میں نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ اس دوران میں میرے سر میں درد کی نیسیں اٹھنے لگیں۔ پھر مجھ پر چاقو کا وار کیا گیا۔ ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ۔ میرا جسم اب بال محسوس کر رہا تھا جیسے وہ میرے وجود سے منسلک نہیں ہے۔ وہ اب ان سفید کوٹ والوں کی ملکیت ہے۔

مجھ پر ایک بار پھر چاقو سے وار کیا گیا اور پھر میرا دامن میرے میں ڈوبتا چلا گیا۔

اپنے ہوش و حواس کے آخری لمحات میں، میں نے ان دوستانہ چہروں کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ وہاں موجود نہیں تھے۔ مجھے یہ جان کر اطمینان ہو رہی محسوس ہوئی کہ وہ کم از کم لڑ رہے ہیں۔ میں کامیاب ہو گئے تھے۔

مجھے بتایا گیا تھا کہ دوسرے آپ کے بارے میں رائے اس بات سے قائم کرتے ہیں کہ آپ کن لوگوں میں

صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔

"مجھے حیرانی نہیں ہوئی۔ تم جتنے طویل گفتگوں تک کام کرتے ہو اور پھر تمہارا ایڈرساں پاس جو پریشی نہ صرف تم پر بلکہ جیہ سٹر اسٹاف پر ڈالنا ہے... تو اگر تمہارے ساتھیوں کو بھی چیزیں دکھانی دیے لگیں تو مجھے کوئی شک نہیں پہنچے گا؟" مارگریٹ نے فکر مندی سے کہا۔

"حد سے زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ درحقیقت ان کی موجودگی سے مجھے خاصا اطمینان رہتا ہے۔ میں میں یہ اندازہ لگانا چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے کیا کہنے کی کوشش کرتے ہیں۔" میں نے وضاحت کی۔

"انہیں مدد کی ضرورت ہے جون، تمہیں واقعی مدد چاہیے۔ میں تمہارے لیے ڈاکٹر فیروز سے اپنا مسئلہ منٹ لے لیتا ہوں۔ میں ہر روز اس کے ساتھ کام کرتی ہوں۔ وہ بہت قابل سائنس نرسٹ ہے۔"

"میں نہیں سمجھتا کہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔" میں نے جرح کی۔

مارگریٹ پشت کر مجھ سے چٹ گئی۔ "پلیز، میری خاطر۔"

میں نے ہنسی کرتے ہوئے اس کی بات مان لی۔ صبح میں مارگریٹ کے ہمراہ اسپتال روانہ ہو گیا۔ مجازی وہی ڈرائیو کر رہی تھی۔ مجھے رات بھر سوچنا پڑا تھا کہ آئی تھی۔ وہ دوستانہ چہرے مجھے کچھ سمجھانے کی کوشش میں مضطرب تھے۔ کاش میں ان کی بات کچھ سنا تو خود کو زیادہ مطمئن محسوس کرتا۔

"ڈاکٹر فیروز۔" مارگریٹ نے میرا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "یہ میرے شوہر کا بھائی۔"

"جون۔" ڈاکٹر فیروز نے کھانٹے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

مجھے وہ شخص پسند نہیں آیا۔ اس کے ہاتھ ملانے میں نہ وہ کرم جوڑی تھی اور نہ ہی دوستانہ پن۔

"مارگریٹ نے مجھے تمہاری پرابلم کے بارے میں بتایا ہے۔ جہاں تک مدد کر سکتا ہوں مدد کروں گا۔"

"پرابلم؟" میں نے پوچھا۔

ڈاکٹر فیروز نے یا تو میری بات نہیں سنی یا پھر جان بوجھ کر مجھے نظر انداز کر دیا۔ "اگر تم میرے ساتھ آؤ تو ہم تمہارا آپکریا کر لیتے ہیں۔"

میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ ایک بہت لمبا سا بال تھا جس کے آخر میں ذیل دروازے دکھائی دے رہے



لڑکی "I love you"

لڑکا "I love you too"

لڑکی "....." کتنا یاد کرتے ہو مجھ سے؟

لڑکا "اتنا ہی جتنا تم مجھ سے کرتی ہو۔"

لڑکی "اس کا مطلب کہ تم بھی عام پاس کر رہے

ہو؟"

☆☆☆

بہی نے شوہر کے کمال پر پھر بیٹھے دیکھا تو پھر مار کر پھر کو مار دیا۔

شوہر پھر کھا کر غصے سے بولا۔ "کیوں مارا؟"

بہی۔ "مجھے پسند نہیں کہ میرے جوتے ہوئے

کوئی اور تمہارا ٹخنوں ہے۔"

☆☆☆

"چنا دو بستر کیوں لگا رہے ہو؟"

بیٹا۔ "ابا جی، گھر میں مہمان آرہے ہیں، امی نے

کہا ہے کہ میرے بھائی اور اپنے ماموں کے لیے بستر

لگا دو۔"

مردار نے کہا۔ "بیٹا! ایک اور لگا لے میرا سلا بھی

تو آ رہا ہے۔"

☆☆☆

لڑکی۔ "میری امی کو تم بہت پسند آتے ہو۔"

مردار (شرماتے ہوئے) کچھ بھی ہو ہم شادی تم

سے ہی کرے گا۔ خاں کو یوں لو ہم کو بھول جائے۔"

☆☆☆

شوہر بہی سے۔ "بیگم اب تم ہی اس گھر کو جنت

بنا سکتی ہو؟"

بہی خوش ہوتے ہوئے۔ "او کیسے؟"

"شوہر....." چلو دن یکے میں گزار کے۔"

محمد قدرت اللہ نیازی، کلیم ہاؤس، خالی مال



اٹھتے بیٹھتے ہیں۔ میں اس بات پر اعتبار کرتا ہوں کہ کیا نہیں ہے۔ میں جس کمرے میں ہوں وہ مشترک طور پر استعمال کرنے کا کمرہ ہے۔ اس کمرے میں لوگوں کا جھگڑنا سا ہے۔ کچھ لوگ بے قابو انداز میں رو رہے ہیں جبکہ دیگر بظاہر بجا و خفا رہ رہے ہیں۔

میں کمرے کی بہت سی کھڑکیوں میں سے ایک کی طرف بڑھ جاتا ہوں۔ میرے بچے تھک چکے ہیں اور ہر قدم بڑی مشکل سے اٹھا پا رہا ہوں۔ میں باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن یہ ناممکن دکھائی دے رہا ہے۔ ہر کھڑکی کے اندر اور باہر کی جانب بھاری آہنی رکاوٹیں لگی ہوئی ہیں۔

میں کھڑکی سے پلٹتے ہوئے سوچتا ہوں کہ مادر گریٹ مجھ سے ملنے کے لیے کیوں نہیں آئی؟ تب مجھے ایک شناسا منظر دکھائی دیتا ہے۔

یہ دوستانہ چہرے ہیں۔ ان کی تعداد کم ہے لیکن ان کے وجود سے مجھے تسکین محسوس ہورہی ہے۔ یہاں آنے کے بعد سے اب تک میں اپنی بار مٹکر آنے کے قابل ہوا ہوں۔

وقت گزر رہا ہے۔ میں نے اپنے اہل خانہ کے ماحول کو قبول کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب میں اپنا زیا دہ تر وقت لیوی دیکھنے میں گزارتا ہوں۔ گو میں آپ کو یہ بتانے سے قاصر ہوں کہ میں کیا دیکھتا ہوں۔ وہ دوستانہ چہرے مجھے چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ میں خود کو بے حد تنہا محسوس کرتا ہوں اور حیران ہوتا ہوں کہ ان کے بغیر میں کس طرح کامیابی حاصل کر سکتا ہوں۔

مادر گریٹ کو مجھ سے ملنے کے لیے آئے ہیں لیکن وہ آج تک ملنے نہیں آئی۔ وہ سلیڈ کوٹ والے مجھے نہیں بتاتے کہ وہ کیوں نہیں آئی۔

دو سال تین ماہ ستائیس دن چار گھنٹے اور سولہ منٹ۔

یہ وہ عرصہ ہے جس دوران میں، میں قیدی رہا۔ مجھے بتایا گیا کہ میں اب شفا یاب اور تندرست ہو گیا ہوں۔ لیکن مجھے کسی بیماری سے شفا ملی تھی؟ اس بارے میں مجھے کوئی آئیڈیا نہیں تھا۔ بس یہ کہا گیا کہ ڈاکٹر فیروز سے ملاقات کے بعد مجھے جانے کی اجازت مل جائے گی۔

"گڈ مائننگ جون۔" ڈاکٹر فیروز نے کہا جب میں اس کے دفتر میں داخل ہوا۔ "میں قیاس کر سکتا ہوں تمہیں بتا دیا گیا ہوگا کہ ہم آج تمہیں ڈسچارج کر رہے ہیں؟"

"مجھے بتا دیا گیا ہے۔ کیا مادر گریٹ مجھے لینے کے لیے یہاں آئے گی؟" میں نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

ڈاکٹر فیروز نے جواب دینے سے قبل اپنی گری کی پشت سے ٹیک لگائی۔ ”میں بنا دوں کہ ایسا ہو گا نہیں ہے۔“
جوان تمہاری بیوی نے ایک سال قبل تمہیں طلاق دے دی تھی اور اس نے دوسری شادی کر لی ہے۔“
میر اندر سے دلی چٹا کہ میں اس ڈاکٹر کے دفتر کو جس نہیں کروں لیکن میں جانتا تھا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو مجھے یہاں سے جانے کی اجازت نہیں ملے گی، سو میں نے اپنی سی پوری خوش کھڑائی کے نو کو کو تو میں رکھوں۔
”مجھے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی گئی۔“ ڈاکٹر فیروز۔“

”اس وقت میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم اس معاملے کو ونڈل کر سکو گے لیکن میں یہ ضرور کیوں گا کہ تمہارا زندگی اس سے نہیں زیادہ بہتر ہے جس کی میں توقع کر رہا تھا۔“
پھر ڈاکٹر فیروز نے مجھے ایک کاغذ تھما دیا جس پر تین چتے لکھے ہوئے تھے۔

”جس میں ایک نئی زندگی کا آغاز کرنا ہو گا جو میں پہلا پتا شہر کے وسط میں واقع ایک شینر ہوم کا ہے جہاں بے گھر لوگوں کو پناہ دی جاتی ہے۔ تم وہاں آج رات قیام کر سکتے ہو۔ دوسرا پتا سوشل سروسز والوں کا ہے، وہ ایک مناسب رہائش کی تلاش میں تمہاری معاونت کر سکتے ہیں۔ آخری پتا ایک فری کلینک کا ہے۔ وہاں تمہیں اپنے فالو اپ فری کلسٹ اور دواؤں کے لیے مفتے میں دوا دیا جاتا ہو گا۔“

ڈاکٹر فیروز نے مجھے ایک اور کاغذ تھما دیا اور کہا کہ مجھے اس کاغذ پر لازمی دستخط کرنا ہوں گے جو اس بات کی تصدیق ہے کہ مجھے تمام ہدایات دی جا چکی ہیں۔

”جوان، ہم یہ بات ذہن نشین کر لو کہ اگر تم نے ان ہدایات پر عمل نہیں کیا تو انتہائی افسوس کے با اختیار لوگ تمہیں انھیں گے اور تمہیں وہاں ہسپتال بھجوا دیں گے۔“

”میں سمجھ گیا ہوں، ڈاکٹر فیروز۔“ میں نے جواب دیا پھر اس کاغذ پر دستخط کر کے ڈاکٹر کو واپس کر دیا۔

ڈاکٹر فیروز نے وہ کاغذ میری فائل کے اندر رکھ دیا اور مجھے گولیوں کی ایک شیشی تھما دی جو میرے کلینک رپورٹ کرنے کے وقت تک کے لیے کافی تھیں۔ پھر وہ مجھے دروازے تک چھوڑنے کے لیے آیا۔ اب ایک آخری دکان میرے سامنے تھی۔

ایک سفید کوٹ والے شخص نے دروازے کا کھانا کھولا اور میں باہر دھوپ میں نکل آیا۔

اب میں آزاد تھا اور اپنی ذہنی زندگی کا کنٹرول میرے

ہاتھ میں تھا۔ میں نے ڈاکٹر فیروز کی دلی ہوئی دوا اس کوڑے دان میں پیونک دلی جو مجھے سب سے پہلے دکھائی دیا۔
پھر دیکھتے ہی دیکھتے مجھے یہ احساس ہونا شروع ہو گیا کہ میں اپنے پرانے روپ میں آ گیا ہوں۔ نہ صرف وہ دوستانہ چہرے پاٹ آئے تھے بلکہ اب مجھ میں یہ سمجھنے کی صلاحیت بھی آگئی تھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ جن ہمدردانہ نظروں سے میری طرف دیکھتے تھے اور اس بات کی تصدیق کرتے تھے جس کا مجھے شب تھا، تو میں اپنے اندر کھوتی ہوئی غصے کی آگ کو ہشکل تمام قابو کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔ کم از کم وقتی طور پر۔

مجھے یہ کچھ کرنا پڑا کہ مجھ کے غصے کے عینی دروازے کی جڑوں میں نول شینڈل کے نیچے چھپا کر رکھتا تھا، وہ اب بھی کام کر رہی تھی۔

میں جن کے راستے گھر میں داخل ہو گیا۔ میں جن میں صرف اتنی چیز تھیں کہ نجات کی ٹیک دروازے سے اچھا محسوس ہوتا تھا۔ پھر دے پاؤں میڑھیان چڑھتا ہوا بیڈ روم تک جا پہنچا۔ میں نے آہستہ سے بیڈ روم کا دروازہ کھولا اور بیل کی سائڈ پر ہاتھ پٹیا۔

پھر میں نے برف توڑنے کا ٹوک دادا سروسز سے اوپر بلند کیا اور پوری قوت سے مار کر پٹ کے بے وفادار میں ٹکرائی۔ تب اتار دیا۔ پھر پھر پٹ سے اس شخص کے پاس پہنچی گیا جو مار کر پٹ کے برابر میں لینا ہوا تھا۔

مار کر پٹ کے نئے شوہر نے میں اس وقت آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھا جب برف توڑنے والے ٹوٹنے کی چیز دھاوا لوگ اس کے بیٹے کے آ رہا ہو رہی تھی۔

مجھے اسی بات سے زبردست فوجی ہوئی کہ ڈاکٹر فیروز نے اپنے آپ کو مل ہوتے خودی دیکھ لیا۔

☆☆☆

میں ہسپتال واپس آ گیا ہوں۔ حقیقت میں یہ مار کر پٹ کی بے وفائی کی ایک پھوٹی کی قیمت ہے جو مجھے ادا کرنا پڑی ہے۔ اب میں سمجھ گیا ہوں کہ سفید کوٹ والے جو کھیل کھیلتے ہیں وہ کس طرح کھیلا جاتا ہے۔ لہذا مجھے یہاں رہنے میں خامسا سکون محسوس ہوتا ہے۔

البتہ مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ دوستانہ چہرے اب میری زندگی سے عمل طور پر دھندلا کیوں گئے ہیں۔

مجھے ان کی کئی یقیناً محسوس ہوئی۔
میرے دوستانہ چہرے۔



کفارہ

محبت آزاد

سائنسی تحقیق کہتی ہے کہ موسمی تغیرات انسان کی
ذہنی... جذباتی کیفیت کو متاثر کر دیتی ہیں... بدلے
میں لوگ مزاحمتوں سے منسلک عوامل کا رد عمل... جو
ذہنی اس کی کیفیت میں لایا تھا... جائے امار کی تلاش نہیں
دور بھٹکا رہی تھی...

سفرِ شہرِ قندھار کی مس... سفر سے راز کی شہر

پولیس انسپکٹر جارج اس کے انسانی پاؤں کے پنے
کے بارے میں بتا رہا تھا جو آج صبح پولیس اسٹیشن آئے
ہوئے اس نے راستے میں ایک طرف پڑا دیکھا تھا لیکن
سراٹھ و سماں پور کا کیلی برن اس کی بات پر راز بھی دھیان
نہیں دے رہی تھی۔ وہ خوش تھی کہ اس تازہ ترین مسئلے سے تو
وہ دور رہی ورنہ تو مسئلہ خواہ کیسا ہو، سب کو چھوڑ چھاڑ کر اسی
کے دامن سے آکر لپکتا جاتا ہے۔

میرا سونا حال ہی میں ایک بار پھر زبردست قدرونی

جاسوسی ڈائجسٹ — 73 — اگست 2014ء

آفت سے دو چار ہوا تھا۔ پندرہ روز پہلے آنے والے بدترین سمندری طوفان اور بارشوں کا سلسلہ جسے کچھ زیادہ وقت نہیں گزر رہا تھا۔ اندازاً اواردوں کی سرگرمیاں جاری تھیں جن میں پولیس بھی اپنی حد تک شامشلی تھی۔ حراسی بہت بڑی تھی۔ اب تک مرنے والوں کی کچھ تعداد کے حتیٰ اندازہ شمار بھی مرتب نہیں کیے جاسکے تھے۔ پانی میں ڈوبے گھروں سے بدستور آتشیں تل رہی تھیں۔ بہت سارے لوگ جڑ سے اکٹڑ کر مرنے والے درختوں تلے دب کر مارے گئے تھے۔ بہت سارے ایسے تھے جو بچنے کے لیے باہر بھاگے مگر طوفانی ہوا کے تند و تیز چیمبروں سے انہی تری میزوں سے ٹکرا کر مارے گئے۔ کڑی میز کا ہوا میں اڑنا کیا سنی رکھتا ہے یہاں تو گھروں کی چیمیں تک اڑ گئی تھیں۔ کئی لاشیں اس بڑی چالٹ میں ٹکروں میں پٹی لیں کہ شناخت تک ناممکن ہو چکی تھی۔ ایسے میں جارحہ کو کسی انسانی پاؤں کا سنا پنہ منا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ سیراسونا پولیس ڈپارٹمنٹ جن حالات سے غمت رہا تھا اس میں بہت سی غیر معمولی باتیں بھی اپنی اہمیت کھوٹتی تھیں۔

ایسا کافی بار نہیں ہوا تھا۔ سیراسونا گزشتہ کئی دہائیوں سے بدترین سمندری طوفانوں کا متواتر شکار رہا تھا۔ حالت یہ تھی کہ آفات کے بارے میں سیراسونا کے مینیجمنٹ کی بڑی تعداد یہاں سے نکل کر چکی تھی۔

سیراسونا کو بیسویں صدی کے آخر میں اس وقت شہرت ملنا شروع ہوئی جب ایک معروف ہسپتال اور اکادمی نے یہاں اپنا گھر خریدا۔ اس کے بعد جب مہمان کے ٹیکوں کے ساحل کی بھوری دیت پر مجھے کا راج پر مشتمل آفتابی کی شش انگیز تصاویر اخبارات میں شائع ہوئیں تو بے تحاشا دولت کو ٹھکانے لگانے کے سہ سے راستے تلاش کرنے والوں کو ایک اور راستہ مل گیا۔ بیسویں صدی کے اوائل تک سیراسونا اپنے خوشگوار موسم، ٹیکوں سمندر اور بھوری دیت کے ساحل پر گھرے مارٹل کے اوچے اونچے درختوں کے سبب پورے امریکا کے ٹورسٹوں میں گزرتا سیرگاہ کے طور پر مشہور ہو چکا تھا۔

بیسویں صدی کے پہلے تین عشروں تک تو حالات ٹھیک ٹھاک رہے۔ چھوٹے سے اس جزیرے پر ہمیشہ عشرت اور دولت کی چٹیل چٹیل دوروں۔ مہربان تھیں مگر اپنا تک حالات بدلنے لگے۔ آہستہ آہستہ سمندر کی سطح بلند ہونے لگی۔ جہاں بھی مارٹل کے درختوں کے پہنچتے تھے اب وہاں سمندری موجوں کا راج تھا۔ بات یہاں تک

رہتی تو شاید سیراسونا پر کچھ خاص اثر نہیں پڑتا لیکن رفتہ رفتہ یہاں ہوا اور سمندری طوفانوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ابتدا میں تو سب اسے عام بات سمجھتے لیکن جب طوفانوں کا سلسلہ بڑھا تو اس نے موسمیاتی ماہرین کی توجہ بھی حاصل کی۔ سائنس دانوں کے مطابق یہ عالمی موسمیاتی تبدیلیوں کا اثر تھا۔ الاسکا کے گلیشیرز کے پگھلنے سے سمندری سطح تیزی سے بلند ہو رہی تھی۔ غازی درجہ حرارت کے سبب طوفانوں میں شدت آتی جا رہی تھی۔ دن کی چٹیل کوئی تھی کہ حالات یوں ہی رہے تو ہائیڈروپس صدی کے شروع ہونے پر امریکا قتلے میں سیراسونا کہیں نہیں ملے گا۔ یہ تب تک سمندر برد اور چکا ہوگا۔

سائنس دانوں کی پیش گوئی ایک طرف لیکن سیراسونا کے عام شہریوں پر ابتدا میں اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا لیکن آئے دن کے طوفانوں سے یقین ہو چکا تھا کہ جیسا کہ کہہ رہے ہیں شاید ایسا ہی ہو۔ کب تک یہاں کے لیکن ان آفات کا سامنا کرے۔ آخر تک آخر تک مکالی شروع ہو گئی۔ ابتدا میں سیراسونا چھوڑ کر جانے والے قاعدے میں رہے۔ ان کے گھر فروخت ہو گئے لیکن یہ سلسلہ بہت دیر تک نہ چلا۔ بڑی تعداد میں مینیجمنٹ کی مکالی اخبارات کی زحمت دینی تو سنا حوں نے بھی یہاں کا رخ چھوڑ دیا۔ مقامی لوگوں کو جب گھر کے خریدار نہ ملے تو وہ اپنی جائیداد ایک دوسرے کے حوالے کر کے کہیں اور کا رخ کرنے لگے۔ امید تھی کہ شاید کچھ حالات بدل جائیں مگر سائنس دانوں کو یقین تھا کہ شاید ایسا نہ ہو۔

تیزی سے مکالی کے سبب اب سیراسونا میں صرف چند سو لوگ ہی باقی بچے تھے۔ ان میں بھی زیادہ تر وہ تھے جو زیادہ عمر کے باعث یا انوکھی مکاری کی سکت نہیں رکھتے تھے یا اس کے لیے ان کے پاس رقم نہیں تھی۔ پورے گاؤں اس وقت پولیس اسٹیشن میں بیٹھی بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اس کا مستقبل کیا ہوگا۔ اس کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ وہ طیر شادی شدہ تھی۔ اس نے کچھ رقم پس انداز بھی کر رکھی تھی۔ حالیہ طوفان کے بعد اسے یقین ہو چکا تھا کہ اب یہ جزیرہ بھی آباد نہیں ہوگا۔ جارح اپنی کہنی سٹانے میں قہر تھا لیکن وہ کچھ اور ہی سوچ رہا جا رہی تھی۔

"یہ لو... جارح نے میز چھپ چکا کہ کافی کا کپ اس کے سامنے رکھا تو وہ بھی اپنی سوچوں سے باہر نکل آئی۔ "شکریہ..." اس نے مسکرا کر جارح کی طرف دیکھا۔

کھنڈا۔

تعارف کرایا۔ "سیرا سونا پولیس ڈیپارٹمنٹ ہیڈ کوارٹر۔"
"اوہ... وہ مسکرائی۔"

"کوئی مسئلہ... جارج نے اسے سوانہ نگاہوں سے دیکھا۔"

"در اصل میں پولیس اسٹیشن ہی جا رہی تھی۔"
"لیکن کیوں... جارج نے تلخ کلامی کی۔"

"مجھے ایک رپورٹ درج کرانی ہے۔" اس نے ہنکپاتے ہوئے کہا۔

جارج اُس وقت ڈیوٹی پر تھا۔ "کیا شکایت ہے؟"
"مجھے چوری کی رپورٹ درج کرانی ہے۔" یہ کہہ کر

اس نے سامنے لی۔ "میرے گھر سے کچھ سامان چوری کر لیا گیا ہے۔"

"چوری...؟" جارج نے خود کلامی کی۔ جارج نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔ "جو حالات ہیں، اسے دیکھتے ہوئے اب چوری کی رپورٹ درج کرانے کا کوئی خاص لائحہ عمل نہیں۔"

"کیا...؟" "بوزمی عورت بے گھر ہے۔"

جارج نے جواب دینے کے بجائے چاروں طرف دیکھا۔ حالیہ طوفان کے بعد جس طرح پورے علاقے میں تباہی مچ گئی، اُس کے بعد چوری کی رپورٹ درج کرنا نہایت مشکل چیز بات بولی۔ چاروں طرف لوگوں کے گھروں کا سامان پھیلا ہوا تھا۔ قیمت اور بے قیمت، یہ بات کسی کے نزدیک اہم نہ تھی۔ جب جان کے لالے پڑے ہوں تو دنیا دنیا کون کرے اسی لیے وہ عورت کی حوصلہ شکنی کر رہا تھا۔ ویسے بھی ان دنوں پولیس کو بھائی اور امدادی کاموں سے فرصت ہی کچھان تھی جو چوری کی رپورٹ درج کر کے، چوروں کی تلاش میں دن رات ایک کرتی پھرے۔

"مسٹر پولیس انسر... خاموش دیکھ کر بوزمی عورت نے اس کی توجہ اپنی طرف کی۔"

"کیسے...؟" جارج نے مسکراتر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ چوری کے سامان کی تحصیل ہے۔" اس نے ایک کانڈ آگے بڑھایا۔ یہ فہرست ایک پنفلٹ کے پیچھے لکھی تھی۔ مجھے دقتوں میں لوگ اپنے گھر میں سامان کی خرید و فروخت کے لیے اس طرح کے پنفلٹ لکھ کر پھرتے اور مقامی اخبار فروش کے ذریعے، گھروں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

جارج نے فہرست لی۔ اسی دوران بھرا کا ایک تیز چھوٹا

"تو ہوا یہ تھا...؟" جارج نے ایک بار پھر اپنا وہی قصہ شروع کیا جو وہ کافی دیر سے اپنی سیکرٹس کو سنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"کیا ہوا تھا...؟" ہوریکا کی پوری توجہ اس بار جارج کی طرف تھی۔

"بات یہ ہے کہ...؟" جارج نے سسرے سے ایک بار پھر پورا قصہ تمام تر جزئیات سمیت اپنی سیکرٹس کو سنانا شروع کیا۔

☆ ☆ ☆

صبح کا وقت تھا۔ جارج میجر معمول کے مطابق اپنی ڈیوٹی پر آ رہا تھا۔ اس کا سر پولیس اسٹیشن سے لگ بھگ دو کلومیٹر کی دوری پر تھا۔ جزیرے پر حالیہ طوفان کے بعد ہینڈل کی بھی قلت تھی۔ اسی لیے اس نے بھی کار کا استعمال تقریباً بند کر دیا تھا۔ اس صبح بھی وہ مختلف شارٹ کٹ سے ہوتا ہوا آ رہا تھا۔ درختوں کے ایک جھنڈ سے گزر رہا ہوا جب وہ پھوٹی سڑک پر پہنچا تو درگزر دیکھتے ہوئے اس کی نظر ایک حیرت انگیز ترشے پر پڑی۔ وہ چونک گیا۔ یہ خون میں لتھڑا انسانی پاؤں کا پنجہ تھا جو ایک درخت کی جڑوں کے ساتھ پڑا تھا۔ چند لمحوں تک وہ اسے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اطراف میں نظر ڈالی۔ اسے پرانی ترپال کا ایک کھلا ٹکڑا نظر آیا۔ وہ آگے بڑھا اور اسے اٹھا کر پلے کوڑھاپ دیا۔ وہ پنجہ ڈھانپ کر کھڑا ہوا تو چند قدم کی دوری پر ایک عورت کھڑی تھی۔ نیچے لباس میں ملبوس اکبر سے جسم کی عورت شاید وہ پنجہ دیکھ چکی تھی، اسی لیے اس کے چہرے پر خوف کے آثار نمایاں تھے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں حیرت سے پھیل چکی تھیں۔ جارج نے غور سے اسے دیکھا۔ وہ اس کی عمر کا اندازہ نہ کر سکا لیکن پھر بھی وہ ساٹھ ستر برس کی عمرور ہوگی لیکن دیکھنے میں چالیس بیسٹالیس سے اوپر کی لگتی تھی۔ "پریشان مت ہوں۔" اس نے مسکرا کر بوزمی عورت کا خوف دور کرنے کی کوشش کی۔ "اتنی بڑی آفت کے بعد اس طرح کے حالات کا پیش آنا چھٹی ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ سے ترپال کی طرف اشارہ کیا۔

"اوکے...؟" اُس نے اپنی گھبراہٹ اور خوف پر کسی حد تک قابو پاتے ہوئے کہا۔ "تھاقی تو اب ہم سب کا مقدور بن چکی ہے۔" شاید وہ یہ کہہ کر اپنے خوف پر قابو پا نا چاہتی تھی۔ "نمر پولیس میں ہوتا...؟" اس نے غور سے جارج کے یونیفارم پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں...؟" اس نے سر ہلایا اور خوش دلی سے

آیا اور چٹے پر سے ترپال کا ٹکڑا اڑ کر دور جاگرا۔ وہ بچے رہا۔ اس نے دائیں ہاتھ میں کانڈ پکڑ رکھا تھا جبکہ بائیں ہاتھ سے ترپال کا ٹکڑا اٹھا کر دوپارہ سے ڈھانپنے لگا۔

"میرے خیال میں ان چیزوں کی چوری کو تو یہ آسانی نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔" وہ اٹھا اور عورت کے قریب آ کر کہنے لگا۔

یہ سن کر اس نے سوالیہ نگاہوں سے اسے گھورا۔ وہ مزہزہا گیا۔ "اویسے یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خود تمہارے گھر والوں میں سے کسی نے یہ چیزیں لاپرواہی اور رکھ رکھاؤ میں سے کب کر اس نے چاروں طرف طائرانہ نظر ڈالی۔" "اگر اٹھنے والی میں ایسا ہو چکی جاتا ہے۔" "لیکن یہ میرا قانونی حق ہے کہ..."

"جانتا ہوں محترمہ..." جارج نے مہذبانہ انداز میں کہا۔ "البرست آپ سے مل چکی تھا۔ میں پولیس اسٹیشن پہنچنے ہی پر پورے درجہ کروں گا۔ ہونے تو آج کسی وقت پولیس اسٹیشن کا پتہ لگائیے۔ جو بھی پیشرفت ہوگی، اس سے آگاہ کر دیا جائے گا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائی۔ "اویسے بھی اس وقت مجھے ایک دو ضروری کام فہم نے ہیں، اب تک وہ لڑکی ہوں۔"

"بہت بہتر..." جارج مسکرایا۔ وہ عورت جانے کے لیے مڑی لیکن وہ قدم آگے چلی کر ہی رک گئی۔ "تم مجھے فون مت کرنا، میں خود ہی آ جاؤں گی۔" میرے گھر کا فون ٹھیک ٹھنک ہے۔" "لیکن اس کانڈ پر تو آپ کا گھر..." جارج مسنہایا۔ "وہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا اور نہ فون تو کافی دنوں سے فرباب ہے۔"

"جانتا ہوں۔" جارج سب عادت مسکرایا۔ "پولیس اسٹیشن کو بھی کوئی ایک فون کام نہیں کر رہا۔ لگتا ہے میرا سونا کے فون خراب ہوئے ہیں بھی کسی نئے لگ جائیں گے۔" "یوڑی عورت مسکرائی۔ "یاد رکھنا، چور پکڑا جائے یا نہیں مگر میرا سونا ضرور واپس ملنا چاہیے۔"

"یوڑی کو شش کریں گے۔" "ٹھیک ہے، میں کھاتی ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ مڑی اور تیزی سے قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔

یوڑی کا بڑے غور سے سن رہی تھی۔ پورا ہاتھ سنانے کے

بعد جارج نے گہری سانس لی اور پھر لمحہ بھر توقف کے بعد کہنے لگا۔ "حیرت یہ ہے کہ میں اس عورت کو پہچان نہ سکا۔" لگتا ہے کہ آج کو اپنے گھر کی برتنی پاؤں گی۔"

"ذرا اس کا حلقہ تو بیان کرو۔" "مکلی بار یوریکا نے مدد غلت کی۔ اس کی دلچسپی صرف اس بات سے پیدا ہوئی کہ آخر وہ عورت کون تھی۔"

"اوسکے..." جارج نے تعجب داری سے کہا۔ "اٹھنا پتل، جسامت دیکھ کر لڑکا درست اندازہ لگانا مشکل تھا۔ وہ چالیس سے لے کر ستر سال کے درمیان کی ضرور ہو سکتی تھی۔" "ارک براؤن اپنا وقت لہیا، چہرہ خرابی اور تھریوں سے پاک، تاکہ لیکن پتہ تو ہونی چاہیے۔"

"ابک مسنہ..." یوڑی کا سفر ٹوکا۔ وہ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سوچتے لگے۔ "جینی... سن لینی بیس... مجھے یاد آ گیا۔" اس نے اسے گھستے ہوئے کہا۔ "سن لینی بیس... جارج نے دہرایا۔"

"ہاں..." یوڑی نے ہنگامہ بھر کر کہنا شروع کیا۔ "پورے گھسے میں اپنی ایک عورت ہے، جسے اپنے گھر کے تمام تر سامان کی تحفہ نہ صرف مہربانی یاد ہے بلکہ وہ یہ جانتی ہے کہ اس نے کون سی چیز کہاں رکھی تھی۔" یہ کہہ کر اس نے گہری سانس لی اور جارج کی طرف دیکھا۔ "میرے غصہ کی یادداشت ہے اس بڑھاپا کی۔"

"تم اسے جانتی ہو؟" جارج کی آنکھوں سے حیرت جھلک رہی تھی۔

یوڑی نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا کر جواب دیا۔ "ہاں۔"

جارج اہٹا دایاں ہاتھ بھینا کر تلیروں کو نہایت اشیاء کے ساتھ رہا تھا۔ "سن لینی بیس..." اس نے منہ ہی منہ میں یہ نام دہرایا۔ "کسی خدی خاندان کی عورت لگتی ہے۔" "ظفر نہیں؟" "کہہ چور پورے درجہ کروائے اور چور پکڑ دے پنا سکون سے بیٹھے گی۔" وہ اپنی بھلی دیکھتے ہوئے اس طرح بڑبڑا رہا تھا جیسے یہ ہاتھ کی لکیروں میں لکھا ہے۔

یوڑی کا ظاہر لاشعور میں بھی لیکن اس کے ذہن میں ستر بیس کی تصویر ٹھوس رہی تھی۔ پندرہ برس پہلے یوڑی نے یوڑی کو اس دوران کی تھی، اس کے نوادید ستر بیس نے ٹھکر تعلیم کو کل اند وقت ریٹائرمنٹ کی درخواست دی، جسے منظور کر لیا گیا۔ وہ اسکول پھر گئی، مذاہمت چھوڑ کر اپنے شوہر کے ساتھ میرا سونا سے اٹل نا متعلق ہو چکی تھی، جہاں ان کا گھرونا چلا رہا تھا۔ وہ دونوں زندگی کا باقی وقت بیٹے

بھرے پڑے گھر سے ہی چھوڑ کر جانے لگے تھے۔ ایسے میں مسز بیرس کے پاس ایک موقع تھا۔ وہ اپنا گھر چھوڑ کر کسی بھی خالی گھر کو ٹھکانا بنا سکتے تھے۔ خود ان کے ہمسائے میں کئی خالی گھر تھے، جن میں سے بعض کی چابیاں گھروالے خیر گیری کی خاطر خود ان سے حوالے کر گئے تھے۔ جس طرح میرا سونا میں جانکاد کی ویلیو گری تھی، اس کے باعث ہمیں نہ تھا کہ یہاں کے خالی گھروں کے مالکان کو مستقل قریب میں کوئی خریدار مل سکے۔ ایسے میں مسز بیرس بڑے آرام سے اپنے شب روز بتا سکتے تھے۔

مسز بیرس نے جس خواب کی تعمیر پانے کے لیے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لی تھی، وہ تو انیس سو تین کی گھر گھر بیچنے کی امید کا واسطہ بن گیا تھا۔ وہ جیسے نہ دیا۔ برسوں گزر جانے کے باوجود ان کے گھر کے سامنے پڑے گھر سے فروخت کا بڑا سا پورڈاب بھی اٹک رہا تھا۔ مسز بیرس کا کہنا تھا کہ اس نے گھر کو اسی طرح بیچ دیا تھا کہ اگر کوئی خریدار ایک نظر دیکھے تو اس کے دل کو جھٹکے گا۔ مگر وہ اس خریدار ہی کہاں تھا۔ گھر فروخت کے بعد وہ بھی اٹلانا چاہتے تو تیار نہ تھے۔ جانکاد کی قیمت بیچنے کی محنت پر غالب آچکی تھی۔

یورپا کی یادداشت ابھی بھی لیکن سچ یہ ہے کہ وہ اس جوڑے کو لگ بھگ بھول چکی تھیں۔ جب جارج نے بچہ ملنے کا قصہ شروع کیا تو جیسے بھائے وہ اور ان کی کہانی اس کے ذہن میں فلم کی طرح چلنے لگی تھی۔ کئی ہفتوں پہلے طوفان آنے سے پہلے وہ ایک پارٹی میں شریک تھی۔ جہاں اس نے قہرے کے ایک پرانے کھین سے سنا تھا کہ اس نے کچھ دنوں پہلے مسز بیرس کو گھر کے باہر دیکھا لیکن ان سے کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ مسز بیرس نے برسوں پہلے ہی گھر سے باہر نکلا اور لوگوں سے ملنا جانا ترک کر دیا تھا۔ وہ جوڑا خود کو باقی دنیا سے الگ بھگ بھگ کر چکا تھا۔ یورپا جانتی تھی کہ ان کے یہاں رہنے کا صرف ایک وجہ ہے: گھر کے ٹکٹ خریدار کا انتظار۔

اس نے پہلے تو بہت سنا تھا مگر تب تو آج کے حالات میں بہت فرق تھا۔ ہو سکتا ہے طوفان کے بعد ایسا نہ ہو مگر پھر بھی مسز بیرس کی شہرت تھی کہ انہوں نے اپنے گھر کو بہت اچھی طرح رکھا ہوا تھا لیکن گزشتہ برسوں کے دوران طوفانوں کے سبب یہاں سب لیاقت زندگی کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ حالیہ طوفان کے باعث اب تو ملائے میں بجلی بھی لاء نہ ہی پینے کا صاف پانی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کیا طوفان کے بعد بھی ان کے گھر کی حالت ویسی ہی ہوگی۔

کے ساتھ گزرتا چاہتے تھے۔ انہوں نے اپنا گھر بھی فروخت کرنے کی تیاری مکمل کر لی تھی۔

ان دنوں بھی میرا سونا طوفانوں کی زد میں تھا۔ آئے دن کے طوفانوں اور سیلابوں کے باعث پھیلنے والی تھالی نے اس جزیرے پر جانکاد کی قیمتوں کو آسمان سے زمین پر لا پٹا تھا۔ ایسے میں چند ہی خریدار ہونے کے جنہیں یہاں پر مکانات خریدنے میں دلچسپی ہو سکتی تھی وہ نہ خراب موسمی حالات کے سبب کوئی بھی یہاں پر اپنی خریدنے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ اتفاق سے مسز بیرس کا گھر ایسی جگہ تھا جسے طوفانوں سے کچھ خاص خطرہ لاحق نہ تھا مگر میرا سونا... یہ نام ہی بدنام ہو چکا تھا۔

مسز بیرس کو واقعی اپنے گھر سے بہت دلچسپی تھی۔ وہ مجبوری کے عالم میں اسے فروخت کرنا چاہتی تھیں لیکن جب ایسا نہ ہوا تو انہوں نے ایک اور قدم اٹھایا۔ گھر کے ایک حصے کو پارٹر میں بدل دیا اور عورتوں کی میزوں کو تیار کرنے کا کام کرنے لگی۔ یورپا نے اس گھر کے بارے میں بہت باتیں سن رکھی تھیں۔ لوگ کہتے تھے کہ مسز بیرس نے گھر کو نہایت عمدہ طریقے سے سجاسنوار رکھا ہے لیکن اسے ذاتی طور پر اندر سے یہ گھر دیکھنے کا بھی موقع نہ مل سکا تھا۔ ویسے بھی وہ جتنی بیرس کو صرف جانتی تھی لیکن نہ وہ وہی اس کی پیچیدگی تھیں نہ ہی ان سے یورپا کے کوئی قریبی مراسم یا علیک سلیک تھی۔

مسز بیرس نے جب سے تدفین کے لیے میزوں کی تیاری کا پارٹر کھولا تھا تب سے اس کا شور ہر جان فی بیرس بہت پریشان تھا۔ وہ کئی بار اپنے قریبی دوستوں سے یہ شکایت کر چکا تھا کہ جہاں میزوں کو تیار کیا جاتا ہو، اس گھر میں رہنا سہنا کھانا پینا اور نہانا دھونا اس کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں ہے۔ اسے یہ بھی شکایت تھی کہ اب وہ راتوں کو خفک طرح سے سو بھی نہیں سکتا، جہاں آگہ لگتی ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی ہیڈ ہلار ہا ہو۔ یوں وہ خول کے مارے ہوئی ٹینڈ سے جاگ اٹھتا اور پھر چوری رات آنکھوں ہی آنکھوں میں گرٹ جاتی۔ اس وقت علاقے میں یہ بھی انہوں کی گردش میں تھی کہ مسز بیرس نے اپنے شوہر کا منہ بند کرانے کی لاکھ کوششیں کیں، انیسویں کار خریدنے کے لیے رقم کا لالچ بھی دیا مگر وہ بھی اذیل تھے، ہر بات پر ان کا سر اٹکار میں ہی ہلکا تھا۔ البتہ زبان بدستور چلتی جا رہی تھی۔

مسئلہ یہ تھا کہ علاقے کی آبادی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ خریدار نہیں تھے۔ لوگ طوفانوں سے بچ کر اپنے

کے لیے ایک سراغ رساں اور سینئر پولیس افسر اس کے گھر کیوں جا رہی ہے۔

"چلیے..." یوریکا نے اٹھتے سے گیسٹ کی طرف اشارہ کیا۔ سامنے ہی اس کی جیب کھڑی تھی لیکن طوفان کے باعث علاقے میں بیڑوں کی بھی قلت تھی۔ وہ ایضاً منہ بچانے کے لیے پیدل جانا چاہتی تھی۔ "گھر تو یادہ دور تو ہے نہیں۔"

"ابلیں..." مسز بیرس نے جواب دیا۔

وہ دونوں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے اس طرف بڑھنے لگیں، جہاں مسز بیرس کی شکایت کے مطابق جائے وقوع تھا۔ یوریکا کو اندازہ تھا پولیس اسٹیشن سے اس کے گھر تک کا فاصلہ ڈیڑھ کلومیٹر سے زیادہ نہیں۔ آسمان چادروں سے صاف تھا اور ٹپکتے سورج کی دھوپ خاصی تیز تھی۔ دونوں درختوں کے سائے کے خاموشی سے آگے بڑھ رہی تھیں۔

یوریکا کی عمر تیس کے... قریب تھی۔ اس عمر میں پیدل چلنا کوئی بڑی بات نہیں تھی مگر جتنی... عمر رسیدہ ہونے کے باوجود وہ پولیس اسٹیشن تک پیدل پہنچی اور فوراً وہاں بھی گلی پر پڑی گھراس کے باوجود اس کے چہرے پر اٹھکن کے کوئی آثار نہ تھے۔ "اس عمر میں بھی آپ خاصی چاق چوبند اور خوبصورت ہیں۔" یوریکا نے چلتے چلتے کہا۔

مسز بیرس نے مسکرا کر اسے دیکھا مگر کوئی جواب نہ دیا۔

"چوروں کے بارے میں مسز بیرس کا کیا کہنا ہے؟" یوریکا نے ایک اور سوال کیا۔

"ان دنوں وہ کسی بڑے کام میں مصروف ہیں اس لیے میں نے چوری کا بتا کر انہیں پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔" مسز بیرس نے شائستگی سے کہا۔

یوریکا یہ سن کر ہنسی مگر کچھ کہا نہیں۔ وہ سوچ رہی تھی کہ مسز بیرس جیسا موٹا آدمی جو نادری سائز کے تاپوٹ سے بھی بڑے دو دو دکا ٹانگ سے جس کی ٹانگ اور ہونٹ کسی سودوئی بیماری کے باعث اتنے پھیل چکے کہ نادری انسانوں کی طرح کھانا پینا ٹھکانے نہ رہا وہ شخص جس کے غاراج سجالے پر اٹھنے والے آخری اجازت میرا سونا کے تمام لوگوں سے زیادہ ہیں۔ وہ ایسا کون سا بڑا کام کرنے لگا، جس سے اس کی بھائی یہ سمجھ رہی تھی کہ اپنے ہی گھر میں چوری کی خبر سے اس کے کام میں خلل پڑ سکتا ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے مسز بیرس کی طرف دیکھا۔ "حیرت ہے مجھے، جانن بیرس، اس عمر میں بڑا کام

مسز بیرس نے انٹرنیٹ پر بھی گھر کی فروخت کے لیے اشتہار دے رکھا تھا۔ انہوں نے جائیداد کی خرید و فروخت کرنے والی ایک ویب سائٹ پر گھر کے بیرونی مناظر کی بہت خوبصورت تصویریں اپ لوڈ کر رکھی تھیں لیکن اسے یقین نہ تھا کہ اب ان کے گھر کی بیرونی حالت کم از کم اس تصویر جتنی ہوگی۔ حالیہ طوفان کی شدت بہت زیادہ تھی۔ یوریکا سوچ رہی تھی طوفان نے تو گھروں کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ ضروری نہیں تھا کہ مسز بیرس کا گھر بھی صحیح سلامت ہو۔ سکھا دیکھنے کے لیے اس نے مسز بیرس سے ملنے کے لیے ان کے ہاں جانے کا فیصلہ کیا۔ دیر سے بھی اب اسے ایک بیان مل چکا تھا۔ دوسرا یہ کہ آج وہ کام کرنے کے موڈ میں بھی نہیں تھی۔ "جادو؟" اس نے پکارا۔

وہ رپورٹ تیار کر رہا تھا، مگر دن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مسز بیرس نے ہندی ہونے والے سامان کی جو لہرست دی ہے، وہ کہاں ہے؟"

جادو نے ہنہ ہنہ کہے ایک بڑا سا پوچھ اس کی طرف بڑھایا جس کی زور پشت پر ٹنگی سیانی سے سامان کی تفصیلات درج تھیں۔ دراصل یہ انہی میں سے ایک پوچھ تھا، جسے مسز بیرس نے "گھر برائے فروخت" کی سرنگی کے ساتھ لکھ کر چھپوایا اور برسوں پہلے اشتہار فراموش کر کے ذرا سیٹے تقسیم کرایا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔" اس نے بیک دھکا کر کندھے پر لٹکایا۔ پوچھ اس کے ہاتھ میں تھا۔ "کافی دیر بعد وہاں سے ہوگی..." اس نے کہا۔ "یہ کچھ ہوئے وہ کل تھے۔ جادو سوالیہ لگتا ہے اسے جادو بھرا تھا۔"

یوریکا وہ دائرے سے کل ہی تھی کہ سامنے سے ایک عورت آتی دکھائی دی۔ وہ رگڑ گئی۔

"پولیس افسر جارج بیکھر سے ملنا ہے، کہاں ملیں گے؟" قریب آ کر اس نے شائستہ لہجے میں پوچھا۔

لہجہ بھر کے لیے یوریکا نے اسے خود سے دیکھا۔ "مسز بیرس، میں..." اس نے پچھاننے کی کوشش کی۔

"جی ہاں..." اس نے بے اثر لہجے میں کہا۔

"سراغ رساں یوریکا..." اس نے خوش دلی سے جواب دیا۔ "جارج نے شکایت درج کر لی ہے اور میں تمہارے گھر جانے کے لیے ہی نکلی تھی۔"

"اوہ..." اس نے ہونٹ سکینے سے۔ "مسٹر جارج نے دارا افسر ہیں۔" مسز بیرس کے لہجے سے اس بات کا قطعی انداز نہیں ہو رہا تھا کہ ایک غیر اہم واقعے کی تحقیقات

یوریکا بھی مسکرا دی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ یہ بھی شاید دنیا میں اپنی نوعیت کا واحد جوڑا ہے۔ شوہر کو کچھ کرنے کی کوئی فکر نہ تھی اور یہی تھی کہ گھر سے لبراً ہم اور معمولی چیزوں کی چوری کی رپورٹ درج کرانے کے لیے چلیا تھی دھوپ میں پیدل چلتی ہوئی پولیس اسٹیشن پہنچ گئی۔ نگار طوقہ لوں سے تلک آکر جہاں لوگ اپنے بیٹی اور پر آشوب گھروں کو کھنڈر بننے کے لیے خالی چھوڑ چھوڑ کر، صرف اپنی جان بچا کر جا رہے ہوں، وہیں یہ مکاں نہ بکنے کے باعث اپنے اکلوتے بیٹے کے پاس جانے کو بھی تیار نہیں۔ "واقعی یہ دونوں ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں۔" یہ سوچ کر وہ مسکرا دی۔

مسز بیرس چوکی۔ "خیریت... تم تب ہی آپ مسرے جارہی ہو۔"

"کافی عرصہ ہو چکا مسز بیرس کو نہیں دیکھا۔" یوریکا نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں... اب وہ کم ہی گھر سے نکلتے ہیں۔" مسز بیرس نے جواب دیا۔ "شکر ہے کہ اب طبیعت ادا بہتر ہے اور نہ چند ماہ پہلے تک تو شدید بیمار تھے۔ کئی ماہ تک تو بستر سے اٹھنا محال ہو چکا تھا۔"

"اب بھی تمہارے بیٹے کو اٹھانا میں ہی رہتا پسند ہے؟" یوریکا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کہہ کہ نہیں سکتی۔" مسز بیرس کے لیے سے افسردگی عیاں تھی۔ "کافی عرصہ پہلے وہ بھلا ہوا تھا لیکن... بات اور دوسری چھوڑ کے نو بھر توقف کیا۔" نکلا ہے اب وہ بھی رابیلے میں رہنا نہیں چاہتا۔"

یوریکا نے اس کے لہجے میں پوشیدہ افسردگی کو بھانپ لیا تھا لیکن وہ کچھ نہیں پاری تھی کہ اس بے اعتنائی کا اصل ذائقہ دار کون ہے؟ مسز بیرس یا اس کا چہل۔ کئی برس پہلے رہائش منت لینے کے باوجود بھی وہ صرف گھر نہ بکنے کی وجہ سے بیٹے کے پاس نہ جاسکیں تو پھر برسوں کی دودھ سے رنجیت کا احساس پیدا ہونا لازمی تھا۔ دوسری رشتہ رشتہ محبت کی گرجوٹی کو سرد کر دیتی ہے۔ "ویسے یہ بتائیں کہ گھر سے کیا کیا چیزیں چوری ہوئی ہیں؟" یوریکا نے اس کی افسردگی ختم کرنے کے لیے گھٹو کا سوسن بدل دیا۔

"وہ سب کچھ میں نے تفصیل سے لکھ کر کاغذ جاری کر دے دیا تھا۔"

"ہاں تمہیک ہے، وہ کاغذ میں نے دیکھ لیا تھا لیکن پھر

کرنے جا رہے ہیں حالانکہ طوقہ لوں کے بعد..."

"ارے ایسی بھی کچھ خاص بات نہیں۔" مسز بیرس نے چپک کر قطع کلائی کی۔ "ان سے کہاں کوئی کام دام ہوتا ہے۔"

یوریکا نے خیریت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "ابھی تو کہہ ہی تھیں کہ..."

"وہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے ان سے کہا تھا لیکن وہ ذرا مجھ سے مختلف اور حساس طبیعت کے مالک ہیں۔ انہوں نے رپورٹ درج کرانے سے منع کر دیا تھا۔"

یوریکا نے سوائیہ لگا ہوں سے گھورا۔ "لیکن کیوں؟"

"وہ پولیس والوں کو تکلیف نہیں دینا چاہتے تھے۔" مسز بیرس نے کہنا شروع کیا۔ "میں نے گوئی مول بات کر کے عرض یہ لیتا چاہا مگر ان کی رائے تھی کہ جو گیا، سو گیا۔"

پولیس والے ویسے بھی ان دنوں مشکل میں ہیں۔ اگر کوئی جا کر چوری کی رپورٹ درج کرانے کا تو اس کا مطلب ان پر مزید بوجھ ادا ہے۔ یہ وقت اسی طرح کی باتوں کے لیے مناسب نہیں۔ "اس نے یوریکا کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"میں سمجھ گئی کہ اس معاملے میں ان سے بات کرنا بے مقصد ہوگا۔" یہ کہہ کر نو بھر توقف کیا "سیری اور خواست ہے کہ تم بھی ان سے اس حوالے سے کوئی بات نہ کر۔"

یوریکا نے اسے گھورا۔

مسز بیرس شیطانی... جلدی سے کہنے لگی۔

"دراصل میں اپنے شوہر کو پریشان دیکھنا نہیں چاہتی۔"

یوریکا ہنس پڑی۔ "اب ایسی کئی کافی بات نہیں، قانون ہر وقت اپنے شہر لوں کی حد کے لیے تیار ہے۔"

اسے یاد آیا کہ مسز بیرس کا کئی کالیوں کا ایک اسٹور تھا۔ لیکن مدتوں پہلے لےجے کا وہ آخری اسٹور بھی بند ہو چکا۔ یہاں یہی نے کاروبار چلانے کی بہت کوشش کی تھی لیکن نہ جانے کیوں ایک بار جب ڈوبا تو پھر وہ کاروبار دوبارہ سر نہ اٹھا سکا۔ "اب واقعی وہ کوئی کام کاج نہیں کرتے۔" اس نے مسز بیرس کی طرف دیکھے بنا پوچھا۔

"نکس... کافی عرصے سے گھر پر ہی بیٹھے ہیں۔"

"تو تم... چاہتی ہو کہ وہ کام کریں۔" یوریکا نے وقت گزاری کے لیے بات سے بات نکالی۔

"شاید..."

"وہ کوئی کام نہیں کرتے اس لیے یہ سمجھتی ہیں کہ وہ آپ سے مختلف ہیں۔" یوریکا کا لہجہ ذہنی اور شرارتی تھا۔

مسز بیرس نے زور سے قہقہہ لگایا۔ "شاید ایسا ہی

ہی، یہاں یونہی۔" یوریکا نے بات بٹولی۔

"مجھے ایک ایک چیز یاد ہے۔"

یوریکا نے اثبات میں سر ہلادیا۔

"دیکھو نا ایک تو ہے پائین اسٹیل کی شکل کا ایک زیڈریشن فیکس، وہ دھڑ سے وہ نزد ہے لیکن جب اس نے اوپر ہی سر ہے کا ڈھن ۱۲۰ اور تو اندرونی تہ کا رنگ سنہرا ہے۔ اور اصل یہ پانی کا ایک جگ ہے۔"

"ہاں ہاں... میں سمجھ گئی۔" وہ چوری کے سامان کی تفصیلات پانچ بج گئی تھیں اب تفصیل سے جزئیات سننے کی اس میں اہمیت نہ تھی۔ ویسے بھی وہ پ میں چلتے رہتے سے وہ پسینا پسینا ہو چکی تھی۔ "تو چوری ہونے والے سامان میں ایک پانی کا جگ ہے۔" اور اصل وہ یہ بحث ہی ختم کرنا چاہتی تھی۔

"وہ صرف ایک جگ ہی نہیں۔" مسز بیرس نے جلدی سے کہا۔ "وہ ڈسٹ کا ایک شان دار نمونہ تھا اور جتنی تو بہت مہنگا تھا۔" اور اصل وہ یہ یاد کرانے کی کوشش کر رہی تھی کہ جو سامان چوری ہوا وہ پولیس کے لیے غیر اہم ہو سکتا ہے مگر اس کی اصل قدر و قیمت صرف دیکھا جاتی ہے۔

جیسا قیمت لیکن کیسے؟ اس کی بات سن کر یوریکا سوچ میں پڑ گئی تھی۔ یہ اس وقت میں لوگ کہاں ہائی پیکے تھے کہ مسز بیرس خود جگ بیچنے کے لیے گا کہ مل پاتے۔ اگر اس کے گھر میں اتنی ہی جتنی قیمت چیزیں تھیں تو اس نے چوروں سے بیچنے کے لیے اطراف میں باز کیوں نہ لگوائی۔ اس کے دماغ میں طرح طرح کے سوالات جنم لے رہے تھے۔ اس نے مسز بیرس کی طرف دیکھا مگر اپنے ذہن میں اگلے واسے ان سوالوں کے بجائے پوچھا۔ "جب تم نے چوری سے متعلق مسز بیرس کو بتایا ہی نہیں تو پھر یہ کیسے ملے کر لیا کہ وہ رپورٹ درج نہیں کرانے میں تھیں۔" ٹووی رائے ایک طرف جب معاملہ اپنے گھر کا ہو تو انسان کی رائے بدلتے دیر نہیں لگتی۔"

مسز بیرس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سیدھی چلتی جا رہی تھی۔

"یہ چوری ہونے والا جگ کی سیڑیوں کو ٹھلانے یا کسی اور کام کے لیے استعمال ہوتا تھا؟" یوریکا کو جواب نہ ملا تو اس نے ایک بار پھر غفلت کا رخ اس کے پسندیدہ موضوع 'مانا سرود' کی طرف موڑ دیا۔

مسز بیرس نے اس کی طرف خالی نگاہوں سے دیکھا مگر خاموش رہی۔

یوریکا نے ایک اور سوال کیا۔ "سامان ایک قی اورات میں چوری ہوا یا ہر روز؟" مسز بیرا مطلب ہے کہ تھوڑا تھوڑا کر کے؟"

اس کی طرف سے ایک بار پھر کوئی رد عمل ظاہر نہ ہوا۔ "کیا کچھ گھر سے غائب ہے؟" یوریکا نے ایک اور سوال کر دیا۔

"تفصیل ساری کہہ تو دی ہے مگر پھر بھی بتانے دیتی ہوں۔" اس بار مسز بیرس کا لہجہ شکایتی تھا۔ ہاتھ سے ہٹا ایک چھوٹا سیل۔ "اس نے گھر بھر تو کھنڈ کر کے یوریکا کی طرف دیکھا۔" اس کا شمار بھی نو اورات میں کیا جا سکتا ہے۔" "تو کیا یہ بھی بہت قیمتی تھا؟" یوریکا نے قسم دیا۔ "شاید اتنا زیادہ نہیں مگر گھر بھر تو خوبصورت۔" یہ کہہ کر مسز بیرس نے اس کی طرف دیکھا۔ "سمجھ رہی ہوں۔"

یوریکا نے اثبات میں سر ہلادیا۔ "وہ اتنا خوبصورت تھا کہ نو اورات کے کوئی شوقین اسے دیکھتے ہی سمجھ جاتا کہ بہت قیمتی ہوگا۔ ویسے اصل قیمت کا اندازہ ہمارے گھر میں ہی لگایا جا سکتا ہے لیکن اب یہاں کیا باقی بچا ہے۔" مسز بیرس نے اطراف پر تاسف بھری نگاہ ڈالی۔ "اب دولت وہ سیر اسوٹا کے اس علاقے سے گزر رہی ہیں جہاں بھی بڑی چھل چھل ہوتی تھی۔ شہر کے معروف تجارتی مراکز میں سے یہ بھی ایک تھا مگر اب اس کی حالت بھی دگرگوں ہو چکی تھی۔" ویسے ایک بات ہے۔"

یوریکا نے سوالوں نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "اگر یہ نو اورات نیو یارک ہیے شہر لے جانے جاتے تو تب ہی ان کی اصل قیمت کا پتہ چلتا، شاید وہ میری سوچ سے بھی کم نہیں زیادہ اداں پاتے۔" یہ کہہ کر وہ افسردہ انداز میں کچے سے فیس پڑی۔

یوریکا تو ہمیشہ سے ہی مسز بیرس کو پاگل سمجھتی تھی لیکن طویل عرصے کے بعد آج اس سے مل کر اتنے قریب سے دیکھ کر اسے لگا کہ وہ پاگل پن کی حدوں سے نکل کر میزوں کی سرحد میں بہت آگے نکل جا چکی تھی۔ ایسے میں کہ جب عمر کی تھدی گھٹ رہی ہو، انسان کے پاس جو کچھ ہے اس سے لطف اندوز ہونا چاہیے لیکن ایک وہ تھی۔ جس معاشرے میں بوڑھے والدین کو جوانوں اور ادیس اور اٹک ہوم میں چھوڑ جاتی ہوں، اس کا چٹا خود اس کی راء تک رہا تھا مگر اس نے گھر نہ کھنے کے چکر میں کئی سال گزار دیے اور اب کہہ رہی تھی کہ بیٹے نے بھی رابلے بہت کم کر دیے۔ اس کے دماغ میں ایک پرانی کہادت گھوم رہی تھی۔ 'غیر معمولی حالات میں، ہونی

خفاہ

تک پہنچے سے پہلے لان تھا۔ جس کے درمیان تین فٹ کی راہ داری تھی، جس پر سرخ بھری بچھائی گئی تھی۔ اس کے دونوں جانب سیکسیو کے سدا بہار پھولوں والے پودوں کی قطار تھی، جن میں سرخ مارچنگی، اودے اور زرد رنگ کے بڑے بڑے پھول ہوا کے جھونکوں سے لہرا رہے تھے۔ وہ برآمدے میں پہنچے۔ داخلی دروازے کا پینڈل گلابی رنگت کا تھا۔ یوریکا نے این دنگوں سے اندازہ لگایا کہ جو بھی مسز بیرس کی توالتی اور حوض، دونوں جوان ہیں۔

دن کا وقت تھا۔ لیکن سورج کا رخ بدل جانے کے باعث اندرونی تاریکی تھی۔ وہ زباور ٹھٹھا ابھی نہ تھا۔ کچھ دیر بعد یوریکا کی آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہو چکی تھیں۔ اسی دوران مسز بیرس نے پردے کھینچ کر کمر کھول دی تھیں۔ وہ لیوٹک روم میں تھیں۔ ایک طرف براؤن چڑی کی کاکچڑی تھی۔ اس کی مخالف سمت میں موڑنے تھے۔ موڑنے کے دونوں طرف کمرے کے دو کونوں میں بڑے بڑے لیپ رکھے تھے۔ ان کے سامنے والی دیوار کے ساتھ لیوٹک تھی۔ اس کے انتہائی بغل میں طرز تھا، جس کے برابر مارش کا کاکٹر تھا۔ اس پر ایک بڑے سے پیالے میں سیب، انگور اور کیلے رکھے تھے۔ یوریکا گہری ٹکاہوں سے لیوٹک روم کا جائزہ لے رہی تھی۔ بہت پہلے اس نے کنبوں سے مسز بیرس کے سینے کا ذکر سنا تھا لیکن آج پہلی بار وہ اس کے گھر کو اندر سے دیکھ رہی تھی۔ آرائش میں سادگی اور وقار دونوں نمایاں تھے۔ ہر شے قرینے سے اپنا اپنا جگہ پر تھی۔ وہ دو قدم آگے بڑھی اور فرنیچ کے پاس پہنچی اور سیب کو انگلی سے پھونکا۔ وہ پلاسٹک کے تھے، کھانے کے نہیں صرف دکھانے کے۔ اس نے منہ سے کچھ نہ کہا اور کاکچڑی کی طرف بڑھ گئی۔ وہ کافی پرانی تھی اور اس کا چھوڑا جگہ سے سنسک پڑا تھا۔ "بہت عمر والا اچھا ذوق ہے..." اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

مسز بیرس یہ سن کر مسکرائی۔ "ہیں! خوشی کی ہے۔" اس کا تہہ دہی تھا۔

"چور یہ فیوٹی کیوں چھوڑ گیا۔" یوریکا نے داخلی سے اشارہ کیا۔

"یہ خراب ہے، چلاؤ نکلیں، سمجھو لو ٹیکوریشن میں ہی ہے۔"

"یہ بات پورے کیسے جانتا تھا؟" یوریکا نے پولیس کے خالص انداز میں اپنے شک کا اظہار کیا۔

مسز بیرس نے سنی اس سنی کر دی۔ یہ اس کی پرانی

روٹیل پانچ من سے کم تھیں۔ جن انجس قیمت اشیا کی چوری کو لے کر وہ پریشان تھی، شاید کسی اور کی نظر میں اس کی کوئی وقعت نہ تھی مگر یہ تو اپنے بیٹوں کے ہاتھوں ماری ماری پھر رہی تھی۔ اس نے مسز بیرس کی طرف دیکھا۔ "تو چوری ہونے والے سامان کی فہرست میں دوسرے نمبر پر ہے ایک چھوٹا سیل، اس کے علاوہ۔" یہ کہہ کر یوریکا نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اس کے علاوہ..." اس نے شہادت کی انگلی سے پوچھ دیا۔ "بھلی کا ایک تاج بھی ہے۔"

یوریکا نے اسے فہرست سے دیکھا۔ "تاج..."

"ہاں... لیوٹک روم میں رکھے دو ٹیل لیپ میں سے ایک کا تھا۔"

"تاج کو لیپ سے کھینچ کر نکالا جاسکتا ہے؟"

"یام طور پر ایسا نہیں ہوگا مگر اس لیپ میں یہ خاصیت تھی۔" مسز بیرس نے وضاحت کی۔ "یام طور پر دن میں چار نکال کر دروازے پر رکھ دیتی تھی۔" یہ کہہ کر اس نے

گہری سانس لی۔ "جب سے یہ تاج چوری ہوا ہے رات کو صرف ایک ہی لیپ روشن رہتا ہے۔ اس سے پردے

لیوٹک روم کا تاریکی خراب ہو چکا۔" یہ کہہ کر اس نے بڑا سا منہ بنا دیا۔

"شاید نما مان گئی ہو۔" یوریکا نے وہ شانہ لہجے میں کہا۔

"میں نے سامان کی فہرست دے دی ہے، پھر ہوگا کہ اسے فور سے پڑھ لو۔" اس کے لہجے سے بڑا افسوس تھا۔

"اوه... یوریکا نے ہونٹ بکیرتے۔ "شورے کا شکریہ۔"

اس کے بعد دونوں نئے درمیان کوئی بات چیت نہ ہوئی۔ آخری یہ یہ ٹیکوریشن کا راستہ تھا۔ اب وہ اس بیٹاری تھا

ٹیل پر چڑھ رہی تھیں جس کے کنارے پر بیرس ہاؤس تھا۔ حالیہ طوفان سے علاقے میں بدترین تباہی ہو چکی تھی مگر بکری

پر ہونے کے سبب اس گھر کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا تھا۔ سیراسوٹا میں پراپرٹی کے حالات خراب نہ ہوتے تو داخلی یہ

گھر انجس قیمت ٹھہرتا۔ چڑھائی چڑھتے ہوئے وہ مل کھاتے ماسے پر آگے بڑھ رہی تھیں۔ یہ گھر اس خراپے پر واضح

تھا کہ جہاں سے تین سو ساٹھ ڈگری کے زاویے پر تقریباً پورا شہر، سمندر اور ساحل صاف نظر آتا تھا۔

بیرس ہاؤس کے اطراف کوئی باڑ نہ تھی۔ برآمدے

عادت تھی اجواب نہ دینا ہوتا یہ ظاہر کرتی جیسے کچھ سنا ہی نہیں۔

یوریکا نے سامنے نظر ڈالی۔ فرق کے ساتھ بے کاؤ سر کے اوپر واسلے ریک میں قیمتی مشروبات کی کئی بوتلیں رکھی تھیں۔ "چور نے ان میں سے کوئی بوتل بھی نہیں اٹھائی۔" اس نے ریک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوالیہ لہجے میں کہا۔

مسز ہیرس ہنس پڑی۔ "صرف یہ بوتلیں اصلی ہیں اور نہ ان کے اندر صرف رشکین پائی بھرا ہے اُحد کچھ نہیں۔" "کیا تم مجھے بے وفوف بنا سکتی ہو؟" یہ سنتے ہی اس کے دماغ کا لیونڈر اڑ گیا تھا۔ وہ دیکھ چکی تھی کہ بوتلوں کے کارک کھولے نہیں گئے تھے۔

"مجھے ایسا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" مسز ہیرس نے بھی ثروت ترشی سے جواب دیا۔

"اوکے..." یوریکا نے گہری سانس لے کر خود پر قابو پانے کی کوشش کی اور چاندوں طرف دیکھا۔ کمرے میں زیادہ فرنیچر نہیں تھا اور جو تھا وہ بھی کافی بڑے ساڑ کا۔ "کیا تم مجھے گھر کو ایک نظر دیکھنے کی اجازت دو گی۔" اس نے سوالیہ نگاہوں سے مسز ہیرس کو گھورا۔

یہ سن کر مسز ہیرس نے خشکیوں لگا ہوں سے اسے دیکھا۔ "مگر ایسا کس لیے کیا ضرورت ہے اس کی؟"

اس کا سوالیہ نظر انداز کر کے یوریکا اپنی جگہ سے اٹھی۔ برابر میں بیڈ روم تھا۔ باتھ روم میں صابن اور نوچھ برش نہ تھا۔ طوفان کے باعث اس گرم علاقے میں چھبروں کی بہتات ہو چکی تھی مگر بیڈ روم میں مسز ہیرس بھر دانی نہ تھی۔ یہ اس کے لیے حیرانی کی بات تھی۔ مسز ہیرس اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ اس نے گردن تھما کر اسے دیکھا۔ "مجھے حیرت ہے کہ بنا چھبر دانی کے کیسے سو جاتی ہو؟"

"ہم یہاں نہیں سوتے۔"

"مطلب... تو پھر کہاں سوتی ہو؟"

"برابر واسلے گھر میں۔" مسز ہیرس نے جواب دیا۔

"ہم سائے یہاں سے جا چکے اور گھر کی دیکھ بھال ہمارے ہیرا کر گئے تھے۔"

"تو تم... دونوں وہیں سوتے ہو؟"

مسز ہیرس نے نفی میں سر ہا دیا۔

"تو تم دونوں کھٹے یہاں پر رہتے نہیں ہو؟"

"یقیناً نہیں۔"

اب تک یوریکا نے ساری کہانی جاننا یا مسز ہیرس کی

زیادتی سنی تھی۔ اب وہ اس کے شوہر سے مل کر یہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر وہ اس سارے معاملے میں کس حد تک باخبر ہے۔

چند لمحوں تک وہ ادھر ادھر دیکھتی رہی اور پھر اس کی طرف مڑی۔ "میں مسز ہیرس سے ملنا چاہتی ہوں۔"

یہ سنتے ہی اس کے چہرے پر ایک دنگ آ کر چلا گیا۔ چند لمحوں توقف کیا اور بولی۔ "لیکن کیوں؟"

"ضروری ہے۔"

"لیکن وہ یہاں نہیں رہتے۔"

"جہاں رہتے ہیں ان میں دھماکا جاتی ہوں۔"

"میں..." مسز ہیرس نے اس کا لفظ دہرایا۔ "میں

سے کیا مراد ہے؟"

"میں ان سے ایگنی جاگڑاؤں کی اور تم..." یہ کہہ

کر اس نے مسز ہیرس کو گھورا۔ "میرے پیچھے ہرگز نہیں آنا۔"

"میں مطلب... وہ چوکی۔" میں ضرور چلوں گی۔"

"ہرگز نہیں..." یہ کہہ کر وہ دروازے کی طرف

بڑھی۔

"تم نہ جاتی ہو کہ وہ..."

"جانتی ہوں..." یوریکا نے قہقہے لگای کرتے ہوئے

کہا۔ "اس وقت وہ وہاں نہیں گئے جہاں وہ بیڈوں کے پار

سے نکلے وہ وہاں اپنا زیادہ تر وقت گزارتے ہیں۔"

باہر نکلتے ہی یوریکا نے سورج کی طرف دیکھا۔ پیش ہنگی

بڑھ رہی تھی۔ بادلوں کی تہزیاں بھی آسمان پر تیرتی نظر آ رہی

تھیں۔ اسی چورے نے علاقے میں خاصی ٹیک ڈائی کمالی

تھی۔ جب یہاں سے لوگوں نے نقل مکانی شروع تو کئی

ہمسائے اپنے گھر کی دیکھ بھال ان کے سپرد کر گئے تھے۔

اسی لیے مسز ہیرس اب یہاں سے علیحدہ قریب کے ایک گھر

میں اکٹھے رہ رہے تھے۔ مسز ہیرس کا پارا اس گھر سے لگ

بھگ پانچ انت کے فاصلے پر تھا۔ گھر سے نکلے ہوئے یوریکا

نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ اس کے پاس ابھی کافی وقت تھا۔

راہداری سے نکلے ہوئے وہ لمحہ بھر کوڑی اور ان کے

دونوں حصوں پر نظر ڈالی۔ پھول دار پودوں کی قطار سے

پیچھے ایک جگہ اسے کہیں آدھری آدھری محسوس ہوئی۔ اس

پر ہنسنے لگی تھی۔ واضح طور پر تو اسے یقین نہ تھا مگر وہ

دشمنوں کے بھی ہو سکتے تھے۔ اس کا دماغ پوری تیزی

سے چل رہا تھا۔ وہ بہت کچھ سوچ چکی تھی۔ اگلے ہی لمحے اس

نے سر کو جھکا اور آگے بڑھ گئی۔

چلتے چلتے اس نے جیب سے وہ پرچہ نکالا جس پر مسز

بیرس نے تھیلیات درج کی تھیں۔ جگ، کھل، دو
مرد سفید چادر، لپٹ بکا تار... راستے میں سب چیزیں فیرا ہم
گئیں۔ وہ سوچ رہی تھی اگر کسی کو اس طرح کے سامان کی
ضرورت تھی تو یہ چیزیں یہاں کے بہت سارے خالی
گھروں میں سے، کسی ایک میں بھی لے سکتی تھیں۔ اس کے
لیے چوری کرنے کی ضرورت تو نہ تھی۔ اگرچہ اس نے مسز
بیرس کا یہ خیال تو رد کر دیا تھا کہ گمشدہ اشیاء کسی شخص تاہم وہ
سوچ رہی تھی کہ کیا کسی خاص مقصد کے لیے یہ تمام سامان
چوری کیا گیا تھا۔

تار... گا گھونکا جاسکتا تھا، کھل اور چادر... لاش
لپیٹ کر دفنانے کے لیے گر جگ... خون کے دھبے دھونے
کے لیے اس کا استعمال ممکن ہے لیکن اگر کسی کا گا گھونکا جائے
تو پھر خون کیسے نکلے گا۔ جو حالات تھے، ان میں کسی چور کو یہ
چیزیں چرانے کی ضرورت نہ تھی البتہ کوئی گھر کا فرد یہ کام
ضرور کر سکتا تھا لیکن گھر کا آدمی اپنے گھر میں کیوں چوری کرے گا
اور وہ بھی جب، جب پورے گھر میں صرف دو افراد ہی ہوں
اور ان میں سے بھی ایک الگ رہ رہا ہو۔ اسے یقین تھا کہ
جب تک مسز بیرس سے بدلے تب تک یہ تھی سلیجھتی
نہیں۔ انہی سوچوں میں ابھی وہ مسز بیرس کے گھر کی طرف
بڑھتی جا رہی تھی۔

مسز جان کی بیرس نے جو گھر اپنے رہنے کے لیے
منتخب کیا، وہ بھی کم خوبصورت نہ تھا۔ سفید رنگ کی سوہ
عمارت خاص پرالی تھی لیکن بہت اچھی حالت میں تھی۔
گھر کے سامنے لائن کوٹھڑ کر کے گاڑی کھڑی کرنے کا
اتہام کیا گیا تھا۔ صوبے میں بھی ایک دروازہ تھا۔ وہ گھر
کے سامنے والے حصے سے اندر داخل ہوئی۔ داخلی
دروازہ پت پٹ کھلا تھا۔ اس نے جو گھر پہنچے رکھے تھے۔
پتا آہٹ اندر داخل ہوئی۔ سامنے ایک کاؤنٹر تھا، جس
کے پیچھے دو تین کرسیاں رکھی تھیں۔ ان میں سے ایک پر
مسز بیرس بیٹھی تھے اور دیوار کی طرف اور پشت داخلی
دروازے کی سمت تھی۔

وہ لمحہ بھر کھڑی رہی اور پھر کھٹکھٹا کر کہا۔ "سوری مسز
بیرس..."

"کیسے..." یوریکا کی آواز سن کر وہ آہستگی سے
مڑا۔ اسے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کو حیران رہ گئی۔ اس نے
برسولر بعد مسز بیرس کو دیکھا تھا۔ لیوٹر اپرہہ پر گوشت تھا۔
بھوئی مٹھی اور سوڈش زودہ ہونے لگ کر آنکھوں کو تقریباً
ڈھانپ چکے تھے۔ موٹاپے کے باعث گردن تو لگ

کھارہ

بجگ غائب ہی ہو چکی تھی۔ ایک کان سے سنائی دینا بند
ہو چکا تھا، اسی لیے صوتی آلہ لگا تھا۔ اس وقت وہ سفید
اپرہن پہنے ہوئے تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ کسی کام میں
مصروف ہے۔

"فرمائیں، آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔" اسے خاموش
پاکر بیرس نے دوبارہ پوچھا۔ "خاصا مصروف ہوں اس
وقت، میرے پاس وقت کم ہے۔" اس نے کلائی پر بندھی
گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"وہ بات یہ ہے کہ..." یوریکا نے لمحہ بھر توقف کیا۔
"میں ابھی ابھی تھماری بیوی سے مل کر آ رہی ہوں، انہی سے
یہاں کا پتلا..." اس نے مل سے جواب دیا۔ وہ فوراً مقصد
پر آنا نہیں چاہتی تھی۔ ویسے بھی اس وقت اسے گھر کے اندر
سے عجیب کی لڑائی محسوس ہو رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے
دھم صاف کرنے کا پھر پور اسپرٹ وغیرہ کا بڑی مقدار میں
استعمال کیا گیا ہو۔ وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی کہ
آخر یہ کیوں وجہ سے پھیل گیا یہ اوریات کیوں استعمال کی گئی
تھی۔

"تو پھر..." بیرس کا بچہ سوالیہ تھا۔

"میں سرانٹ دھاسا ہوں اور تمہاری بیوی نے گھر سے
کچھ سامان چوری ہونے کی رپورٹ درج کرائی تھی۔"
یوریکا نے غصہ سے لہجے میں جواب دیا۔

یہ سن کر اس نے چہرہ اوپر کیا اور فحش بھر یوریکا کو ٹکا
اور پھر چلانے لگا۔ "یہاں ہم تباہ حال ہیں اور لوگوں کو کسی
کی کوئی پروا نہیں۔ جو ان کے سن میں آئے کرتے پھر رہے
ہیں۔" وہ شدید غصے میں تھا۔

"تمہیں، ٹھیک تو ہو مسز بیرس۔" یوریکا نے تشویش
بھرے لہجے میں دریافت کیا۔ معمولی سی بات پر اس کا اتنا
شدید رد عمل دیکھ کر وہ سخت پریشان ہو چکی تھی۔

"ہاں..." اس نے گہری سانس لی اور منہ دوسری
طرف کیا۔ "میں حیک ہوں، انہیں پریشان ہونے کی کوئی
ضرورت نہیں۔"

"تو کے..." یوریکا نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "تم
اپنے گھر گئے تھے آج؟"

"ہاں..."

"اپنی بیوی سے ملے تھے۔"

"ٹھیک..." اس نے آبی میں سر ہلاتے ہوئے جواب

دیا۔ "اس وقت وہ گھر پر نہیں تھی، شاید کھانا پھر گئی ہوگی
ہو..."

یوریکا نے لمحہ بھر سوچا۔ "کیا وقت ہوا ہو گا تب۔"

"کیا کوئی آٹھ ساڑھے آٹھ۔"

"کیا یہاں بھی کوئی پار رکھوں لیا ہے؟" یہ کہہ کر یوریکا نے جانتا بوجھ کر اس طرح نکتے پھلانے جیسے کوئی مہک محسوس کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"نہیں۔۔۔ اس نے تیزی سے جواب دیا۔

یوریکا مسکرائی اور اس کی طرف غور سے دیکھا۔ مسز بیرس نے اس وقت جس طرح کا سفید اپرٹنٹا گاڈن پہن رکھا تھا، ایسا عموماً میت پار کرنے والے مردوں کو پہلاتے دھڑکتے وقت پہنا کرتے ہیں۔ "وہیے پوچھ سکتی ہوں کہ اتنی صبح گھر سے کیوں اٹھے تھے؟" چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے ایک اور سوال کیا۔

"اس لیے کہ صبح جلدی الٹ ہوں۔ اور سارے کام جلدی منانے کی عادت ہے مجھے۔" اس مرتبہ مسز بیرس کا لہجہ کسی حد تک پرسکون تھا۔

"مجھے بھی جلدی اٹھنے کی عادت ہے۔" یوریکا نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ "وہیے آج صبح جب تم اپنے گھر گئے تو کیا وہاں کچھ خاص۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے لمحہ بھر توقف کیا۔ "میرا مطلب ہے کہ اپنے گھر کے اندر کوئی غیر معمولی تبدیلی یا کوئی اور بات محسوس کی تھی۔"

"نہیں، ہرگز نہیں۔" بیرس نے اس کے چہرے پر توجہ مرکوز کرنے کی کوشش کی۔ "مجھے تو کوئی خاص تبدیلی یا غیر معمولی بات نظر نہیں آئی تھی۔"

"تم آج اپنے گھر گئے تھے میرا مطلب ہے کہ جہاں تمہاری بیوی رہتی ہے۔" یوریکا نے پوچھا۔

"نہیں گھر تو نہیں گیا تھا۔" لمحہ بھر سوچنے کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ "اصل میں ہارنگ ڈاک کے لیے نکلا تو وہاں سے بس گزرا تھا۔ سوچا چلو گئی کو بھی دیکھتا چلوں لیکن۔۔۔"

"گھر پر نہیں تھیں۔" یوریکا نے مسکرا کر قطع کھائی کی اور بات کھٹ کر دی۔

یہ سن کر بیرس نے بھی ااں میں سر ہلایا۔

"وہیے تشویش نہیں ہو رہی کہ تمہارے گھر سے کیا کچھ چوری کیا جا چکا ہے۔" یوریکا کا لہجہ سوالیہ تھا۔

"کیوں نہیں، کیوں نہیں۔" اس نے جلدی سے جواب دیا۔ "یہ تو میری بیوی کے لیے بڑی پریشانی کی بات ہوگی۔"

یوریکا خاموش رہی۔ وہ تیزی سے پورے معاملے پر

غور کر رہی تھی۔

"کیا کچھ چوری ہوا ہے۔" چند لمحوں تک اس کے جواب کا فخر رہنے کے بعد آخر بیرس نے خود خاموشی توڑ دی۔

"ایک جگہ، ایک چھوٹا کپڑا اور ایک بکلی کا سونہ سفید چادر میں۔۔۔" اس نے وہ کچھ بتایا جو اس کی بیوی نے فہرست میں لکھا تھا۔

یہ سنتے ہی بیرس کی پیشانی پر ٹل پڑ گئے۔ "لیکن مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ہمارے گھر میں اس طرح کا کوئی سامان بھی ہوگا۔ جب تھا ہی نہیں تو پھر چوری۔۔۔" اس نے بات اور چوری چھوڑ دی۔

"کوئی جگہ نہیں، کوئی جگہ نہیں۔۔۔" اس کی بات سننے ہی یوریکا نے چونک کر پوچھا۔

"تھوڑے عرصہ پہلے۔۔۔" بیرس نے ٹھہرے لہجے میں بات شروع کی۔ "میرے خیال میں تم پورے معاملے سے انہی طرح آگاہ نہیں ہو۔ میری بیوی اعصاب شکن عورت ہے۔ اس کا لہجہ اس بات کی تلازی کر رہا تھا جیسے وہ حقیقت بیان کرنے کے لیے قہریدہ باندھ رہا ہو۔ لمحہ بھر توقف کے بعد بیرس نے بھر بات شروع کی۔ "میرا بیوی کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔ اسے اپنی زندگی اور اس کے معمولات میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی قبول نہیں۔ وہ اپنی اس عادت پر کسی بھی قسم کی مفاہمت کرنے کو تیار نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی عادت بہت بہت ہو چکی۔ اب وہ اپنی قی بنی زندگی میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کو برداشت ہی نہیں کر سکتی۔"

یوریکا اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔ اسے بیرس کی بات پر یقین ہو رہا تھا۔

"بظاہر وہ جنونی تھی ہے لیکن سچ بات یہ ہے کہ اسے اپنی ہی دنیا سے غرض ہے۔ وہ پاگل نہیں مگر گت ہے۔" یہ کہہ کر بیرس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

اچانک یوریکا نے دل ہی دل میں تسلیم کیا کہ جہاں کسی کو بوڑھانے کے لیے بھی کپڑا چوری کیا جاسکتا ہے۔

"میں یہ گھروں کو نکلتی ہوں؟"

"کیوں۔۔۔" بیرس نے گہری سانس لی اور سوالیہ لہجوں سے اسے گھورا۔

"مجھے تم پر شک ہے۔ تم نے کل رات یہ چیزیں خود اپنے گھر سے چرائی تھیں۔" یوریکا نے سرو ملجے میں کہا۔ "وہ سامان نہیں ہونا چاہیے۔" یہ کہہ کر اس نے بیرس کو گھورا۔

صغاره

نے محسوس کیا کہ میز پر بھی سفید چادر پر لیٹے شخص کا جسم ساکت حالت میں ہے۔ حتیٰ کہ سانس لینے سے پیدا ہونے والی جنبش تک نہیں۔ "اس کی حالت کیسی ہے؟" اس نے صاف صاف بات کرنے سے گریز کیا تاکہ اگر اس کا خیال غلط نکلے تو مسز بیرس کو کوئی آلیف نہ پہنچے۔ ایسے بھی اس وقت وہ شدید جذباتی کیفیت میں تھا۔

"اب تو بالکل ٹھیک ہے۔" بیرس نے افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

یوریکا نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ "کیا یہاں کوئی ڈاکٹر نہیں بچا جو تم نے اسے اس حالت میں یہاں پر ڈال رکھا ہے؟"

"نہیں بچا کوئی ڈاکٹر..." بیرس نے چٹکتے ہوئے جواب دیا۔ "اس وقت اسپتالوں کی جو حالت ہے، اسے دیکھتے ہوئے یہ جواب دینا وہ بہتر حالت میں ہے۔..." اس کی آواز بھراؤنی تھی۔ "اسپتال میں وہ کیا کیا ہے، وہاں لے جاتا تو وہ بھی اسے مرنے کے لیے ایک طرف ڈال دیتے۔"

یوریکا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آگے بڑھی اور چہرے کی جانب سے شل اُٹت دیا۔ "اوہ میرے خدا، وہ..." اس نے حیرت سے کہا۔ "یہ تو مر چکا ہے۔" حیراڈ بیرس اس کا ہم عمر رہا ہوگا یا تھوڑا بڑا، اس کے بڑے بڑے سنہرے بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے۔ چہرے کی رنگت پہلی بڑھ چکی تھی۔ "تم نے اس کا بچہ خود کاٹا تھا۔"

"ذیابیطس کی شدت ہو تو انلیکشن ذرہ حصر ہے جان ہو جاتا ہے۔" بیرس نے آئینگی سے کہا۔

"کیا مطلب..." وہ چوگی۔ "تمہاری بیوی جس عمار کے چوڑی ہوئے کا کہہ رہی ہے تو کیا تم نے اس سے یہ بچہ کاٹا ہے؟"

"یہ سب کچھ ہو چکا۔" بیرس نے سر جھکا کر کہا۔ "لیکن ایک بات سچ ہے، میں بالکل نہیں جانتا کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا۔ اس کے پاؤں کا زخم بہت خراب ہو چکا تھا۔"

"اور تمہارے خیال میں اس کی زندگی بچانے کے لیے بچہ کاٹنا ضروری تھا۔" یوریکا نے قطع کلامی کی۔

بیرس نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ "شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

"مطلب کہ تم نے اپنے گھر سے لیپ کاٹا دیا اور اس کے ذریعے بچہ کاٹ کر جسم سے علیحدہ کر دیا اور آج صبح اسے ایک درخت کی جڑ تلے چھپک آئے تھے۔" یوریکا نے

"تمہارے سوا بھی اسی گھر میں کوئی اور شخص ہے اور جو چادریں اور کپڑے تم اپنے گھر سے لائے، وہ اصل وہ اسی شخص کے لیے لائے ہو۔ میں اس شخص کو دیکھنا چاہتی ہوں۔"

یوریکا نے کبھی کبھار جواب دیا۔

بیرس کچھ دیر تک سر جھکا کر سوچتا رہا۔ آخر ایک لمبی سانس بھر کر ہاتھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اٹھا۔ آہستہ آہستہ چل کر سامنے کے دروازے کی طرف بڑھا۔ مڑ کر یوریکا کو دیکھا۔ وہ عین دروازے کے سامنے، اس سے دو فٹ کی دوری پر کھڑی تھی۔ اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا۔ کمرے کے وسط میں ڈائنگ میز پر بھی سفید چادر پر کوئی شخص چھت لیٹا تھا۔ اس کے چہرے سے چند لمحوں تک کسل پڑا تھا۔ یوریکا نے گہری نگاہوں سے کسل کا ہاتھ دلیا۔ یہ ایسا ہی تھا، جیسا مسز بیرس نے بیان کیا تھا۔ وہ حیرت زدہ تھی۔ اس شخص کے ایک پاؤں پر پٹی بندھی تھی۔ صاف نگ رہا تھا کہ وہاں بچہ نہیں تھا۔ "یہ کون ہے؟" اس نے چٹا کر پوچھا۔

"حیراڈ بیرس..." چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بیرس نے جواب دیا۔ "میرا اکلوتا بیٹا۔"

"کیا..." حیرت کے مارے یوریکا کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ "یہ کب یہاں پہنچا۔ یہ تو انوکھا میں دیکھتا تھا۔" "کل صبح ہی آیا تھا۔" بیرس نے جواب دیا۔ "لیکن اس کا نام..."

"کانا نہیں تو کیا کرتا۔" بیرس نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "کل مارنگ ڈاگ پر تھا کہ یہ مل گیا۔" دانتے میں وہ شدید لو کاٹا ہو چکا تھا۔ پچھلے تین برسوں سے اسے ذیابیطس تھی۔ سندھوی مٹر کے دوران ہی اسے لو لگی۔ وہ سخت بیمار تھا۔ انگوٹھے میں لگا زخم خراب ہو چکا تھا۔ کانٹا ضروری تھا۔

"بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔" یوریکا نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"اس کے جسم کا پانی بہت کم ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے انلیکشن زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔" بیرس بدستور افسردہ تھا۔ "اس کی حالت بہت بری تھی لیکن پھر بھی اس میں اتنی بہت ضرور تھی کہ اسے گھر تک پہنچ سکے۔ مجھے مانتے میں مل گیا ورنہ تو اپنی ماں تک پہنچ جاتا اور جو حالات ہیں، اسے دیکھ کر اس کی حالت اور طراب ہو جاتی۔"

یوریکا نے اشارات میں سر ہلایا۔ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔ کچھ دیر کمرے میں خاموشی طاری رہی۔ اس

"یوریکا اسے کندھے سے لگا کر تسلی دیتی رہی۔ کافی دیر بعد جب اس کے حواس ٹھکانے آئے تو یوریکا نے پوچھا۔ "کیا وہ سب کچھ جانتی تھی؟"

ہیرس نے سوزا لپٹ لگا کر اس سے اسے دیکھا۔ "میرا مطلب کہ اس کا بیٹا ابھی تو چکا ہے۔" ہیرس نے نفی میں سر ہلا کر کہنا شروع کیا۔ "وہ اس کی آمد سے بے خبر تھی۔ اگر اسے پتا چلا کہ جیرالڈ یہاں آیا ہے تو شاید وہ اس لیے بیٹے سے ملنے کی روادار نہ ہوئی کہ کہیں وہ انہیں لینے تو نہیں آ گیا۔ اسے اپنا گھر پیارا ہے۔ وہ اسے فروخت کیے بیٹا یہاں سے جانے پر تیار نہ تھی۔"

اس دوران ان کے عتاب سے جھلک کی انگلی سے آواز سنائی دی۔ دونوں نے جیسے سڑکوں پر گھبراہٹ سے دو دوڑنے کے پتوں پر تیز ہیز میں گھرنی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ریوالتور تھا اور بال اس کی ٹانگیں سے لگی تھیں۔

"جیسا۔۔۔" یوریکا نے حمزہ سے ہیرس کو ایک طرف دھکیلا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اسے روک پالی، ایک کلاہ ہوا۔ کولی اس کی ٹانگیں میں دھنسن چکی تھی۔ وہ کئے مشہور کی طرح فرش پر گر کر پلٹ گئی۔ ہیرس اور یوریکا دونوں اپنی اپنی جگہ سناکت کھڑے رہے۔ گھر سے میں مکمل خاموشی تھی۔ یوریکا پولیس افسر تھی۔ جانتی تھی کہ کتنی میں تکی کوئی کے بعد زندگی بچانے کی ہر کوشش ہے نہ ہوئی ہے۔

ہیرس بھی دم بخود تھا۔ چند لمحوں بعد وہ آگے بڑھا اور کھنکھوں کے بل لاش کے سر ہانے بیٹھ گیا۔ جینی کی جینس سے بیٹے والا خون فرش پر پھیلتا جا رہا تھا۔ "بیٹے کی موت کا کتنا درد تمہاری موت سے جیسے ہو سکتا۔" بے سمجھے ہوئے ہیرس نے ہاتھ آگے بڑھا یا اور جینی کی بے جان مکمل آنکھوں کو بند کر دیا۔

یوریکا کا دماغ اذاف ہو چکا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ جینی کی خودکشی کا اصل سبب کیا ہے؟ کیا وارنٹ، لالچی، دھتا یا حسد تھا۔۔۔

کمرے میں مکمل خاموشی طاری تھی۔ جینی کی کتلی سے بیٹے والا خون فرش پر بہنے لگا تھا۔ اہرٹ اور گھر کے ساتھ ساتھ اب کمرے میں لہو کی لوبھی شاں ہو چکی تھی۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھی اور ہر فلک کر دار پولیس پر پولیس اسٹیشن کو خودکشی کے اس واقعے کی رپورٹ دینے لگی جس کی معنی گواہ و خودکشی۔

کہنا۔ ہیرس نے افسردگی سے اسے دیکھا مگر کچھ کہنے کے بجائے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "لیکن یہ طریقہ ٹھیک نہیں، تم نے ٹھیک نہیں کیا۔" اور ایک بار پھر چلائی۔

"اس کا پاؤں بے جان ہو چکا تھا۔" ہیرس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ اپنے اعصاب کھو بیٹھا تھا۔ شاید میں اس کے لیے جو ہتر کر سکتا تھا وہ یہی تھا۔" لیکن وہ جگ۔۔۔

"اسے بہت پیاسی لگی تھی مگر یہاں پینے کے لیے لحاظ پانی نہیں تھا۔ میں گھر سے جگ میں لٹٹا پانی لے کر یہاں پہنچا تو۔۔۔" ہیرس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ اس کے گال پر آنسو اُڑ رہے تھے۔

یوریکا خاموش تھی۔ وہ جانتی تھی کہ طرفان کے بعد اس پر سے خلاتے میں ہر طرف سمندر کا پانی پھیلا ہوا تھا لیکن پینے کے لیے ایک ایک بوتل پانی بھی نایاب تھا۔ وہ جانتی تھی کہ زاپا بیٹس کے مریض کو لٹٹے سے پانی کی کس قدر طلب ہوتی ہے۔ وہ بھی ایسی صورت میں کہ جب اسے تو بھی لگ چکی ہو۔ وہ پتھر ویر خاموشی سے لگی ہیرس اور بھی اس کے بیٹے کی لاش کو دیکھتی رہی۔ "تو یہ بے چارہ بھلا کئی مر گیا۔"

"نہیں۔۔۔" ہیرس نے بڑے بہار سے لاش کے ماتھے پر ہتھکڑے بالوں کی لٹ کو سواڑتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ "جب میں پانی لے کر لپٹا تب یہ کتنی شرمناک جھپکا تھا۔" تو اس کی موت تمہارے ہاتھ سے ہوئی۔" یوریکا نے پوچھا۔

ہیرس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "میں نے اس کی دلجوئی کرنے کی بہت کوشش کی۔ اس کی جان بچانے کے لیے جو کچھ کر سکتا تھا وہ سب کیا لیکن۔۔۔" ایک بار پھر اس کی آواز بھرا گئی۔

یوریکا دو قدم آگے بڑھی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "جو کچھ ہو، اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔"

"مگر جینی کا تو ہے۔" وہ پتویا۔ "آخر وہ ہٹ دھرمی پر قائم نہ رہتی تو ہم گھر بچ۔۔۔ کرکب کا اپنے بیٹے کے پاس جا چکے ہوتے۔ وہ یہاں تہ فین کے انتظار میں لیٹے رہنے کے بجائے شاید آج زندہ ہوتے۔" ہیرس زار و قطار رو رہا تھا۔

موسم گرما کی ادھر پہنچی۔ ہاول کا کوئی لکڑا سورج کے
اوپر قریب نہیں تھا۔

اسا نچ پھٹ کے دروازے سے نمودار ہوا۔ اس کی
چال متوازن تھی۔ ہاتھ میں چڑی گن کیس تھا۔
اس نے کیس کھولا۔

ہتھیار کے کلاؤں کو ایک دوسرے سے منسلک کیا۔
گن لوڈ کی۔

گن سائٹ میں نیچے سڑک کا جائزہ لیا۔

اعلیٰ درجہ کی با اصول

وہ لوگوں کی جانوں سے کھیلنے کا پتہ چانتا تھا۔۔۔ اور خود کو لڑیں
کھیل کا بہت بڑا کھلاڑی گردانتا تھا۔۔۔ اپنے ہواشے کتے اس خود
ساختہ کھیل کے سخت اصول بنائے گئے تھے اور وہ سختی سے ان
اصولوں پر کاربند رہتا تھا۔۔۔ مگر ایک روز وہ پہلی اور آخری بار
ایک اصول توڑ بیٹھا۔۔۔

دو با اصول شاطر کھلاڑیوں کے گراؤ کا دلچسپ ماجرا



تو میں اپنے جیسے کیسے اور انتظار کرنے لگا۔
کوئی جلدی نہیں تھی۔

جلت کو ذرا روشنائی بھی نہ تھا۔

وہ مشہور تھا لیکن کوئی اس کے نام سے واقف نہ تھا۔
اور جنوں اخبارات اور رسالے میں اس کی تصاویر چھپتی
تھیں۔ حتیٰ کہ ہٹ کے کوڈ شیٹ پر بھی اس نے جگہ بنائی تھی
لیکن کسی نے بھی اس کا پیر نہیں دیکھا تھا۔

یہ تصاویر پریس اور سٹیشن نے متحدہ کواہوں کے
ذہان کی روشنی میں اچھا کی تھیں۔ بیانات بھی مضبوط تھے۔
میں نے اسے ایک چھت سے دوسرا ہیوت پرکراتے
دیکھا تھا۔ کسی نے ہارٹ ٹھک کے بعد کار میں بیاتے
ہوئے اس کی جھک دیکھی تھی۔ چند گھنٹوں نے جو طریقہ بیان
نیا تھا وہ ایک دوسرے سے مختلف تھا۔

ایک گوند نے بتایا کہ وہ اوسط قامت کا بھاری بھر کم
شعر ہے۔ جس کا سیاہ داڑھی ہے اور کیپ نکاتا ہے۔
دوسرے نے بتایا کہ وہ ایک بہت سہاڑی ہے اور بڑا پتلا۔
تیسرے نے بتایا کہ وہ ایک مٹھا اور چھٹا ٹاک (ٹاکسٹ) شخص
ہے۔

تاکان ہاتھ اور نکلتا تھا WHO IS HE?

وہ پورٹرز اس کو مختلف نام دے چکے تھے۔ جیٹ
لیٹیم اسنا پھر، "وئی قوی لی گھوسٹ"، "وئی سلطنت
سلٹر"، "خود است جو نام پند آیا تھا وہ تھا۔ دنی مان شراف
و مسپر جگ ڈتھ۔ اسے اکثر مختصر کر دیا جاتا تھا اور صرف
"ووتھ مانٹر" پڑھا جاتا تھا۔ لیکن اسے پورا نام پند تھا جو
انفرد، موزوں اور شہرہ تھا۔

وہ اپنے کام کا ماسٹر تھا۔ اس نے کبھی ڈرگٹ مس
نہیں کی تھی۔ اس کا فٹنگ بھی دکھا نہیں گیا تھا۔ وہ نمندے
امان کا آدمی تھا۔ اعصاب اس کے کنٹرول میں رہتے
تھے۔ اس کے کام میں صفائی، بھرتی اور مہارت تھی۔ موت
واقعی اس کی راکٹ سے سرگوشیاں کرتی تھیں...

وہ ہمیشہ اپنے مارگٹ کونٹا نہ بناتا تھا۔ لوگوں کو نہیں۔
یہ اور بات ہے کہ مارگٹ بھی کوئی نہ کوئی انسان ہی ہوتا تھا۔
وہ خود کو ایک کامیاب ترین شاپ شوئر سمجھتا تھا۔
اسپین کا مظاہرہ کرنے کے لیے اس کے پاس ہارٹس کی
تکی نہیں تھی۔ بلین، متحرک ہارٹس اس کی تسکین کے
لیے موجود تھے۔ وہ دن اور رات، شہر بہ شہر، ریاست بہ
ریاست وہ ایک نہ ختم ہونے والی رسد اس کے لیے موجود

تھی۔ لیکن وہ محتاط رہتا تھا۔ اس نے بھی ایک شہر میں وہ
آئی نہیں کیے۔ وہ پنجاب بہ بنار بناتا تھا۔ ایک موقع کے علاوہ
اس نے بھی کار استعمال نہیں کی۔ ایک شکار کے بعد دوسرا
بھاگ کرتے، انت مختلف لباس نہ پہنتی کرتا تھا۔ جوتوں کے
معالے میں بھی اس کا جی رو بہ تھا۔ سب سے اہم بات کہ
اسے بھی دیکھا نہیں گیا۔

اس کے نزدیک یہ ایک ہجوئس کی طرح تھا۔
ایک بھیل... ایک ٹرن... اور ماہر کار ٹھہری۔
لیکن آئی نہیں۔ وہ اسے مرزا نہیں سمجھتا تھا۔

اس کا نام بھی یہ ہے۔ سکوت تھا۔ عمر 31 برس۔ قدر چھٹا
فٹ مہیا رہا تھا۔ منہ سب کھینچا ہوا تھا۔ سیاہ بالوں میں کھنکھ
کھنک بھری زنجیر کا ڈنکا لگا ہوا تھا۔ چہرہ پشیمانی تھا۔
وہ ہم اس میں ایک کوئی جانیں بات نہیں کی کہ وہ کیسے اسے
کا چہرہ بدست تک یاد دہانے۔

وہ پانچویں سے دسویں میں دوسرے شہر کرچ تھا۔ اس کے
تک ایک آپ کے سامان میں ۱۰۰ روپے، ۱۰۰ روپے، ۱۰۰ روپے...
تک ایک قسم کا نوچا ہوا۔ جن میں باریک ربر کی، سلی نوچوں
بھی تھیں جن کو کھینچ کر وہ گنا نظر آتا تھا۔ مختلف قسم کے چٹے،
کینٹھڑ، اسپرنگ... بوشز، کھوڑی، ٹھوڑی، جڑے اور
ٹاک کی ساخت بد لئے کے لیے بھی اس کے پاس کافی چیز
موجود تھیں۔

ہر نئے گیسٹ اپ کو وہ خوب انجوائے کرتا تھا۔ آواز
اور چال بد لئے میں اسے ملکہ حاصل تھا۔ وہ ایک آرٹسٹ
تھا۔ جس کا گنا ہے عیب تھا۔
اس کا کوئی پولیس ریکارڈ نہیں تھا۔ نہ کبھی گرفتار ہوا۔
نہ کبھی مقدمہ چلا۔ ظاہر ہے نہ اس کی کوئی فائی تھی۔

ادارت میں اسے اچھی خاصی دولت ملی تھی۔ اس
میں افسانے کی اس نے بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ وہ
اپنے "لین" کو بڑا بٹھنے میں مگن تھا۔ وہ ہر قسم کے ہتھیاروں
کے استعمال سے واقف تھا۔ کار پچا اس کے بائیں ہاتھ
کا کام تھا۔ بوقت ضرورت وہ دست بدست فائنٹ میں کوئی
وقت محسوس نہیں کرتا تھا۔ پولیس کے طریقہ کار کا اس نے
تجربہ سیکھ لیا ہوا تھا۔

اس کی فیکری میں عیب تلاش کرنا ایک نہایت
وشوار کام تھا۔ اس نے چند اصول بنائے ہوئے تھے جن
پر وہ سختی سے عمل درآمد کرتا تھا۔ ایک اصول یہ تھا کہ جب وہ
کسی شہر میں شکار کے لیے داخل ہوتا تو اس کے انٹرنیٹ

بوجہ

لٹ میں ایک ساتھ بہت سے لوگ سوار ہو گئے۔ آپریٹر نے جن رہايلیکن لٹ اپنی جگہ سے نہ ملے۔ اس نے درخواست کی۔ "کم از کم ایک آدمی ضرور لٹ سے اتر جائے۔"

ایک نہایت مولیٰ خاتون نے ایثار کا مظاہرہ کیا اور لٹ سے اتر گئیں۔ کئی دوسرے لوگ اب بھی باہر اپنی ہارن کے انتظار میں کھڑے تھے۔ آپریٹر نے جن دہانہ لٹ واپس اور پروردانہ ہوئی۔

مولیٰ خاتون قدرے شرمندگی سے ہوئیں۔ "میرا ذہن تو اتنا زیادہ تھکن کہ میری وجہ سے لٹ رک جائی۔ وہ اصل میں میرے بہن پرست نہیں ہو رہے۔"

دو گھنٹے

ایک انگریز سیاح جنوبی فرانس میں بلند پہاڑی پر چڑھ رہا تھا کہ راستے میں اسے ایک ہنری فروش ملا جو گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔ گدھے کو ہاتھ رہا تھا مگر گدھا بے مشکل قدم اٹھا رہا تھا۔

سیاح نے ایک ہاتھ سے گاڑی کو دھکیلا، شروع کیا اور اتر کر اسے دو بہت بلند پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر ہنری فروش نے سیاح کا شکریہ ان الفاظ میں ادا کیا۔ "میں جناب کا بہت ممنون ہوں۔ دراصل صرف ایک گدھے کی مدد سے یہاں تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔"

گھڑی

دفتر کے کام سے طارق جہانگیر مولیٰ جہاز کراچی سے لا اور جانے کے لیے گرتے پڑتے ذرا باخیر سے اتر پورٹ پہنچے تو ملازم مداندہ ہو رہی تھی۔ سرگرم نما راستے کا ٹیٹ بند ہو رہا تھا۔ طارق کاؤنٹر پر پہنچی خاتون سے لڑنے لگے کہ انہیں پورے گدھے کا رڈو باجائے اور مولیٰ جہاز کو روک دیا جائے۔

"فلائٹ کا ٹائم تین بج کر دس منٹ ہے اور میری گھڑی میں ابھی تین بج کر پانچ منٹ ہوئے ہیں۔"

انہوں نے خاتون کو اپنی گھڑی دکھائی۔ اتر لائن کی ملازم خاتون نہایت قہر سے لہو شائستگی سے پولیس۔ "وہ تو ٹھیک ہے سر! لیکن آپ پتہ کیا یہاں موجود نہیں تھے اس لیے مجبوراً ہمیں اپنی ہی گھڑی دیکھ کر فلائٹ کو روانہ کرنا پڑا۔"

سistem کو یادداشت میں محفوظ کر لیتا۔ کام ختم کرنے کے بعد وہ فوراً علاقہ چھوڑ دیتا۔

اپنی "فیلڈ" کی تاریخ اس نے پڑھ رکھی تھی۔ اسٹانچرڈ اور ان کی ٹینک کی اس نے خاص اسٹڈی کی تھی۔ تاہم وہ سب اور دیگر سیریل نمبرز میں اسے کوئی نہ کوئی خاصی نظر آتی تھی۔ وہ پیشہ ور اسٹانچرڈ کو بھی جانتا تھا جو سرکار کے لیے کام کرتے تھے۔

یہ تمام افراد اسے اینڈیٹ لگتے تھے۔ اسٹیج 100... جبکہ وہ سائنٹفک آرٹسٹ تھا اور وہ مارکیٹ میں بکنے کے لیے بھی نہیں تھا۔

وہ کسی بھی قسم کے احساس جرم سے بے نیاز تھا۔ جس کو بگٹ کو پکس یا بگٹ کو پکس کہتے ہیں۔ جرم کی تلاش سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کچھ مدت تو یہ ممکن ہے۔ لیکن یہ دھوکا ہوتا ہے۔ "خلش" اور گہری سسلی رہی ہوتی ہے اور کسی وقت کسی موقع پر، کس جذبے یا احساس ملامت کے تحت اچانک باہر آ جاتی ہے۔

لیکن وہ ایسے کسی مسئلے سے دوچار نہیں تھا۔ نہ مستقبل قریب یا بعید میں ایسا کوئی امکان تھا۔ کیونکہ وہ قاتل تھا ہی نہیں۔ وہ تو ایک سپیڈوسٹ تھا، ایک آرٹسٹ جس کا جذبہ ظفر اور فن کھرتا تھا جارہا تھا۔ لوگوں سے مکمل چوہل میں اس کا انداز عام اور سرسری تھا۔ والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ محبت، ظلمت اور دوستی کے بھیزوں سے وہ آزاد تھا۔ اسے ان کی ضرورت تھی۔ بچپن سے اس نے یہ سیکھا تھا کہ خود پر انحصار کرو۔ اس لحاظ سے وہ جہاں تھا۔ اور یہ اس کا انتخاب تھا۔ یہ بھی اس کا ایک اصول تھا۔ اس نے متعدد اصول اپنائے ہوئے تھے۔

وہ کسی لڑکی کے ساتھ ایک سے زیادہ بار ڈیٹ پر نہیں گیا۔ چاہے وہ بالی ووڈ کی کوئی حسین ترین ساحرہ ہی کیوں نہ ہو۔

وہ مرد، عورت کے درمیان تعلق کو نہ صرف ایک کمزوری سمجھتا تھا بلکہ خطرناک قرار دیتا تھا۔ اس نے خود کو ہمیشہ اس کمزوری سے بچائے رکھا تھا۔

وہ باقاعدہ جانشین کرتا تھا۔ ملتے میں تین بار جم ضرور جاتا تھا۔ اس نے خود کو شراب اور سگریٹ سے دور رکھا تھا۔

صحت مند جسم اس کے "فن" کی ضرورت تھی۔ وہ ایک انتہائی آرٹسٹ تھا کوئی سبیل نہیں جو دمک لے کر جھا

کہتا ہے۔ جی پر سکوت چالس اور رنک سے پرہیز کرتا تھا۔

تاہم پھر بھی چند مواقع پر اسے خطرات سے واسطہ پڑ گیا۔ ایک بار جب وہ ڈیڑھ گھنٹہ میں مارگٹ کنگ کے بعد چھوڑ رہا تھا تو پھت کا دروازہ ہی جام ہو گیا اور اسے دوسری عمارت کی چھت پر خطرناک چھانچا لگا پڑی۔

دوسرے واقعے میں پولیس کار چیز کے دوران میں پورٹ لینڈ میں اس کی چرائی ہوئی کار دفاتر سے گئی اور اسے کار کو خیر باد کہنا پڑا۔ تیسری مرتبہ ایک آف ڈیوٹی پولیس اہلکار نے غیر متوقع طور پر مارگٹ کنگ دیکھ لی۔ اس وقت بھی نے جو گیت اپ کہا ہوا تھا اس میں وہ گنجانظر آ رہا تھا۔ یہ واقعہ انڈیا پولیس میں پیش آیا۔ ڈیوٹی پر نہ ہونے کے باوجود وہ فرس شاس لیکن با حین نسیم کا اہلکار کسی شکاری گئے کی طرح جی کے پیچھے لگ گیا۔ جی کو خاص تک و درکارنی پڑی اور کئی بار لوہے دست بدست ٹائٹ تک چا پٹکی۔ مجبوراً جی کو اس کی گردن توڑنی پڑی۔

وہ اس کا پہلا لک تھا جو اس نے خالی ہاتھوں سے کیا۔ نیز وہ مارگٹ کنگ کے زمرے میں بھی شامل نہ تھا۔ تاہم دو تمام "کیرئیر" میں جی کے لیے سب سے بڑا خطرہ بن گیا تھا۔

جی نے ان چند مواقع سے بھی فائدہ اٹھایا اور اپنی غلطیوں سے بچنے کے لیے "ڈکوری" میں مزید نگار پیدا کیا۔ اس کی ایک عادت اور تھی کہ وہ ایک چھٹی لوٹ تک چلنا اپنی پرکار شخص کار بیکار ڈرکھتا تھا۔ تعلیمات میں باہرست و شہر سڑک کا نام موسم، وقت، جیسے "مارگٹ" کی رگت۔ شخص کے ذیل میں اسے گیت اپ کے بارے میں لباس وغیرہ پر مخصوص نوٹس لکھتے۔ اگر اسے "مارگٹ" کے ملائے میں کوئی پریشانی یا مسئلہ پیش آتا تو وہ اسے بھی لکھ لیتا۔ بعد ازاں وہ تمام تفصیلات کا نہایت بار یک جی سے تحقیقی جائزہ لیتا۔ جیسے وہ کسی مشہور سا کریم کا کوچ ہے۔ مختصر یہ کہ وہ اپنی نوعیت کا ایک پراسرار میریل کلر تھا جو خود کو کفر حق تسلیم نہیں کرتا تھا۔

جی خود کو بھی سر پر اکر دینا پسند کرتا تھا۔ مارگٹ کا پہلے سے انتخاب نہیں کرتا تھا۔ اس کا انتخاب اچانک ہی ہوتا تھا۔ کوئی سرخ بالوں والی لڑکی جو اپنے بوائے فریڈ کے ساتھ قہقہے لگانے میں لگن ہے۔ کوئی بچہ کھڑا ہونے والا کوئی اخبار فروش۔ کوئی اسکول بوائے جو کتابیں بغل میں دھائے گھر کی جانب جا رہا ہے۔ کوئی موٹا آکٹا یا ہوا

ٹرک ڈرائیور جو اشارہ ہیز ہونے کا انتظار کر رہا ہے اور اچانک اس کی کینچی پر "سرخ اشارہ" نمودار ہو جاتا ہے۔ "مارگٹ" کا انتخاب ہمیشہ جی کے لیے سسٹنی خیر ثابت ہوتا۔

اور اس مرتبہ... ایک مرد۔ دیکھنے میں مضبوط قد کا ٹھہ۔ اٹلی لباس۔ شاید کوئی کاروباری آدمی۔ ساتھ میں بریف کیس میں کئی بال کپڑاں پر سے سفید ہونا شروع ہو گئے تھے۔

وہ کچھ دیر قبل ہی ایک ڈرگ اسٹور سے نکلا تھا۔ جی کے جسم نے حرکت کی۔ وہ گونے کی جانب گیا۔

ہاں یہ ٹھیک... بالکل ٹھیک... وہ بڑبڑایا۔ ہر طرح سے ٹھیک۔

اس نے رائٹس اٹھائی۔ رینج۔ تین سو گز۔ سیٹک سائٹ فوکس۔ اچھی بڑھیک۔

مارگٹ... مارگٹ... جی کی جانب گرد اور ز میں ہوس ہونے سے پرہیز ختم ہو گیا۔ کوئی زور سے چیخا۔ کسی بچے کے رونے کی آواز بلند ہوئی۔

خوشگوار! جی کے لیے یہ مانوس آواز تھی۔ اس نے سکون سے رائٹس کے مختلف حصے انگ ٹرنے شروع کیے۔... پتادوں کو احتیاط سے ہماڑا۔

ایڈزٹ سے اٹیوٹر میں آیا۔ دس منٹ میں وہ دھلی بالٹی مود سے نکل گیا اور ویسٹ کوسٹ کے لیے اٹلی فلائٹ بک کرائی۔ جیٹ میں سوار ہونے کے بعد اس نے جسم! ہیا! چھوڑ دیا اور آٹکھیں بند کر لیں...

پھر وہی خواب۔ جی پر سکوت کی زندگی میں یہ خواب ہی واحد پریشان کن ٹکسر تھا۔

ہر مرتبہ ایک ہی جیسا خواب... ایک وسیع میٹرو پولیٹن مٹی ہے... جہاں ہر چیز آؤٹ آف آرڈر ہے۔ آؤٹ آف کنٹرول... خوفناک اور بے قابو... سڑکوں پر بیسی اندھا دھند بھاگ رہی ہیں۔ لوگ اور بچے ہوں اور ٹریفک کے نیچے مارے جا رہے ہیں... سگنل پر ایک ہی تکی روشن ہے۔ سبز رنگ کی۔ پورے شہر میں ہر سگنل پر... سیاہی بھری کھلے پڑے ہیں۔ بوڑھے بچے گٹر کی نذر ہو رہے ہیں... دکانوں کے شیشے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ لوٹ مار ہو رہی ہے... یہ خواب جی کو کوئی قصص نہیں پہنچتا تھا۔ اس خواب کا وہ ایک بے زبان گواہ ہے۔ خود اسے نہیں

باصول

”مجھے یورپینا کھانے بہت پسند ہیں۔“ جینیف بولی۔ وہ دونوں چمکی ریسٹورنٹ سے نکل کر قریبی فریج ریسٹورنٹ میں علیحدہ کیوب میں بیٹھے تھے۔

"مگڑ۔" جی نے مسکراہٹ چہرے پر سجائی۔
 "میرے ساتھ بھی تقریباً ایسا ہی معاملہ ہے۔" اس نے یہ
 سوال نہیں کیا کہ وہ اپنی پسند سے ہٹ کر چھٹا ریٹروونٹ
 میں کیا کر رہی تھی۔ لیکن حق کہ وہاں اسے کسی ڈر کا سراہا تھا
 آیا ہو۔ جس کے سہارے وہ فلم انڈسٹری میں داخل ہو
 سکے۔ ذہنی دوڑ میں ان محنت لڑکیاں دور دراز سے ایسے ہی
 خواب لیے پھرتی تھیں۔

جیسا کہ اوپر لکھا ہے۔ کیوں اور کس لیے؟ یہ سب جی کا مسئلہ نہیں تھا۔ اسے تو بس اس کے ساتھ کچھ دقت گن گن رہا تھا اور پھر بھول جاتا تھا۔

"ہاں۔ کچھ نہیں سنی۔ میرا خیال تھا کہ مہدی اتر چکی
 تھی۔" جیسٹ نے سٹیج پر نگاہ دوڑائی۔

”جس شخص پر ایسا نہیں بھی ہوتا۔“ جی نے کہا۔
 ”جی آزاد کر رہا ہوں۔“ اس نے اپنے سامنے پڑے
 قول لکھا ”شوکار کو کھانا۔“

"مردم آری کوئش۔" جیسٹ بولی۔

"خوب! مجھی نے اس کا ہاتھ دیا۔"
"ڈانر کے بعد تم اس کا جچہ نہ کر گئے؟" ڈیپٹ نے

سوال کیا ہے۔
 "مگر تم جانتے ہو۔"

"مجھے وائٹن کے بارے میں زیادہ نہیں پتا۔ اسکا بیٹا کے بجائے مجھے سمیٹیں پسند ہے۔" وہ بول۔ "کیا یہ وائٹن نہیں ہے؟"

بے فکر رہو۔ "۔ "مسترا یا۔ "تم کو میرا انتخاب ضرور پسند آئے گا۔"

کھانا خوب تھا۔ دونوں نے لطف اٹھایا اور گفتگو بھی
چلتی رہی۔ ابوہریرہؓ کی باتیں کرتے کرتے چٹا نہیں کب
ور کیسے اساتذہ کرام کی بات کھل آئی۔

16۔ "دو ہولی۔" اور سب ایک ہی پاگل آدمی کے ہاتھوں سے گئے۔"

"چالیس نہیں استالیس۔" جی نے تصحیح کی۔ "محترم
 ایسے کہہ سکتی ہو کہ یہ کسی آدمی کا کام ہے کوئی عورت بھی ہو
 سکتی ہے۔"

چنا کہ وہ خواب کے شہر میں خود کہاں کھڑا ہے؟

اس کے بیدار ہونے پر خواب ظاہر ہے غائب ہو جاتا ہے۔ جسی خور آ سے دماغ سے نکال دیتا ہے۔ اس نے سمجھی اس خواب پر سر نہیں کھپایا۔ اسے دوسرے عام خواب سمجھ کر کھائی دیتے تھے لیکن یہ خواب تو اتر کے ساتھ ایک ہی انداز میں دکھائی دیتا۔ یہ واضح خواب تھا جو اسے بچانک بیدار کر دیتا تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینا ہوتا تھا دل بٹنگل گھوڑے کی طرح چلنے کے اندر دوڑ رہا ہوتا تھا۔

”کیا تم ٹھیک ہو؟“ کسی مسافر نے اس سے پوچھا۔ ”میں کسی کمدو کے لیے ہاؤس؟“

”ہاں میں ٹھیک ہوں۔“ راجی نے کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ”کوئی مسئلہ نہیں۔“

"تمہاری حالت خفک نہیں لگ رہی۔"
 "شاید میں کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔" جی نے کہا۔

ہمیشہ کن طرح اس نے خواب کو شعور کی سطح سے
 ہٹانے میں دیر نہیں لگائی تھی۔

☆☆☆

و اہں وقت اہل دوز میں تھا۔ اس نے بڑی تفصیلی سے شجر کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس نے جیسے

سڑکی تھی۔ کراچی قریب یادو تنہا لیکن رقم جی کا سب سے زیادہ تھا۔
 بالی ووڈ فلموں اور ڈسکو کے قریب بالی لینڈ پر اس کے بھیس

پھوڑ دی۔ اسے لی الخال دو چیزوں کی ضرورت تھی۔ کھانا اور لڑکی۔ جس کا احاطہ اس کے لیے محض دو مہریں بٹنوں کی

ہے۔ محبت کا تودہ تانیں ہی نہیں تھا۔

میکسی چھوڑنے کے بعد اس نے چینی ریستورنٹ کا رخ کیا۔ اس دھت اسے اپنی پسند کی لڑکی کی تلاش تھی جس

کے ساتھ وہ ٹرک لے کر آیا اور پھر اس کے ہمراہ انٹرچوٹ کے
 بس ہوٹل کا رخ کرنا تھا جہاں اس نے کمرہ ایک کیا
 رہا تھا۔

وہ ہزاروں عورتوں سے 99 فیصد دور رہتا تھا۔ اپنی
غیب شدہ لڑکی کو ڈاک پر لے جانے میں اسے شافقی وقت کا
استعمال کرتا پڑتا تھا۔

وہیں اپنی ووڈ میں اس معاملے میں اسے بڑی سہولت
 دی۔ چھٹری سٹورٹ میں معصوم صورت اور گول چہرے
 کی خفیہ تصویحیں پر جا کر جمی کی اکادمی کا انتخاب ٹھہر گئی۔

"عورت؟" اس نے نلی میں سر ہلایا۔ "اس طرح عورت کے بارے میں کبھی نہیں سنا۔"

"ایک نہیں کئی عورتیں اس قسم کے کاموں میں ملوث رہی ہیں۔ روس میں سیکڑوں تربیت یافتہ اسائیز عورتیں موجود ہیں۔ کون جانے کہ وہ کیا کر رہی ہیں۔ یورپ میں بعض ممالک اسائیز کنگ کے لیے عورتوں کو استعمال کرتے ہیں۔" جی نے جینیٹ کی معلومات میں اضافہ کیا۔

"میں سو لہزد کی بات نہیں کر رہی۔ میں نلی کی بات کر رہی ہوں۔ میرا اشارہ "ڈیجھ ماسٹر" کی جانب تھا۔ کوئی دیوانہ ہے۔ ایسے کام آدمی ہی کرتے ہیں۔"

"ڈیجھ ماسٹر" کے الفاظ سن کر جی نے تسکین محسوس کی۔ ساتھ ہی اسے "پاگل" اور "دیوانہ" جیسے الفاظ پسند نہیں آتے تھے۔

"شاید تم نے بھی فرانسیسی اسٹن کا نام نہیں سنا۔" جی نے کہا۔

"نہیں۔ کون جی وہ؟"

"ظاہر عورتوں میں سب سے زیادہ شہرت یافتہ اسائیز کلر۔ جون کی 1970ء میں اس نے جنس برک کے ایک اسکول میں بارہ بچے مار دیے تھے۔ ایک ایک گولی۔ سب کے سر میں۔ وہ بے خطائشانہ ہاتھ تھی۔" "نہیں۔ میں نے نہیں سنا۔" جینیٹ نے حیرت کا اظہار کیا۔ "میں کہہ رہی تھی کہ آخر یہ "ڈیجھ ماسٹر" تک پکڑا جائے گا؟"

"میں نہیں سمجھتا کہ وہ پکڑا جائے گا۔" بے اختیار جی کے منہ سے نکلا۔

"کتنی مطلب؟ تم کہتے کچھ بھلا؟" "حقائق۔" جی نے سر ہلایا۔ "اب تک میں نے نلی دی اور اخبارات میں جو کچھ دیکھا اور پڑھا ہے اس سے تو یہی لگتا ہے کہ پولیس اب تک اندھیرے میں ہے۔ وہ کوئی ذہین اور ماہر لٹلے باز ہے۔"

"کیا تم تعریف کر رہے ہو؟" "تم کیا سمجھتی ہو؟" جی نے انہماکی سے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ کوئی دماغی مریض ہے۔" جی نے غصے کی لہر کو دیا یا۔ شاید ایسا نہیں ہے۔" اجماع نے عیناً لہجہ اختیار کیا۔

"وہ کیسے؟" "کیونکہ ایک سال سے زیادہ ہو گیا ہے اور وہ نہ صرف اب تک آزاد ہے بلکہ اس کے بارے میں پولیس

کے پاس کوئی ٹھکانہ بھی نہیں ہے۔ اگر وہ دماغی مریض ہوتا تو بہت پہلے پکڑا جاتا۔"

"تو تمہارا خیال ہے کہ پولیس اس تک نہیں پہنچ سکتی؟" جینیٹ نے اپنی لمبی غروٹی آنکھوں میں جام جمایا۔ "ہاں، مجھے شک ہے۔" جی نے کہا۔ "میں نے اب تک اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔ اس نے کبھی کوئی دھمکی نہیں بھی نہیں چھوڑی ہے۔" ظاہر اس کا "ڈیجھ ماسٹر" پہلے سے منتخب نہیں ہوتا۔ وہ نلی کی اب تک اندھیرے میں ہے۔ کوئی ایم او (MO) بھی سمجھ نہیں آتا۔"

"ایم او؟"

"میتھڈ آف آپریشن۔ ایسے مجرموں کی اکثریت کسی خیاوی طریقہ کار کو دہرائی ہے۔ وہ ہر مرتبہ سر پر لٹر دیتا ہے۔ کسی کو نہیں پتا کہ وہ انہیں کہاں سے پکڑے گا اور کون چارگت ہوگا؟"

"لگتا ہے تم کافی رشتہ کر رہے ہو؟" "کیونکہ یہ ایک عجیب اور دلچسپ ٹکڑہ ہے۔" نلی نے جواب دیا۔

"وہ محسوس لوگوں کو قتل کر رہا ہے۔ لگتا ہے اس کے ذہن پر ایک پیک ہے۔" جینیٹ نے تہہ کیا۔ "ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ واقعی ایک کھلاڑی کی طرح چلے گا۔ پولیس کو جہاں سے رہا ہے۔ کیا یہ فکارتی نہیں ہے؟" "اگر ہے بھی تو کوئی نہیں چاہے گا کہ یہ فکارتی ہمیشہ چلی رہے۔"

"کوئی ہمیشہ زندہ نہیں رہتا۔ نہ کسی کا فن ہمیشہ جوان رہتا ہے۔" جی نے کہا۔

"جینیٹ نے گلاس نیچے رکھ دیا اور آگے کی جانب جھک کر بولی۔" پتا ہے مجھے کس بات کا ذکر ہے؟ مطلب سب سے زیادہ کس بات کا خوف ہے؟" "شاید نہیں اگلا چارگت تم نہ ہو؟"

"نہیں۔"

"پھر کس بات کا؟" جی کو حیرت ہوئی۔ "اس بات کا کہ اس کی فکارتی سے کوئی اور متاثر ہو

کس کی نقل کرنا شروع کر دے۔" وہ بولی۔ "اگر کوئی ذہنی مریض اس کی شہرت سے متاثر ہو کر بغیر کسی تباہی اور معلومات کے اندھا انداز اس کی نقل شروع کر دے تو اس کا الزام "ڈیجھ ماسٹر" کو نہیں دیا جاسکتا۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو جلد پکڑا جائے گا۔" جی نے کہا۔

"یعنی تم اسے ماسٹر سمجھتے ہو؟ اور نقل کرنے والے کو

جاسوسی نا اہل

"ظاہر ہے، اصل اور نقل میں تو فرق ہوتا ہے۔"

جی ہونا۔

"کیا تم نہیں چاہتے کہ وہ پکڑا جائے؟"

"میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

جی نے شانے اچکائے۔

"مگر تم کو پتا چل جائے کہ وہ کون ہے اور کہاں مل سکتا ہے تو تم کیا کرو گی؟"

"ظاہر ہے کہ پولیس کو اطلاع دوں گی۔"

"کیا تمہیں پتہ نہیں ہوگا کہ اس کے بارے میں جان سکو۔ اسے سمجھنے کے لیے اس سے سوالات کر سکو؟"

"مجھے کسی جانور کو سمجھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو صرف یہ چاہوں گی کہ پہلی فرصت میں اسے لٹکا دیا جائے یا گیس چیمبر کے حوالے کیا جائے۔" جنیٹ نے جواب دیا۔

جی نے اس مرتبہ ہنسنا شروع کیا۔ "جنیٹ نے جواب دیا۔"

بات کہاں سے کہاں چلی گئی۔ دل ہی دل میں جی نے اسے "الحق" اور "جائن" کے خطابات سے نوازا۔ اور فیصلہ کیا

اب کوئی مزید بات نہیں کرے گا۔ الحق کو استغاثہ کر کے ایک طرف کر داور اپنا اصل شہر شروع کر دے۔

اس نے شیشے کی دوسری جانب دیکھ کر اشدہ دیکھا۔

ہلہ ہلہ

ہوئی، جنیٹ سے فارغ ہو کر اس نے فیصلہ کیا کہ اس کا اگلا "مارگٹ" جنیٹ ہوگی۔ اس کے الفاظ جی کے کانوں میں گونج رہے تھے۔ اس کو سزا ملی چاہیے۔ جی نے

سوچا۔ وہ اپنا ایک اصول توڑنے پر آمادہ تھا کہ "مارگٹ" کو پہلے سے منتخب نہیں کرے گا۔ لیکن یہ ایک دشمن کیس ہے،

جی نے خود کو سمجھایا۔

ظاہر ہے کہ وہ یہ آسانی معلوم کر چکا تھا کہ وہ کہاں کام کرتی ہے، کہاں قیام کیا ہے۔ اس نے سکون سے

دونوں جگہوں کا مطالعہ شروع کر دیا۔

دس دن تک وہ اپنے منصوبے کی نوک پلک درست کرتا رہا۔

بات آخر حرکت کا دن اور وقت آن پہنچا۔

آفتاب عالم تاب۔ موسم گرما کی دوپہر۔

استاد پر خصوصی بلڈنگ کی چھت پر نمودار ہوتا ہے۔

مگر کا خصوصی کیس کھولا گیا۔

بتھیار کو جوڑا۔

نیچے سڑک پر دیکھا۔

فوکس کو درست کیا۔

اظہار...

"مارگٹ" سڑک پر نمودار ہوتا ہے۔

دھلی دھلی پر۔ وہ نقل کا دستہ رخسار کے ساتھ۔

ایک آنکھ میلی اسکوپ کی گراں۔

قادر۔

جی کو لگا کہ اس نے اس کے پیٹ میں گونسا مارا ہے۔

وہ پیٹے پیٹے دک گیا اور حیرت سے سر جھکا کر دیکھا۔ خون کی

سرخئی اس کی شرت پر نمودار ہو کر پھیل رہی تھی۔ کوئی اسے

بٹ کر چکا ہے۔ وہ ٹاک میں تھا۔

ایک دھڑکنے سے جی پر ہاتھیں جنب... نہیں اس

مرتبہ تمام حیرت دہک دیا۔ احساس فضا ہو گیا۔

شاید وہ گھر سے پہلے ہی ختم ہو گیا تھا۔ اس نے پھر

دیکھا۔ ایک طرف رکھا۔ وہ پریشان تھی۔ وہ گولیاں؟

"تجربہ نامہ" نے اسے دوسرا فائر نہیں کیا جبکہ اس کی پہلی

گولی بول کے نیچے پیٹ میں لگی تھی۔ لیکن وہ تو فکا۔

جی نے کافی قہقہے سمجھ لیے۔ "مارگٹ" کو ختم

کر چکی تھی۔ وہ کون تھا، کہاں سے آیا تھا؟ اس سے اسے

کوئی خبر نہیں تھی۔

نیل کی کوئی بھی کر سکتا ہے۔ کوئی 100 فیصد نہیں ہوتا۔

لیکن وہ آئینہ خیال کرے گی کہ "دھڑکنے" کی طرف

ایک ہی کوئی استعمال کرے۔

وہ چھت سے اتر گئی۔ پرسکون انداز میں چلتی ہوئی

ایجا دیٹرنگ پہنچی۔ کچھ دیر بعد وہ سڑک پر تھی۔ مگر کیس کو

اس نے چرائی ہوئی فورڈ ٹینک کے نزدیک میں رکھا اور ہونٹ

ای
جاری

will remain¹ as long as the

وہاں کی تمام ایندھا جو اکیلے والے گھراؤ کی ہوش راکھ داستان





اب آپ فرمائیے! اللہ تعالیٰ رحمۃً فرمائیے

۳۔ جاتے جاتے نواز دیا تھی۔ یہ اجنبی شہر کی رات تھی جو ہمارے لیے مزید آگاہی اور ہیلپ کے کراچی تھی۔ سر پر گھٹنا برتنے کے لیے تکی کھڑی تھی اور ہمارے پاس آج بھی شب

جواہر

ہوئے تھے۔ یہ ایک قاتلین لگتا تھا لیکن چار چھ ایک جیسے قاتلوں کو بڑی صفائی سے جوڑ کے فرش پر بچھایا گیا تھا۔

ریشم اور میں سونے پر... ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔ بڑی بی بی کو سواہی بخشش نظر باری باری میرے اور ریشم کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھی۔ "کہاں سے آرہے ہو؟" انہوں نے دوبارہ پوچھا۔

کچھ لازمی پوچھے جانے والے سوالوں کے لیے میں تیار تھا اور ایک خاموش رضا مندی کے ساتھ ریشم نے جواب دینے کا اختیار مجھے دے دیا تھا۔ میں نے کہا: "میں لاہور سے۔"

فی الحال انہوں نے اس سوال کو بخوبی رکھا جو ان کی لگا ہوں سے بڑا تک آنے کے لیے نکل رہا تھا کہ تمہاری نئی شادی ہوئی ہے۔ میں نے ہنر سمجھا کہ ان کی بے چینی دور کر دوں۔ "میرے بھائی بھائی ہیں ہے عائشہ۔ عائشہ کہتے ہیں۔"

بڑی بی بی کی آنکھوں کا تاثر تبدیل ہو گیا۔ "شادی ہو گئی۔"

میں نے غلطی میں سر ہلا دیا۔ "بس اب یہی فکر ہے۔ ماں باپ نہ ہوں تو ڈرتے واری بڑے بھائی پر آتی ہے۔" ان کا شفیق چہرہ رحم اور افسوس کی تصویر بن گیا۔ "یہ تمہارے کون تھے جو ایسے غائب ہوئے کہ تمہیں بھی نہیں بتایا، پتا تو ہوگا انہیں؟"

"قطعی ہمارے ہے کہ بغیر اطلاع کے آگئے۔ یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ ہائیکس بدل لیں گے۔"

"پھر اب کیا وانجس جاؤ گے۔ ان کا لون نمبر تو ہوگا نہیں۔ کوئی اور ہے تمہارا اس شہر میں؟"

میں نے کہا: "نہیں... صبح واپس آیا جا رہا ہوں۔"

"ہاں۔ یہ بارش رات کو کہاں ٹکنے دے گی۔ تم بیٹھو تسلی سے۔ میں کچھ کھانے کا کروں تمہارے لیے۔"

میں تکلف کرتا کہ تکلیف نہ کریں تو رات بھوکے گزارنی پڑتی۔ بڑی بی بی انکوں والے کمن کے کنارے کنارے ٹپکی اندر غائب ہو گئیں۔ نئی آبادی میں ہونے کے باوجود مکان کا انداز حلیوں جیسا ہی تھا۔ اس میں کوڑھج جیسا کوئی حصہ نہ تھا۔ گھر کا جو حصہ وسیع کمن کے بعد تھا اس میں دہی برآمدہ تھا۔ برآمدے میں ایک طرف پلب کی روشنی تھی اور بڑی بی بی نے ایک دروازہ کھول کے اندر کی لائٹ بھی جلا رکھی تھی۔ یہ کمن ہی ہو سکتا تھا۔ مکان کسی رئیس یا زمیندار کی کا ہو سکتا تھا جو اپنی رہائش گاؤں میں رکھتا ہو یا ملک سے

بھری کاٹھکانہ تھا۔ ریشم نے قلاب لٹھا کے مجھے دیکھا۔ "اب کیا کریں؟"

میرے جواب دینے سے پہلے ایک جوتہ نے بارش کی آمد کا اعلان کیا۔ اس کے ساتھ سوتی سوتی بوندوں نے پلکار کیا۔ بڑی بی بی نے دروازہ پورا کھول دیا۔ "اندرا آ جاؤ نہیں تو بھیگ جاؤ گے۔"

ریشم بھی جیسے اجازت کے انتظار میں تھی۔ ہم دروازے سے گزرے اور اچھڑھی جھکی جگہ کی پناہ میں آ گئے۔

بڑی بی بی ریشم اور میری صورت کا جائزہ لے رہی تھیں اور میں سوچ رہا تھا کہ اس طرح ہم یہاں کب تک کھڑے رہیں گے۔ بارش زور شور سے جاری تھی۔ ہوا تیز تھی اور آسمان کی تھکے تھکے بادل کل کر برس گئے۔ بالآخر جہانگیر بڑی بی بی نے اپنی قیادہ شاس نظروں پر بھروسہ کرتے ہوئے پوچھا: "کہاں سے آرہے ہو تم... چلو پہلے اندر آ جاؤ۔" وہ پلٹ کر آگے چل پڑی۔

میں نے سکون کا سانس لیا۔ اس وقت یہ پناہ کی جگہ بھی تائید ایز دی سے ملتی تھی ورنہ شاید ہمیں موسلا دھار برسی بارش میں کسی معقول اور سستے ہوٹل کی تلاش میں بھٹکنا پڑتا۔ میں اس شہر سے بے وقت تھا اور میرا ہڈ گاڑ کوئی نہ تھا۔ اچھے ہوٹل تو وہی ہوتے ہیں جو محفوظ ہوں۔ فور اشار یا غائب اسٹار... مگر وہ سستے نہیں ہوتے۔ اور سستے ہوٹلوں میں مسافروں کے جان و مال کے محفوظ رہنے کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی۔ ایک خطرہ یہ بھی تھا کہ ہمارے قلاب میں سرگرمیاں دشمن ہمارے خاک چھاتے ہوئے کبھی ہول میں نہ آ جائیں۔ مغرور بھرمیوں کا قلاب کرنے والوں کی نگاہ گناہم ہوٹلوں، مسافر خالوں، ریلوے اور بس کے وینک روڑ جیسی عوامی اور عارضی قیام گاہ کی طرف ضرور جاتی ہے۔ ابھی صرف ایک دن گزرا تھا۔ چوتھی جنس قبک ہر صاحب کے بیٹے میں بھڑک رہی ہوگی کسی آتش لٹاں سے کم نہ ہوگی جو بستیاں کو پھونک ڈالے۔ یک وقت دو دشمنوں نے ان کی عزت پر دو طرف سے وار کیا اور انہیں کامیاب کرانے والے اپنے ہی تھے۔ گھر کی عزت خود بخود بھونچا ہے تو پھر بھانڈا کیا کرے۔

بڑی بی بی کے پیچھے چلتے ہوئے میں نے ایک کشادہ ڈرائنگ روم میں قدم رکھا۔ فرش پر ایک علی ڈیڑھ آن کا قلاب تھا۔ کچے نیلے رنگ میں جابجا سنہرے پھول بکھرے

بازرگانی مکان آ کے یہاں ٹھہر جاتا ہو۔ بڑی بلی صورت یا چلتے سے نہ مالک لگتی تھیں اور نہ مالک کی خانہ... وہ غلام یا دور کی مزید برکتی تھیں جو کسی بنگلہ ہوئی مروج کی طرح یہاں عمر کے دن ہر سے کر رہی ہوں گی۔ ان کا اتنے بڑے گھر میں خیار بنانے عجب لگا۔

"سلیم! اب کیا ہو گا؟" ریشم منظر اور سہجے ہوئے لہجے میں بولی۔
 "اےں کا میں کیا جواب دوں؟" میں اس کی آواز پر چوٹکا۔ "جو اللہ کو منظور ہو گا۔"

"معلوم نہیں کس کی کوٹھی ہے... کسی مشکل میں نہ پڑ جائیں ہم۔"

ریشم کا حوصلہ برقرار رکھنے کے لیے میں نے ہنسنے سے روک لیا۔ "جو پہلے ہی دریا میں ہوا سے بھینٹنے کا کیا ذرا... ایک رات ہی کی بات تو ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ سر پہانے کی جگہ مل گئی ورنہ پادش اور ایک اجنبی شہر میں کہاں بھینٹتے پھرتے... جیسے کسی بول میں تو ڈر ہی رہتا۔"

"ریشم! تو میں واقف نہیں لیکن سلوٹی سے مجھے یہ امید نہیں تھی۔ تھے اس پر بہت بھروسہ تھا۔"

"لیکن زندگی کا تجربہ ہے ریشم جو ہنستے کھینچتے حاصل نہیں ہوتا۔ انسان اس سے سیکھتا ہے۔"

"صبح ہر کہاں جائیں گے؟"
 "صبح دیکھیں گے۔ رات بھر اسی لکڑ میں جا رہی ہو گی تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ بس نو صبح صبح یاد آوے مایوس مت ہو، خدا بہتر علی کرے گا۔"

"اے اللہ! کھ سے زیادہ دیکھتے۔"

"مت سوچو ان کے بارے میں... ملنا ہوں گے تو مل جائیں گے نہ ملنے تب بھی ہم زندہ رہیں گے۔ سوچو تو ہمارا بھی کیا حق تھا ان پیسوں پر... کون کی میری محنت کی کٹائی تھی۔ سب ایک ایسے شخص سے ملے تھے جو میرے لیے اچھی تھا۔ اس نے مجھے دیکھا تک نہیں تھا اور میں نے اسے دیکھا تو وہ مر چکا تھا۔ نہ جانے کہاں اس کی صرف ہڈیاں پڑی ہوں گی۔ میرا کیا حق تھا اس کی دولت پر لیکن میں نے یہ سوچ کے اسے اپنے میں کر لیا کہ وہ رقم اس کے کام آتی نہ اس کے دائروں کو ملتی۔ وہ پائیس کی جیب میں غائب ہو جاتی۔"

"نہ کا شکر ہے کہ ہم بالکل خالی ہاتھ بھی نہیں۔"

میں ہنس پڑا۔ "اب کہہ رہی ہو خدا کا شکر ہے... اس وقت مجھے روک رہی تھیں۔"

"نہیں ان کے ساتھ تو اچھا ہوا۔ کیسے بد معاش تھے دولوں۔" ریشم کی آنکھوں میں غصہ اتر آیا۔

"دیکھو... تمہارا نام تو جو میرے منہ میں آیا میں نے بتا دیا۔"

"میں کیا کہوں؟"

"کچھ نہیں، تمہارا کام تو بھائی کہنے سے بھی چل جائے گا۔"

"اتنے بڑے گھر میں اور کوئی نہیں رہتا۔ کبھی عجیب بات ہے۔" وہ بولی۔

بڑی بلی ایک نرے اٹھائے اندر داخل ہوئیں۔ نرے سامنے آئی تو مجھے ہولک کی شدت کا احساس ہوا۔ اس وقت موسم سے بچاؤ شے کے بعد چپ بھرنے کا یہ سامان قدرت کے انعام سے لگم نہ تھا۔ گرم روزوں اور آگ کوشت کے سالن کا جو مزہ اس وقت آتا رہا وہ زندگی میں نہ کسی فائبر اسٹار ہوٹل کے کھانے میں ملنا اور تھم کی شاہانہ دعوت میں۔

میں نے پوری کوشش کی کہ نریدوں کی طرح نہ کھاؤں۔ میرے کام لال اور ریشم کا خیال رکھوں۔ وہ بھی میری طرح بھونکی تھی لیکن عادت کے مطابق آہستہ کھا رہی تھیں۔

"اب نے کھا یا ہے... آگ کوشت؟"

"بڑی بلی مجھے دیکھتی رہی... ہاں۔"

"نہ جانے کیوں مجھے اپنی ماں کے ہاتھ کا ذائقہ محسوس ہوتا ہے۔ حالانکہ... میں برس ہو گئے۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"آپ اکیلی رہتی ہیں... اتنے بڑے گھر میں؟"

ریشم نے سوال کیا۔

"اکیلی کہاں... دن میں میرا چہا ہوتا ہے۔ رات کو آسمان کے ہاتھ میں چوکیداری کرتا ہے۔ بھو میگا گئی ہوئی ہے... ہم سب ن کے کوٹھی کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ویسے تو مالک کی پینگی سال میں دو بار آ جاتی ہے رشتہ کے لیے... مگر ان کا کیا ہے... کسی وقت بھی آ جائیں۔"

"سارا سال وہ کہاں رہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"والایت میں بیٹا... جہاں اپنے پڑھ رہے ہیں۔ ویسے کوٹھیاں ان کی لاہور، گجرات، اسلام آباد سب جگہ ہیں۔"

"کون ہیں مالک؟ کیا کرتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کام کا تو مجھے پتا نہیں پتا۔ کاروبار سہان کا ساری دنیا میں... م ہے نا در شاہ۔"

جوا اور اس

انہیں نے کہا کہ اچھا کپڑے بدل لو... وہ شاہ جی کی عادت
جانتا تھا۔ ڈرائیور نے جو پتہ دیا تھا اسے اپنے کپڑے دے
دے۔

"کیا پتا ڈرائیور سے بھی کسی کی دشمنی ہو۔"

انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ تو میرے سامنے دروازے
کے قسیمیں کھاتا رہا کہ اس کا کوئی ایسا دشمن ہو ہی نہیں سکتا۔
پولیس نے اس پر یقین نہیں کیا اور قہانے لے جا کے پوچھ گچھ
کرتے رہے۔ وہ تو بارڈر اگلے اسے... خود شاہ جی نے اس
کی جان چھڑائی لیکن پھر وہ لو کر ہی چھوڑ گیا۔ اس کے بیوی
بچے اسے لے گئے تھے۔ وہ بہت ڈر گیا تھا اور کچھ پاگل سا
ہو گیا تھا۔ مجھے کہتا رہتا تھا کہ میرا کوئی قصور نہیں، تمہیں میں
نے یہود نہیں کیا۔ میں کیا کرتی، وہ غلط نہیں کہتا تھا۔ میں نے
بہت کہا کہ میری کوئی غلطی نہیں۔ اسے بہت شوق تھا گاڑی
چلانے کا۔ مالی کا کام اسے بالکل پسند نہیں تھا۔ چسپ چسپ
کے گاڑی چلا سکتی تھی۔"

"آپ کا بیٹا بھی مالی ہے؟"

"ہاں، باپ کا کل ہوا تو وہ چودہ سال کا تھا۔ شاہ جی
نے اسے دوسرے بیٹے مالی کے ساتھ رکھ دیا کہ اسے کام سکھا دے۔
جو تھوڑا باپ کو ملتی تھی اس سے دینی کر دی۔ بیٹے پر باپ کا اثر
تھا۔ وہ کہتا رہتا تھا کہ دسویں کر لوں پھر گاڑی چلائوں گا۔
شاہ جی کے ساتھ رہوں گا تو مومن کروں گا۔ لیکن شاہ جی نے
اس کے باپ کی موت کا بڑا اثر لیا تھا۔ اس نے انکار کر دیا
اور کہا کہ تم مالی بن رہو گے۔ میں نے بھی سمجھا یا کہ جتنی تک وہ
باپ لیتا تھا اس سے دینی مل رہی ہے شکر کر میرا بھی شاہ جی
نے بڑا خیال رکھا۔ مجھے بڑی عزت دی۔ پہلے ایک کمرہ تھا۔
جب بیٹے کی شادی کی تو سارا خرچہ شادی نے اٹھایا۔ ہمارا
کمرہ باہر کی طرف بارش میں تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور کمرہ
خود کے لیے۔ راستہ ڈرائیور نے خانے میں سے ہے۔ بہو بچے
سے آئے گی تو پتا ساتھ لائے گی۔" ان کا چہرہ خوشی سے
رکھے گا۔

میں ان کی بات سن رہا تھا اور کسی نتیجے پر پہنچنے کی
کوشش بھی کر رہا تھا۔ کیا نام کی مطابقت اتفاق ہو سکتی تھی۔
میں جس نادور شاہ کے ساتھ دشمنی کے دو طرفہ رشتے سے بندھا
ہوا تھا اس کا کاروبار بھی ساری دنیا میں پھیلا ہوا تھا لیکن یہ
میرے علم میں نہ تھا کہ اس کا مکان میں ٹھہرے اور آدموں
کے باغات ہیں۔ ہر طیر قاتلوں اور غیر اخلاقی کاروبار پر یہ
لوگ ایسے ہی پردے ڈال کے رکھتے ہیں۔ کوئی ان کا پال
بچہ بچا نہیں کر پاتا۔ میرے جیسے کسی بھی نادور شاہ کے

مجھے یوں لگا جیسے سیدھی نظر آنے والی بڑی بی بی تے
اچانک میرے کان پر ریوالبور دکھ کے ناکر کر دیا ہو۔ میں
جو کچھ بغیر درہ سکا کھانا ختم کر کے میں پانی پی رہا تھا۔ مجھے
اچھٹک گیا۔ شک کی کوئی بات نہ تھی۔ میرے کانوں نے
غلط نہیں سنا تھا مگر بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔ "کیا نام
بتایا آپ نے؟ نادور شاہ؟"

"ہاں... کیا تم جانتے ہو شاہ جی کو؟" بڑی بی بی تے
پوچھا۔

میں نے خود کو سنبھالا۔ دنیا میں وہی ایک نادور شاہ تو
نہیں ہے اس ایک شہر میں درجنوں اور ملک میں سیکڑوں
ہزاروں اس نام کے لوگ ہوں گے۔ "نہیں، میں کسی نادور
شاہ کو نہیں جانتا۔ آپ کا ان سے کیا رشتہ ہے؟"

"رشتہ ارشدہ وہی جو مالک اور ملازم کا ہوتا ہے۔ ہم
جیسے نہ جانے کتنے اس کا دیا کھاتے ہیں۔ میرا شوہر اس کے
بارش میں مالی تھا۔ کیا دوسرا ہوئے شاہ جی اپنے ساتھ لے
گئے۔ یہی کہہ سکتی ہوں کہ قہانے لے گئی۔ وہ تھا تو مالی مگر
ڈرائیورنگ جانتا تھا۔ اس دن شاہ جی کا ڈرائیور بیمار پڑ گیا تو
اس نے کہا کہ میں لے چلتا ہوں۔ اب معلوم نہیں فائرنک
کس نے کی تھی۔ پولیس نے کہا کہ ڈاکو ہوں گے مگر ڈاکو کیا
سرف مجھے یہود کرنے آئے تھے؟ شاہ جی کی گاڑی بے گار
ہو کے فٹ پاتھ پر چڑھ گئی اور ایک دیوار سے ٹکرائے لوگ
گئی۔ کوئی قریب نہیں آیا بہت کچھ مل جاتا انہیں۔ ڈاکو تو
ساتھ بھی لے جاتے ہیں اور انہوں کا تاجران وصول کر لیتے
تھا۔ یہ کیسے ڈاکو تھے کہ میرے شوہر کی جان لے کر چلے
گئے۔"

میں نے کہا۔ "اس کی کسی سے دشمنی ہوگی۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ ہم غریبوں کا نہ کوئی دوست
نہ دشمن... دشمن ہوتے ہیں شاہ جی جیسے دولت مندوں
کے... اور بڑے لوگوں کے دشمن بھی معمولی لوگ نہیں
ہوتے۔ کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ شاہ جی کی جگہ مارا
گیا۔"

"کیا اس کی صورت شاہ جی سے بہت ملتی تھی؟"

"ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ ہاں کپڑے اس نے ملے
چلتے بہن رکھے تھے۔ معلوم نہیں شاہ جی ایسا کیوں کرتے
تھے۔ ان کے ڈرائیور کا لباس الہی کے جیسا ہوتا تھا۔ وہی
سفید شلوار کیس کے ساتھ قرآنی ٹوپی... اور کالی داسکت...
کبھی خود گاڑی چلانے بیٹھ جاتے تھے اور ڈرائیور کو کہتے
تھے کہ پیچھے بیٹھو... میرے شوہر نے گاڑی چلانے کا کہا تو

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

محکم خاص کیوں نہیں؟

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

سامنے کھڑے ہوں تو اس دنیا میں ان کا ٹھکانا نہیں رہتا۔ نہ جانے کیوں میں اب تک اس دنیا میں تھا۔ شاید خدا کو میری کم سنہلی یا بے بسی پر تڑپ آگیا تھا کہ تھوڑے دنوں کے اندر کے پھر سے جینے کا ایک اور موقع عطا کر دیتا تھا۔

میں اس وقت چونکا جب ریشم نے مجھے بلا کے کہا۔
"بھائی اچانک یہ ہو گئے... خالہ بوجھ رہی ہیں؟"

میں چونکا۔ "ہاں، کیوں نہیں۔ آج سارا دن چائے بھی نہیں پی۔ خالہ نے اتنی مہربانی کی ہے تو یہ بھی سہی۔" میں نے ریشم کی تقلید کرتے ہوئے بڑی جلی سے خالہ کا رشتہ استوار کر لیا۔ وہ ایک فطرتاً شفیق اور مہربان عورت تھیں۔

خالہ انھیں اور دروازے تک لگائی کے پتھیں۔ "تم بھی آ جاؤ اور دیکھو... یہ بارش تو رکنے والی نہیں ہے۔ میرے بیٹے اور بھوکا کمر خالی ہے۔ وہیں سو جاؤ۔"

خالہ نے مہمان خانے کی انٹ بجھا کے دروازہ بند کیا۔ مگر میں بارش کی پلکار جاری تھی۔ صرف ہوا دک گئی تھی۔ ایک کونے میں بیٹے دروازے سے گزیر کے خالہ ہمیں اپنے گھر میں لے گئیں۔ یہ دو کمروں کا گھر بڑی بھی صاف ستھرا اور آرام دہ تھا۔ فرنیچر وہی تھا جو مالکوں نے پرائے بچھ کے دے دیا تھا مگر کم قیمت یا نوٹا پھوٹا ہرگز نہیں تھا۔

خالہ کے سلیف نے اس سردی کو اوٹ میں بھی مہمان خانے جیسی شان پیدا کر رکھی تھی۔ دوسری جانب باہر کھلنے والے دروازے سے میں نے وسیع تاریکی میں نوکھڑو دکھائی دینے والا بارش میں بھیکتا ہوا لکٹ جنگل دیکھا اور دروازہ بند کر دیا۔

خوف کا پہلا شاک گزر گیا تھا مگر اس کا اثر ختم نہیں ہوا تھا۔ طے شدہ طور پر یہاں میرے قیام کی مدت صرف ایک رات کی تھی اور یہ امکان نہ ہونے کے برابر تھا کہ اسی طوفانی رات میں اچانک نادر شاہ فریضہ اہل حق کے نمودار ہو اور فلکی دھن کے انداز میں قبچہ ہار کے کہے کہ لے آئی ناگیرہ کی موت اسے شیر کی لالچ... پھر ڈنڈا ڈنڈا میری کھوپڑی میں دو سو داغ کروے۔

خالہ چائے لے کر آئیں تو میں نے سر سے قاسم خیالات کو جھٹکا، ابھی کچھ نہیں تھا سوائے ایک نام کے۔ صبح رخصت ہونے سے پہلے معلوم ہو جائے گا کہ یہ نادر شاہ کیوں ہے۔ اپنا بھرم رکھنے کے لیے مجھے اور کئی جھوٹ بولنے تھے۔ میرے جھٹس سے کسی خوف کا اظہار نہ ہو مجھے یہ خیال رکھنا ہوگا۔ بیٹے اور بھوکے بچہ دوم میں اتنی کی شادی کی ایک تصویر بھی دیکھ کر پر آویزاں تھی۔ ہر دو لہجہ کی طرح خالہ کا چہرہ

بھی سہرا باندھے، اس کی لگ رہا تھا اور واجبی شکل و صورت والی لہجہ غرور میں جیسے قاری عالم اور حسن میں کوہ قاف کی پری۔ لہجہ زیادہ رات نہیں گزری تھی اور خالہ کو بین بلا سے مہمانوں کی صورت میں ہم مل گئے تھے جو شرافت اور سعادت مندی سے اس کی منہ رہے تھے۔ بہتو ہو ہوتی ہے۔ بیٹے پر قبضے کے معاملے میں حریف... ہائیں خاک کرتی ہوں گی۔ ایک دوسرے کو سنائی زیادہ ہوں گی۔

معلوم نہیں خالہ کے ماضی کی یادوں کا سلسلہ کب تک اور کہاں تک چلتا لیکن سارا دن کی ٹھکن کے بعد ریشم پر خالہ کا غلبہ ہونے لگا اور خالہ نے اسے آنکھیں موندنا دیکھا تو کہانی سمیٹ دی۔ ریشم ذہن بیٹہ کے ایک کتاب سے پرست کے سو گئی۔ میں نے درمیان میں ریشم کی کو لپیٹ کر رکھا اور دوسرے کنارے پر سو گیا۔

صبح میں جاگا تو ریشم مجھ سے پہلے اٹھ چکی تھی اور غسل سے بھی غافل ہو گئی تھی۔ باہر کا سارا منظر ڈرامائی طور پر بدل گیا تھا۔ اب دھیل دھلائے سرسبز درختوں کے اوپر ابلے آسمان کی نیلاہٹ جھلک رہی تھی اور رات کی گہری نیلہ نے میری فانی اور مہربانی تو انائی۔ حال کر دی تھی۔ جب میں تھا کے فارغ ہوا تو آٹا شاتیا رہا۔

میں نے خالہ کا بہت شکر یہ ادا کیا۔ "آپ نے رات بھر کے لیے پناہ دے دی اور نہ ہم کہیں جاتے۔ میں تو اس شہر کے راستوں سے بھی نادان تھا۔ ہونٹ میں جاتے تو سب شک کی نظر سے دیکھتے۔ آپ کا بیٹا نہیں آیا؟" میں نے اچانک پوچھ لیا۔

"وہ چلا گیا ہو گا اور میری... جورو کا غلام... وہ روایتی ماس کی طرح دکھتے ہوئیں۔

"آپ اتنی بڑی کوشش کو کیلے کیسے سنبھالتی ہیں؟"
"میرا کام تو صرف بچن کا ہے۔ صفائی والی الگ ہے۔"

"یہ جو مالک ہیں آپ کے... نادر شاہ... یہ جو ان آدمی ہیں؟" میں نے کہا۔

"اس کے بچے جوائن ہیں۔" خالہ مسکرائیں۔
"نادر بھی ہے ان کی؟"

خالہ نے حیرانی سے لہجہ میں سر ہلایا۔ "نہیں تم جانتے ہو یہاں کس نادر شاہ کو؟"

"ایک بہت دور کے رشتے دار تھے اس نام کے... آموں کا باغ بھی تھا ان کا... انہوں نے ہمیں بھی گھاس نہیں ڈالی جو ان کے گدھوں گھوڑوں کے لیے تھی۔ ان کی

میں ہماری مدد کی تھی۔

”لو جی ہم نے پتا چلا لیا آپ کے بار کا؟“ وہ خوش دلی سے ہرلا۔

میں نے اسے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا اور خالہ کو بڑی جھلک میں خدا حافظ کہہ کے اس کے ساتھ چل پڑا۔ ریشم بھی سلام کر کے فراہ کے انداز میں میرے ساتھ ہوئی۔

”تمہیں مشتاق کا ٹھکانا مل گیا؟ کیسے؟“

”ابنی ڈھونڈنے سے تو خدا ملی جاتا ہے اور مشتاق تو آپ بولتے ہو... شہر میں تو لوگ دیوانہ جانتے ہیں۔ اس نے ابھی گھر بدلا ہے۔ آپ کس کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے... یہ گھر کس کا ہے؟“

میں نے مختصر جواب دیا۔ ”یہ ایک جاننے والے۔“

اس نے ریشم کا ایک دستے میں رکھا۔ ”اچھا ہوا آپ مجھے مل گئے درنا اس سے بے بغیر لوٹ جاتے۔“

ریشم کچھ حیران پریشان سی بیٹھی تھی۔ دستے کے ساتھ دستے والے کی باتوں کا شور مارتے کانوں تک پہنچ رہا تھا۔ ریشم نے میرے کان میں کہا۔ ”یہ تو ایک اور کال ہو گیا۔“

پہلا کال غالباً اس کے نزدیک میرا بے خبری میں دشمن کا مہمان ہونا تھا۔ ”ابھی دیکھو۔“

خوشی میرانی اور بے چینی کے ساتھ مجھے غصہ بھی تھا۔ رگھیا سلونی یقیناً بدلتی کے ساتھ فرار ہوئے تھے ورنہ وہ اپنا پتا ضرور چھوڑ کے جاتے۔ ان کا مل جانا ایک اور ناقابلِ یقین اتفاق تھا۔ وہ مشتاق تھا یا رگھیا یا دیو اتہ... اس کی یہ شہرت بھی تھی جس نے اسے گناہ نہ رہنے دیا اور وہ دراپوش بھی نہ رہ سکا۔ شاید یہ اس کی خام خیالی اور بے وقوفی تھی کہ وہ اپنا ہونگوار بیان دونوں نے لاف میں ہمارے ساتھ بے وقوفی اور وفا کی تھی۔ مجھے اب غصہ آ رہا تھا اور اچانک ان کے سامنے کھڑی کے انہیں حیران ہی نہیں، مزا بھی دینا چاہتا تھا۔

ریشم نے چہرے سے میرے جذبات کا اندازہ کر لیا۔ ”دیکھو، خود پر قابو رکھنا۔“

”کیا مطلب... اس حرکت پر میں انہیں کچھ نہ کہوں؟“

”لڑائی جھگڑے سے کیا فائدہ... تمہاری رقم تمہیں مل جائے گا کی ہے۔ وہی اندہ ہو کر جائیگا۔“

”کر جائیگا؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“

”تم نے کون سی رسید لی تھی ان سے یا گواہ تم کس کو

کوئی تصویر ہے یہاں؟“

”ہے تو سبھی... ان کے بیڈ روم میں۔ تالا لگا ہوا ہے۔“ خالہ نے قدرے متذنب کا مظاہرہ کیا اور پھر کھڑکی ہلکی سی ”آؤ دیکھو۔“

ہم اب چلنے کے لیے تیار تھے۔ جاتے جاتے ایک نظر اس ناور شاہ کا دیدار کر لینے میں کوئی حرج بھی نہ تھا جس کے قصر عالی شان نے ہم اپنی بے گھروں کو ہار دیا کی طرح قافی رات میں ہٹا دی تھی۔ خالہ نے دروازہ کھول کے لائٹ چلائی اور میں جیسے ایک دھماکے سے اڑ گیا... پھر اس کے بعد چہ انہوں میں روشنی نہ رہی۔ پتھر شاہ نے ایک دم سامنے آ کے روبرو رکھا اور مجھ پر وارن دیا۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ فوت ہو گیا کیونکہ میرے دل کی دھڑکن ضرور کچھ دیر کے لیے رک گئی تھی اور میری نظر اسی ناور شاہ کی تصویر پر جمی رہ گئی جو مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں طنز اور مسخرہ تھا کہ آؤ چور دھری فریالہ دین... موت سے بھاگ کے کوئی کہاں جا سکتا ہے۔ دیکھو کس طرح اجل تمہیں ٹھیر کر کہاں لے آئی۔ پھانسی کی کال کوٹھری سے نکلے اور لوٹ کے یہاں آ گئے۔

جب میں پلٹا تو میرے جسم پر پینا تھا۔ بڑی کوشش سے میں نے خوف کے جذبات کو نظرت میں رہا اور خالہ کی سوالیہ نظروں کے جواب میں سر ہلا دیا۔ ”ہاں، سبھی یہ وہ شخص... سن آپ اسے ہمارے بارے میں بتاؤ گی تو وہ خوش نہیں ہوگا۔“

”میں کیا بتاؤں گی پتا... مجھے تو نام بھی معلوم نہیں تھا۔“ خالہ نے کمرے کو بھر مقل کر دیا۔

کچھ سوچ کے میں نے کہا۔ ”میرا نام خاور ہے... کہہ دینا کہ ہم اس سے ملے نہیں آئے تھے پھر بھی اس کے گھر میں تو ٹھہرے تھے۔ شکر یہ اور اکتا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔“

میرے چہرے کے تاثرات سے ریشم نے سمجھ لیا تھا کہ تصویر اسی شیطان کی ہے جو دنیا میں میرا شیطان سے بڑا دشمن ہے۔ اس کا رنگ بھی اڑا ہوا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑ کے کھینچا اور بولی۔ ”اب چلو، واپس لاہور بھی جانا ہے۔“

اسی دھت کال تل دو جگہ تھی۔ ایک ڈیوڑھی میں، دھری بگن کے دروازے پر۔ ”وئی آیا ہوگا۔“ خالہ نے کہا۔ ہم ان کے ساتھ دروازے تک گئے۔ وہاں وہی رکشا والا کھڑا مسکرا رہا تھا جس نے گزشتہ رات یہاں تک پہنچانے

لاؤ گئے۔ آدمی کا دل بے ایمان ہو جائے تو کوئی کیا کر سکتا ہے... تھانہ کچھری میں پڑو گئے تو اور پریشانی۔
 رشیم نے سچ وقت پر میرے جوش پر ہوش کی چادر ڈال دی۔ رکشے والے نے بڑے ماتم کے ساتھ ہمیں کسی پرانی آبادی کی گلی میں ایک گھر کے سامنے اتار دیا۔ یہ ہے تمہارے دوست کا ٹھکانا۔ اس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔
 میں نے اس دروازے کو دیکھا۔ یہاں تو جالا ہے۔

رکشے والے نے بے چینی سے دیکھا۔ گھر تو یہی ہے۔ لگاؤ کا کئی کام ہے۔
 "میں اب بھی دونوں ایک ساتھ نکل گئے؟ تم غلط گھر پر تو نہیں لے آئے؟"
 "کیسی بات کرتے ہو جی... سچ ہے نیکی کا زمانہ نہیں۔ آپ کے لیے اس کا پتا چلایا اور سچ اس سے مل کر آپ کے بارے میں بتایا۔"
 "تم سچ اس سے ملے تھے! آج صبح؟" میرے کان کھڑے ہوئے۔

"جب تم نے اُسے ہمارے بارے میں بتایا تو کیا کیا تھا اس نے؟"
 "اس نے کہا کہ بڑی مہربانی ہوگی تمہاری... چارہ انہیں لے آؤ یہاں... میں تمہیں کراہی دوں گا آنے جانے کا... میری بیوی رات سے بخار میں ہے ہوش چڑی ہے۔ کیا پتا اسی کو لے گیا ہو اکثر کے پاس... آجائے گا۔"
 "صرف تمہارا شکر ہے ان کرنا ہی نہیں... تمہیں کراہی دینا میرا بھی فرض بنتا ہے۔" میں نے سوسو کے تین نوٹ لگا لے جو میرے خیال میں کم نہ تھے۔ "صرف ایک بات اور بتاؤ، جب تم نے اس سے میرا ذکر کیا تو یہ نہیں پوچھا کہ جب مہمان آنے والے تھے تو تم نے کسی کو بتائے بغیر گھر کیوں بدلا؟"

"پوچھا تھا۔ اس نے کہا کہ تم کیا پاگل سمجھتے ہو مجھے... معلوم ہوتا تو ان کا انکار کرتا یا اپنا پتا چھوڑتا وہاں۔ وہ تو اچانک کسی پروگرام کے بغیر آئے ہیں۔ خوش ہو گیا ہوتا، بیوی کی بیماری کی وجہ سے پریشان ہو تھا۔" اس نے ہمیں نوٹ بلا لکھ اپنی جیب کے اندر کی جیب میں رکھے اور دکھانے کر شکل کیا۔ اس نے نیکی کے سودے میں بھی نقصان نہیں اٹھایا تھا۔ اتنے نیکی کا صلہ تک آنے جانے کے اسے کوئی بھی سود یا دھوس سے زیادہ نہ دیتا۔

ہم کچھ دیر بند دروازے کے سامنے کھڑے رہے۔
 "وہ پھر بھاگ گئے؟ رشیم۔"
 "کیا پتا سلونی کو سچ بھار ہو۔ وہ ڈاکٹر کے پاس گیا ہو۔ پوچھ تو سکی۔"
 "کس سے پوچھوں... کون جانتا ہوگا ابھی انہیں یہاں... اور مجھے تو شک ہے کہ انہوں نے کسی کو نام بھی سچ بتایا ہو۔ سب ان کو پتا چل گیا ہے کہ ہم شہر میں ہیں اور انہیں تلاش کر رہے ہیں تو وہ شہر سے بھی بھاگ جائیں گے۔"

میرا اندازہ ہے جیاد نہ تھا۔ اس پاس رہنے والوں نے صرف نئے گھرانے وادوں کے آنے کی تصدیق کی۔ نہ وہ کسی سے ملے تھے اور نہ کسی کو ان کا نام معلوم تھا۔ نئی امید کے ساتھ شروع ہونے والی تلاش بھی ایک ہنگامی میں آ کے ختم ہو گئی تھی۔ اب وہاں نہیں رہنا بھی لا حاصل ہوتا۔
 "اب ان کا کیا مشکل ہے۔ تمہارا اندازہ ٹھیک تھا۔" رشیم نے نیکی سے کچھ دور آ کے کہا۔
 "میں سوچ رہا ہوں کہ سلونی کو کتنے میں تم سے اور مجھ سے ملنے ہوگی۔"

"یقین مجھے بھی نہیں آتا... سلونی ایسی نہیں تھی۔ میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ چودھریوں کی حویلی میں بھی برسوں سے اس کا اعتبار قائم تھا۔"
 مجھے بھی رشیم کی دوائے سے اختلاف نہ تھا مگر میرے دماغ پر زیادہ اہم اور توجہ طلب مسائل کا غلبہ تھا۔ وہ رات گزر گئی تھی جس کی پناہ میں ہم جھکی بند سونگے تھے۔ اب ہم بدتر روشنی میں لاکھوں انسانوں کے درمیان تھے۔ اچانک رشیم نے چلتے چلتے کہا۔ "میں تھک گئی ہوں۔" تو مجھے احساس ہوا کہ میں اپنے خیالوں میں گم تھا اور وہ میری پریشانی کے خیال سے چپ چاپ میرا ساتھ دے رہی تھی۔ ہم نہ جانے کہاں نکل آئے تھے۔ ایک اجڑے ہوئے پارک میں کچھ لوگ آ جا رہے تھے۔ کچھ دیر آرام کے لیے میں نے بھی ایک درخت کا انتخاب کیا۔
 "اب کہاں جائیں گے ہم۔" رشیم نے برقعے کا ثواب ہٹا کے گہری سانس لی۔
 "نیکی سوچ رہا ہوں میں بھی۔"

"کیوں نا کراچی چلے جائیں ہم۔"
 "چلے جائیں گے مگر ابھی نہیں۔ نہ بس کا سفر محفوظ ہے نہ ٹرین کا۔ سلونی نے بڑی دعا کی۔"
 "اس رکشے والے نے ہمارے بارے میں بتایا تو

جواں

چاہنے والا بھی ملتا تو دیکھتا جیسا۔ وہ پھر سلونی کو واپس اسی دنیا میں لے گیا۔ مجھے یقین ہے کہ نو لاکھ کی امانت میں خیانت پر اس نے سلونی کو اکسایا ہوگا۔ اسے خواب دکھائے ہوں گے کہ اس رقم سے وہ اپنا بزنس شروع کریں گے اور شادی کر لیں گے تو ہم بھی معزز ہو جائیں گے۔ کاروبار ترقی کرے گا تو ہم اور ہمارے بچے معزز لوگوں کی طرح کسی اچھی سوسائٹی میں رہیں گے۔ گاڑی وہ خرید چکے ہیں۔ سلونی دنیا کی ٹھوکر میں رہنے کے بعد اب بیکش ہونا چاہتی تھی۔ جوانی اب کتنے دن ساتھ دے گی۔ بڑھاپے کا سایہ پڑنے سے پہلے وہ اپنے گھر میں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ سکون اور عالیت کے ساتھ بیٹھنا چاہتی تھی۔ ہر عورت کی کمزوری یہی اپنے گھر کا خواب ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا کی باتوں میں آگئی ہوگی۔ خدا کرے اسے اپنے خواب کی تعبیر مل جائے۔

”تم اب بھی اس کے بھلے کی دعا کر رہے ہو؟ اتنا نقصان اٹھا کے بھی؟“

”ہمیں مجھے صرف اتحاد کے نقصان کا ہے۔ مال کے لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ مال حرام ہو تو ہمارے حرام زلت۔“

”عجب آدمی ہو تم بھی۔۔۔ اب ہم کیا کریں گے؟ اس کی فکر نہیں۔“

”ایسی بات نہیں۔ یہ بھوری سے خود بخاری کی طرف پہلا قدم ہے۔ جتنا وقت میں نے پیچھے رو جانے والی دنیا میں گزارا اپنی مرضی سے اور خوشی سے نہیں گزارا تھا۔ میرا وہاں پہنچنا بھی حادثہ تھا۔ اس نے مجھ سے میرا مقصد چھین لیا۔ میری منزل چھین لی۔ پھر میں حالات کی دلدل میں اترتا چلا گیا۔۔۔ مجبور ہوں کی زندگی میں میرے پردوں سے لپکتی رہیں لیکن دوبارہ خود بین کے ساتھ زندگی کا سفر شروع کرنے کی آرزو نہ ہو رہی۔ آج میں اپنی منزل حیات پانے کے لیے آ رہا ہوں۔“

”میں تمہارے پردوں کی زنجیر بن گئی ہوں۔۔۔ لیکن میرا کوئی ہے جو نکلیں۔“

”ایسا نہ سوچو نہ کہو۔ یہ رشتہ ایک مہارک قال ہے۔ دنیا میں ایک بھائی کے سوا میرا کوئی بھی نہیں تھا۔ جب وہ نہ رہا تو میں اس بھری دنیا میں اکیلا رہ گیا۔ وہ بد نصیب جس کا کسی سے رشتہ نہ تھا اب تم ہو۔ خاندان صرف بیوی بچوں سے نہیں بنے۔ ہم بھائی بہن آج ایک خاندان ہیں۔ اللہ نے چاہا تو اس رشتے کی برکت سے کل ایک نیا خاندان وجود

اٹھنا ہمارا پڑا۔ پتا معلوم ہونے کے بعد وہ ہمیں ان کے دروازے پر اتار دیتا تو انہیں موقع ہی نہ ملتا۔ اب وہ نہیں نہیں گے۔“

”دیکھتا اور دیکھتا نہ جلا۔۔۔ عام رکشے ولا ہوتا تو اسے کون جانتا؟ مشتاقی نام کے نہ جانے کتنے ہوں گے۔ میں اسے زیادہ نہیں جانتا مگر جتنا سلونی سے پتا چلا وہ کوئی اچھے کردار کا آدمی نہیں تھا۔“

”مگر سلونی سے بہت محبت کرنا تھا۔“

”یہ بھی کیا محبت تھی۔ سلونی جب چودھریوں کی حویلی سے نکلے تو لا اور میں کیا کرتی رہی گی؟ یہی تھا جو اسے رکشے میں لانا لے جاتا تھا۔ دولت کو جہاں پھوڑنا تھا سو وہیں سے پک کر لیتا تھا۔ محبت بھی کرتا تھا اور دلاتی بھی۔“

”تم یہ سب کیسے جانتے ہو؟“

”مجھے خود سلونی نے بتایا۔“

”پھر وہ زندگی چھوڑ کے سلونی واپس حویلی میں کیوں آئی؟“

”یہ ہو سکا ہے کہ اس کی بدنامی کسی خطرے کا سبب بن گئی ہو۔ یا اس نے سوچا ہو کہ کوئی چھوٹا چودھری بچپن جاتے تو دولت کے ساتھ عزت بھی حاصل ہو جائے۔ مگر چودھری ہاتھی نہیں ہیں۔“

وہ داد اس ہوئی۔ ”کچ کہہ تم نے۔ اس معاملے میں بھی وہ بڑے سیانے ہیں۔ محبت کر سکتے ہیں مگر شادی کے لیے سب سے اہم حسب نسب کو ہی دیکھتے ہیں۔“

”شرافت کو خاندان سے منسوب کرنا ایسا ہی ہے جیسے ہر چکنی چیز کو سونا سمجھ لینا۔ دیکھ لو ان کی ہلکی خالص خاندانی ہو گئی شریف ہے۔ سلونی پر تم ذات اور بد کردار ہونے کا الزام اس لیے آتا ہے کہ اس نے شرافت اور عالیٰ خسی کی کوئی چادر نہیں اوڑھ دی ہے۔ وہ دیکھتا ہے وہ کسی ہی نظر آتی ہے۔“

”یقین نہیں آتا کہ اس کا جو کردار حویلی میں نظر آتا تھا، دھوکا تھا۔“

”بات یہ ہے۔ شیم! نہ کوئی سو فیصد اچھا ہوتا ہے اور نہ سو فیصد برا۔ ایک پیشہ ور طوائف کے اندر بھی وہ عورت بھی مرنے نہیں جو کسی سے شادی کر کے گھر بسانا اور باعزت، محفوظ اور مطمئن زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ نہ جانے کتنی بھولی محبت پر اعتبار کر کے کوٹھے بھی چھوڑ جاتی ہیں اور لوٹ کے وہیں آنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ کچھ ایسا ہی سلونی کا معاملہ تھا۔ اسے مہارک مل جاتا تو شاید وہ کے مقابلے میں کبھی زیادہ دقا شعاع اور خدمت گزار قسم کی مثالی بیوی ثابت ہوتی۔ مگر اسے

میں آئے گا۔ جیسے ایک بچہ سے پھوٹنے والی کوئل جب وقت کے ساتھ ہوا جلتی ہے اور پھر درخت تو اس کی شاخیں اور سچے کہاں تک پھیل جاتے ہیں۔

ایک شخص پیچھے سے نمودار ہوا۔ اس کے ساتھ دو افراد دیگر اٹھائے کھل رہے تھے۔ اس نے کاغذ کی ایک پیٹ میں چاول ڈال کے مجھے اور ریٹم کو پکڑے اور آگے بڑھ گیا۔ ہمارے پاس رہتی تھی بہت اضافہ ہو گیا تھا۔

”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ کیا ہم رات تک اسی جگہ بیٹھے رہیں گے؟“ ریٹم نے کچھ دیر بعد پوچھا۔
 میں نے نکل میں سر ہلایا۔ ”یہ کوئی محفوظ جگہ نہیں۔ سب سے زیادہ مجھے یہی خیال پریشان کرتا ہے کہ اچانک کوئی مجھے پہچان نہ لے۔ میرے لیے اپنی پہچان بدلنا اور کچھ عرصہ روپوش رہنا بالکل ضرورت ہے۔ سلوٹی مل جاتی تو ہم در بدر نہ ہوتے۔ لیکن غذا کی دنیا بہت بڑی ہے۔ میں نے بہت سوچا ہے کہ یہاں سے میری زندگی کی سمت کیا ہوگی اور مجھے یہ ملے کرنا اٹھاؤ نہیں ہوا کہ میرا سفر وہاں سے شروع ہونا چاہیے جہاں سے ایک حادثے کی وجہ سے ختم ہوا تھا۔
 سر یہ میری جان کے بھی دشمن ہیں اور تمہاری جان کے بھی... برقع میں روپوشی کی وجہ سے تم محفوظ ہو۔ مجھے اپنی شناخت بھر بدلتی ہے۔ یہ یقین حاصل کر رہے ہیں کہ ہمارے چلتے پھرتے کوئی دشمن مجھے پہچان نہیں سکتا۔“

”یہ کیسے ہوگا؟“ ریٹم نے ساوگی سے پوچھا۔
 ”ہو جائے گا تم دو ٹیکنا۔ جب مجھے تلاش کرنے والی نظروں کا خطرہ نہیں ہوگا تو تم بھی محفوظ ہو جاؤ گی پھر سب سے پہلے میں نورین کی تلاش شروع کروں گا۔“
 ”کیسے تلاش کرو گے اسے... ہو کہاں؟“

”جب ارادہ ہو تو راستہ بھی مل جاتا ہے اور منزل بھی۔ میرا دوسرا مقصد تھا نادر شاہ کے انتظام لینا۔“
 ”خدا انوار تم کا کام رہے... پھر؟ نورین کا کیا ہو گا۔ میرا کیا ہوگا؟“

میرے پاس اس کے سوال کا ایسا کوئی جواب نہیں تھا جو اسے مطمئن کر سکتا۔ میں اٹھ کر کھڑا ہوا۔ یہ پارک کا آخری کونہ تھا۔ ٹوٹی ہوئی دیوار کے راستے سے نکل کے میں سڑک پر آیا۔ سڑک کے دونوں جانب عارضی دکانوں میں کھانے پینے کے اور چائے کے اسٹال لگ گئے تھے۔ بہت سے ریڑھیوں والے اپنا سامان لے کر آگئے تھے۔ وہ پکڑوں سے کھلونوں اور سستے کپڑوں سے چوڑیوں تک سب کچھ بیچ رہے تھے۔ ایک جگہ مجھے پرانے کپڑوں کا

ذخیرہ نظر آیا۔ کپڑے بیچنے والا ایک درمی بچھائے آوازیں لگا رہا تھا۔ ضرورت مند غریب آس پاس بیٹھے کپڑے مچھانت رہے تھے۔ میں بھی ان کے درمیان چلا گیا اور اپنے لیے ایک پرانا شلوار کیس منتخب کر لیا۔ یہ نسبتاً مہکا ہوا تھا کیونکہ پہنا ہوا یا کثرت استعمال سے خراب ہونے والا نہیں تھا۔ اس کپڑوں سے ہوا محو رہی تھی لیکن مہووری اس یو سے زیادہ تھی۔ ایک مسجد کے غسل خانے میں جا کے میں نے اپنا لباس دھوا چھوڑا اور یہ سیارنگ کا شلوار قمیض پہن لیا جو میرے سائز سے کچھ بڑا تھا۔ اپنا حلیہ میں پہلے ہی بدل چکا تھا۔ میں نے پھر وہی نسخہ آزمایا۔ میں نے زیر دھیر کے پیشوں والا سستے پے سنگ کا چشمہ خرید کر آنکھوں پر چڑھا لیا۔ سر کے لیے میں نے اسی مسجد کے باہر سے جہاں میں نے لباس بدلایا تھا ٹائلوں کی جالی والی سفید ٹوٹی اٹھالی۔ اسے قیمتی جوگر چھوڑ کر میں نے پرانے نیلے جوگر پہنے اور مطمئن ہو گیا کہ میرا ظاہری حلیہ مطمئن بخش حد تک بدل چکا ہے۔ بالکل نظر میں اب مجھے کوئی دشمن نہیں پہچان سکتا تھا۔ ایک مدت گزری میں زندہ تھا لیکن اپنی زندگی نہیں بلی رہا تھا۔ میں چھپے نام و شناخت پر نظر فریب پر دسے ڈال کے اپنی دانست میں موت کو دم کا دے رہا تھا۔ ابھی میں خاور تھا تو کہیں ملک سلیم اختر... دو زندگی جو میری اپنی تھی اور جس پر ہاں باب نے فرید الدین گیلانی لگا یا تھا کسی سرورفتہ کی بات لگتی تھی یا کسی اور کی حیات مستعار۔

ایک اور بھی بدل لینے کے باوجود خوف کا جو آسیب میرے دل کو اپنے پنجوں میں پکڑے ہوئے تھا ختم نہیں ہوتا تھا۔ جب میں روپ بدلنا تھا تو وہ بھی وقتی طور پر یوں غائب ہو جاتا تھا جیسے سانپ کو نے کھدوے میں یا کاغذ کباز میں چھپ جائے۔ اب میرے اندر خوف کے یقین زہر لیے ناگ پیچھے ہوئے تھے اور میں ان کے پھکاوے کی آوازیں سن سکتا تھا۔ ایک دوبارہ جھجکا دار پر اپنے پیروں کے نیچے سے زمین سرک جانے کا خوف تھا جو مقررہ قاتل فرید الدین کو لٹا چاہتا تھا۔ دوسرا مسلمان خان کے قتل اور اس سے ناجائز تعلق رکھنے والی قاتل دلہن نورین کو بھگالے جانے کا مجرم خاور کے نام سے وہی تک زندہ تھا اور گرتا رہی کے ثخول کا سانپ تھا جو میرے وجود میں کنڈلی مار سے بیٹھا تھا اور تیسرا کالا ناگ ابھی نمودار ہوا تھا اور شاید سب سے خطرناک تھا۔ وہ میرے تعاقب میں تھا یعنی ملک سلیم اختر کو ڈسٹا چاہتا تھا۔

”سلیم؟ میں اور نہیں چل سکتی۔“ ریٹم دھڑک دینے کے

کے لیے جگہ چاہیے۔" وہ ڈھٹائی سے کھڑا رہا۔
 اخبار دانے نے شاید ریشم کی بات سنی تھی کہ کچھ دیر
 میں رات ہو جائے گی۔ "ضرورت ہوئی تو ہم ہوٹل میں چلے
 جائیں گے۔"

"ہوٹل کو چھوڑیں سر... چھاپے پڑ جاتے ہیں۔
 بڑی محفوظ جگہ ہے اور پیسے بھی بہت کم۔" اس نے مجھے آنکھ
 مار دی۔

میں نے کپ بیچ پر دم کر کہا۔ "یہ میری بہن ہے۔"
 "سب ایسے ہی کہتے ہیں جی اور ہمیں کیا اس سے۔"
 اس کی بات مجھے گالی کی طرح لگی۔ میں نے ایک دم
 اس کے منہ پر پھیر مارا۔ وہ نیچے گر گیا۔ میں نے اسے گردن
 سے دوپٹے کے اٹھایا۔ "بھئی! بھئی! بہن کو لے گئے ہو وہاں؟
 بے غیرت..."

اس کے چلانے سے کچھ لوگ رک گئے۔ غدرتی طور
 پر لوگ مظلوم و بیچارے ہیں۔ "کیوں مارتے ہو جی غریب
 کو؟" ایک بھلی داناڑی والے نے مجھے مطعون کرنے والی
 نظروں سے گھورا۔ ریشم نے اب چہرے پر غلاب ڈال دیا
 تھی۔

"یہ غریب نہیں دلال ہے۔ یہ میری بہن ہے۔ پوچھ
 رہا تمہارا ت گزارنے کے لیے جگہ چاہیے۔" میں نے برہمی
 سے کہا۔ "یہ پکڑ چائے کے پیسے اور دھوکا ہو جا۔" لڑکا جان
 پھڑا کے بھاگا کیونکہ اب لوگوں کی نظر میں وہ مظلوم نہیں مجرم
 ہو گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی لوگ بھی چلے گئے۔ خود میں
 یہاں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ ابھی ہم چند قدم ہی چلے تھے کہ
 میں نے کسی کی آواز سنی۔ "بھائی جی... بھائی جی... ایک
 منٹ۔"

میں نے پلٹ کے دیکھا تو مجھ سے مار کھانے والا لڑکا
 پیچھے بھاگتا آرہا تھا۔ میں نے غرا کے جا رہا تھا انداز میں اس
 سے پوچھا۔ "کیا دباؤ درست نہیں ہوا تیرا...؟"

وہ سامنے آ کے رک گیا۔ "مجھے معاف کر دیجی...
 آپ کی جگہ میں ہوتا تو اپنی بہن کے لیے ایسی بات کرنے
 والے کو جان سے مار دیتا۔"

"اچھا جاؤ معاف کیا مگر یہ کیا کام کر رہے ہو اس صبح
 میں... شرم کرو۔"

"شرم کیا کریں جی، مجھ دی سب کرتی ہے۔ بھائی کو
 دیکھا آپ نے۔ باپ لٹکی ہے۔ ماں ایک گھر میں کام کرتی
 تھی۔ دو بھئی بیٹے جاتا تھا پیسے مانگتے۔ رہنے کا ٹھکانا بتا دیا تھا
 اور ماں کو خدمت کے اچھے پیسے ملتے تھے۔ اسے اخبار بیچنے

انداز میں ہڑک کے کنارے ایک بیچ پر بیٹھ گئی۔

میں نے ادھر گھوم دیکھا۔ میرے سامنے لارمی لڑا تھا
 جہاں سیکڑوں بسوں کی قطاروں کے سامنے کنڈیکٹر کا چار
 پہاڑ کے مسافروں کو بلارہے تھے اور ہزاروں آنے جانے
 والے سرگرمیوں تھے۔ میں ریشم کے ساتھ بیٹھ گیا۔ "میں بھی
 بہت تھک گیا ہوں۔ سوچتے سوچتے ہو رہے چلے۔ لیکن ابھی
 تک میں کسی تپتیے پر نہیں بیٹھا۔"

"کیا تم سلونی کے شوہر کو تلاش کر رہے ہو... کہ کہیں
 اس کا رشتہ نظر آ جائے؟"

"لاحول ولاقوتہ... مجاز میں جائے سلونی اپنے شوہر
 سمیت۔ اس مال کی کیا فکر جو بھی اپنا تھا ہی نہیں۔ جب میں
 نیل سے فرار ہوا تھا تب بھی مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں کہاں
 جاؤں گا اور کیا کروں گا۔"

"کچھ دیر میں شام اور پھر رات ہو جائے گی۔"
 ایک لڑکا جس کے ہاتھ پولیو سے ناکارہ ہو گئے تھے،
 بے سادگی پر چلتا شام کے اخبار اٹھائے نمودار ہوا۔ "جناب
 ایک دوپے میں اخبار خرید لو۔" اس نے لجاجت سے کہا۔
 میں نے اخبار لے لیا۔ "صبح بھی یہی کام کرتے
 ہو؟"

اس نے فوراً نیچے سے صبح کا بچا ہوا اخبار نکالا۔ "یہ
 لیں جناب... ماغری ہے۔"

میں نے اسے دس روپے دے دیے۔ وہ دھبا میں
 دینا چلا گیا۔ مدد یا خیرات مانگنے کا یہ بہتر اور مؤثر طریقہ ہے
 لیکن یقین کے ساتھ کوئی کہہ سکتا ہے کہ بھکاری کون ہے اور
 ضرورت مند کون۔ میں نے اخبار دانے لڑکے کو کچھ کاغذ
 پر دوسرے نوجوان لڑکے سے بات کرتے دیکھا۔ اس نے
 میری طرف اشارہ کیا تھا دوسرا لڑکا سولہ سترہ برس کا ہو گا اور
 وہ چائے کے ایک کھوکھے کا ملازم نظر آتا تھا وہ ٹیلی فون پر
 ٹرے میں چائے کے دو کپ لے کر ہماری طرف آیا۔
 "چائے سر۔"

میں نے چائے بھی لے لی اور ایک کپ ریشم کو دے
 دیا جو آزادی سے سانس لینے کے لیے غلاب اٹھائے بیٹھی
 سب کو حوجہ کرتی تھی۔ سیاہ غلاب کے حاشے میں اس کا رنگ
 روپ نہ دیکھا کہ ہوتا تھا، چائے جیسی بھی گرم تھی۔ وہ
 شاید خالی کپ اور پیسے لینے کے بہانے وہیں کنڈیکٹر ریشم کو
 گھورنے لگا۔ "چند دن منٹ بعد آنا۔" میں نے غصے سے
 کہا۔ "سر پر کیوں سوار ہو؟"

"میرے بھائی نے بتایا کہ آپ کو رات گزارنے

سے کیڑا ہوتا ہے اور مجھے بھی دس روپے روز ملنے لگا۔"

ریشم نے میرا ہاتھ پکڑ کے کھینچا۔ "چلو بھائی۔"

لڑکا ایک دم بولا۔ "آپ وہاں چلے جاؤ، جہاں میری ماں کام کرتی تھی۔ اکیلا عورت ہے۔ بوڑھی ہے اور بیمار ہوتی ہے۔"

ریشم نے اسے ڈانٹا۔ "تم کو گھر کرنے کی ضرورت نہیں تھادی۔۔۔ دفع ہو جاؤ۔"

لڑکا مایوس صورت بنائے کھڑا۔ میں نے پیچھے سے اس کی آواز سنی۔ "آج اخبار میں اشتہار دیکھا تھا میں نے اس کا۔"

پتھردور آ کے میں نے کہا۔ "غریب اور ضرورت مند کو غلط راستے پر ڈالنا آسان ہوتا ہے۔"

"اب تمہیں ترس آ رہا ہے اس پر۔"

"ہاں، وہ واقعی شرمناک تھا۔ ورنہ معافی مانگنے کیوں آتا۔" میں نے چلتے چلتے اخبار کھول کے دیکھا۔ شام کے اخبار میں سارے اشتہار پراپرٹی کے تھے یا حکیم اور دینیاسی بڑا جیسے قراڑ کرنے والوں کے۔۔۔ تنگ کے اخبار میں "ضرورت ہے" کے عنوان سے صرف تین اشتہار تھے۔ زیادہ تر لوگ اشتہار دینے کے لیے سٹل سے ایڈریشن کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر کے نے شاید تیسرے اشتہار کا حوالہ دیا تھا۔

ایک ضعیف اور بیمار عورت کو دن رات کے لیے کسی دکان بھال کرنے والے خادم یا خادمہ کی ضرورت تھی۔ انہی نکاح کے علاوہ پائش اور کھالے کبابات بھی کی گئی تھی۔ میں نے وہ اشتہار دیکھ کر ہنس کر دیکھا تھا۔

میں نے کہا۔ "پہلے میرا بچہ اور پھر ارادہ۔۔۔ میں واپس جانا چاہتا تھا۔"

"واپس؟" وہ حیران ہوئی۔ "پھر بھاگ کے کیوں آئے تھے؟"

میں نے وضاحت کی۔ "واپس تو مجھے جانا پڑے گا۔ نورین کی تلاش کا آغاز وہیں سے کیا جاسکتا ہے۔ شاید کوئی سداون خان کے بارے میں کچھ بتائے۔ ورنہ سداون خان کا ایک بھانجا بھی تھا۔ ماموں بھانجا دونوں اکیسے چیل کاٹ چکے ہیں۔ لیکن میں کچھ دن وہ پوش رہنا چاہتا ہوں۔ یہ انتقام کی آگ کچھ سرد ہو جائے۔ خون کے پیاسے جو میری تلاش میں سرگرداں ہیں کچھ ٹھنک اور مایوسی کا شکار ہوں اور ان کے جنون کی یہ شدت نہ رہے۔ ایسا ہونا قدرتی بات ہے۔ کوئی جذبہ ہمیشہ جو ان میں رہتا۔"

ریشم کچھ نہیں بولی۔ وہ خاموشی سے میرے ساتھ چلتی

رہی۔ میں نے اخبار میں دیا ہوا پتا پوچھا تو اندازہ ہوا کہ ہم اس جگہ سے زیادہ دور نہیں تھے۔ آدھے گھنٹے کی تلاش نے ہمیں اس دروازے پر پہنچا دیا۔ میں نے کال ٹیل کا ٹین دبا دیا تو مجھے اندر کے سٹائے میں کوئی صدا اٹھتی محسوس نہ ہوئی۔ میں نے دروازے پر دستک دی۔ پہلے آہستہ پھر کچھ اٹکار کے بعد زیادہ قوت سے۔ اندر سے ایک دلی دلی آواز سنائی دی۔ "اچھا۔۔۔ ماچھا آ رہی ہوں۔"

دروازہ کھلا تو میں نے اپنے مقابل ایک خاص عمر رسیدہ اور کمر خیزیدہ خاتون کو دیکھا جو سیاہ فریم والے عینے کے پیچھے سے مجھے گھور رہی تھی۔ ان کی سفید سازی ایک ڈھانچا بدن پر لپٹی ہوئی تھی مگر اچلی تھی۔ ان کے دونوں ہاتھ لام کی شکل والی چھری پر سجے ہوئے تھے جو انہیں سہارا فراہم کرتی تھی۔ "کون ہو تم۔۔۔ کیا چاہیے؟"

میں نے کہا۔ "ہم آپ کے اشتہار کے جواب میں آئے تھے۔"

انہوں نے سر ہلایا اور ہم دونوں کو باری باری دیکھا۔ "یہ کون ہے۔۔۔ تمہاری بھاری؟"

"نئی نہیں یہ بہن ہے میری۔۔۔ بھلا آپ کی خدمت کرنے کی۔"

"اچھا۔۔۔ اندر آؤ۔" وہ پینٹ کے چلن پڑیں۔ ہم ان کے پیچھے ایک برآمدے تک پہنچے۔ وہ ایک تخت پر بیٹھ گئیں اور ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہاں کرسی صرف ایک ہی تھی۔ ریشم ان کے پیروں کی طرف خالی جگہ پر ٹک گئی۔ "اب اپنے بارے میں بتاؤ کون ہو، کہاں سے آئے ہو۔ اگر یہ سوچ کر آئے ہو کہ نیک ایگنی کمزور لاوارث بڑھیا کو مار کے اور مال مہیت کے بھاگ چاؤ گئے تو تمہیں بتا دوں کہ اس جان کے سوا تم کچھ نہیں لے سکتے۔"

میں نے کالوں کو ہاتھ لگایا۔ "ہیکم صاحبہ! کیا ہم صورت سے ایسے نظر آتے ہیں؟"

"صورتمندی دھوکا دیتی ہیں۔ مگر خیر۔۔۔ تم بتاؤ کیا نام ہے۔ کہاں سے آئے ہو، کیا کرتے ہو؟"

میں نے سچ محسوس ہونے والے جھوٹ پر ہنسی ایک کہانی ترتیب دے لی تھی۔ "کیا کریں گی ہمارے دکھ کا حال جان کے۔ رہنے والے ہم اسی شہر کے ہیں۔ حرم گیسٹ کے اندر پانچ مہینے کا چھوٹا سامکان تھا۔ اب امر گئے تو ماں بھی ایک بہن اور ہم دو بھائی تھے۔ بڑے بھائی کی شادی تک سب ٹھیک رہا۔ اب کابیس کے اڈے پر چائے کا کھوکھا تھا۔ اس پر قبضہ ہو گیا۔ ہم نے وہاں بڑی لگانے کی بات

لجھراتے حسین بال ہمیشہ کے لئے۔

MEDICAM SHAMPOO

مہینے بھر کا شیمپو

The advertisement features two women with long, dark, wavy hair. The woman on the left is wearing a dark, patterned top and is holding a large bottle of Medicam Shampoo. The woman on the right is wearing a light-colored, patterned top and is also holding a large bottle of Medicam Shampoo. In the foreground, there is a row of seven smaller bottles of Medicam Shampoo, each with a different label. The labels are: 3 IN 1 SHAMPOO, SUGAR, ANTI DANDRUFF, AMLA, HERBAL, BEST, EGG, and RALPH. The background is a plain, light color.

جواوری

انہوں نے چائے لے لی۔ "تمہارا چائے پانے اور پیش کرنے کا انداز ظاہر کرتا ہے کہ تم میں سلیقہ ہے۔"
"آپ مجھے بتا دیں کہ ناشتہ چائے اور کھانے میں کیا پسند ہے۔ دیگر معمولات کو میں سمجھ لوں گی ایک دو دن میں۔"

بڑی بی نے پسندیدگی کی نظر سے رشیم کو دیکھا۔ "اچھا ہے اگر تم یہاں تک جاؤ۔ پہلے میں نے کسی کے ساتھ لو کروں جیسا سلوک نہیں کیا۔ کوشش کی کہ وہ خود کو گھر کا فرد سمجھیں۔ عزت بھی دی اور سہولت بھی... لیکن اپنے ہی اپنے نہ دے تو غیر کیسے اپنے ہو سکتے تھے۔ کچھ خود چلے گئے۔ کچھ میری توقعات پر پورے نہیں اترے۔"

اس رات رشیم نے خالہ کی خواہش کے مطابق کھانا بنایا۔ خواہم نے بھی دیکھا یا۔ حسن اتنی زیادہ تھی کہ دس بجے ہم سو گئے۔ بیک کافی چڑھا تھا۔ پھر بھی میں نے فرش کو ترچ دی۔ رشیم تو فوراً ہی سو گئی تھی۔ میں سونے سے پہلے اپنے خیالوں سے لڑتا رہا۔ ایک بار پھر میں بے گھر تھا۔ مغرور تھا۔ گزری ہوئی تمن و تمن میں انگ جھٹ کے نیچے گزری تھیں۔ آنے والی رات کہاں گزرے گی۔ یہ سوچنا لا حاصل تھا۔

میرا ذہن مختلف جذبات، ہور خیالات کی رو میں تھا۔ فوری طور پر سلونی کی دغا بازی نے مجھے شدید جذباتی صدمے سے دوچار کیا تھا۔ لولا کھ کی رقم کے بارے میں رشیم سے میں نے جو بھی کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس دولت نے حق و قادری، ظلوں اور احمقوں کے جذبات کا مدیخہ بدلا تھا۔ یہ نامہربان اور بے وفاء دولت تھی جو خون، مائتھی، انسان کا اور انسان کے رشتوں کا اور جذبات کا۔ رگھیا سے نہ میری جذباتی وابستگی رہی تھی اور نہ مجھے توقعات تھیں۔ یہ بالواسطہ تہدیک تھی۔ رگھیا کو دولت لے اور سلونی کو رگھیلانے مجبور کیا ہوگا۔ کیا واقعی سلونی کو اس سے اتنی محبت تھی کہ اس کی خاطر وہ دنیا کو چھوڑ سکتی تھی۔

پھر مجھے روزینہ اور مراد کا خیال آیا۔ دونوں نے روایات کی زنجیریں توڑ کے محبت کے انہی پر آزادی سے پرواز کا حق حاصل کیا تھا اور یقیناً اپنی زندگی کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ وہ محبت کے جوہری تھے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ ان میں کون بڑا جواوری تھا۔ مراد ایک بار زندگی کو داؤ پر لگا چکا تھا۔ شاید محبت نے ہی اسے بچا لیا تھا۔ روزینہ نے اب جان کی بازی کھیلی تھی بلکہ صحیح معنوں میں محبت کے لیے موت کا سامان کرنے والی اس لڑکی کا خدا کے سوا کوئی ہی نہ ہوتا تھا۔

"گھر میں رو کر رہے ہیں۔ ایک میں تم رہو گے۔ تیسرا باہر والا کمر بند رہتا ہے۔ مگر بیٹھے میں ایک بار اس کی صفائی کروں گی۔ اپنا سامان کب لاؤ گے تم؟"
"آج یا کل۔ بس کپڑے ہی لیں یا اور کچھ چھوٹی سونی چیزیں ذرا استعمال کی۔"

"یہاں ضرورت کی ہر چیز ہے۔ میرے پرانے کپڑے بھی بہت ہیں۔ دیکھ لیں۔ ایڈوائس نہیں دوں گی میں۔"

"تموڑے بہت پیسے ہیں میرے پاس بیگم صاحبہ۔ اب کیا میں کچھ بچہ بچہ لے سکتا ہوں۔ اگر آپ پرانے مائیں تو۔"
"مجھے پتا ہے تم کیا بچہ بچہ لے... شوہر کو مرے چالیس سال ہو گئے۔ دو بیٹے امریکا چلے گئے۔ رشتے دار ہیں مگر مجھے بھول چکے ہیں۔ ان کے لیے میں بھی مر چکی ہوں۔ بیٹوں کا دس سال سے فون بھی نہیں آیا۔ سمجھ لیا ہوگا کہ میں بھی مر چکی۔ میری عمر نوے سال ہے اب۔۔۔ شوہر کی عمر ساٹھ سال تھی جب اس کا دل ہوا۔ کہیں رو کر وہ لڑ رہے تھے۔ وہ بیٹا میں آگئے اور کوئی لگ گئی۔ ریلوے میں ملازم تھے۔ ان کی پیشانی ہے اور کچھ رقم جو جمع ہے ہر مہینے منافع ملتا ہے۔ اچھا، اب جا کے مچن میں دیکھو، میرے کھانے کے لیے کچھ کرو، کتنے دن سے ڈبل روٹی کھا رہی ہوں دودھ کے ساتھ۔ چائے برسوں خود پانے کے لیا گی۔ جاؤ اپنے لیے بھی چائے بنا لو اور مجھے بھی دو۔"

میں نے اس پنا گاہ کو بھی تائید الہی دی جانا اور ضرورت سربراہی کی اور سوائے ہوش کے جو بے گھر مسافروں کو سر چھپانے کی جگہ فراہم کرتے ہیں کوئی دوسرا ایسا مکان نظر نہ آتا تھا۔

دس منٹ آرام کرنے کے بعد رشیم نے ہاتھ روم میں جا کے ہاتھ منو دھو یا اور پھر مچن کا رخ کیا۔ میں جوتے اتار کے اس کی جگہ دراز ہو گیا اور کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کر کے مدیخ کو تمام تفکرات سے آزاد رکھنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ پھر رشیم نے آواز لگائی۔ "ادھر ہی آ جاؤ بھائی... چائے پی لو۔"

وہ چڑی بی کے کمرے میں چائے کی لڑے میز پر سجائے ٹٹھی تھی۔

"تم نے مچن دیکھ لیا نور؟" وہ فور سے اسے چائے بنا کر بکھتی رہ گیا۔

"جی خالہ، مگر ابھی سب التا سیدھا پڑا ہے۔ کل کروں گی صفائی۔"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد ریشم نے کہا۔ "تم نے والد کا ذکر نہیں کیا۔"

"جب میں ساری بھر کا تھا تو وہ مر گئے تھے۔ لیکن ان کی پشیمانی اور ماں بھلی کے بچوں کو قرآن پڑھاتی تھیں۔ ہمارے گھر چٹا ہوا تھا۔ مجھے یہ سب بھی بھائی سے یاد تھا۔"

"نہارے بھائی کا بھی قتل ہوا تھا؟"

"ہاں، جب سے نادر شاہ کی تصویر دیکھی ہے۔ ایک پرانے زخم سے پھر لبوہ سے لگا ہے۔ اپنے بھائی کی وہ صورت میری نظروں میں پھرتی ہے جو میں نے اسے قبر میں اتارنے کے بعد اٹھائی یاد نہیں کی۔ وہ میرا بھائی ہی نہیں تھا باپ کی جگہ تھا میرے لیے۔ نہیں شاید یہ اتفاق کی بات تھی اور... اور ہر شخص کی کہے گا لیکن میرے لیے وہ شاکر علی محمود تھا جو پہلے نادر شاہ کا مرنے کے ہوا اور پھر اس کو اپنے مقابلہ دیکھ کے ہوا۔ اس کی تصویر مجھے اپنا مذاق اڑانی محسوس ہوتی ہے۔ میری ہے بس اور بے چارگی پر خندہ دل لگتی ہے کہ وہی ہو کہ خرید الدین! تو غدار بن جا یا ملک سلیم اختر... جیل کی دیواروں توڑ کے نکل جا یا ہودھریوں کی حوٹیاں بٹھا لے۔ تیری موت خود تجھ کو بھائی لائے گا۔"

اس دوران میں دوسرے کمرے سے بڑی لہجے نے آواز لگائی شروع کی۔ "نورا کیا کر رہی ہو؟"

نورا اچھ کے بھائی۔ میں نے اٹھتے کے برتن بکھن میں پھینکے اور خود بھی بڑی لہجے کا حذر ہو گیا۔ وہ ریشم کو دوا کے بارے میں بتا رہی تھیں اور وہ پھر کے کھانے کے لیے ہدایت دے رہی تھیں۔ مجھے دیکھ کے انہوں نے کہا۔ "اچھا ہوا تم بھی آگئے۔ اب ہر روز صبح تمہارا ایک کام تو ہے جینک جانے کا۔ اس کے بعد جو نور کہے وہ بازو سے لارے کے۔ تم کو اپنا کیا کیا سامان لانا ہے بھائی کے کمرے۔ آج لے آؤ۔" انہوں نے مجھے عجیبے کے بیچے سے ایک بڑا کچیک نکال کھدیا۔

میں اپنے ظاہری طبع سے پوری طرح مطمئن نہیں تھا۔ تین دن شیونہ بنانے سے میرے چہرے پر داغ مگنے ایک سیاہ حاشیہ بنا دیا تھا اور مجھے امید تھی کہ مزید ایک ہفتے میں بڑھ جانے والے بالوں سے میری صورت پر ایک خوشحالی داڑھی کا اضافہ ہو جائے گا۔ باہر جاتے ہوئے میں نے چار خانے کی ایک پرانی سیلی چادر بھی جسم پر لپیٹ لی۔ دروازے سے باہر نکل کے میں نے اسے چہرے کے گرد بھی لپیٹ لیا۔ اس سے مجھے تحفظ کی جگہ وہابی حاصل ہو گئی

خیالات کے انتشار کے باوجود میں زیادہ دیر نہیں جاگا۔ جسمانی تھکن نے مجھے غنڈ کی آغوش میں پہنچا دیا۔ مجھے آج کی رات احساسِ تحفظ حاصل تھا۔ میں صبح خود نہیں جاگا۔ میں نہ جانے کب تک سو رہا مگر ریشم نے مجھے بیدار کر دیا۔ میں نے دیکھا کہ ریشم نے گھر کی حالت خاصی بدل دی ہے۔ ایسا نہیں کہ گھر میں کوڑے کچرے کے ڈھیر تھے یا طحلت تھی۔ ریشم نے گھر کی بے ترتیبی کو ختم کر دیا تھا۔ اس نے خالہ کو ان کی خواہش کے مطابق ناشا بنا کے دیا اور اب میرے ساتھ خود بھی ناشا کرنا چاہتی تھی۔ اس ناشتے میں بہت زیادہ تکلفات تو نہیں تھے۔ آہستہ کے ساتھ کھانے کے لیے پر اٹھے تھے اور چائے میری مرضی کے مطابق تھی۔

مجھے خاموش دیکھ کے ریشم نے کہا۔ "کیا سوچ رہے ہو؟ یہاں سے بھاگنے کی فکر میں ہو؟"

میں نے لہجے میں ہر لہجہ دیا۔ "مجھے یہ سب کچھ عجیب سا لگ رہا ہے۔"

"کیا عجیب لگ رہا ہے؟"

"نہیں... کہ کل رات ہم جھوٹ بولی کے اس گھر میں داخل ہوئے اور اس وقت مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے یہ میرا وہ گھر ہے جو بچپن میں تھا۔ ہر شے کا جوتا ہے۔ اچھا اس چڑھکون اور محفوظ... وہاں بھائی تھا میرا اور بھائی... جس کا وہندا سا نقش ایسا ہی ہے۔ وہ سادگی نہیں باندھتی تھیں۔ سادہ سلیب شلوار تھیں اور دوپٹے کے علاوہ میں ان کا کسی دوسرے لباس میں تصور نہیں کر سکتا۔ مگر وہ بھی وہی تھیں۔ پھر بعد میں ہمارے بچنے لگی تھیں۔ ایک ذات ان کا نول بند ہو گیا۔ بھائی کا بیٹا تھا۔ اسکا نول میں۔ ہمیں وقت پر جگانا اور ناشا کرانے اسکا نول پہنچنا... وہ کسی پر کھانا تیار رکھنا۔ پھر ایک دو گھنٹے سوچا۔ شام کو کھینچنے جانا اور وہ کسی پر ہوم ورک... پھر رات کا کھانا اور سو جانا۔ یہی روز کا معمول تھا۔ ہر گھر کا ایسا ہی معمول ہوتا ہے۔ ان کی وفات کے بعد میری دستے داری بھی بھائی نے سنبھالی۔ اسی سال بھائی نے لہجے کر لیا تھا۔ صرف ایک بار اس نے کہا تھا کہ فرید! داری کوئی بہن ہوتی تو ماں کی جگہ لے سکتی تھی اور میں نے کہا تھا کہ بھائی تم شادی کر لو۔ بھائی سنبھال لے گی مگر... تو وہ بہت جتنا تھا۔ اس نے کہا کہ پہلے شادی تمہاری ہوگی۔ لیکن آج تم نے ناشا بنا کے میرے سامنے رکھا ہے تو مجھے بھائی کی بات بھی یاد آ رہی ہے اور ماں بھی... اور یہ عجیب سا لگ رہا ہے کہ بھائی نہیں ہے۔"

جواہر

مجھے اندازہ نہ تھا۔ اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ اتنی جلدی کی ضرورت بھی نہیں۔ ہم یہاں دوپٹوں پر بیٹھے ہیں اور محفوظ بھی۔ کوئی اسکی دیکھ بات اوتو فرار ہونا کچھ مشکل ہے۔

دوپٹے کا کھانا بھی سادہ تھا۔ ہاجرہ بیگم کو بلند پریشانی سے علاوہ عارضہ کوئی شاق نہیں تھا مگر وہ عمر کی مناسبت سے کھانے پینے کے معاملے میں محتاط تھیں۔ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ ضروری نہیں جو میں کھاؤں وہ تم بھی کھاؤ۔ چاہو تو اپنے لیے الگ بنالو۔ پھر انہوں نے مجھے گاڑی کی چابی دے کر تاکید کی کہ اس کی صفائی کروں اور اسٹارٹ کر کے ویک لوں کہ بیٹری تو لایہ نہیں ہوئی ہے۔ بیٹری پرانی نہیں تھی مگر گاڑی کھڑی رہی تو ڈیڑھ گھنٹہ کی تھی۔ میں نے اسے دھکے سے اسٹارٹ کیا اور وہیں کھڑے کھڑے رن ہوتا رہا۔ ہاجرہ بیگم نے مجھے اسٹیئرنگ ٹاک کی پابلی نہیں دی تھی ورنہ میں اس کو ایک والا نہ پر لے جاتے۔ ابھی لٹرن چیک کرتا۔

دیشم شام تک گھر کی صفائی اور چیزوں کو ترتیب سے رکھنے میں مصروف رہی۔ ہاجرہ بیگم دوپٹے پر آدھے میں گھر کی ڈائریاں دیکھا کرتی رہیں۔ وہ دیشم کے سلیقے سے مٹھن تھیں مگر عدم اطمینان کا شکار بھی کہ لڑکی کے عزائم کیا ہیں۔ ان کو مطمئن کر کے ان کا اہتمام حاصل کرنا اور اس کے

اور میں زیادہ اعتماد کے ساتھ چیک کیا۔

چیک میں آپریشن شیئر نے مجھے بڑے غور سے دیکھا۔ "تم ہاجرہ بیگم کے سنے ملازم ہو؟ کیا نام ہے؟"

"چوہدری خاور سلیم۔"

"شانتی کا رڈ لکھاؤ۔" وہ مجھے گھورتا رہا۔

"شانتی کا رڈ گم ہو گیا تھا۔ اس کی رپورٹ نکھا دی تھی۔ دوسرے نمونہ ہے۔"

مزید کچھ کہے البتہ اس نے ایک ہزار میرے سامنے رکھ دیے تھے۔ میں نے اپنی جیب میں رکھ لیے۔

باہر نکل کے میں نے کچھ کھانے پینے کا سامان خرید لیا جو نور نے بتایا تھا۔ پھر مجھے لٹری بازار میں ایک گلی دکھائی دی۔ وہاں سے مجھے ایک پرانا سوٹ کیس ملی گیا۔ میں نے اپنے لیے دو شلواریں لیں۔ ستر بہت معمولی قیمت کے خریدے۔ خود کو بھی چوتے پکڑے۔ وہ کار تھے لیکن یہ کام وہ خود بہتر طور پر کر سکتی تھی۔ میں نے اندازے سے اس کے ساکر کا ایک جوڑا لے لیا۔ وہ بھی سستا ہی تھا مگر مجھے اچھا لگا۔ ایک گھر کی ملازمہ نے یاد دہشتیں اور فیکٹری پکڑے نہیں جہن سکتی تھی۔ میں نے جو پہلی بیک گراؤنڈ بتایا تھا وہ بھی غریب گھر کا ہی تھا۔ یہاں عمارت اقیام عارضی تھا لیکن اس کی عمارت کا خود

لکیریوں کے اسیر

اکثر ہاتھ کی ریکھائیں قدموں تلے ایسے رستے بچھا دیتی ہیں کہ ٹھوکر تلنے کے باوجود چلنا بھولتی بن جاتا ہے۔ آخری صفحات پر ڈاکٹر عبدالغوب بھٹی کا نیا انداز

فقیر دوست

سارخ کے سمندر سے واقعات کی سرکش موجوں کا احوال ابتدائی صفحات پر ڈاکٹر ساجد امجد کے قلم کی روانی

ستاروں پر کھنڈ

بعض اوقات لہزیدہ قلموں کو محبت ایسا استحکام بخشی ہے کہ دنیا حیران رہ جاتی ہے۔ طاہر جاوید مغل کا ڈراما انداز

ماوی

ہم شغل، ہم مزاج، ہم تقدیر کی انفرادیت کا اظہار کیا کیسے رنگ دکھاتا ہے۔ محسن الدین نواب کے خیالات کی اذان

اگست 2014ء کا شمار

رمضان اور عید کے لمحات کے ساتھ

خوشگوارت بہائیں کا موسم

ڈاکٹر ساجد امجد

ڈاکٹر عبدالغوب بھٹی

ڈاکٹر ساجد امجد

ڈاکٹر عبدالغوب بھٹی

ڈاکٹر ساجد امجد

ڈاکٹر عبدالغوب بھٹی

ڈاکٹر ساجد امجد

ڈاکٹر عبدالغوب بھٹی

کشف الہامی ڈاکٹر شمس الدین شمس الدین شمس الدین

منظر امارت اور سلیم الدین الدین الدین

جاسوسی ڈاکٹر ساجد امجد 2014ء

بعد موقع پا کے گھر پر ہاتھ صاف کر کے نکل جانا پانچ گنج گھر کو اپنا گھر سمجھ کے مہر گلر کے ساتھ رہتا۔ ہاجرہ بیگم نے نہ جانے کس کس سے توقعات وابستہ کی ہوں گی۔ شاید ان کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا سلوک بھی کیا ہو کہ وہ مطمئن رہا۔ لیکن کوئی وفادار ثابت نہیں ہوا تھا۔ کسی نے اس گھر کو اور انہیں اپنا نہیں سمجھا تھا۔ اور جب اولاد انہیں چھوڑ گئی تو غیر سے کیسی امید۔ تنخواہ دار ملازم اپنے بیٹے کا نظم الہدلی کسے ہو سکتا ہے۔ یہ زندگی کا آخری دور تھا جس میں انحصار بنا گزیر تھا۔

ریٹم نے تمام اخبارات کو جرا دھر اُدھر پھینے پڑے تھے سمیت کر ایک جگہ رکھ دیا تھا۔ میں نے وقت گزاری کے علاوہ ٹو کو ملک اور دنیا کے حالات سے باخبر کرنے کے لیے انہیں تاریخ کی ترتیب سے دیکھنا شروع کیا۔ زیادہ خبروں کا تعلق ملک کے سیاسی حالات میں آنے والی تبدیلی سے تھا۔ میں نے پرانے اخبارات کو کھنگلاتا تو ایک خبر اور نظر آئی۔ پولیس کے زیرِ اہتمام ہونے والی کسی تقریب میں لاہور کے ایک ڈی آئی جی نے جوئے خشیات اور فحاشی کے اڈے چلانے والوں کے خلاف کامیاب مہم چلانے پر انعامات دیے تھے۔ یہ انعامات مختلف تھانوں کے انچارجوں کو دارشاہ کی طرف سے دیے گئے تھے۔ دارشاہ کا حوالہ پھر مشہور تاجر اور انٹرپرائز انکسپورٹر کے طور پر دیا گیا تھا۔ اسی اخبار میں مجھے ایک کالم بھی نظر آیا۔ یہ دارشاہ کی غلامی اور سماجی خدمات کے حوالوں سے لکھا تھا۔ مجھے پتا چلا کہ دارشاہ اسٹیٹ ٹاور طلبا کو وظائف دیتا ہے۔ ایک اولڈ ہوم اور چشم خانہ چلا رہا ہے اور بے آسرا غلامی کے لیے لڑائی سرگز کام کر رہا ہے۔ یہاں انہیں مفت رہائش کے ساتھ پروفیشنل ٹریننگ دی جاتی ہے۔ یہ جانے کس کس نے اس عظیم انسانیت سے درخواست کی تھی کہ وہ آنے والے انتخابات میں ملک و قوم کی فلاح کے لیے حصہ لے اور اپنی آزاد حیثیت میں کامیاب ہو کے اپنے غلامی مشن کو آگے بڑھائے۔

حوالہ مکمل تھا اور تصویر ایک بھی نہیں تھی۔ میں سوچ میں پڑ گیا، کیا یہ وہی دارشاہ ہو سکتا ہے۔ جرائم پیشہ افراد... خشیات فروش... پولیس... یہ سب اس کو نیک نام بنانے کی کوشش کرنے میں معاون ہو سکتے تھے۔ اسے سیاسی قوت حاصل کرنے میں مدد دے سکتے تھے۔ آدمی خود شیطان ہو تو میڈیا پر پبلٹی سے فرشتہ بنا کے پیش کیا جاسکتا ہے۔ اس کا پتہ آج بنانے والے کرائے کے کالم نویس،

صحافی اور ترجمان بہت... جو خود نہیں بولتے دارشاہ کے پیسے کی زبان بولتے ہیں۔ میرے دل میں جھنجھٹ تھی اور بڑھتی۔

شاہ اب مجھے اخبار سے اتنا تعلق نہیں رہنا چاہیے۔ میں نے سوچا ہر پھر آج کا اخبار اٹھایا۔ اس میں میرے لیے زیادہ سنسنی خیز مواد موجود تھا۔ ایک خبر یہ تھی کہ بلڈر اور ٹھیکے دار سکندر ڈاکوؤں کے حملے میں زخمی۔ خبر کے مطابق ڈھائے بانہ سے ہوئے آٹھ سے دس ڈاکوؤں نے ان کے گھر پر حملہ کیا۔ محافلوں سے فائرنگ کے تہالے میں ایک ڈاکو ہٹا کر ہوا اور خود سکندر کو بھی زخم آئے۔ پولیس طبیعتش کمر بٹھا ہے۔ یہی طویل چھ خبر مراد کے باپ کے بارے میں تھی جو بظاہر باغی نہیں تھی۔ نہ کسی ڈاکو کا نام تھا نہ یہ کہ وہ کچھ لوٹ کر لے جاسے میں کامیاب ہوئے یا نہیں۔ میرا شبہ یہ نہیں کی طرف تھا۔ کیا یہ اس کے جاں نثار مرید ہو سکتے ہیں۔ جن کے حملے کا مقصد اس گھر سے مراد کو اور مراد کے ساتھ واپس لے کر آنا تھا۔ پھر سائیکس کو شک ہوگا کہ انہیں وہاں چھپائے رکھا گیا ہوگا۔ اگر وہاں جاتے تو وہیں مار دیے جاتے۔ مراد کا باپ اپنے بیٹے کی پشت پناہی کر رہا تھا اور بے خوف کھڑا تھا۔ وہ اس حملے کی توقع رکھتا تھا اور مقابلے کے لیے بھی تیار تھا۔

ایک چور اور ایک ٹھیکے دار کے درمیان محبت اور نفرت... قربت، رقابت اور عزت کی سیاست کا یہ انوکھا کھیل تھا جس کی حقیقت کو سمجھنا عام قماشانی کے لیے مشکل تھا۔

رات کو ریٹم نے کئی بار پوچھا کہ کس سوچ میں کم ہو کر میں نے اسے ٹال دیا۔ آہستہ آہستہ میرا دماغ مستقبل کے لیے ایک راہ متعین کر رہا تھا۔ اور وہ راہ کچھ بھی جس پر میں گامزن تھا۔ چودھریوں کی حویلی سے چور کی حویلی تک پہنچنا ایک حادثے کا نتیجہ تھا۔ یہ حادثہ پیش نہ آتا تو میں نورین کے ساتھ نہ جانے کہاں ہوتا۔ درمیان میں چودھری انور یا شاہد بھٹی کے دو تاروں کی طرح تھے۔ ثابت اور منطقی تھے جیہ تو روٹنی اور توانائی حاصل ہوتی ہے۔ میں نے انور سے بھی بہت کچھ سیکھا تھا اور شاہد سے بھی، ان دونوں کی وجہ سے میں نے طاقت حاصل کی تھی۔ انور نے دوستی کے نام پر مجھے مقابلے کی طاقت دی اور شاہد نے محبت کے نام پر۔

مجھے اپنے مستقبل کا راستہ بھی تقدیر کے خطیب ہاتھ کا تراشا ہوا لگتا تھا۔ آخر میں ملتان کیوں پہنچا؟ میں لاہور یا پشاور اور کراچی کی طرف کیوں نہیں گیا؟ اور اتنے بڑے

جواہر

ریشم کا چہرہ تر کیا۔ "میں بھی... لیکن بھائی..."

کچھ کہنا چاہتی تھی مگر خاموش ہو گئی۔
وہ پورا ہفتہ سما نے ایک تیر سے دو ٹکڑے کرنے میں گزارا۔ ایک مقصد تھا ہاجرہ ریشم کو اپنی وفاداری اور بے ضرر ہونے کا یقین دلانا۔ وہ اس کی عورت پر ہارنے کا زموں سے تو قحط داشت کر لیتی ہوئی کہ یہ وفادار ثابت ہوں گے اور وہ ان پر بھروسہ کر سکے گی مگر جب اپنی اولاد بڑھا ہے میں سہارا دے پائی تو پھر غیر سے کیا توقع... جذبات کے دشتے خریدے نہیں جاسکتے۔ میں چاہتا تھا کہ یہ رشتے دو طرفہ بنیادوں پر چلتے رہیں تو وقت کے ساتھ مالک اور ملازم کے فرق کا احساس نہ رہے۔ ان کے درمیان ضرورت کا تعلق ایسی ضرورت بن جائے جس میں انھما رو طرفہ ہو۔ ریشم اسے اپنے گھر کی طرح اور ہاجرہ ریشم کو ماں کی جگہ سمجھنے لگے۔ اس کی زندگی میں محبت کا یہ قائد ہمیشہ سے خالی تھا۔ ایسی ہی ضرورت ہاجرہ ریشم کی تھی۔ ان کی بیٹی نہیں تھی۔ وہ ریشم کو خاندان میں بیٹی کی جگہ دے سکیں تو یہ گھر ریشم کا ہو سکتا تھا اور میں اس کی طرف سے بے فکر ہو کے کہیں بھی جا سکتا تھا۔

ایک ایک نختے میں میری بڑھ جانے والی شیوہ ہاتھ دھوئی دھوئی کی شکل اختیار کر لی اور میں نے ایک بار بر سے اس کو بنوایا۔ ہاجرہ ریشم نے کسی حیرانی یا تجسس کا اظہار نہیں کیا۔ وہ پوچھتی تو میرا جواب بھی ہوتا کہ نیک کام کی توفیق جب ملے قیمت... اس تبدیلی نے مجھے بہت احماد دیا۔ میں نے ریشم سے پوچھا تو اس نے بڑے وثوق سے کہا کہ میرا چہرہ نیک نظر میں بیٹھا نہیں جاسکتا۔ خود میں نے آئینے میں اپنا عکس دیکھ کے اطمینان حاصل کیا۔

میں ایک بار ہاجرہ ریشم کو گاڑی میں ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ وہ ایک پرائیویٹ اسپتال تھا جہاں ہاجرہ ریشم کا نام سب جانتے تھے۔ رجسٹریشن کا دفتر سے ڈاکٹر کی معاون فرس تک سب نے ان کو بہت احترام دیا اور میں ان کو سہارا دے کر چلتے میں مدد کرتا رہا۔ وہاں دیگر مریض اپنی بارے کے انتظار میں تھے۔ فرس نے انھیں مطمئن کرنے کے لیے کہا کہ یہ ڈاکٹر صاحب کی والدہ ہیں اور ڈاکٹر نے انھیں اسی طرح دیکھو کیا۔ فن کا چیک اپ بہت دیر سا اور مختصر تھا۔ ڈاکٹر نے مسکرا کے کہا۔ "دیکھو کل آئی آپ اچھا خیال رکھتی ہیں اپنا... پس ایسے ہی خوش و خرم رہیے تو سو سال کی گارنٹی... یہ کون ہے؟" اس نے میری طرف دیکھا۔

"یہ... سب کچھ... ہاڑی گاڑا... ہیلر..."

لاکھوں کی آبادی والے شہر میں جہاں ہزاروں چھوٹے بڑے گھر ہیں مجھے صرف ایک دلت کے لیے میرے قدم اس گھر کی طرف کیوں لے گئے جو میرے بدترین دشمن کا ٹھکانا تھا؟ شاید مجھے یاد دلانے کے لیے کہ مجھ پر لہو کا قرض پائی ہے۔

اب میرے سامنے دو راستے تھے جو وقت کے اسی سنگم سے شروع ہوتے تھے۔ یہاں سے میں نورین کی تلاش میں اس مقام تک بھی پہنچ سکتا تھا جہاں سے نورین نے ناخبرین کے نامعلوم سمت میں سفر کا آغاز کیا تھا۔

دوسرا راستہ نادر شاہ تک لے جاتا تھا۔ اس کی بیٹی کہیں باہر تھی۔ لندن میں یا امریکا میں مگر وہ پاکستان آتے رہتے تھے۔ جب وہ آتے تو نادر شاہ بھی آتا ہوگا۔ مجھے اخبارات کی خبروں سے کسی نادر شاہ نام کے سماجی کارکن... ہاجرہ... سپورٹرا... ایکسپورٹر... انسانی فلاح کے نئے نظریہ دار کا علم بھی ہوا تھا۔ یہ پتا چلا جا سکتا تھا کہ کیا یہ وہی نادر شاہ ہے جس نے میرے بھائی کا قتل کیا اور اپنے جرم کی سزا میں مجھے تختہ دار پر کھڑا کر رہا تھا۔ پولیس اور خود نادر شاہ کے سراغ لگانے والے کتے آج تک اس فرید الدین کا سراغ نہیں لگا سکے جو ڈاکوؤں کے ساتھ چلنے سے نکل بھاگا تھا۔ وہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ فرید الدین اچانک فرشتہ بادل بن کے نمودار ہو جائے گا۔ کسی ایسی جگہ ایسے وقت میں جب خیال اور تصور میں بھی نہ ہو کہ زندگی کا آخری لمحہ آ پہنچا۔ مجھے اس کی تلاش میں پھٹکنے کی ضرورت کیا ہے۔ میں یہاں اس کی واپسی کا انتظار کر سکتا ہوں۔ میں یہاں وہ پوش بھی رہ سکتا ہوں۔ مختصر بھی... ایک نئے نام اور نئی شناخت کا خواب اور کتنا۔

بقا ہاجرہ ریشم کا گھر مجھے بہترین پتہ فراہم کر سکتا تھا۔ مجھے بھی اور ریشم کو بھی۔ مجھے یہاں اپنی نئی شناخت بنانا آسان ہوگا۔ ہاجرہ ریشم کا دنیا میں کوئی نہ تھا۔ کوئی نہ تھا جو سوال کرتا کہ یہ تم نے کس اجنبی کو اپنا پتہ لیا ہے اور کیوں؟ صبح میں نے ریشم کو اپنے پیچھے سے مٹھا کر دیا۔ "ہم فی الحال کہیں نہیں جا رہے۔"

اس نے میرے پیچھے پراطمینان کا اظہار کیا۔ "ہاں۔ ضرورت کیا ہے پھٹکنے کی۔"

میں نے کہا۔ "فی الحال کا مطلب سمجھتی ہو؟"

اس نے اترار میں سر ہلایا۔ "ہاں بھائی تم سمجھاؤ۔"

"نہ میں نورین کی تلاش سے تائب ہوا ہوں اور نہ

نادر شاہ سے اللہام کی خواہش ہے۔"

ڈرامہ نویس۔۔۔ جب تک ہے۔۔۔ انہوں نے لکھنی سانس لی۔

ڈاکٹر ایک دم اٹھا۔ "میں ابھی آیا۔ رومٹ میں۔" باہر جاتے ہوئے اس نے مجھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ چند سیکنڈ بعد میں نے باہر دیکھ کر کہا۔ "میں نے شاید گاڑی لاک نہیں کی تھی۔۔۔ دیکھ لوں۔" ڈاکٹر نے مجھے گاڑی پر روک لیا۔ "دیکھو... کیا نام ہے تمہارا؟"

"خادر سلیم۔" میں نے کہا۔

"ہاجرہ آگنی کا دل کافی کمزور ہے اور ناقابل اعتبار... یہ عمر کا فرق خاص ہے۔ تمام اعضا کی کارکردگی سفر کی جانب جارہی ہے۔ ان کا ہر وقت خیال رکھو اور گرنے سے بچاؤ۔۔۔ ورنہ ہسپتال میں ٹوٹ گئی تو پھر یہ نہیں اٹھیں گی۔ جیسے انہی لائے تھے تم۔۔۔ اپنے وہ کمرست ہیں۔ دیکھو جیبر استعمال کرنی چاہیے انہیں۔۔۔ اور ان کی دوا تو ایک ہی ہے لیکن خود سپینٹ بھی ضروری ہیں۔ کیلشیم اور سی ڈی تھری کا انجکشن دوں گا۔ وہ ان کو پلاویٹا۔ بس۔۔۔ وہ پیے جاسکتے ہیں۔ سوپ غذا میں رکھو۔۔۔ چکن اور دھنسل۔۔۔" میں صرف سر ہلاتا رہا۔ وہ واپس کمرے میں جاتے جاتے چند سیکنڈ کے لیے رکا۔ "اگر کسی دن وہ رات کو ٹھیک سوئیں اور صبح نہ اٹھیں تو حیران پریشان مت ہونا۔ بس مجھے فون کر دینا۔" میں کچھ دیر ہٹکا ہٹکا کھڑا رہا۔ مہذب پروڈیشنل انڈاز میں اس نے مجھے بتا دیا تھا کہ بڑی بی بی عمر کے دل کا دورے ہوئے۔ اب انہیں جانا ہے تو ان کا جانا کون کس روک سکتا۔ بس جب تک بی بی ایڈمیل رہیں گے۔۔۔ میں کچھ دیر بعد گیا تو ڈاکٹر ان سے کہہ رہا تھا کہ وہ جیبر استعمال کریں۔ آپ کے لیے جو مناسب ہوگی میں منظر لوں گا۔ آپ کا شو فرلے جائے۔"

وہ کچھ اداس ہوئیں۔ "یعنی اب ہاتھوں کا کوئی مصرف نہیں رہا۔"

ڈاکٹر نے کہا۔ "یہ آپ کو باہر لے جائے گا۔ کبھی پارک میں۔۔۔ وہاں تھوڑا بہت چلیں۔ ابھی تو آپ کمرے میں بند ہیں۔"

اب ریشم رات کو دوسرے کمرے میں سونے لگی تھی۔ ہاجرہ بیگم کو کھانا کھلا کے وہ میرے پاس آگئی۔ آج اس نے اپنے لیے الگ کھانا بنایا تھا۔ میں نے اسے وہ سب بتایا جو ڈاکٹر نے مجھے بتایا تھا۔ "مہم تو پچھن گئے ریشم۔" "کسی دن ان کے سامنے بھی ریشم کہہ دو گے۔۔۔ اور

کہا کرو۔"

"نہ ہم یہاں مستقل رہ سکتے ہیں، نہ چھوڑ کے جاسکتے ہیں۔ اور خدا نخواستہ ان کو کچھ ہو گیا تو ہمارے لیے مسئلہ بن جائے۔ کریں گے بھی سب ہم اور بھریا کے بھی۔"

"انہوں سے ڈرتے ہو؟"

"میں جواب دہی سے اترتا ہوں۔ ہاں نہیں کون کیا سمجھے اور کیا کہے۔ خواجواہ کے شک کا اظہار بھی کر دیا کھانے تو مشکل ہو جائے گی اور کسی کا تو ہوتا نہیں۔ دور کے رشتے دار لہجہ یا نہیں۔۔۔ مگر وارث تو ہیں۔"

"ابھی سے اتنا دور کی مت سوچو۔۔۔ لکھ ہے بچانے والا جو سب دیکھ رہا ہے اور نیوٹن کا حال بھی جانتا ہے۔ ابھی کہاں جانا ہے میں دیکھ رہی ہوں۔" وہ بولی اور پھر کچھ دیر خاموش رہی۔ "تم جانے کا سوچ رہا ہے ہو گے؟"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ جواب ہاں تھا اور یہ بات ریشم جانتی تھی۔ جب وہ سونے چلی گئی تو پریسٹ آف کمرے میں تھے بھی آنکھیں بند کر لیں مگر اندھیرے میں اس سوال کی بات فرشتہ موجود رہی جس کا میں نے جواب نہیں دیا تھا۔ تم جانے کا سوچ رہے ہو گے؟ میں جانے کا کیوں نہ سوچتا۔۔۔ یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ جذبات کے وہ تقاضے جن کے درمیان قضیہ کا فرق باقی نہ رہے۔ میرے وجود کا سفر محبت اور عزت کی انتہا کے درمیان جاری تھا۔ ایک طرف آگ تھی اور دوسری طرف بھی آگ تھی لیکن دونوں کی نوعیت الگ تھی۔ ایک انتقام کی آگ تھی۔ تباہ کرنے والی۔ جلانے والی۔ اور مٹا دینے والی۔ دوسری محبت کی آگ تھی۔ چاندنی جیسی خنک رکھنے والی۔ جو گھر بسانے کے خواب پر تھکتی تھی۔ آباد کرنے والی اور دل کو راحت پہنچانے والی تھی۔ وہ میں نارشاہ کو تباہ کر دینے منا دینے کی خواہش چھوڑ سکتا تھا اور نہ خود بین کو پانے کی۔ دونوں متضاد جذبات پر میری عقل کا کوئی اختیار نہ تھا۔ پھر میں کیسے نہ چاؤں۔

باہر آٹان پر چلی چبکے لگی تھی۔ کھڑکی کے شیشوں میں سے میں تاریکی میں شعلے سے بھڑکتے دیکھ سکتا تھا۔ اب ہوا تیز ہونے لگی تھی۔ اڑنے والے پتے شیشوں پر ٹکروں کی طرح لگ رہے تھے۔ اپنا تک لائٹ آف ہوئی۔ شاید یہ بریک ڈاؤن تھا۔ یو چھوڑ شیشوں پر پڑ رہی تھی۔ کھڑکی کے دونوں ہٹ ایک ساتھ کھل گئے اور میں نے انہیں بند کر کے کھڑکی لگا دی۔ اندھیرے میں لیٹ کر میں بادلوں کی گرجا، تیز بادش کا شور اور ہوا کی شیشوں میں ٹکرائیں سن سکتا

جواہر

تھے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ آج میری برسی تھی۔ "وہ اداسی سے بولے۔

"تاریخ سے میں ماہ و سال کا کیا حساب رکھوں، وقت کا حساب تو انہوں نے گڑبڑ کر دیا جو تمہارے بعد مجھے بھی ختم کرنا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ دنیا کی ہر بات کی بات نہیں۔ میں جانتا ہوں کچھ کیا ہے اور میں انصاف کروں گا۔ اب میں پھر آزاد ہوں بھیا۔ میں بھولا ہوا نہیں ہوں۔" آنسو میری آنکھوں سے بہتے رہے۔

"وقت بڑا سٹاک ہے مٹتا... یہ سب بھلا دیتا ہے۔ بروخ بھر دیتا ہے۔ لیکن میری روح کو سکون تب ملے گا جب مجھے انصاف ملے گا اور یہ کام تو کرے گا۔ تو بھولے گا تو نہیں۔"

"میں کیسے بھول سکتا ہوں بھیا۔" میں پھر آگے بڑھا۔

"پھر میں چلا ہوں۔" وہ پیچھے ہٹے اور فرش پر سر پٹے لیت گئے۔ جیسے میں نے انہیں گھنہ پن لپٹے کے بعد اٹکھا تھا۔ میں ایک دم چلا یا۔ "بھیا...!" اور آگے بڑھا۔ میں پوری قوت کے ساتھ بند دروازے سے ٹکرایا اور وہ گر گیا۔

"خاور... خاور... اٹھو... آنکھیں کھولو..." میرے کانوں نے ریشمی آواز سنی۔

میں نے آنکھیں کھول کے دیکھا۔ میں دروازے کے قریب فرش پر پڑا ہوا تھا۔ ریشم مجھ پر جنگی ہوئی تھی اور میرے چہرے پر پانی کے جیسے ڈال رہی تھی۔ وہ پانی غصہ تھا۔ پھر گرم پانی کے قطرے میری پیشانی پر گرے۔ یہ ریشم کے آنسو تھے۔ یا ہر اسی طرح طوفان باد و باران جاری تھا۔ گھنہ میں لپٹے ہوئے تھے۔ بجلی چمکی تو میں نے خالی گھنہ کو دیکھا۔ یہ جگہ وہیں تھی۔ یہ وقت وہ نہیں تھا۔

میں اٹھ بیٹھا۔ "آئی ایم سوری... مجھے کیا ہوا تھا؟" "میں نے تو آواز سنی۔ دوسرے کمرے میں تم کسی سے باتیں کر رہے تھے... اور آگے دیکھا تو تم یہاں پڑے ہوئے تھے۔"

میں نے اسے بے گھنہ سے دیکھا۔ "یہ دروازہ بند تھا۔ دروازہ بند کرو۔" میں نے ریشم کے آنسو پونچھے۔

"ہاں مگر اندر سے کڑی نہیں لگی ہوئی تھی۔ کیا ہوا تھا خاور؟ کس سے باتیں کر رہے تھے... تم؟"

میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے... وہ خواب تھا... میں نے اسے بھلا دیا تھا۔" میں نے بھلا دیا تھا۔

تھا۔

اچانک کمرے کا دروازہ چمکا گیا۔ یہ عجیب بات تھی۔ ہوا کا رخ مخالف سمت میں نہ ہوتا تو گھنہ کی کیوں کھلتی اور ہوا کی پلکار کھڑکی پر ہوتی تھی تو مخالف سمت کی دوجا میں لگا ہوا کمرے کا دروازہ اندر کی طرف سے کیسے کھل گیا۔ باہر برآمدہ تھا اور اس کے آگے گھنہ میں پانی کے طوفانی دھارے دکھائی دیتے تھے۔ گھنہ میں جمع پانی میں لپٹے بن اور لوٹ رہے تھے۔ بجلی کے لپکتے کوندوں سے گھنہ روشن ہوتا تھا اور پھر تاریکی میں ڈوب جاتا تھا۔ میں نے دونوں ہٹ تمام کے انہیں ملانے کا سوچا ہی تھا کہ منظر یوں بدل گیا جیسے کسی نے نی دی کا جیش بدل دیا ہو۔ میری آنکھوں نے ایک منظر دیکھا جو میری یادوں میں زندہ تھا۔ وہ گھنہ بدل گیا۔ وہاں باد ٹپا نہ رہی۔ تیز ہوا کا شور نہ رہا۔ گرج چمک نہ رہی۔ وہاں تاریکی میں سفید گھنہ میں لمبوں میرا بھائی کھڑا تھا۔ زندہ سلامت... جیسا وہ تھا۔ خوب صورت... باد تھیں... شعلیں... اور اس کے گھنہ کی سفیدی پر سرخ داغ تھے جو پھیل رہے تھے۔

میں چلا کے بے تابانہ آگے بڑھا۔ "بھیا..." وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئے۔ انہوں نے اپنا ایک ہاتھ مجھے روکنے کے لیے آگے بڑھایا۔ "نہ سنے... آگے مت آ... بدلتی رک جا۔"

میرے قدم رک گئے۔ "کیوں بھیا؟" "مجھے جانا ہے مٹنے... میں تو لپکتا کہنے آ چکا تھا کہ وہ سب جھوٹ ہے جو مجھے مارنے والے میرے ہارے میں بول رہے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں بھیا... انہی طرح جانتا ہوں۔" "میں بھی تھے اکیلا نہ بھولا ہوا... میں نے تجھے پڑھا تھا کہ بڑا آدمی بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"ہاں بھیا آپ کہتے تھے کہ وہ کیل بننا۔ اپنی کورٹ کا اور پھر پیریم کورٹ کا جج بن کے مظلوموں کو انصاف دلانا۔" "مگر انصاف تو مجھے بھی نہیں ملا۔ کتنی نا انصافی ہوئی میرے ساتھ... کچھ کو جھوٹ اور جھوٹ کو کچھ بنا دیا گیا۔"

"آپ کا انصاف میں کروں گا بھیا۔ آپ کے قاتل کیفر کروا کر کچھ چاہیں گے۔"

"کب مٹا... کب آج کتنے سال ہو گئے... تجھے یاد ہے کچھ...؟"

"تین سال۔" "نہیں... چار سال... آج پھر سے چار سال ہوئے۔"

"مگر تم یہاں کیسے گر گئے؟"

"مجھے چکر آ گیا تھا۔ چتا نہیں کیوں... مگر اب میں

ٹھیک ہوں۔ تم جا کے سو جاؤ۔"

"نہیں، پہلے تم سو جاؤ۔ میں بیٹھی ہوں یہاں۔ جب

تک تم نہیں سو جاؤ گے میں جاگتی رہوں گی۔" ریشم بولی۔

"ہاں، تم دیکھو لو... ورنہ ڈاکٹر کو فون کر دو۔" جیسے

سے ہاجرہ بیگم نے کہا۔

"دیکھیں نہیں... اس کی ضرورت نہیں۔ ویسے بھی موسم

خراب ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ آ جائے گا۔" ہاجرہ بیگم اپنے عصا کے سہارے

کھڑی رہی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ آرام کریں۔" اور ہے

میرے پاس۔" میں نے اصرار کیا۔

بیڈ پر لیٹ کر میں نے کھڑی کی طرف دیکھا جس کی

تک تک پنڈولم کی حرکت کے ساتھ صاف سٹکی دیتی تھی۔

اس میں رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے... صرف آدھا

گھنٹہ پہلے وہ تاریخ آئی تھی جب یہاں مجھے چھوڑ گئے تھے۔

معلوم نہیں انہوں نے ایسا کیوں کہا کہ مجھے ان کی بری یاد

نہیں رہے گی۔ یہ تاریخ تو میری کتاب زندگی کے کورے

سطح پر ان کے خون کی سرخی سے لگی ہوئی تھی۔ ریشم کو مطمئن

کرنے کے لیے میں نے آنکھیں بند کر لیں اور کچھ دیر بعد

آہستہ آہستہ خراٹے بھی لیے۔ اس نے لائٹ آف کی اور

دور اندر بند کر کے چل گئی تو میں نے آنکھیں کھول کے چار گئی

میں اس منظر کا تصور کیا جو کہ میرے پہلے میرے ہونے والا تھا۔ آخر

وہ کیا تھا؟ قریب نظریا خواب... غلط خیالی یا شعور کا

کھیل؟ کیا یہ کسی قسم کی نفسیاتی یا ایسی بیماری تھی؟ ایسے ہی

میں نو رین کو دیکھتا تھا۔ غصے سے کہتا تھا جیسے وہ میرے سامنے

ہو... یادوں کی اہم میں محفوظ ایک منظر کیسے جھپکی بن کے

میرے سامنے آ گیا تھا۔

یہ صرف شدت احساس کا کرشمہ تھا۔ خواہش کا دباؤ

تھا جس نے میرے اعصاب اور دماغ کو کھڑکی کے جالے کی

طرح گرفت میں لے رکھا تھا۔ اس سے نجات کی ایک ہی

صورت تھی... خواہش کی تکمیل۔ صبح کا اجالہ نمودار ہونے

تک میں جاگتا رہا اور سوچتا رہا۔

صبح تک وہ بار میری آنکھ بھی لگی۔ ایک بار مجھے لگا کہ

کسی کا ہاتھ میری پیشانی پر ہے مگر میں نے آنکھ کھول کے

دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا۔ یہ ضرور ریشم ہی ہوگی۔ ہاجرہ بیگم

کے ساتھ رہنا اس کی مجبوری تھی مگر جب موقع ملا وہ بھائی کو

دیکھنے بھی آتی رہی اور صبح جب وہ میرے ساتھ نکلتا کر دی

تھی تو میں نے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہاں وہ بار میں

دیکھنے آئی تھی۔ وہ بعد تھی کہ مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا

چاہیے۔ آخر میں اچانک بے وجہ ہوش بد کے گر جانے

کا سبب معلوم تو ہونا چاہیے۔ میری بات سے وہ قائل ہونے

والی نہیں تھی کہ مجھے کچھ نہیں ہوا اور میں ٹھیک ہوں۔ پھر کمر

خدا کا ایسا ہوا کہ ہاجرہ بیگم کو ڈاکٹر نے فون کر کے کہا کہ آپ

کے لیے مکمل چیز آگئی ہے۔ ڈاکٹر کو کچھ کر سکو انہیں۔

ہاجرہ بیگم نے مجھے طلب کیا۔" یہ پانچ ہزار کا چیک

ہے۔ میں نے چیک میں فون کر دیا ہے۔ چیک سے اسپتال

بچے جاؤ۔ ڈاکٹر کو ساڑھے تین ہزار دینے ہیں اور مکمل چیز

لائی ہے۔"

میں نے کہا۔ "ڈاکٹر صاحب اسہولینس میں مکمل

چیز بیگوا دیتے اور آپ قیمت کا چیک دے دیتیں۔"

"نہیں، جو کچھ جارہا ہے وہ کرو۔ ارے ایسے پوری

بات سے بغیر کہاں سے اٹھا کے چل پڑے۔ کیسے لاؤ گے

وکیل جیسے؟"

"کیسی کیا آئے گی؟"

"یہ کڑی کی چابی لو۔" انہوں نے تجھے کے نیچے سے

چابی نکالی۔ "پڑا کوئی گاڑی؟"

"نہیں چابی تھی۔ آپ نے دیکھ لیا۔"

"میرا مطلب تھا طبیعت ٹھیک ہے یا۔ وہاں جا رہے

ہو تو ڈاکٹر کو بھی بتا دینا۔ وہ نہیں نہیں لے گا تم سے مگر جو دوا

دیکھو ضرور لے آنا... جاؤ۔"

ڈاکٹر سے میں اپنی بیماری کی کوئی بات کہنے کر سکتا تھا

مگر اس نے مجھے ہاجرہ بیگم کی دیکھ بھال پر پورا بھروسہ یا جو وہ

گزشتہ روز ان کے سامنے نہیں دے سکا تھا۔ اس نے ہاجرہ

بیگم کو خوش اور مطمئن رکھنا میرا اخلاقی فرض قرار دیا۔ "تم

یہی کر سکتے ہو کہ جتنے دن وہ زندہ رہیں دن کو سکون ملے اور

علاج ان کا دوا سے نہیں، خوشی اور اطمینان سے ہوگا۔ اعتماد

اور یقین سے ہوگا۔ چنے کی خواہش نہ ہو تو آدمی زندہ نہیں

رہتا۔ ان کو دوا میں رکھو جس سے ان کا رابطہ ٹوٹ چکا ہے۔

باہر لے جاؤ... ان سے باتیں کرو۔"

میں سر ہلا کے "اچھا جی" کہنے کے سوا کچھ ہی کیا سکتا

تھا۔

اب ہم ایک معمول پر کار بند تھے۔ میں ہر روز چیک

جا کے ہزار روپے لاتا تھا اور گھر کا سودا... اخبار جو روز

پڑھنے کو لے لیتا تھا اور کراچی سے شائع ہوتا تھا اور اس میں

جواہر

میں نے کہا۔ ”تم خوش ہو اس انہام پر... انور کی بے عزتی پر؟“

”خوش؟ پتا نہیں خوشی کسے کہتے ہیں۔ خوشی وہ تھی جو مجھے تھوڑے دن کی تھی۔ جب اس نے مجھ سے واقعی محبت کی تھی، کبھی مجھ پر کسی کے بغیر۔“

”اور تم... کیا واقعی اس کی محبت کی جگہ تمہارے دل میں نفرت آگئی ہے؟“

وہ میرے پیچھے دیر اور دیکھتی رہی۔ ”کیا کہنا چاہتے ہو تم؟“

”فرض کرو، اگر وہ آجائے تمہیں ستانے... ہاتھ جوڑ کے تمہارے پاؤں پڑ جائے۔ اپنی طعنیہاں نے تو کیا تم اسے معاف کر کے اس کے ساتھ چلی جاؤ گی؟“

”وہ اللہ کھڑی ہوگی۔“ انکی باتیں فرض مت کیا کر بھائی جو ممکن ہیں۔ وہ اپنا شلہ لپکا نہیں ہونے دے گا۔ میرے ہنسی بے حیثیت لڑکیاں بہت ملیں گی اسے جو اس کی خواہش کے سامنے سر جھکا دیں گی۔ اس کا سر نہیں جھکے گا کبھی۔“

”تمہارا چہرہ تمہاری زبان کا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔“

”کیا مطلب؟“ وہ غصے سے ہوئی۔

”دنیا میں ناممکن کچھ نہیں ہوتا۔ اگر وہ آگیا تو تم انکار نہیں کر سکو گی۔“ میں نے کہا۔

”ہاں وہ ڈراما کر سکتا ہے۔ کسی کے کہنے پر... اب روزینہ نہیں تو وہ اپنی ریشم کی طرف جا کے دیکھو۔ شاید جھینسا چاٹا تک صورت اسے ہنسی پڑھا سکتی ہے۔ ضمیر کی بات مت سنو۔ خاندان دیکھو اپنا۔ آخر تم سب ہی ضرورت پڑنے پر گدھے کو بھی باپ بناتے رہے ہو۔ پتھواری، ڈوکی، ایس پی ان سب کے سامنے جھکتے ہو۔ مگر بھائی... میں اس ڈرامے سے لکھ گئی ہوں بھائی۔ میں نہیں جاؤں گی اور آجندہ مجھ سے انور کے معاملے میں بات مت کرنا اور نہ میں سمجھوں گی کہ تم بھی اب مجھ سے جان چھڑانے کے لیے یہاں کی تلاش میں ہو۔“ وہ احتجاجی انداز میں واک آؤٹ کر گئی۔

نہ جانے کیوں میرے اندر کی آواز پھر بھی کہتی رہی کہ ابھی ریشم لاکھ نفرت کا اظہار کرے اور جو اس نے کہا وہی اس کے دل کی آواز بھی ہو۔ محروم تو پاگل ہے۔ موم سے پتھر بنا تو پھر موم بھی ہو سکتا ہے۔ محبت انور سے کمزور کر دیتی ہے۔ جیسے دیمک آگ لکڑی... کوئی طاقتور سمجھا جانے

ملک کے دیگر اضلاع کے لیے ایک صفحہ تھا۔ ظاہر ہے اس میں غیر اہم خبروں کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ میں بازار سے ملتان کا ایک اخبار لانے لگا جو اردو میں شائع ہوتا تھا۔ اس میں ملتان اور گرد و نواح کی خصوصاً جرائم اور دہشت گردانوں کی خبریں زیادہ ملتی تھیں۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ہاتھ دیکھ کر آرام کرتی تھیں تو ریشم کی فراغت ملتی تھی۔ ہاتھ دیکھ کر ریشم کی فراغت میں ڈسٹرب ہوتی تھی۔ وہ جوانی کی نیند یاد کرتی تھیں کہ سو راج سر پر آجاتا تھا مگر پتا نہیں چلتا تھا رات کو انہیں سیدھا لیٹنے سے سانس پڑھتی تھی۔ وہ بکیرہ بوجھ رکھتی تھیں اور کم سے کم تین بار ہاتھ دھو جانے کے لیے اٹھتی تھیں۔ ان کے ساتھ ریشم کا رہنا ضروری تھا کہ وہ کہیں گرنہ جائیں۔ دن میں کبھی ریشم بھی رات کی نیند پوری کرتی تھی ورنہ ہم باتیں کرتے رہتے تھے۔

ایسے ہی ایک دن چٹھے چٹھے میں نے پوچھ لیا۔ ”جہیں انور یاد نہیں آتا؟“

اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس نے کچھ دیر بعد سر ہلایا۔ ”آتا ہے... وہ شرد سے تو ایسا نہیں تھا۔ وہ بچ بچ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ پھر... نہ جانے کیا ہوا کیسے بدل گیا۔ بڑا بچی نہیں... بس دو حصوں میں بٹ گیا۔“

”جانتا ہوں اور محبت میں... بچ میں روزینہ آگئی۔“

”ہاں بھائی... وہ جو اس کے بڑے تھے جو خاندانی شرافت اور برتری کا جھنڈا اونچا رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے زبردستی روزینہ کو بھی اس کی زندگی میں ڈال دیا۔ ایک سودا کیا کہ چلو اس کم ذات لڑکی کو بھی دیکھو مگر دوسرے درجے پر... اور وہ ذلیل آدمی مان گیا۔ محبت کو جاگیر پر ترجیح دے رکھا۔ مجھے لاکھ کرنا پڑا کہ اس سے فرقی نہیں پڑتا مگر میں اس ماحول میں بڑھی گئی۔ مجھے معلوم تھا کہ خاندانی ہور غیر خاندانی بیوی نہ ہوگی پر ابرھی اور نہ ہوگی۔ تاکہ عرصے بعد میری حیثیت دو کڑی کی ہو جاتی۔ تم روزینہ کا چلا اور وہ مجھے کس طرح قلیل کرتی... لکھا خواہ کرتی... مجھے انداز تھا۔“

”مگر یہ وہ تو نہیں۔“

”مگر تم نے کیا دیکھا نہیں، انور کتنا بدل چکا تھا۔ اس کے خون میں شامل خاندان اور جاگیر کا غرور اس کی تعلیم پر بھی غالب آگیا تھا۔ یہی انور تھا جو کہتا تھا کہ زمین ہادیوں کو دے دو۔ وہ ظالم نہیں انسان ہیں۔ اب اس کا رویہ دیکھو۔ خدا نے اچھا سبق دیا ہے۔ روزینہ کیسا اس کے منہ پر تعویذ کے گئی۔ لعنت تمہاری جاگیر پر اور اس عزت پر۔“

والی مرد جب اس پر ندامت کے آنسوؤں اور مستقبل کے
بے وعدوں کے اٹھارے سے مل کر رہے تو وہ کہاں مزاحمت کر
سکتی ہے۔

برشام میں ہاجرہ بیگم کی دھڑکیں بھڑک اٹھیں۔ وہ گازی
میں رکھتا تھا۔ پھر انہیں گاڑی میں آ کے بٹھاتا۔ ریشم پیچھے
دھکی اور ہم کینٹ پارک جاتے تھے۔ ایک بار انہوں نے
پارک جانے سے پہلے بازار جانے کی خواہش ظاہر کی اور ہم
نے پہلے آکس کریم کھائی۔ پھر انہوں نے ریشم کے لیے
کپڑے خریدے۔ ریشم کے انکار کے باوجود۔

دوسری مرتبہ وہ انہی پر وہ پھر بازار جانے پر مصر
ہو گیا اور اب انہوں نے پہلے میرے لیے کپڑے
خریدے۔ میرے انکار کے باوجود وہ پھر وہ جہاد سے
ساتھ ایک بہت اچھے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے لگیں۔
وہاں انہوں نے مجھے اور ریشم کو بھی اپنے ساتھ بلایا اور مجھ
کو بہم بیچ دیکھ کے اپنی پسند کا آرڈر کریں۔ میں نے انہیں
ریشم بھی اچھے ہوٹلوں میں جانے اور کھانے کا تجربہ دھکی
تھی۔ میری خواہش تھی کہ وہ کوئی سادہ سی چیز منگوائے۔ عام
کھانا جو عام آدمی کھاتا ہے۔ مگر اس نے اہلین اور
چینی منگوائے۔ مجھے ہاجرہ بیگم کے پیڑے پر حیرانی نظر
آئی۔ وہ ریشم کے اعتماد کو بھی حیرانی سے دیکھتی رہی۔ ریشم
سے بلا لدا وہ ایک غلطی ہو چکی تھی۔

میرا خیال تھا کہ خرابی اس دن ہوئی جب ایک بچے
بعد میں ان کے ساتھ پارک میں آگیا تھا۔ میں نے بچے کو دیکھ
وہیل چیئر کو آہستہ آہستہ آگے بڑھا دیا تھا۔ وہ بھی بچوں کی
رنگین پر خوش ہوتی تھی اور بھی دوڑتے بھاگتے بچوں کو
بڑے پر کرتے تھا بازیاں کھاتے انکھ کے ہنسی تھی۔ وہ
دونوں بھی ایسے ہی تھے۔ "ان کی زبان سے نکل گیا۔

"کون دونوں؟" میں پوچھ بیٹھا اور پھر اپنی غلطی کا
احساس ہوا۔ ظاہر ہے وہ اپنے دونوں بیٹوں کی بات کر رہی
تھیں اور یہ پچاس سال پہلے کی بات تھی۔ اب وہ بھی
بوڑھے ہوں گے اور ان کے بچے جوان۔ شاید ہاجرہ بیگم
کے چڑچڑتے اسی طرح امریکا میں ہوں۔ انہوں نے میری
بات کا جواب نہیں دیا اور میں نے آگے ہو کے دیکھنے کی
ہمت نہیں کی کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تو نہیں... ریشم برقع
میں تھی مگر نقاب ہٹا کے دیکھتی تھی اور پارک کے دوسرے
کنارے پر پہنچے ہوئے اسٹال سے کون آکس کریم لینے لگی
ہوئی تھی اس کی فرمائش بھی ہاجرہ بیگم نے کی تھی۔ واقعی بوڑھا
بچہ برابر ہو جاتے ہیں لیکن وہ انجائے کر رہی تھیں اور خوش

تھیں۔

اچانک میری نظریں اوپر اٹھ گئیں۔ وہ باہر سڑک پر
کئی جہاں ٹریک رواں تھی۔ کچلے کے دوسری طرف فٹ
پاتھ تھی۔ اس پر دونوں طرف سے لوگ آ جا رہے تھے۔ کالی
فاسلے پر میں نے ایک عورت کو دیکھا۔ وہ سلونی تھی۔ میں
بے قابو ہو کے لپکا اور لوہے کی گرل کو تمام کے چلایا۔
"سلونی!" اوپر نکلی سا نہیں نہ ہوتی تو شاید میں کچلے پر
چڑھ کے دوسری طرف کو دو جاؤں۔ وہ عورت ایک رکشے میں
بیٹھ گئی لیکن بیٹھے سے پہلے اس نے میری طرف دیکھا۔ وہ
اک نگاہ جو ہکا بھکا سے کم تھی۔ اعتراف دھکی تھی کہ وہ
سلونی ہے۔ وہ نہ کوئی اور ہوتی تو متوہ ہی کیوں ہوتی۔ لگتا
ایسے ہی تھا کہ وہ غرار ہو گئی۔

پچھے سے ریشم نے آواز دی۔ "بھالی! کیا رکھ رہے
ہو۔ آکس کریم نکالو۔"
رکشا چاچا کا کمر میں کچلے کو دونوں ہاتھوں سے
تھامے کھڑا تھا۔ ریشم کی آواز پر میں پلٹا اور کون آکس کریم
لے لی جہاد پر سے کھینچ لی تھی۔

"کون تھا؟" ہاجرہ بیگم نے سرسری انداز میں
پوچھا۔
"ایک جانتے والا نظر آیا تھا۔" میں نے ٹالنے کے
لیے کہا۔

"جانتے والا... یا جاننے والی؟" انہوں نے آکس
کریم کون کو چاہتے ہوئے کہا۔ "چلو۔"
میرا خیال تھا کہ بات فتم ہو گئی۔ ریشم نے اشارے
سے سوال کیا تھا کہ کون تھا؟ اور میں نے لگی میں سر ہلا دیا
تھا۔ اس رات کھانے کے بعد ہاجرہ بیگم نے مجھے طلب کیا۔
"ذرا دیر قریف لائیے مولانا... بیٹھے۔"

اب وہ مجھے مذاق یا بے غلطی میں بھی سہی سہی سہی
تھیں کیونکہ میری سیاہ داڑھی اب ایک مشت ہو چکی تھی۔
میں ساتھیہ دیکھ گیا اور تابعداری سے بولا۔ "فرمائیے... کیا
حکم ہے؟"

"حکم نہیں... کچھ پوچھتا تھا اگر آپ سچ بتائیں۔"
"میں جھوٹ کیوں بولوں گا آپ سے۔" میں نے
ماجری سے کہا۔

"اس لیے کہ اب تک تم بولتے رہے ہو۔" ہاجرہ بیگم
نے سپاٹ لپچ میں کہا۔ "یہ سلونی کون تھی؟"
میں نے حواس پر قرار رکھے مگر ریشم کے چوکنے سے
فرانی ہوئی۔ مجھے فوراً ایک جھوٹ تراشنا پڑا۔ "وہ... ایک

999/-



ادب و لغت

جامعہ نعیمی

جامعہ نعیمی، لاہور، پاکستان
فون: 37220879، 37220879، 37220879

معارف و ادب، لاہور، پاکستان



575/-

معارف و ادب، لاہور، پاکستان



499/-

ادب و لغت، لاہور، پاکستان

سیم حجازی کے شاہکار تاریخی ناول

350/-

انسان اور دنیا

350/-

آخری چٹان

350/-

بوسل ہند

150/-

مفتی جزیہ

240/-

شائین

350/-

Buy online

www.jidpress.com

350/-

خاک اور خون

450/-

کیسا اور آگ

350/-

قائد خاڑ

425/-

گندم کا موسم

350/-

پارس کے بچے

100/-

100/-

100/-

480/-

اورنگزیب

380/-

قائد خاڑ

250/-

پروسی اور تخت

400/-

نورسٹین

350/-

350/-

350/-

350/-

350/-

350/-

آخری معرکہ

350/-

اندھیری رات کے مسافر

350/-

ثقافت کی تلاش

150/-

فیروز کسری

475/-

475/-

475/-

475/-

475/-

042-37220879

041-2627568

051-5539609

021-32765086

061-4781701

022-2730328

رشتہ تھا، کبھی... آج بہت عرصے بعد نکھر آئی تو میں جذبات پر قابو نہ رکھ سکا۔ لیکن وہ جہنم بن گئی۔"

دشمن نے میری بات کو آگے بڑھایا۔ "ہمارے حالات نہ بگڑتے تو بھائی کو یہ صدمہ نہ جھیلنا پڑتا۔ وہ بھائی بن کے ہمارے گھر میں آجائی لیکن وقت بدل تو سب کی نظر بدلی گئی۔"

ماجرہ و حکم نے جیسے اس کو بات سنی ہی نہیں اور میری طرف جواب طلب نظروں سے دیکھتی رہیں۔ ”موتو نا؟“

میں نے کہا۔ "تو سناؤ: یہ کچھ ہے مگر نہیں بتانے کے لیے۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولیں۔ "تم کون ہو؟ تم دونوں؟"

میں نے ناول ربنے کی ناکام کوشش کی۔ "ہم بچے
ہیں آپ کو سب کچھ۔"

ہے۔ میں نے معلوم کر لیا ہے۔ جو ہاتھ تے بتایا تھا وہاں جنہیں کوئی بھی نہیں جانتا۔" ہاجرہ بیگم نے اپنا سپاٹ لیچہ برقرار رکھا۔

خاموشی کا ایک مختصر احترام کا وقفہ آیا جو مجھے زیادہ لمبی محسوس ہوا۔ میں فوری طور پر ملے کر لے سے کام لیا کہ ان کے سوال کے جواب میں مزید جھوٹ بولوں یا سچ بتاؤں تو اتنا ہی جتنا ضروری ہے۔ یہ سچ نظر ہمارے چپ بیٹھی تھی اور کبھی بھی آنکھیں اٹھ کے مجھ کو دیکھتی تھیں۔ میں نے زیادہ سے زیادہ وقت لیا۔ جواب کا باجمہ حکم کو انتظار تھا۔ لہذا کے پھر پوچھنے تک میں نے جواب تیار کر لیا۔

"سوچ لیا یا جھوٹ؟" یا آفرانہوں نے غلی سے کہا۔

”میری مجبوری تھی نیکم صاحبہ۔۔۔ ہم دونوں کی جان خطرے میں تھی۔۔۔ اور ہے۔“

”یعنی سچ نہیں بتا سکتے تم۔۔۔ ٹھیک ہے۔ تم بھی
دسک نہیں لے سکتی۔ تم دونوں اپنے ساتھیان اٹھاؤ ابھی۔۔۔
اپنے پیسے لادو اور چلے جاؤ۔“ انہوں نے سر ہانے رکھا ہوا ایک
اٹھا۔

میں نے کہا۔ " بات نہیں... آپ پر بھروسہ کرتے ہوئے مجھے ڈر محسوس نہیں ہوتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ طاری وجہ سے آپ پریشان نہ ہوں۔ ہمارے قتل میں مجھا بہتر تھا کہ ہم گناہم رہیں۔ میں آپ کو کچھ نادر دل کا ٹکڑی اس کے بعد ہمارا یہاں رہنا مشکل اور خطرناک ہو جائے گا۔

ہمارے لیے بھی اور آپ کے لیے بھی۔ اس لیے کہ آپ دوبارہ تصدیق کرائیں گی۔ مجھے نہیں معلوم کہ تصدیق کرنے والا کون سے ... نہ ہو کہ وہ بھی بھٹس جائے۔"

”تم سب تھی فکر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کیا سوچ کے آئے تھے تم یہاں۔ کہاں سے... یہ لڑکی کون ہے؟“ تمہاری بہن نہیں ہے تو شرم آئی چاہیے تمہیں... کہنا اس سے بھگا کر لائے ہوا ہے“

میں نے انہیں روک دیا۔ "بس ہاجرہ بیگم... ریشم کے بارے میں کوئی غلط سوچے یا کہے... یہ مجھے منظور نہیں۔ ہاں اس کا نام نور نہیں، ریشم ہے۔ اور یہ میری سگیا بہن بھی نہیں ہے مگر نہ میں اس کو ہنگامے کے لایا ہوں اور نہ میرے دل میں کچھ تھا۔ سوائے اس کو بچانے اور کسی دن عزت آباد کے ساتھ رخصت کرنے کے... جیسے عی کوئی اچھا رشتہ ملے... میرا نام ہے ملک سلیم اختر... میں آپ کو وہ شہنشاہی کاغذ بھی دکھا دوں گا جو مراد اس والی کے چہ دھری انور علی نے سوائے دیا تھا۔"

یہ میراؤں والی کہاں ہے؟" ماجرو بیگم نے کہا۔
 "شناختی گاؤں میں میرا یہی مستقل پتا ہے۔ لیکن ایسا
 نہیں ہے۔ میرا اصل نام تو خاوردی تھا۔ میں اپنی بیوی کے
 ساتھ ڈاکہ بوز جا رہا تھا کہ مراد اس کی نہر پر ایک حادثہ پیش
 آیا۔ ہم جس گاڑی میں سفر کر رہے تھے وہ حفاظتی جنگلاتور
 کے نہر میں جا گری۔ مجھے تو اس لڑکی نے بچا لیا۔ میں نہر میں
 بہتا جا رہا تھا۔ یہ مجھے لکال کے اپنے گھر لے گئی۔ یہ ایک
 نہیں تھی۔ دوسرے لوگوں نے اس کی مدد کی تھی۔ اس وقت
 ریشم کا باپ زندہ تھا۔ اس نہیں تھی۔ باپ بیٹا نے مجھے محبت
 باپ ہونے تک اپنے گھر میں رکھا۔"

"اور تمہاری بیوی؟"

اب یہی کہنا جاسکتا ہے کہ وہ دُوب کے مرنے ہوئی۔ صحت یاب ہونے کے بعد میں کافی عرصے دیشم کے گھر میں تھا اور اس کی حیرت دہانی نے عیا مجھے نئی زندگی دی۔ میں نے نہر کے ساتھ ساتھ دونوں طرف کے علاقے میں آباد لوگوں سے پوچھا مگر لوہریں نہیں ملی۔ میری موجودگی میں عیا یہ ہوا کہ دیشم کے باپ کو چودھری اکبر نے قتل کر دیا۔ وہ مراد اہل دلی کے جاگیردار کا بیٹا تھا اور انتہائی بد چلن اور عیاش تھا۔ اس کی بدلت سے دیشم پر خطر تھی۔ اس کی کوشش تھی کہ مجھے قتل کے الزام میں گرفتار کرادے لیکن دیشم کے علاوہ کچھ انصاف پسند لوگوں نے مجھے بچا لیا۔"

”اے کیر شادی کرنا چاہتا تھا تو ر... یہ شرم سے؟“

جواہر

لے جائیں گے۔ ہم نے اپنا نام اور طبقہ بدل لیا تھا۔ یہ دائرہ میں نے اسی لیے بڑھائی ہے۔ ریشم بھنگ میں پھر بھی محفوظ ہے۔ قسمت نے ہمیں آپ کے گھر میں پناہ کا آسرا فراہم کر دیا۔ آپ جیسے چاہیں میری بات کی تصدیق کرالیں۔ بس خیال رہے کہ ہمارے ساتھ خود آپ پر کوئی آفت نہ آئے۔ ہم تو صبر و تحمل کے ساتھ یہاں وقت گزار رہے ہیں اور خود کو محفوظ رکھ رہے ہیں۔

میرے خاموش ہونے کے کچھ دیر بعد ہاجرہ بیگم نے سوال کیا۔ "وہ کون تھی؟ سولہ... اس کا جواب نہیں دیا تم نے؟"

"ابھی اور کچھ بڑی بات کا ذکر ہوئی تھی۔ اس نے قرار میں ہماری عدلیہ کی اور کہا تھا کہ ہم سیدھے یہاں اس کے گھر پہنچ جائیں۔ ریشم کا کچھ دیر اور کچھ میری نقد چٹائیوں کی اس کے پاس تھی۔ ہم یہاں پہنچے اس سے پہلے ہی سولہ کی نیت بدل گئی۔ وہ بھاگ گئی اور ہم خالی ہاتھ رہ گئے۔ یہاں ہمارا کوئی شکایت تھا۔"

"پھر یہاں کیسے پہنچے؟"

میں نے کہا۔ "اٹھارہ کا اشتہار دیکھ کے... ہمیں جھوٹ بولنا پڑا۔ ورنہ آپ بھی انکار کر دیتیں۔ اب بچا معلوم ہو جانے کے بعد بھی آپ کی مرضی ہے۔ ہم بچے جاتے ہیں۔ خدا کی دنیا بہت بڑی ہے اور ان پر آسرا ہے۔"

وہ خاموشی سے میری اور ریشم کی صورت دیکھتی رہیں۔ "اگر اس کہانی میں ذرا بھی جھوٹ نکلا تو میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی اور وہ تمہیں واپس جبراً مانگیں گی۔" "خوبی میں دے دیں گے۔ پھر وہ جانیں اور ان کا کام۔"

"جیسی آپ کی مرضی ہوگی صاحب۔" میں نے مسکینے سے کہا۔

"اگر وہ عورت سولہ تھی تو اس کا مطلب ہے کہ ابھی تک وہ ملتان میں ہے۔"

"لیکن اب بھاگ جائے گی۔"

"بھاگ کے کہاں جائے گی؟ اس کا گھر بار ہے کوئی؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہ ہر رات اپنا مکان بدلے والی عورت ہے۔"

"جب تم یہ جانتے تھے تو اس پر اعتبار کیوں کیا تھا؟"

میں نے کہا۔ "بہت سی... بے وقوفی... شامت اعمال... شریف آدمی ملا نہیں اور کیا وہ سب قابل اعتبار

"نہیں تھی۔ وہ پہلے سے شادی شدہ تھا اور اس کی بیوی جبراً علی شاہ کی بڑی بیٹی تھی۔ جبراً صاحب اس کے تایا تھے اور ان کا علاقے میں بڑا اثر رسوخ ہے۔ سیکڑوں نہیں بڑا روں مرید اور جاں نثار ہیں ان کے۔"

"میں نے نام سنا ہے اس کا۔ شاید ایک ملازم تھا میرا جو اس کا مرید تھا۔"

"اکبر نے بعد میں ریشم کے ساتھ مجھے بھی انھوں نے اور حویلی میں قید کر دیا۔ اکبر کا تو کام ہی یہ تھا۔ شراب کے نشے میں دھست رہتا۔ پر لٹی بیوی بیٹوں کو اٹھواتا... جو شور مچائے اس کی آواز کو طاقت سے پانچ کیس کی مدد سے دبا دیتا۔ اس کی بیوی سب برداشت کرنے پر مجبور تھی اور پھر مانگیں بھی داماد صاحب کے معاملے میں بے بس تھیں۔ نہ جانے کیسے اکبر کی بیوی کو شک ہو گیا کہ اس کا شوہر ریشم سے شادی کرتا چاہتا ہے۔ اس کی حیاتی کو وہ چور حویلی کی عادت اور فطرت سمجھ کے برداشت کرتی تھی۔ لیکن شوہر کی دوسری بیوی کو حویلی کے اندر اپنے برابر کی حیثیت میں قبول کرنا اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا۔ اس نے باپ سے شکایت کی اور پھر مانگیں نے اپنے مریدوں سے ریشم کو انھوں لیا۔ ان کا بیٹی کے گھر میں آنے جانے کا حق برقرار تھا۔ وہ اکبر کے تایا بھی تھے۔ بعد میں اکبر کا قتل ہو گیا۔"

"یہ بھی اس کے سرے نہ کرایا ہوگا؟"

"پتا نہیں تھی۔ اکبر کی جگہ اس کے بڑائی انور نے لے لی۔ وہ اچھا آدمی تھا۔ اس نے مجھے اپنا مشیر بنایا اور میرا یہ شافقی کارڈ بھی جوا کے دیا۔ لیکن پھر ایک ہی مشکل آگئی۔ جبراً مانگیں نے مجھے مطلع کیا کہ وہ ریشم سے غرضاتی کر رہے ہیں۔ اور مجھے پیشکش کی کہ میں ان کی بیوہ ہو جانے والی بیٹی کو نکاح میں لے لوں تو ان کا وارث اور گدی کا جانشین بن سکتا ہوں۔ وہ اتنی جورت نہیں تھی اور خود بھی مانگیں ایک فراڈ تھیں۔"

"میں بیگم صاحبہ! میں ریشم کے ساتھ وہاں سے نکل بھاگا۔ مجھے اندازہ ہے کہ پھر نے کئی بے عزتی محسوس کی ہو گی۔ اس کے منہ پر وہ چھل پڑے تھے۔ ریشم نے اس کی دولت اور طہارت پر ٹھوک دیا تھا اور میں نے اس کی گدی نشینی پر... اس کے خیال میں تو یہ ہماری بڑی خوش بختی اور عزت افزائی تھی۔ یہ بھی وہ ہفت پہلے کی بات ہے۔ ہمیں اندازہ ہے کہ پھر کے حکم پر جان دینے والے مرید ہمارے تعاقب میں ہوں گے اور ہمیں ہر جگہ تلاش کر رہے ہوں گے۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کوئی بارویں گے اور ریشم کو اٹھا کے

ہوتے ہیں بیگم صاحبہ... جو شریف کہلاتے ہیں یا نظر آتے ہیں۔"

"مجھے تم پر مے لکھے تھے ہو... ماہی باتوں سے..."

کیا اس تک ہے تمہاری تعلیم؟
میں نے کہا۔ "چھوڑیں بیگم صاحبہ! ابھی تو میں شامت کا دارا مفرد مجرم ہوں۔ جان بھگتی پر سپے پھر رہا ہوں۔ خود کو بھی پیار رہا ہوں اور اس لڑکی کو بھی... خوبی اور ہوس کے بھوکے بھیڑیے ہمارے پیچھے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ خولنا کے دشتے سے یہ میری بہن نہیں مگر میری زندگی اس کا قرض ہے۔ اس نے مجھے بچایا اور نہ میں ادب کے مر جاتا۔ ایک بہن بن کے میری حمار دہری کی۔ اس کے باپ کے گناہ کے ہند یہ میری ذستہ داری میں لگی ہے۔"

"تمہاری بیوی... کیا نام بتایا تھا تم نے... نورین... جب وہ نہیں رہی..."

"میں سمجھ گیا کہ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔ لیکن بیگم صاحبہ... جب میں ریشم کے گھر میں تھا تو دن رات اس نے جس طرح میری حمار داری کی وہ ایک بہن ہی کر سکتی تھی۔ حالانکہ میں تو اپنی تھا اس گھر میں مگر اس کے باپ نے مجھے چنا سمجھا اور میں نے بھی ایسا ہی محسوس کیا... میری کوئی بہن نہیں تھی اس کا بھائی نہیں تھا۔ حالات نے مجھے یہ دشتہ دے دیا جو مانگنے سے نہیں ملتا۔ نورین کے لیے میں بچا اور یہ تھا کہ وہ سنے گی۔"

اچانک میں نے محسوس کیا کہ میں اسی لاشی کیفیت میں تھا جو ہنسنا کہلاتی ہے۔ مجھے خود پر کنٹرول نہیں رہا تھا۔ میں بے اختیار بولنے چلا گیا اور جب خاموشی ہو تو میں نے ریشم کی نظروں میں اور ہاجرہ بیگم کی آنکھوں میں الگ الگ جذبات دیکھے۔ ریشم خوف کا کھانا تھی۔ میرے بچے سے اور اس کے انہماک سے۔ ہاجرہ بیگم نے بچے کو محسوس کر لیا تھا میرے لہجے سے اور جذبات سے۔ اب کہنے سننے کو کچھ رہا نہیں تھا تو میں اٹھا اور اپنے کمرے میں آ کے لیٹ گیا۔ وہ دن گزر گیا۔

صبح معمول کے ملاقاتی ہاجرہ بیگم نے مجھے چیک دیا۔ "دن پکڑوں میں جاؤ گے؟ وہ جو میں نے دلوائے تھے وہ کب کام آئیں گے؟ عید پر پہنوں گے یا اپنی شادی میں؟ جاؤ پہلے لباس بدل کے آؤ۔"

میں لباس بدل کے پھر سامنے جا کھڑا ہوا۔ انہوں نے اخبار سے نظر ہٹا کے دیکھا، سکرا کے سر جلا یا۔ میں پھر اٹھ گیا اور انہوں نے ڈانٹا۔ "اب کیا ہے... مانتے

کیوں نہیں؟"

"آپ نے چیک میں ٹولن کر دیا ہے۔ یہ کچھ بڑا کاجیک ہے؟"

"ذرا آنکھیں کھول کے دیکھو۔ یہ دوسرے چیک کا چیک ہے۔ وہ اور ہے، گاڑی لے کر جاؤ... دیر مت لگاؤ۔"

میں نے پیچھے کھڑی آنکھیں چمکاتی ریشم کو دیکھا جس کی مسکراہٹ سے خوشی پھولی پڑ رہی تھی۔ کچھ سمجھے بغیر میں نے چابی کچک کی جو اس نے میری طرف اچھلتی تھی اور پلٹ گیا۔ جو بات عیاں تھی آہستہ آہستہ میری سمجھ میں آنے لگی تھی۔ مظلوم نہیں کہیں ہاجرہ بیگم کا رویہ ایسا تھا جیسے گزشتہ رات ان کی اور میری کوئی بات ہی نہیں ہوئی تھی اور سب دتا ہے جیسا تھا۔ ان کا اعتماد بھی وہی تھا بلکہ بڑھ گیا تھا۔ نہ جھوٹ بچ کی اہمیت رہی تھی اور نہ تصدیق و تکثیر کی۔ یہ کیسے ہوا تھا اور کیوں... یہ میری خوش فہمی تھی یا حقیقت... اک دم سناٹے لگے کانہ سمجھائے گا۔

نظر بڑھانے لگے جیسے جیسے میں دیکھتا ہوں تو انہوں نے کہا۔ "پتو پتو سے جیسا۔"

"ہی۔" میں نے حیرانی سے کہا۔ "ہی کیا... بیٹروں نہیں ڈلوا یا۔ ایسے عیا گاڑی

دائیں لے آئے؟"

"آپ نے کہا نہیں تھا۔"

"اچھا میں نہیں کیوں گی تو تم گاڑی کو بیٹروں کے بغیر ہی چلاتے رہو گے۔ اس سے اونچی کیا بات ہو سکتی ہے۔ ایسا ڈرائیور تو آج تک نہ دیکھا نہ سنا۔ اب پھر جاؤ اور گاڑی راستے میں بند ہو جائے تو دھکا لگا کے لے پانا۔ وہاں سڑک کے بچے میں مت چھوڑ آؤ کہ آپ نے کہا نہیں تھا۔ جاؤ میری صورت مت دیکھو... ہر بے ہزار کا ڈلوا لیتا۔"

ریشم نہیں تو مجھے بھی مسکراتا پڑا۔ سر کھبا کے میں نے ان سے ہزارہ کا لوٹ لے لیا۔ ان کے رویے نے ایک دم میرا مودال اب کر دیا تھا۔ اس نیک اور فراخ دل عورت نے مجھے دل کی گواہی پر معاف کر دیا تھا۔ لے لیا تھا۔ کیا اس میں میری کوشش کا دخل تھا؟ میں نے سوچا... نہیں... میں صورت سے اتنا مستعبر نہیں لگتا اور ہاجرہ بیگم بھی نہ مانتا دیدہ و نما نظروں کے غریب میں نہ آتیں۔ یہ کچھ اور تھا جس نے میرے آدھے اور دھورے بچے کا اعتبار قائم کیا۔

جب میں واپس پہنچا تو مجھے جینک میں طلب کیا گیا۔ ہاجرہ بیگم ایک ادل جلول سے شخص کے سامنے بیٹھی تھیں۔ وہ

جواہر

نام سے جابو۔ "انہوں نے ہاتھ بڑھایا اور سہارے کر کھڑی ہو گئیں۔ "تو کمری بھی میں نے ہی دہرائی تھی اسے... اب تو مکان بڑھ گیا ہے۔ گاڑی لے لی ہے۔ کہتے ہیں سب کہ اللہ نے کمالی میں بڑی برکت دی اور مکان کے اوپر بھی اس نے لکھ دیا ہے... خدا اس فضل ربی... میرے کان ان کی آواز سن رہے تھے لیکن میرا دماغ حاضر نہیں تھا۔

دوسرے کا کہنا ہم نے ایک ساتھ ہی کھایا۔ ہاجرہ عظیم خوش تھیں اور اس کا اندازہ ان کے چہرے سے بھی کیا جاسکتا تھا اور ان کی باتوں سے بھی... ان کی طبیعت جو میں نے یہاں آنے کے بعد دیکھی تھی دور جو آج بھی اس میں مجھے بہت فرق محسوس ہوتا تھا۔ ریشم کی خوشی بھی اس کی صورت سے عیاں تھی مگر میں کچھ فاسٹ تھا۔ معمول کے مطابق ظہر کی نماز پڑھ کے ہاتھ عظیم سوئیں تو ریشم میرے پاس آگئی۔

"کیا بات ہے۔ ایسے کیوں منہ لٹکائے بیٹھے ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"تم خوش ہو یہ کافی ہے۔"

"خدا نے ہم پر اعتبار کیا۔ قصہ حق قیامت کے بغیر ہمیں دہرایا۔ ہمیں بھگتے پھرتے سے بچالیا۔"

میں ریشم کو دیکھا رہا۔ "اسے نہ میں ان کی بے وقوفی کہہ سکتا ہوں نہ سادگی۔ ان کی مجبوری ہے۔ اکیلی عورت جس کا دنیا میں کوئی نہیں۔ کسی کو اپنا بنانا چاہتی ہے جو زندگی کے آخری لمحے تک ان کے ساتھ رہے۔ ان کی جگہ میں ہوتا تو یہ خوف مجھے بھی پریشان کرتا کہ میری زندگی میں معذوری کے آخری دنوں کا کوئی سہارا ہو۔ کوئی میرا خیال رکھے۔ چار داری کرے۔"

"ہاں، دنیا میں ایسے بہت سے بے سہارا لوگ ہیں جو معذور یا بیمار پڑے ہیں۔ خیراتی اداروں یا اسپتالوں میں اور ان کے پاس کچھ نہیں۔ ان کے پاس سب کچھ ہے۔ شوہر بھی تھا اولاد بھی تھی۔ سب چھوڑ گئے۔"

"آئے دن اسکا ہاتھ مضوم ہوتی ہیں کہ کوئی لاچارٹ بڑھایا بڑھیا مر گئی اور کسی کو پتا ہی نہیں چلا۔ نہ آخری وقت میں کوئی اسپتال لے جانے والا تھا نہ دوا دینے والا... یہ بڑی اذیت ناک موت ہوئی ہے جب آدمی بھوکا پیاسا پڑا رہتا ہے اور مر جاتا ہے۔ جب لاش پوینے گئے تو پتا چلتا ہے۔ ہاتھ دیکھنے سے بھی پڑے یا سنے ہوں گے ایسے واقعات۔"

واقعی چار داری کا آزمی لگتا تھا۔ شلوار قمیض استری کے بغیر... پٹا داری تھیں... سر پر گول قرمقی ٹوپی... کتے چھوٹے ہوئے... درمیان میں پیٹ کسی کتے جیسا۔ اس نے زور ملے دانتوں کی بھرپور لاش کی اور مجھ سے ہاتھ ملایا۔

"یہ ہے میرا وہ بھانجا... جس کا میں ذکر کر رہی تھی۔ یہ کام ہونا چاہیے تھا، ایک صاحب۔"

"ایک دم پکا بیگم صاحبہ... پہلی بار تو خدمت کا موقع دیا ہے آپ نے۔"

"یہ کھل آئے گا پور دیکھو... ڈنڈی مت مارنا... جہاں تعلقات سچ میں آجائیں کچھ لوگ کام ہی نہیں کرتے... تاملتے رہتے ہیں۔ صرف تمہاری تسلی کے لیے میں نے انہیں یہاں بٹایا۔ ورنہ یہ خود آ جاتا۔ پورے پیسے دے گا تمہیں۔"

"آپ کیوں شرمندہ کرتی ہیں بار بار بیویوں کا ذکر کر کے... بس آپ کا کام ایک ہفتے میں ہو جائے گا۔ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔" وہ اٹھا اور مجھ سے پھر ہاتھ ملا کے چلا گیا۔ چائے دو پہلے ہی پی چکا تھا۔

"یہ کون تھا بیگم صاحبہ؟"

"بے وقوف... اچھا ہوا تم نے اس کے سامنے بیگم صاحبہ نہیں کہا۔ اپنا بھانجا بتا رہے تھے... یہ فاضل بیگم تھا۔ اسے عظیم خانے سے لائی گئی۔ تیس سال پہلے... چار سال کا تھا۔ میں نے پڑھایا لکھایا اور شادی کی عزت اللہ نے اچھی سزا دی۔ نیکی میں ڈنڈی ماری تھی نا... سوچا تھا کہ بڑھاپے کا سہارا ہو گا۔ اکیلا اپنا دور ہو جائے گا میرا... خود غرضی والی نیکی اللہ نے قبول نہیں کی۔ اس کی بیوی اسکی بھولی اور نیک نظر آنے والی... پڑھی لکھی... سال بھر بھی نہ گزار سکی میرے ساتھ... روحانی عذاب کر دی اس نے میری... میں نے خود ہی نکال باہر کیا دونوں کو... یہ بے چارہ سخت پریشان ہوتا تھا مگر بے بس تھا۔ مجھ سے کہتا تھا کہ ظلاق دے دوں۔ میں نے کہا کہ خدا کے لیے مجھے معاف کرو... غلطی مجھ سے ہوئی کہ تمہیں اس کے بچے ہاتھ دے۔ اب جاؤ تم بھی جین سے رہو اور مجھے بھی عزت سے رہنے دو۔ وہ خود تو کبھی نہیں آئی پلٹ کے اور نہ فون کیا۔ یہ فون بھی آفس سے کرتا ہے اور آ جاتا ہے کبھی لٹنے چار چھ بیٹے میں۔ آج کام سے بلایا تھا میں نے... کل تم اس کے پاس چلے جانا۔"

"کس لیے بیگم... خاں... میں نے کہا۔"

"یہ تمہارا اور ریشم کا خیاں خاں کا رڈ ہوا دے گا جس

ریشم کا چہرہ دم دلی اور ترس کی تصویر بن گیا۔ "بے چاری۔"

"وہ بخاری جو آپ تک ہارتی آئی ہیں۔ شاید اسی طرح اپنی تنگی ہو رہی تھی سے انہوں نے پہلے بھی خیر دے کر اپنا پانے کے لیے اسی دولت کو دواؤں پر لگا دیا ہوگا جو کب ان کے لیے بے مصرف ہو گئی ہے۔ جو آپ تک ان کا سب سے بڑا اسہارا تھی اور ہر بار وہ ہارتی ہارتی رہیں۔ میں بھی آج تک نہیں ہزار لے کر نہیں گاڑی میں ساتھ بٹھاتا اور ہم نکل جاتے... تو کیا ہوتا... زیادہ سے زیادہ پولیس میں رپورٹ لکھوا دیتیں... ہم جو پہلے ہی مطلوب ہیں زیادہ مطلوب ہو جاتے۔"

"تمہارے نزدیک یہ سب باتوں کی انہوں نے۔"

"نہیں، دانا کی یہی ہے۔ شاید انہیں احساس ہے کہ یہ آخری ہارتی ہو سکتی ہے۔ اس میں سب لگا دو... پہلے وہ بچائی رہیں اور ملت کے بھی محفوظ رہیں۔ اب یہ ہمارے ہوئے جواری والی کوشش ہے۔ آریا پار... اور میں محسوس کرتا ہوں کہ ہم پھر چھن گئے ہیں۔ جیسے ہم چودھریوں کی حویلی میں اور پھر ہیر سائیکل کے ڈیرے پر چھن گئے تھے۔"

"یہاں تو زبردستی کچھ نہیں۔"

"یہی تو تم سمجھ نہیں رہی ہو۔ ہمارے ہاتھوں میں اخلاقی ذمے داریوں کی زنجیریں پڑ رہی ہیں۔ محبت اور احسانات کی زنجیریں جن کو ہم تو نہیں ٹھیک کر سکتے۔"

"ہمیں یہاں سے جانے کی ضرورت بھی کیا ہے... اور جلدی۔"

میں نے نکل سے کہا: "وہنا تمہارے خیالات بدل گئے۔ کیا میرے ساتھ تم یہاں اس گھر کو اپنا گھر بنانے کے لیے آئی تھیں؟ اور ریشم اب اس صراف جذبات کے حصار کی نہیں۔ ہم مشکل میں بھی پڑ سکتے ہیں۔"

وہ رکھائی سے بولی: "کیسی مشکل؟"

"دیکھو فرض کرو۔ یہ ناممکن نہیں ہے ریشم... بڑی لمبا یہ مکان میرے یا تمہارے نام کر دیتی ہیں اور اپنی وہ دولت ہمیں دے جاتی ہیں جس کا ابھی ہمیں کوئی اندازہ نہیں۔"

ریشم کا منہ حیرانی سے کھل گیا: "تم ایسا سوچ رہے ہو بھائی؟"

"سوچنا پڑتا ہے اور سوچ کی راہ میں رکاوٹ کھڑی نہیں کی جاسکتی۔ خیال کسی وجہ اور مقصد کے پیدا ہوتا ہے۔"

دماغ پر قدم کیسی... ایسا میں ہرگز نہیں چاہتا۔ نہ میں لاہنگی ہوں نہ گیند گھر خود سوچ... خالہ نے ایسا کیا... پھر... دینا کو چھوڑو کہ وہ کیا کہے گی... طارے لیے قانونی مسائل کھڑے ہو سکتے ہیں۔ ان کے اصل وارث جو آج لاپتہ ہیں ایسے نمودار ہو سکتے ہیں جیسے جانور کے جنگل میں مرتے قتل گدھ اور مردار خور... حضرات الارض سب نمودار ہو جاتے ہیں۔ وہ ہم سے سوال کر سکتے ہیں کہ تم کون؟ تم کہاں سے آگئے؟ امارا حق غصب کرنے... اور وہ امارا بھراؤ نسب کھال سکتے ہیں۔ ہمیں قانون کے ٹکڑے میں لے جانے کے لاہنگی... بے ضمیر اور قاتل تک ثابت کر سکتے ہیں۔ یہ کتنی خطرناک بات ہو گی... اگر ایسا ہوا۔"

ریشم کا رنگ زرد ہو گیا۔ "پھر کیا کریں بھائی... یہاں سے کہاں جائیں؟"

میں نے کہا: "اوسے اتنا خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ ایسا ہوگا۔ زیادہ امکان بھی ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ جو امریکا کے کسی دور افتادہ جیسے یا شہر میں شاید آباد ہیں، اپنے ماضی... اپنے رشتوں اور اپنی زمین کے ہر تعلق کو بھول کے... انہیں کون بتائے گا کہ آج وہ عورت نہیں رہی جس نے انہیں جنم دینے کے بعد پال پوس کے اس قاتل کیا کہ وہ سات سمندر پار جانے کے قاتل ہوں۔ اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے کہ ان کو پتا چلے... اور کہیں سے اڑتی اڑتی خبر ملے تو انہیں یہ خیال کیسے آسکتا ہے کہ بڑھیا کے پاس مرتے وقت اتنا تھا کہ امریکا سے جانے کے لانے کی ساری مشکل بھیل جاسکتی ہے۔ عام طور پر ایسی لاوارث وہ جانے والی عورتیں نکلاش کرتی ہیں۔ محتاج اور مذکورہ کے... جو ان کے پاس ہو وہ دنیا بھر کے ہی چھین لٹتا ہے کہ کد سے بچا لائے کہ بس کی بات نہیں ہوتی۔ چنانچہ خانوے اعشاریہ ناناوے لیحد امکان یہ ہے کہ کوئی وارث نہیں آئے گا۔"

"تم نے مان لیا ہے کہ ان کے پاس بہت دولت ہے؟"

"بہت کہا ہوتا ہے... جو مجھے معلوم ہوا ہے یہ ہے کہ شوہر کی کھائی بہت مکی اور اس نے بیٹوں میں اہل رہی ہے۔ یہ گھر گاڑی الگ ہیں۔ آج معلوم ہوا کہ ان کا دوسرا اکاؤنٹ بھی ہے ایک وہ جس سے گھر کا خرچ چلتا تھا۔ ہزار روپے روزانہ لے جاتے تھے۔ دوسرے اکاؤنٹ کا چیک انہوں نے آج دیا... آخر کیوں... مجھے احساس دلانے کے لیے کہ ان کے لئے اکاؤنٹ ہیں۔"

جواہر

گیا۔ وہاں ایک ازاد حامی تھان لوگوں کا جو یزایا سپورٹ
تھیو لٹیک جیسوں اور شاخنی کارڈ و لیرہ کے چکر میں ایکٹوں
کے پاس جمع تھے۔ یہ سارے جعلی اور دو نمبر کام والے نہیں
تھے مگر تھے سب غرض مند... جو دفتروں کے چکر نہیں کاٹ
سکتے تھے یا جن کی ضرورت لوری تھی۔ ایکٹ ان کے حق
میں فرشتہ رحمت تھے۔

فاضل بیگ دس منٹ بعد نمودار ہوا اور مجھ سے کہتے
میں بیٹھ کا قدم بھردانے لگا۔ وہاں یوسف علیہ کرسیوں اور
بھڑکی بد صورت میزوں کے گرد حاجت مند اور حاجت روا
کچھ کچھ بھرے ہوئے تھے۔

میں نے جہانم سوچا تھا وہ فاضل بیگ نے بلا تامل کھ
دیا۔ "ندیم اختر راجہ... والد باپ کا نام۔"

میں نے کہا۔ "باپ جو تھا سو تھا تم اب کچھ بھی کھ
دو۔"

"چلو پھر ندیم اکبر راجہ کر دیتے ہیں۔ تاریخ
پیدا کرنا؟" اس نے میری طرف دیکھ کر سر ہلایا۔ "ایسی کہ
بابہ ہے... تو... جرنیل ہے شہزادی؟"

"نہیں سہاں۔" میں نے کہا۔
"کتے کم ہو، 23 مارچ 1962ء... اس نے
کہا۔"

میں نے کہا۔ "اگر میں اپنے کسی ہاتھ کا انگوٹھا نہ لگانا
چاہوں؟"

اس نے مجھے راضی سے دیکھا۔ "پھر کیا میں اپنے
ہاتھ کا لگاؤں؟ کرو تم کل کو اور بھروں میں۔"
"کوئی بھی لگا کو استاد... میں پائیں ہاتھ کا انگوٹھا بھی
استعمال کر چکا ہوں۔"

"یہ بات نہیں ہوئی تھی۔" اس نے عین رکھ دیا۔
"چلو اب کر لیتے ہیں۔ خالہ نے کتنے دے دیے؟"
"وہی نہیں... جو سب دیتے ہیں۔" اس نے
شکایت کے انداز میں کہا۔ "بڑھیا بڑی کھسیں ہے۔ اب قبر
میں لے جائے گی سارا جیسا۔ پنڈی کا ایندھن لکھ دیا ہے
میں نے۔"

مجھے دکھ بھی ہوا۔ غصہ بھی آیا۔ یہ قیمتی خانے کا
لاوارث اور بے نسب بچہ... وہیں پڑا رہتا تو یہ تعلیم اور یہ
عزت کہاں سے حاصل کرتا اور یہ مال کیسے کما؟۔ احسان
فراموش نے ہن کو بھی نہیں لکھا لاکھا کت کر رہا ہے۔ ان
سے کیا دولا کوئی امید رکھتا تھا۔ میں نے کہا۔ "پلو پانچ اس
کار خیر کے... کوئی انگوٹھا لاؤ۔"

"تم سوچ رہے ہو ایسا... بلا وجہ اور ہے ہو۔"

"بے وقوفی کی بابت مت کرو۔ میں امکانات اور
مشکلات دیکھ رہا ہوں۔ انکی وہ زندہ ہیں۔ وہ اپنا سب کچھ
کسی خیراتی ادارے کو بھی دے سکتی ہیں۔ جیسا کہ عموماً
لاوارث دولت مند کرتے ہیں۔ اپنی زندگی میں یہ ممکن
ہے۔ وارث ان سے ایک چھوٹا نہیں لے سکتے۔ ہاں ان کے
مرنے کے بعد قانون وراثت آجاتا ہے۔"

ریشم ایک دم اٹھی اور کمرے سے نکل گئی۔ یوں جیسے
وہ اس موضوع پر مجھ سے بات چکرنا نہیں چاہتی۔ رات
تک وہ میرے سامنے آئی تو موقع نہ تھا یا اس نے موقع نہیں
دیا اور میں اکیلا اپنے پریشانی کن خیالوں سے لڑتا رہا۔
میرے لیے ناممکن تھا کہ میں دل سے لورین کی محبت اور نادر
شاہ کی نفرت کو نکال دوں۔ میں نے خود سے یہی سوال کیا کہ
کیا میں ریشم کو یہاں چھوڑ کے جاسکتا ہوں۔ یہاں اسے کوئی
خطرہ نہیں۔ وہ محفوظ ہے اور زیادہ محفوظ ہے۔ میرے ساتھ
پھر غیر محفوظ ہو جائے گی۔ عقل کہتی تھی کہ مجھے جلدت میں
بذ ہائی فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ میں جب چاہوں جاسکتا
ہوں۔ ریشم کو بتا کے بھی جاسکتا ہوں اور واپس بھی آسکتا
ہوں۔ وقتاً فوقتاً اس کی خیر خبر دریافت کرنے کی راہ میں کوئی
مکاوٹ نہیں۔

مجھے ایک موقع ملا تھا کہ میں چوٹی پر اپنی شناخت
بدلوں تو اس سے فائدہ نہ اٹھانا بے وقوفی ہوئی۔

اب ایک نیا شاخنی کارڈ بنانا ضروری ہو گیا تھا۔ اس
میں بہت سے دستک تھے۔ میرا چہرہ بدلتا گیا تھا۔ اگر بعد
میں کسی سرے پر دو بارہ بدلتا تو قانونی خدشہ پر اس میں کوئی
قباحت نہ تھی لیکن شاخنی علامات میں سب سے اہم انگوٹھے
کا نشان تھا۔ ملک سلیم اختر بننے کے لیے میں نے پائیں اور
دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے فرق سے فائدہ اٹھایا تھا۔ اب
تیسرے ہاتھ کے تیسرے انگوٹھے کی گنجائش نہ تھی۔ مجھے تاسم
سے فرق نہیں پڑتا تھا لیکن میں چاہتا تھا کہ اس بار جو نام ہو
اس کی سادہ تین ناموں سے دور کی بھی نسبت محسوس نہ ہو۔

فاضل بیگ ایک کمین میں کرسی میں پھنسا ہوا تقریباً
نیم دروازہ چائے مزے رہا تھا۔ اس نے مجھے ناگوارئی سے
دیکھا اور بولا۔ "یاد سیدھے لو پر آگئے تم۔ کسی سے کہہ کے
مجھے اطلاع کرا دیتے۔ میں نیچے آجاتا۔ خیر تم چلو میں آتا
ہوں۔"

اس بد اخلاقی کی مجھے توقع نہ تھی مگر ضرورت مند میں
تھا۔ برائے بغیر وہ نہیں باہر آ کے گیٹ کے بالفاظ مل کھڑا ہو

"بس... وہ میرا کام تھا۔ یہ اس کا فعل ہے۔ میری نکل کو
قرب مست کرو مجھے بدتمن کر کے... مجھے اپنی قبر میں جانا
ہے اسے اپنا... یہ بتاؤ کام ہوا؟"

میں شرمندہ ہو کے خاموش ہو گیا۔ "جی... ہو گیا۔"
"اب تمہارا کیا نام ہے نسیم اختر؟"
"نسیم اختر راجا... میں نے خلعت سے کہا۔" پتا
لکھوایا ہے پنڈی کا۔"

"اچھا ہے، اچھا ہے... ریشم... خیردار جواب اسے
نسیم کہا۔ نسیم یا اختر۔"
ریشم بولی۔ "پنڈی میں تو سارے راجا ہوتے ہیں۔
مگر نسیم ضحک ہے۔"

"اور تو آگئی اب لو کہ تم سے بتوالے اپنا شناختی
کارڈ... تم کے کام آئے گا۔ اور ایک بات تم دونوں سن لو
کان کھول کے... اب تک جو ادا سو ہوا۔ اب نیت اور
ادارہ کر لو کہ زندگی شرافت اور سکھ چین سے گزار لی ہے۔ کسی
کے جھگڑے میں پڑنے بغیر... مجھو خدا نے ایک موقع دیا
ہے۔ مہلت دتی ہے۔"

میں خاموشی سے سنتے رہنے کے سوا کیا کر سکتا تھا۔
خیر نے اپنے خیالات کا رخ تو مخالف سمت میں تھا۔ میں
ہو ج رہا تھا کہ قدرت نے یہ موقع دور مہلت اس لیے دی
تھے کہ میں غفلت ہو جاؤں اور اپنا فرض اور فرض چکا دوں۔
خاندان کو میں کیا بتاتا کہ زندگی میں کب میں نے شرافت سے
میں نہیں چاہا تھا۔ میں بڑا آدمی بننا چاہتا تھا کیونکہ یہ میرے
بھائی کی بھی خواہش تھی۔ جیسے کے سب والدین کی ہوتی ہے
مگر اس کے اور میرے لیے بڑے آدمی کا تصور دولت
مندی سے وابستہ نہیں تھا۔ وہ چاہتا تھا اور میری سوچ اس کی
خواہش کے تابع تھی کہ میں بچ بنوں... ہائی کورٹ کا اور پھر
سپریم کورٹ کا... حادثات نے مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔
میرے بھائی کو بھی اور زندگی کے مقصد کو بھی۔ اب میں ایک
راہ گم کردہ مسافر تھا تو اس کا یہ مطلب غلط تھا کہ پردہ میں
نے خود اپنے لیے چلی تھی۔

اس موضوع پر میری ریشم سے بات ہوئی تو اس نے
بھی خالہ کی طرح کہا۔ "تم اس موقع کو قیمت شمار کرو تو
زندگی پھر وہاں سے شروع کر سکتے ہو جہاں سے منزل بدلی
تھی۔"

میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ "وہ کیسے؟
جودت گزر گیا وہاں کیسے آئے گا۔ میں لوٹ کے وہاں کیسے
ہاؤں؟"

اس نے ٹٹلی میں سر ہلایا۔ "شکل ہے۔ لہذا انگوٹھے
جو استعمال نہیں ہوئے مگر ٹٹلے ہیں۔ شہر میں تو سب نے
استعمال کر لیے شناختی کارڈ میں۔ گاؤں دیہات کے کسی مرد
یا عورت کا تلاش کرنا پڑے گا۔"

اب میں نے راؤ کھیلا۔ میں نے فارم اٹھالیا۔ "چلو
پھر دہنے دو۔ میں خالہ کو بتا دوں گا بعد میں... ابھی سن اور
سے بات کرتا ہوں۔"

یہ ٹرمپ کارڈ تھا جو کام کر گیا۔ "اچھا یارہ خانہ کی
دھمکی دے رہے ہو تو میں بھی مجبور ہوں۔ ٹالو پیسے۔" میں
نے پانچ ہزار اس کے حوالے کیے۔ اب مجھے فکر نہ تھی کہ وہ
کس سے انگوٹھا لگواتا ہے۔ نشان میرے کس انگوٹھے کا نہیں
تھا۔ میرے لیے یہ طینتان کافی تھا۔ "مجھے جلدی ہے۔"

"ہاں، ہاں... مجھے پتا ہے تمہارا چہرہ لگا جا رہا
ہے۔ دونوں تو لگتے ہیں۔"

"جہاز کا نہیں میرے فیوچر کا سوال ہے۔ یہ موقع ہمارے
بار نہیں ملتا۔ جی میں نوکری جو اس کرنی ہے۔" میں نے کہا۔
"یعنی اس کے بعد پاسپورٹ بھی ہلاؤ گے؟" اس
کی آنکھوں میں لالچ کی چمک آئی۔

"ظاہر ہے اس کے بلیم میں صرف دوسری دنیا میں جا
سکتے ہوں۔" میں نے کہا۔ "لیکن اس کی بات کریں گے بعد
میں... جب یہ کام ہو جائے گا۔ پتا چلے کہ تم کتنے فاسٹ
ہو۔"

"بس دونوں کہا ہے تو دونوں۔ پاسپورٹ میں ایک
ہفتہ۔ مگر دیکھو... خالہ کو مت بتا، کوئی بات۔" ظاہر آج اس کا
معاملہ ہے۔ "وہ اٹھ کر اٹھا ہوا۔" پاسپورٹ کے پچاس ہوں
گئے۔"

میں نے اسے جانے کے بعد ایک سو ایک گالیاں
دییں مگر دل عیادل میں۔ میں نے اس سے زیادہ ڈنکل آدمی
بھی نہیں دیکھا تھا۔ شاید باپ کو بھی نہ دیکھے۔ میری چال
کا سہا ب تھی۔ پچاس کے لالچ میں وہ خود جندی کرے گا۔
وہاں سے نکل کے میں نے ریشم کے بارے میں سوچا۔ اس
کا شناختی کارڈ بنانی نہیں تھا حالانکہ وہ جہن سے اوپر لگی تھی۔
اس کی ضرورت تھی مگر جلدی نہ تھی۔

میں گھر پہنچا تو خالہ کھانا کھا رہی تھیں۔ "کام کر دیا
ایک صاحب نے؟"

میں نے کہا۔ "آپ اس ڈنکل آدمی کو صاحب نہیں
کہتی ہیں۔ نالی کا کیڑا تھا۔"

انہوں نے ہاتھ اٹھا کے مجھے خاموش کر دیا۔

جواہر

میرا بھائی اور مادر شاہ دونوں دیوالیہ لے کر گئے اسے مجھ پر کو
ہر وہ ہانے اور ایک ایک گولی چلائی۔ دونوں کے ہاتھ اور
پائیں کانپ رہی تھیں چنانچہ بھائی کا نشانہ خطا گیا اور مادر
شاہ کی گولی لگی... اس کی جگہ نے پولیس کے سامنے اور شاہ
کو قاتل قرار دیا۔ میرے بھائی پر کوئی الزام نہ آیا۔ بس
یہاں سے دھکیلا آغا ہوا۔ مادر شاہ نے بھائی سے کہا کہ تم
نے دھوکا دیا میرے اعلا کو... اب میں جاؤں گا جیل اور تم
عدوت کا زہر پورہ دیتے ہی اس سے عقد کر لو گے۔"

بات آخر خورشید کے ضبط کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ

ظالمین مستوجب ہوں



پاک سوسائٹی

جواہر سے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں
کہ ذرا بھی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچہ نہیں ملتا۔
لہذا ہرگز کی کار کرو گی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش
ہے کہ ہر چند ہفتے کی صورت میں ہمارے کو خط یا فون
کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

راہیلے اور خرید معلومات کے لیے

فون نمبر

03012454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

سب سے زیادہ سوسائٹی، پاکیزہ، سرگرم

C-283 II سیکشن 11، اسلام آباد

35802552-35386783-35804200

ای میل: **jdpgroup@hotmail.com**

"میرا مطلب تھا ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ یہ کیوں
نہیں سوچتے۔ وہ چار سال ضائع ہونے سے عمر تو ضائع نہیں
ہوتی۔ وہ چار سال تو ڈاکٹر، انجینئر یا دکنی بننے والوں کے بھی
ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ ٹل ہوں۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو۔ نشانہ خطا ہو جائے تو کمان
سے نکلے ہوئے تیر کو پکڑ کے وہاں لانا اور وہ نشانہ لے
کر چلا... ایسا کون سوچتا ہے... سوچتا ہے تو وہ پاگل
ہے۔"

"پاگل ہی ہوتے ہیں وہ جو تمام حادثات کے باوجود
منزل کی لگن نہیں چھوڑتے... اب تم سچ کیوں نہیں بن سکتے
آگر... اگر یہی تھا تمہارا اور بھائی کا خواب تو اس کی تعمیر تم
آج بھی پا سکتے ہو۔ قانون پڑھو... دیکھو... پھر سچ۔"

میں اسے دیکھتا رہا۔ "کاش یہ میرے اختیار میں
ہوتا۔ اب تو مقصد ہی بدل گیا ہے میرا... میں نے دیکھ لیا
ہے خود ہمت لیا ہے اس نظام انصاف کو... مجھے ثمرت ہو گئی
ہے اس سے... میں جانتا ہوں کہ انصاف کیسے لیا جاتا ہے
اور میں لوں گا۔ میرے بھائی کا خون اتنا ست نہیں تھا کہ
تسرا رنگاں جانے دوں۔ مادر شاہ اس کی قیمت اپنی جان
دے کر ادا کرے گا۔"

وہ دیکھی نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ "دیکھی جاتا نہیں
تم نے... مادر شاہ کی کیا دشمنی تھی تمہارے بھائی سے؟"

میں نے اسے جاننے کے لیے کہا۔ "دیکھا جائے تو
بات کچھ بھی نہیں لیکن محبت اور جنگ میں کوئی فرق نہیں۔
ایک پیادہ کے اور دوسری نفرت کے جذبات سے ہوتی ہے
اور دونوں کے بارے میں انگریزوں کا قول حقیقت پر مبنی
ہے کہ اس میں سب جائز ہے۔ کچھ بھی ناجائز نہیں۔ مادر شاہ
اور میرا بھائی دونوں کلاس لیو تھے۔ ایسی دوستی کی ان میں
کہ لوگ دھک کر تے تھے۔ شاید انہوں کی نظر نگ مٹی کہ وہ
دشمن ہو گئے۔"

"مگر کس بات پر؟"

میں نے ایک آہ بھری۔ "تم کیوں میرے زخموں کو
کر رہی ہو۔ وہ دونوں اسکول، کالج ہر جگہ ساتھ تھے اور
گھر میں یا گھر کے باہر بھی۔ دونوں ساتھ ساتھ جاتے تھے
جب جاتے تھے۔ کالج کے زمانے میں ایک ہی لڑکی پر
عاشق ہوئے اور جب اس کی شادی کسی اور سے ہوئی تو
اکٹھے گلے مل کر رہنے لگے۔ پھر عہد کیا کہ مل کے اس
دقیب رو سیاہ کو کھانے لگائیں گے اور عدوت پوری ہوتے ہی
دونوں اس سے شادی کر لیں گے اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔"

احتجاجاً واک آؤٹ کر گئی۔ دو دن اس نے مجھ سے بات نہیں کی۔ دو دن بعد قاضی جگ میرا شناختی کارڈ لے کر آیا تو مجھے چا چلا کہ قتال نے اس سے رشتم کا شناختی کارڈ بھی بنا کر لانے کے لیے کہا تھا۔ لیکن یہ بھی کہہ دیا تھا کہ رشتم کہیں نہیں جائے گی۔ ضابطے کی ساری کارروائی گھر پر ہوگی چنانچہ وہ اپنے ساتھ ایک نوٹس کر کو بھی لایا تھا۔

وہ گھبرائی ہوئی میرے پاس آئی۔ "بھائی! بتاؤ میں کیا کروں؟"

"تم تو ناراض ہو مجھ سے۔"

وہ مسکرائی۔ "وہ تو میں ہوں... بلکہ تم ہی۔ ہمیشہ تو نہیں رہ سکتی۔"

"اچھا تو پھر گھبرانے کی بات نہیں۔ جاؤ بنو لو شناختی کارڈ بھی... تمہیں کس کا ڈر ہے جب پہلے بنا ہی نہیں۔"

"اس کی ضرورت کیا ہے؟"

"ضرورت پڑ سکتی ہے رشتم... بھی بھی... کہیں بھی۔"

"نام کیا بتاؤں... نور یا رشتم؟"

میں نے کہا۔ "تم کو کچھ بھی بولنے کی ضرورت نہیں۔ نام نہ ولدیت نہ پتا۔ کوئی تمہیں تلاش نہیں کر رہا ہے اور نہ کر سکتا ہے۔ انور کی محبت اور ہر سائیں کی غزلت وہاں میں اتنا دم نہیں کہ تمہارے خلاف اپنے جذبات کا اظہار کر لے جائیں۔ ان کا نشانہ میں رہوں گا۔"

ہاجرہ بیگم کی طبیعت کچھ متحمل تھی۔ چنانچہ در کے ساتھ میں بیٹھ گیا۔ اس نے تصویر بنوائی اور پھر فارم بھی خور ہر دو قاضی بیگم کی آنکھوں میں ہونے کی جو چٹک مجھے نظر آئی، وہ دہشت کے لیے تھی۔ وہ ہراساں تھا کہ اب میں اس سے پاسپورٹ بنواؤں گا تو پھر اس ہزار کا سودا ہوگا۔ گھر آ کے رشتم کا شناختی کارڈ بنانے کے ہوم سروس کے چارج بھی اس نے زیادہ طے کیے ہوں گے۔ جب رشتم چائے لینے اندر گئی تو میں نے اس سے پوچھا۔

"اس کام کے تم نے کیا طے کیے تھے خال سے؟"

"اچھی سمجھیں... جو تم نے دیے تھے۔" وہ مسکینی سے بولا۔

"جب اس میں کوئی غلط بات نہیں تو..."

وہ جلدی سے بولا۔ "گھر آ کے یہ کام کون کرتا ہے؟" میں نے کہا۔ "احسان فراموشی کا جو مظاہرہ تم کر چکے ہو... کیا وہ کافی نہیں... تم نے اس صورت کو نہیں بخشا جو تمہاری ماں سے زیادہ ہے۔ ماں تو مر گئی یا بھلی گئی کہیں تمہیں

قیمت خانے میں چھوڑ سکے۔"

وہ گرم ہو گیا۔ "کیا مطلب ہے آخر تمہارا؟"

"مطلب صاف ہے۔ جو کام تم نے بکلیں میں کیا، وہ دوسرے دس میں کرتے ہیں۔ اور جائز کام پانچ میں اگر ہندی کا ہو... میں تو رشتم کے معاملے میں کوئی جلدی نہیں... تم جاؤ... ہم بنوائیں گے سورو پے میں۔ بے شک مہینے بعد نئے یاد دہینے بعد۔"

اس کا چہرہ غصے سے بھی اور احساسِ ذلت کی تصویر بن گیا۔ لیکن فائدے کا خیال پھر غالب آ گیا اور اس نے اچھائی سے مسکرا کے کہا۔ "اچھا یا راجا پانچ میں گرا دیتا ہوں میں یہ کام... تم پاسپورٹ کی بات کر رہے تھے۔" میں نے کہا۔ "میں بھوکا اس کو رہا تھا۔ یعنی میں کسی نوکری سے کہہ نہیں جاتا۔"

میرا کارڈ میرے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ مجھے اب اس کی بارش کی پروا نہیں تھی۔ یہ فخر بھی نہیں تھا کہ وہ مجھے شخصیت پہنچا سکتا ہے۔ میرے جرم میں وہ برابر کا شریک تھا۔ شاید زیادہ... تو تو گرا لے اپنے ساتھ بھلا تینڈ کیرالایا تھا۔ اس کی تصویر چھ منٹ میں تیار ہو جاتی ہے۔ اس نے آنکھ پر ہت میرے حوالے کیے اور قاضی بیگم سے پانچ سو وصول کر کے چلا گیا۔ اسے کہیں جانے کی جلدی تھی یا میری گفتگو سے رو ڈر گیا تھا کہ میں ایک ناقابلِ اعتبار کلائنٹ ہوں۔ رشتم اندر سے چائے لے کر آئی تو اس میں ایک ٹافہ بھی تھا۔ قاضی بیگم کے ہاں کی طرف ہاتھ بڑھانے سے پہلے ٹافے کو میں نے اچک لیا۔ میرا اندازہ درست ثابت ہوا۔ اس میں بکلیں ہزار روپے تھے۔

"خالہ کی طبیعت خفک نہیں اس لیے انہوں نے کہلوا یا ہے کہ کام ہندی ہونا چاہیے۔" رشتم بولی۔

"ہو جائے گا۔" وہ بیزارگی سے بولا۔ "اگر ارجنٹ نہیں ملی۔"

میں نے پانچ ہزار اس کے حوالے کیے۔ "یہ ہے ارجنٹ نہیں۔"

اس نے مردہ دلی سے پانچ ہزار لیے اور میری طرف کیڑ تو نظر دیا سے دیکھتا رہا۔ "میں ہزار مار گئے تم بیچ میں۔"

میں نے کہا۔ "جاد خال کو بتا دو۔ بھانجا میں ہوں ان کا... تم نہیں... لالچی مت کرو۔ روتے یہ پانچ بھی واپس لے لوں گا اور خال کو بتا دوں گا کہ یہ سورو پے کا کام ہے۔ جاتے ہیں۔"

جسوسی راجہ - 11 - اگست 2011



سے پوری طرح آشنا کر دیا تھا۔

اس رات ریشم کو پھر خالہ کے سو جانے کے بعد مجھ سے بات کرنے کا سوچ ملا تو وہ خوش خوش میرے پاس آ کے بیٹھ گئی۔ ”یہ ڈیڑھ گھنٹے کے آخر میں آ کر بیٹھ گئی۔“

میں نے سپاٹ لگے میں کہا۔ ”تمہارے لیے اور کس کے لیے؟“

وہ ہنسی۔ ”انہوں نے تو مجھے ڈانٹ دیا تھا اور صاف کہہ دیا تھا کہ تمہارے لیے نہیں لیا۔“

”جھوٹ بولا تھا انہوں نے۔“ میں نے غل سے کہا۔

”چلو تم بتا دو کچ کیا ہے؟“

”کچ یہ ہے کہ اب انہوں نے مجھیں اپنی بیٹی بتالیا ہے اور تمہاری برکتی کا سوچ رہی ہیں۔“

ریشم کا رنگ کھللا ہوا۔ ”خوش نہیں ہے تمہاری۔“ میں بھڑک اٹھا۔ ”خوش نہیں؟ تم خود بھی جانتی ہو کہ

حقیقت یہی ہے۔ میں نے ہی کہا تھا ان سے کوئی اچھا رشتہ ملے تو یہ فرض ادا کر دوں۔ اس وقت ایسا کہنا میری ضرورت تھی۔ میں ایڑا اور تمہارا اعتبار قائم کرنا چاہتا تھا، میرا مقصد

ہرگز خالہ کو یہ اختیار دینا نہیں تھا کیونکہ ہم یہاں عارضی پناہ کے لیے آئے تھے۔ مگر اب ایسا نہیں رہا۔ خالہ نے سب بدل دیا ہے۔ بہت جلد تم وکیل ہو گے۔ یہ سب... تمہیں باقاعدہ

بھانجی کا اسٹیٹس دے دیا جائے گا اور وہ میری ذمے داری خود پوری کرنے کی کوشش شروع کریں گی۔ یہ سب تیاریاں ہر

ماں کرتی ہے۔ وہ تمہارا جہیز جلدی جلدی اکٹھا کریں گی کیونکہ تیاریاں بہت دیر سے شروع ہوئی ہیں۔ کچ بتاؤ... تم

کر لو گی شادی اگر کوئی اچھا رشتہ مل گیا؟“

اس کے چہرے پر اب تشویش آمیز سنجیدگی آ گئی۔

”ہرگز نہیں... بالکل نہیں۔“

”لحنت اس چائے پر۔“ وہ بکڑ کے اٹھا۔ ”تم بچتا؟“

میں نے ہنس کے کہا۔ ”مجھ سے زیادہ اس دن تم بچتاؤ گے فاضل بیگ... یہ سونے کی کان تمہارے لیے ملے گی

جیل کی کوٹھری بن جائے گی۔“

میں نے خالہ کو ہنس بھرا دیا اور کہا کہ تو وہ حیران رہ ہو گئی۔ پھر میں نے ان کو فاضل بیگ کے لالچ اور احسان فراموشی کے بارے میں بتایا تو وہ دیکھی نظر آنے لگیں۔

”اب بتاؤ... کس پر بھروسہ کرے کوئی؟“

”کم سے کم آپ کو بخش دیتا لیکن خالہ پر نہ لے لوگ خون کے نظریے پر جو اقتدار رکھتے تھے غلط تھا، اصل سے

وفا نہیں کم اصل سے وفا نہیں۔ یہ نہ جانے کس بے ضمیر کا خون تھا۔“

”چلو جانے دو دینا۔ میں نے اپنی طرف سے برائیاں کیا تھا۔ اب بدگمانی کیوں کروں۔“

”کہیں آپ پھر وہی غلطی تو نہیں کر رہی ہیں مجھے دینا کہہ کے؟“ میں نے کہا۔

وہ ادا اس ہو گئیں۔ ”نہیں۔“ انہوں نے کہا اور پھر چادر کو سر تک تان کے سوئیں۔ شاید ان کو میرے سوال نے

وٹھ پھینکا تھا۔ وہ ایسا سوچنا بھی نہیں چاہتی تھیں۔ شام بیگ ان کا موٹا اور طبیعت دونوں اس حد تک بھال ہو چکے تھے کہ

وہ پارک سے پھر شاہجی کے لیے گئیں اور اپنی مرضی سے بیش قیمت زمانہ کپڑے خریدتی رہیں۔ ریشم کے اعتراض پر

انہیں نے اسے ڈانٹ دیا۔ ”مجھے تمہارے جھوٹے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ میں تمہارے لیے کچھ لے رہی

ہوں۔“ ریشم کھسکی ہوئی چپ ہو گئی۔

رات کو پھر وہ اچھا بے ساتھ ایک بہت ہی بگے ریسٹورنٹ میں کھانے کے لیے گئیں۔ معلوم نہیں وہ کس

بات پر خوش تھیں۔ ہم سے انہوں نے یہی کہا کہ ندیم نے ہمیں ہزار بچائے ہیں تو انہوں کی طرف سے کچھ تو۔ میں

دیکھ رہا تھا کہ ہم سے اپنی جذباتی وابستگی کو وہ کتنی بھگت میں آگے بڑھا رہی ہیں۔ وہ ریشم سے ایسے پیش آتی تھیں جیسے

ان کی اپنی بیٹی ہو۔ خود ریشم اپنے لباس اور اطوار سے خاموش نظر ہی نہیں آتی تھی۔ جب ہم کار سے اترتے تھے اور میں

انہیں اٹھاتا تھا تو عام دیکھنے والوں کو ہم ایک بیٹی لگتے تھے۔ ریشم اب وہ دیہاتی لڑکی نہیں رہی تھی جس نے مجھے نہر میں

لا رہنے سے بچایا تھا۔ حویلی میں سلونی کی گرمک نے اور انور کی وفات نے اسے جدید شہری لڑکی کے طور پر یقیناً

"مگر کیوں؟ اب انکار کی وجہ انور تو نہیں ہو سکتا۔"
 "انکار کی وجہ تم، بنو گے سلیم... نہ تم... میں تمہارا
 ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔"
 "تم خود کو کیا سمجھتی ہو؟ میری گمراہ... انور خواہ ناواں
 مست ہو۔"

"میں گمراہ، انہاں سب بن کے تمہارے ساتھ
 رہوں گی۔ کیونکہ تم ایک بگڑے ہوئے بچے ہو جو غلط راستے
 پر جا رہا ہے۔ تمہیں روکنے والا کوئی تو ہونا چاہیے۔ میں یہ
 نہیں کر سکتی کہ تم کو نہایت کے راستے پر جانے کے لیے چھوڑ
 دوں اور پتا گھر بسا کے بیٹھ جاؤں۔"
 "رہتے دو روٹم... ابھی زندگی بہت لمبا سفر ہے جس
 کا تمہارے لیے صرف آغاز ہوا ہے۔ اس کے علاوہ... تم
 میں اور مجھ میں ایک بڑا فرق ہے۔"

"ہاں، تم مرد ہو۔ میں عورت ہوں۔"
 مجھے ہنسی آگئی۔ "یہ انکشاف ہے میرے لیے۔"
 وہ خفا ہو گئی۔ "نہیں، تم بہت عقل مند ہو۔ میں بڑی
 بے خوف۔" اور ساتھ کر جانے لگی۔

میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "یہ بھی ہے مگر بیٹا... نہ
 میں ایسا کہہ سکتا ہوں اور نہ کسی کو ایسا کہنے کی اجازت دوں
 گا۔ میں عادت یا فطرت کی بات کر رہا تھا۔ میں تم جیسا ہو
 سکتا تو مسئلہ ہی کیا تھا۔"

وہ مجھ سے ہنسی رہی۔ "ایسی کیا بات ہے مجھ میں؟"
 میں نے ایک گہری سانس لی۔ "تو جذبات میں اس
 حد تک مغلوب نہیں ہوتی کہ عقل ہاتھ چھوڑ جائے۔ تیرے
 باپ کا قتل ہوا۔ مکمل یوں ہوا اندھن سے کیا۔ اب تو قاتل
 اپنے انجام کو پہنچا لیکن انتقام کی خواہش نے تجھے پاگل نہیں
 کیا۔ ورنہ تو انور کے سامنے یہ شرط رکھ دیتی کہ میرا دل جیتنے
 کے لیے تمہیں میرے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنا ہوگا۔ مجھے
 اکبر سے اپنے بے گناہ باپ کے قتل کا بدلہ لینا ہے۔ شیریں کا
 دل جیتنے کے لیے فرما دے پھانسی کاٹ کے دعوہ کی سیر نکالی
 تھی۔ انور بھی یہ شرط چوری کرتا۔ وہ اکبر کو باندھ کے تیرے
 سامنے ڈال دیتا۔ تمہارے ہاتھ میں وہی خنجر دیتا اور کہتا کہ لو
 یہ تمہارا مجرم ہے تو انصاف بھی تم ہی کرو۔ کاٹ دو اس کی
 گردن۔"

ریشم نے ایک مہر بھری۔ "تو... کیسی باتیں
 کرتے ہو تم بھائی۔ ایسا سوچا بھی نہیں میں نے... میں نے
 اپنا انصاف خدا پر چھوڑ دیا تھا، مہر کر لیا تھا۔"
 "ہاں، یہ ایک فرق تھا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ تو نے

انور کو بھلا دیا۔ کیا واقعی یہ اتنا آسان تھا؟ میں نورین کے
 معاملے میں ایسا کیوں نہیں کر سکتا۔ محبت اور نفرت کے
 جذبات میں تیری طرح کیوں نہیں ہوں۔ زندگی مجھے بالکل
 بے مقصد نظر آتی ہے اگر مجھے نورین نہ ملے یا میں اپنے بھائی
 کے قتل کا انتقام نہ لوں، وقت کے ساتھ میرے جذبات کی
 شدت کم نہیں ہوگی۔ جس دن نورین مل گئی اور میں نے نادور
 شاہ کو قہقہہ کر دیا اس دن میں نارمل ہو جاؤں گا۔"

"نرخ کر د بھائی نورین مل گئی۔ تم نے اسے اپنا لیا۔
 لیکن نادور شاہ سے انتقام کی خواہش پھدی نہ ہوئی۔ تو کیا تم
 اسے چھوڑ کے نکل جاؤ گے نادور شاہ کی تلاش میں؟ یہ سوچ
 بغیر کہ جنگ میں کسی فریق کی کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں
 ہوتی۔ یہ ناممکن نہیں ہے کہ شکاری خود شکار ہو جائے۔"

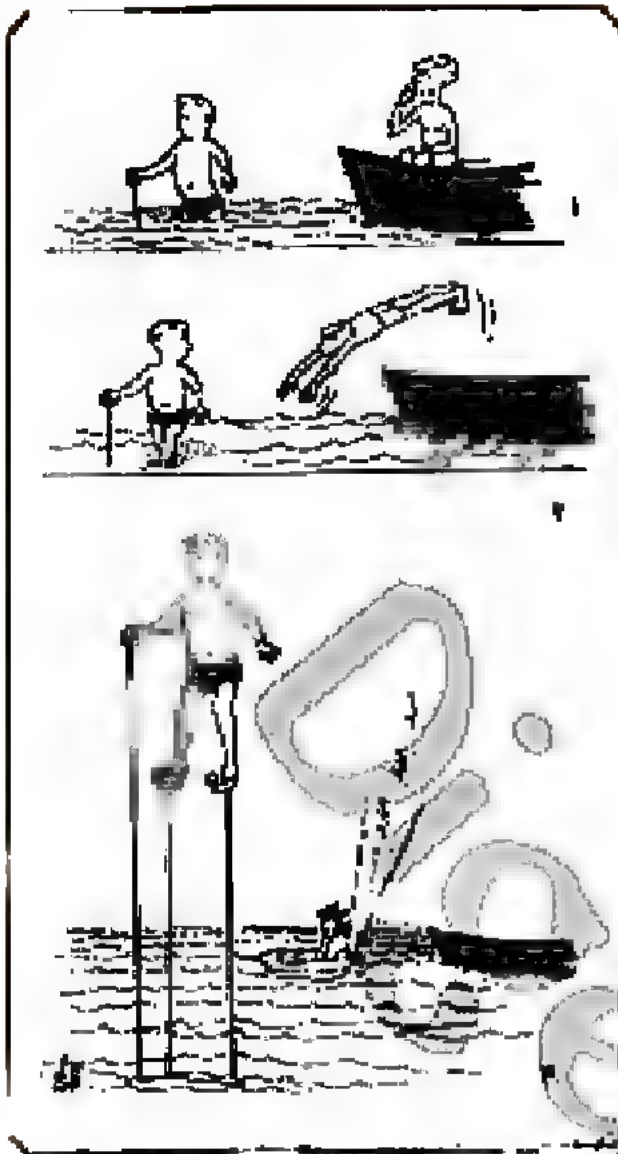
"ہاں بالکل ہو سکتا ہے۔"
 "پھر؟ کیا یہ خیال تمہیں روکے گا نہیں کہ نورین
 تمہاری ذمہ داری ہے اور تم نہ رہے تو اس کا کیا ہے گا؟ وہ
 یہ کی کی عمر ایسے کیسے گزارے گی اور اگر... تمہارا بیٹا یا بیٹی
 پیدا ہوگی۔ خیمہ خوں کے تو قصور کس کا ہوگا؟ ان کی محبت اور
 تمہاری ذمہ داری... کیا تم خود غرض بن کے صرف اپنے
 انتقام کی خواہش کو یاد رکھو گے؟"

میں نے چلا کے کہا۔ "نہ اس بند کر۔ تم اس طرح
 مجھے کمزور نہیں کر سکتیں۔"

"کوئی جواب نہیں ہے تمہارے پاس... اسی لیے
 چار رہے ہو۔ مگر میرے چپ ہو جانے سے سوال ختم نہیں
 ہوتا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

میں نے پھر اس کا ہاتھ پکڑ کے کھینچا۔ "تمہیں کچھ
 معلوم نہیں اس لیے بول رہی ہو۔"
 "کیسے معلوم ہوگا مجھے؟ جب تم نے بھی اس قاتل
 نہیں سمجھا کہ کچھ بتاؤ۔"

میں نے ایک گہری سانس لی۔ "ٹھیک ہے،
 تم بھی سن لو میرے پاگل پن کا وجہ کیا ہے۔ یہ جانتی ہو تم
 کہ میرا اصل نام نہ خادو تھا نہ سلیم... باپ نے تو
 فرید الدین رکھا تھا۔ وہ بابا فرید شریعہ کے عقیدت مند اور
 مرید تھے اور ہر سال عرس پر پائین جانا ان کا معمول تھا۔
 میں نے انہیں دیکھا نہیں۔ میں ان کی موت کے تین ماہ بعد
 پیدا ہوا تھا۔ ان کی ایک فریم کی ہوئی تصویر خانہ کے لاہور
 کے دھرم چور سے والے گھر میں لگی ہوئی تھی۔ انتقال کے
 وقت ان کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ وہ پچاس سال کے تھے مگر
 تصویر میں ستر کے لگتے تھے۔ بھائی نے بتایا کہ یہی ان کی



آخری تصویر تھی۔ مجھے ہونے چہرے پر گہرے مقلوں میں ڈوبی ہوئی لال جالی آ نکھیں۔ بڑے بڑے پٹے دار بال اور سر پر گول جالی دار ٹوپی۔ لیو ترا چہرہ ہالست بھر کی ہے ترتیب دائرہ میں اور زیادہ لمبا لگتا تھا۔ دائرہ کے بالوں میں سفید فانیٹھی۔ کندھے پر چاد خانے والا دو بال اور گول گنگے والا سبز کرتہ۔ نصف دھڑکی اظہار کرائی گئی تصویر کے پس منظر میں مزار کی محرابوں کا دھندلا سا خاک نظر آتا ہے۔ آج کوئی بھی اس تصویر کو دیکھ کر یہی اندازہ قائم کر سکتا ہے کہ وہ کتنی ہی عقائد رکھنے والے آدمی تھے اور یہ غلط نہیں ہوگا۔

”بھائی سے مجھے معلوم ہوا کہ ہر بار وہ ماں سے بچا کہہ کے رخصت ہوتے تھے کہ فی ایمان اللہ... انشاء اللہ اب تم سے جنت ہی میں ملاقات ہوگی۔ انہیں آرزو تھی یا خوف تھا کہ ان کے ساتھ یہاں ہی ہوگا۔ بھائی جزی حیرت کا اظہار کرتے تھے کہ ایک سال قبل ہی وہ حج پر گئے تو انہوں نے ایسی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی تھی کہ زندگی کا خاتمہ یا رجبیب میں طواف کے دوران ہو تو جنت البقیع میں تدفین کی سعادت ملے۔ اکثر حاجی اس موت کی آرزو کرتے ہیں سب جانتے تھے کہ طواف کے دوران کیا قیامت کا ریلو آتا ہے۔ انسانی سمندر کی کسی لہر میں گر جانے والا پھر نہیں اٹھتا۔ مگر وہ حج سلامت واپس آ گئے۔ یہ تصویر انہوں نے مرنے سے پہلے پہلے ہی کھینچوائی ہوگی۔ جب ان کی سسٹ شدہ بچی ہوئی لاشی الٹی گئی تو تصویر ان کی جیب سے برآمد ہوئی تھی۔ خدا نے ان کی من لی تھی۔ وہ جنتی وراثت سے گزرتے ہوئے سیدھے جنت جا پہنچے۔

”اس کے بعد ایک لمبی داستان ہے... ماں نے بڑی مشکلوں سے ہم کو پالا پوسا اور ایک دن ہمیں اس دنیا میں تنہا چھوڑ کر چلی گئی۔ میرا بھائی بڑا احمق اور دھڑلے دار آدمی تھا۔ وہ میرے جیسے نہیں تھا۔ جذبات کے بجائے عقل سے کام لینا جانتا تھا۔ اس نے صبر کیا اور میری پرورش کی ذمہ داری اٹھائی۔ میں انٹر کر رہا تھا۔ ہم دونوں بھائی صرف رات کو بٹتے تھے۔ بینک کی نوکری ایسی ہے کہ واپس میں دیر ہو جاتی ہے۔ ہم نے گھر کے کام کاج کے لیے ایک ملازم رکھ لی تھی جو ہمارا کھانا بھی پکاتی تھی اور رات کو سونے کے لیے گھر چلی جاتی تھی۔ بھائی کی تنگدستی بہت تھی اور گریف کے اعتبار سے وہ افسر تھا۔ اگرچہ بہت جونیئر... لیکن اپنی محنت، ذہانت اور اچھے تعلقات کے باعث اس کا ترقی کر کے اعلیٰ عہدے تک جانا یقینی تھا۔

ایک دن دو بینک سے واپس آیا تو بہت خوش تھا۔ اسے ایک برانچ کا نمبر بنا دیا گیا تھا۔ ہم قیرستان گئے اور ماں کی قبر پر بیٹھ کر روتے رہے۔

”واپس پر بھائی مجھے ایک قدیم اسٹار ہوٹل میں کھانا کھانے لے گیا تو مجھے پھر رو آ یا۔ آج ماں ساتھ ہوتی تو کتنا فخر کرتی۔ کتنا خوش ہوتی۔ یہاں کے خوابوں کی تعبیر سے بھی کہیں زیادہ تھا۔ بھائی کے پاس اعلیٰ عہدہ تھا۔ اچھی تنخواہ اور تھی کا۔... میں نے بھائی سے کہا۔ ”بھائی! ایک بات کہوں۔ اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے۔“ وہ مسکرا کے بولا۔ ”مفتول باتیں مت کرو۔ کھانا کھاؤ۔“

”اس میں فضول بات کیا ہے۔ یہ تمہاری بھی ضرورت ہے اور... میری بھی...“

”پھر تم شادی کر لو... ہے کوئی نظر میں تو مجھے بتاؤ؟“

میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی ایک لڑکی گزرتی گزرتے مسکرائی اور بھائی کھڑا ہوا تو اس نے بھائی سے ہاتھ

ملایا۔ وہ بہت خوب صورت اور یاد دہانی فرماتی تھی۔ اس کا لہان چہرہ پر ترین فیشن کا اور بہت قیمتی تھا مگر اس میں عریانی نہیں تھی۔ مجھے اس کے مزاج کی انکساری، نرم خوئی اور پراعتماد انداز نے متاثر کیا۔ بھائی نے اسے کھانسنے میں شریک ہونے کی دعوت دی تو اس نے کہا۔ ”سوری، اگر میں ایکنی ہوتی تو ضرور شام ہو جاتی۔ یہ کون سا ہے؟“ اس نے وہاں انگریزی میں پوچھا۔

”ایکنی یہ میرا سب کچھ ہے۔ بھائی کہو یا چچا۔۔“

فریڈ۔

اس نے تعریفی نظر سے بھائی کو دیکھا اور پھر مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ”یہ تمہاری ٹوٹل سستی ہے فریڈ۔“ اور آگے بڑھ گئی۔

حمر کے فرق کے باوجود امار سے درمیان ہے ٹکلی کا رشتہ تھا۔ میں نے سکرا کے پوچھا۔ ”اب بوسے، آپ میری نظر کی بات کر رہے تھے۔ آپ تو پہلے ہی کسی کی نظر میں تھے۔“

وہ بے گنت میریس ہو گئے۔ ”تم قلم بچو رہے ہو۔“

”آپ اسے اتنی بے تکلفی سے ایکنی کہہ رہے تھے۔“

”فریڈ! میں اس بارے میں تم سے کوئی بات کرنا نہیں چاہتا۔ نہ آج نہ پھر بھی۔ آئی بات سمجھ میں؟“ انہوں نے انگریزی میں کہا تو میں سمجھ گیا کہ وہ راضی ہو گئے ہیں۔ جب وہ کسی بات کا برامائے تھے تو مجھے انگلش میں ڈال دیتے تھے۔ میں چپ ہو گیا۔ جب میں نے جی اے کر لیا تو بھائی صاحب کی خواہش تھی کہ میں یونیورسٹی میں ایم اے کی کلاس میں داخلہ لوں۔

میں نے صاف انکار کر دیا۔ ”میں ایم اے سے ضرور کروں گا۔۔۔ لیکن پرائیویٹ۔“

”اسی کی وجہ؟“

”میں کوئی باب کروں گا اور ساتھ ساتھ چڑھائی۔“

وہ ہلے۔ ”یہ تمہارا خیال ہے۔ تعلیم کا سلسلہ ایک بار منقطع ہو جائے تو پڑھائی ختم۔۔۔ چاہے اور تعلیم ایک ساتھ نہیں چلتے اور پھر تمہیں ضرورت کیا ہے؟“

”میں آپ کا ہاتھ بنا چاہتا ہوں۔ گھر کی دسے دار یوں میں۔“

وہ ہنسنے لگے۔ ”تمہیں کس چیز کی کی محسوس ہوتی ہے، مجھے بتاؤ؟“

”مجھے کی محسوس ہوتی ہے ہاں کی۔۔۔ وہ ناب واپس نہیں آسکتی۔ اس کی جگہ بھائی آسکتی ہے لیکن آپ بلا وجہ

اپنی زندگی خراب کر رہے ہیں۔“

”یہ تم نے کیوں فرض کر لیا ہے؟“

”بھائی صاحب! میں بچے ہوں صرف آپ کے لیے۔۔۔ ورنہ جانتا ہوں کہ ایک شریک حیات آپ کی ضرورت ہے۔ صرف اچھے گھر، اچھی نوکری اور اچھی کار سے وہ خلا پر نہیں ہوتا جو ایک اچھی بیوی کرتی ہے۔“

وہ مسکراتے رہے۔ ”ویری گند، مجھے تو معلوم ہی نہیں تھی یہ بات۔“

”مذاق مت کریں۔ آج آپ کو بتانا پڑے گا کہ شادی کب کریں گے۔ دن رات ایک کر رہے ہیں آپ بینک کی نوکری کے لیے۔ اپنی محنت خواب کر لی ہے۔ اس کے باوجود بھی آپ سے غم کیا کتنے وینڈم ہیں آپ۔ وہ خوش قسمت ہوئی جس کو آپ جیسا شوہر ملے گا۔ صورت اور میرت میں جس کا کافی نقصان۔“

”جمل ٹھیک ہے لیکن یہ ہوگا تیرے ایم اے کرنے کے بعد۔۔۔ پھر فیملی شرط ہے۔“

”پہلے وہ خاں بعد میں بھائی۔“

”ہاں بھائی۔ اب وعدہ کر لیا تجھ سے تو ہاتھ ملا لیکن اس کے بعد تیری بادی۔“

”اسی کے بعد کیوں بھائی۔ اس وقت تک میں بھی بوڑھا ہو جاؤں گا۔“ میں نے ہاتھ ملایا۔

”اس سے پہلے ہوگی تو پھر تیرا ایم اے ملے گا۔ نوکری اور بیوی دونوں سے ٹھیلے کے بعد وقت کہاں ہوگا تیرے پاس؟“

چند دن تک وہ مجھے اخبارات میں ”ضرورت ہے“ کے کالم پڑھتا اور درخواست لکھتا دیکھتے رہے۔ ایک ہفتے بعد ایک رات انہوں نے مجھ سے کہا۔ ”نوکری ایسے نہیں ہتی بے وقف۔“

”پھر کیسے ہتی ہے؟“ میں نے کہا۔

”سفارش چاہیے ورنہ رشوت۔ مجھے بتا کہاں کہاں درخواست دینا ہے۔“

”ٹھیک پو بھائی اندہ آپ کی سفارش چاہیے مجھے اور نہ آپ رشوت دیں گے میرے لیے۔“

وہ چپ ہو گئے۔ ایک مہینے بعد جب میں ایک سو ایک جگہ درخواستیں دے چکا تھا اور خاصہ مایوس تھا، انہوں نے پھر رات کے وقت کہا۔ ”نکل مار شاہ سے مل لے۔ وہ کروڑے گا تیرا کام۔۔۔ جہاں تو چاہے گا۔“

”کہہ کیا ہے۔ صدر پاکستان یا وزیر اعظم؟“

کے۔ کسی کو کیسے چاہیے کہ اسے کس نے مارا اور کیوں؟

”تمہارا بھائی اسے کیسے چاہتا تھا۔ وہ تو شریف آدمی تھا؟“

”میں ایک رات میں ساری کہانی نہیں سنا سکتا۔ چل اب جا کے سو جاؤ۔ وہ سو رہا ہے۔“ میں نے کہا۔

اگلے چند دن میں نے رٹھیل اور سلوٹی کو تلاش کرتے ضائع کیے۔ وہ ایسے غائب ہوئے تھے کہ اپنا کوئی سراغ پھوڑ کر نہیں گئے تھے۔ دوسری رات ریشم پھر آسوجہ ہوئی جب میں سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔

”اچھا بتاؤ تم اس سے ملے؟ اور یہ لو کافی آج میں بھی جی کے دیکھتی ہوں۔“

میں اٹھ بیٹھا۔ ”خالہ نے کوئی سوال تو نہیں کیا تھا کہ رات بھر کیا باتیں کرتی رہی بھائی سے۔“

”شاید وہ سوتی رہیں۔ آج بھی سو گئی ہیں۔ انہوں نے نیچر کی گولیاں زیادہ کر دی ہیں۔“

”یہ خطرناک بات ہے ریشم تو نے رد کا نہیں۔“ میں نے کہا۔

”میں کیسے رد کر سکتی ہوں انہیں۔ وہ مانتی ہیں کہ تم ان کی بات مانتا۔“

میں سوچتا رہا۔ ”یہ تو الگ لیلہ ہے ریشم۔“

”وہ کیا ہوئی ہے؟“ اس نے اپنی لٹری مصروفیت سے پوچھا۔

”عربی زبان کی بہت پرانی کہانیاں ہیں۔ کہتے ہیں ایک بادشاہ روز شادی کرتا تھا اور صبح اپنی بیوی کو گل کر ادیتا تھا۔ پھر ایک ہوشیار لڑکی نے خود اس سے شادی کی اور اسے

ایک کہانی سنائی جو اتنی دلچسپ تھی کہ بادشاہ سنا رہا تھا کہ تک کہ صبح ہو گئی۔ نئی ملکہ نے کہا کہ اب ہائی کہانی آج رات

سناؤں گی۔ بادشاہ کہانی کا انجام جاننے کا اتنا مشتاق تھا کہ معمول کے مطابق صبح اسے گل نہ کراسکا اور وہ دوسرے دن

بھی زندہ رہی۔ رات کو اس نے کہانی آگے شروع کی جو رات بھر چلتی رہی مگر بڑی ہوشیار لڑکی سے ملکہ نے انجام تک

نہیں پہنچائی اور یہی کہا کہ اب ہائی رات کو۔ بادشاہ پھر مجبور ہو گیا کہ اسے گل نہ کرے۔ تیسری رات پھر یہی ہوا۔ پھر

چوتھی رات۔ کہانی ختم نہیں ہوئی اور اشتیاق کا مارا بادشاہ اس کو گل نہ کراسکا۔ وہ کہانی کا انجام جاننا چاہتا تھا۔ مگر انجام

ایک ہزار راتیں گزرنے کے باوجود نہ آیا۔ اور میں اسے ہزار داستان کہتے ہیں۔“

”چاہیے کہ اسے گاہے۔ پلیز مئے اخذ مت کر ایک بارش لے اس سے۔“

”یہ ان کے لکھ کا اثر بھی تھا اور میری عقل بھی کچھ ٹھکانے آگئی تھی کہ اگلے دن میں بادشاہ سے ملنے چلا گیا۔“

”یہ بادشاہ وہی ہے جس کی جان کے دشمن ہو تم؟“ ریشم نے سوال کیا۔

میں نے اقرار میں سر ہلایا۔ ”ہاں یہ وہی ہے لیکن اس کی جان کا دشمن میں اس لیے ہوں کہ اس نے میرے

بے گناہ بھائی کا جو میرے لیے باپ سے زیادہ محترم تھا، قتل کیا اور اسی پر بس نہیں کیا۔ اس نے بھائی کا قاتل مجھے بہت

کر کے عدالت سے سزائے موت دلا دی اور جیل میں پھانسی کے تختے پر کھڑا کر دیا۔ وہ جو مشہور ہے کہ مارنے والے سے بچانے والے کا ہاتھ زبردست ہے۔ اگر یہ سچ نہ

ہوتا تو میں بھی آج کسی گناہم قہر کی گہرائی میں سو رہا ہوتا۔ سوچو ذرا ظلم اور انصافی کی کوئی حد ہوتی ہے۔“

”آخر وہ کرتا کیا ہے؟“

”یہ پوچھو کہ وہ کیا نہیں کرتا۔ وہ دنیا کے ہر غیر قانونی اور غیر اخلاقی دھندے میں ملوث ہے۔ نشیات سے اسے

تک۔ کمرائے کے قاتلوں سے پردہ فروشوں تک۔ اس کے عروج سب سے ہیں اور یہی اس کی طاقت کا راز ہے۔ اس

کے قبضے میں جرائم پیشہ افراد، کمرائے کے قاتلوں اور دسٹری فیوٹر کی طاقت ہے جو اس کی دولت کے غلام ہیں۔ پولیس

اس کے اشاروں پر چلتی ہے کیونکہ اس کا تعلق دنیا کے بڑے بڑے جرائم پیشہ گروہوں سے ہے جو اس کی بات نہ مانے وہ

زندہ نہیں رہ سکتا۔“

ریشم نے کاغذی آواز میں کہا۔ ”اور تم اس سے گلز کو گے۔ یہ سوچا ہے کہ اس کے بعد کیا ہوگا؟ اگر تم نے اسے مار

بھی دیا تو کیا اس کی طاقت ختم ہو جائے گی؟ تم اس کی جگہ کو گے؟ عقل سے کام نہ لیا۔“

”عقل سے کام لینے کا وقت گزر چکا ہے۔ مجھے اس کی بالکل فکر نہیں کہ بعد میں کیا ہوگا۔ یہ بادشاہ کی مجھ سے

واقعی دشمنی ہے۔ جو اس کی جگہ لے گا ضروری نہیں کہ میرا دشمن ہو اور بادشاہ کے گل کا بدلہ مجھ سے لے۔ ایسے لوگ نہ

کسی سے ہڈ پاتی رشتہ رکھتے ہیں اور نہ دوستی۔ ہر گروہ میں اندر کے لوگ ہی گروہ کا سر فہرست کے خواب دیکھتے ہیں اور

ایک کی جگہ دوسرا آتا ہے تو صرف اپنی فکر کرتا ہے۔ خود کو مضبوط اور محفوظ بناتا ہے۔ جیسے ہمارے عقل بادشاہ کرتے تھے۔ دنیا میں بادشاہ کے نہ جانے کتنے جالی دشمن ہوں

"کہانی کا انجام کیا ہوا؟ بالآخر وہ ماری گئی ہوگی۔"
میں نے جس پر "میرا خیال ہے کہ تم سن سالی بعد بادشاہ
کو اس سے محبت ہوگئی ہوگی۔ اسے ہر رات کہانی سننے کی لت
پڑ گئی ہوگی بلکہ ان کے دوستین بچے ہو گئے ہوں گے۔ ان کی
ماں کو وہ کیسے مل کر آتا؟"

"تم بادشاہ سے ملاقات کی بات کر رہے تھے۔"
دشمن نے مجھے یاد دلایا۔

میں نے گھڑی کی طرف دیکھا جس میں رات کے
بارہ بج رہے تھے۔ "میں اس خیال سے چا گیا کہ اس
فصل سے ملنے میں کیا خرچ ہے جس نے بالواسطہ طور پر
ہماری مدد کی تھی اور ہمیں بہت پریشانی اور رسوائی سے بچایا
تھا۔ وہ یقیناً بہت طاقتور، اثرورسوخ والا دولت مند اور
صاحب حیثیت ہوگا اور اسے شاید یاد ہو کہ اس نے
میری کیا مدد کی تھی اور کیوں۔ ثیر، میں اس سے ملنے گیا تو
اس کا تعدد گھر دیکھ کے مجھے کوئی حیرت نہیں ہوئی۔ سب
بڑے لوگ اسی قسم کے حفاظتی حصار میں رہتے ہیں کیونکہ
ان کی زندگی بہت قیمتی ہوتی ہے۔ دس فٹ اونچی فصیلی
میں فون دینی گیت تھا محافظ نے اسے کھائے پھر کسی
گھرے کی مدد سے دیکھ لیا اور مجھے حیرانی ہوئی جب سوال
جو اب کیے بغیر اس نے میرے لیے ایک ٹرانک لاکھ ڈال
گیت کھول دیا۔

"تم فریہ اندین ہو؟" اس نے مجھے دیکھ کر کہا۔
"تم کو آنے سے پہلے نام لیتا چاہیے تھا۔"

"کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں آؤں گا؟" اور تم مجھے
پہچانتے ہو؟" میں نے ایک فیہ ضروری سوال کیا۔

اس نے سکرا کر اتراد میں سر ہلایا۔ "میں شاہی
سے بچ چھ لیتا ہوں۔ اگر وہ قادیانی ہوں گے تو بلا نہیں گے۔"

مجھے بالیا گیا۔ اندر سے ایک خطرناک شکل و صورت
والا حاذم برآمد ہوا جو مجھے اندر لے گیا۔ ایک اور آٹو چیک
گیت سے گزر کے میں حاذم کے پیچھے چلتا گیا۔ ایک لمبے

کارڈر میں وہ اچانک رل گیا اور مجھے ہاتھ سے اندر
جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے دروازہ کھولا تو اندر شاہ کو ایک
صوفے پر فون ہاتھ میں تھا اسے کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔

دوسرے ہاتھ کے اشارے سے اس نے مجھے اپنے سامنے
والے صوفے پر بیٹھنے کا کہا۔ اس کے سامنے میز پر خوب

صورت بلورین جام میں کوئی سرخ مشروب تھا جو شراب بھی
ہو سکتی تھی۔ کمرے کی آرائش ایسی تھی جیسی دولت مندوں

کی ہوتی ہے۔ وہ تقریباً چالیس سال کا صحت مند اور گورا چہرہ

آؤلی تھا جو دیکھنے میں بڑی بلند لگتا تھا۔ ٹھیک شیوہ چہرے پر
اس کی آنکھیں بہت چمک و لرھیں۔ شاید وہ کسی کو نظر بھر
کے دیکھتا تو اسے صہ بانا کر لیتا۔

اس نے ایک شعلی مگر پر اعتماد لہجہ میں پوچھا۔ "کیسے
ہو فریہ کیا لو گے؟"

"کچھ نہیں سر۔" میں اب اس سے متاثر ہا مرعوب ہو
پکا تھا۔

"یہ تمہارے مطلب کی چیز نہیں۔" اس لیے جام بٹھا
کے ایک گھونٹ لیا۔ "چلو چائے لیا لو۔" اور میز پر ماتر

تھکی چیز کا ملن دبا دیا۔

میں نے کہا۔ "سر پہلے تو میں آپ کا شکریہ ادا کروں
گا جو مجھے بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔ آپ نے میری اور بھائی

کی جرمہ دکی گئی وہ ایک احسان تھا۔"
اس نے کسی جرمہ کا ملن کا ملن نہیں کیا۔

"تم نے انجمن کے کر لیا ہے اور اب ذکر کی ہے ذکر کی
احمد تھے پھر ہے ہو۔"

میں اب ان سے خاصا متاثر ہو چکا تھا، میں نے کہا۔
"میں سر۔"

"اٹھنا چائے پیو۔" اس نے چائے اور نوازمات
کے بھرنی لڑے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا یاد کوئی ملازم

دباں چھوڑ گیا تھا۔ "میں نوکری چاہیے؟"
"کوئی بھی راہیگی کی۔ میں میں آمدنی معقولی ہو اور
با عزت ہو۔"

"معقول آمدنی تم کسے کہتے ہو؟ اور تمہارے
لڑ ایک عزت کا معیار کیا ہے؟" وہ مجھے گھورتے ہوئے

ہوا۔

"میں سر، کہ دس ہندو ہزار مل جائیں۔ آمدنی میں
تھوڑا بہت اضافہ ہوتا ہے۔ آمدنی کوئی پھونا سونا گھر بنانے

کی سوچتا ہے۔ گھر ہے میرے پاس۔ اتنی بکثرت ہو جائے کہ
گاڑی لے سکوں۔ نئی نہ کی پرانی۔"

"زیادہ کون سا کام ہے تمہاری نظر میں؟"
میں نے کہا۔ "اگر میں پچھر رہن جاؤں تو شام کے

دلت نیشن بھی پڑھا سکتا ہوں۔"
وہ ہلچہ دیر بعد ہوا۔ "تم ایک کم دست اہل اور

گدھے ہو۔ ایم اے پاس کنوئیں کے میٹڈک۔"
مجھے شاک ہوا مگر میں بولا نہیں۔

"اور تم بھوت بول رہے ہو۔" وہ کچھ دیر بعد بولا۔
"مجھے امپر میں کرنے کے لیے ورنہ ہر لو جوان چاہتا ہے کہ

”میں انکی عزت کے بارے میں نہیں سوچتا۔“
”تو پھر تم شاعر یا مصور، ایکٹر یا سنگر بن جاؤ۔
پروفیسر یا صحافی بن جاؤ۔ وہ بسوں میں دھکے کھاتے پھرتے
ہیں۔ پانچ مرلہ کے گھر میں رہتے ہیں۔ مگر کہتے ہیں کہ ان
کی بہت عزت ہے۔ فیصلہ کر لو کہ عزت چاہیے یا دولت۔“
”اس کر لو۔“

”اور مجھے نہ جانے کیا ہوا کہ میں نے ایک دم کہہ دیا۔
”او کے سر! مجھے منظور ہے۔“

”اس نے جب تم سے سونے کا ایک ٹکڑا لیا۔“ اس
میں ایک طرف چہرہ ہے یعنی ایڈا، دوسری سائڈ ٹیل ہے۔“
”میں نے کہا۔ ”ایڈا، یعنی دولت۔ ٹیل کا مطلب
عزت۔“

”اس نے سدا اچھا کیا۔“ وہ ٹیشے کی میز پر گر کر تو اس نے
تھمسی سے دیکھا لیا۔ ”جیتا ہوا کی قسمت کا فیصلہ ہے۔ تم پیچھے نہیں
ہو گے۔“

”میں نے کہا۔ ”کیا آپ اپنے سب فیصلے اسی سٹک سے
کرتے ہیں؟“

”کی نہیں۔ میں اتنا بے بس نہیں کہ کوئی سٹک میری
زندگی کے فیصلے کرے۔“

”میں گھبرانے لگا۔ ”اگر یہ سٹک تو؟“

”میں نے دس چھ درہزار کی نوکر کی بل جانے کی۔ جیسی
تم چاہتے ہو۔ کیا تم ہاتھ دلاؤ؟“

”میں نے اقرار میں سر ہلایا۔ ”اب فیصلہ تدبیر کا نہیں
نقد پر کا ہے۔“

”اور فیصلہ ہو گیا۔ مجھے سٹک پر کسی مڈل ایسٹ کے
سلطان کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔“

”اس نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ ”تم خوش قسمت ہو۔
ایک سٹک نے وہ فیصلہ کر دیا جو میں چاہتا تھا کہ تم کرو۔“

”اور اس کے بعد؟“

”تم میرے لیے کام کرو گے۔ کام کچھ بھی ہو۔ تم
اٹکار نہیں کر سکتے۔“ اس نے ایک میز کی دروازہ کھولی اور اس
میں سے ایک کتاب نکالی۔ ”تم مرزا فرحت احمد کو جانتے ہو
؟“

”جی، وہ پاکستان برین ٹرسٹ کے بانی اور خوجہ
اسکارز کانج کے پرنسپل ہیں۔ ماڈل ٹاؤن میں رہتے ہیں۔
بہت شاندار کوٹھی ہے ان کی۔“

”وہ مسکرایا۔ ”یہ ان کو پہچانی ہے۔ شام تک۔ کتاب
انہیں مل جائے گی تو وہ فون کر دیں گے مجھے۔ تم کتاب کو

جاسوسی ڈائجسٹ۔ 135 اگست 2014ء

تکبرگ میں اس کی چند کمال کی کوٹھی ہو۔ اس کے پاس ایک
گٹھری کا رہا ہو۔ نوپوتا یا مرید نہ۔ اس کی جیب اتنی بھری
ہوئی ہو کہ وہ دنیا کے بازار سے کچھ بھی خرید سکتے۔ اپنے
لیے، بیوی بچوں کے لیے اچھے کپڑے، گھنے شانداز ہونٹوں
میں جائے۔ ہوائی جہاز میں سفر کرے اور لندن، پیرس
دیکھے۔ وہاں ایک سے ایک شاندار ہوٹل ہے جس میں ایک
سے بڑھ کر ایک حسین لڑکی دستیاب ہے۔ یہ مت کہنا کہ تم
ایسی زندگی کا خواب بھی نہیں دیکھتے۔ یہ ایک اور بھرت ہو
گا۔“

”میں نے سر جھکا لیا۔ ”خواب دیکھنا تو کوئی مشکل کام
نہیں ہے۔“

”ہاں، مگر تعبیر حاصل کرنا مشکل ہے۔ کیوں مشکل
ہے؟ جو دنیا میں انکوں کرداروں نے حاصل کیا۔ میں نے
حاصل کیا، وہ تم کیوں حاصل نہیں کر سکتے۔ تمہارے پاس کیا
نہیں جو میرے پاس ہے۔ صحت مند جسم، عقل اور تعلیم۔
میرے تمہارے ہاتھ پاؤں، ناک، کان، آنکھیں سب
ایک جیسے ہیں۔ فرق صرف ایک ہے جو نظر نہیں آتا، پوچھو
کی؟“

”میں نے منہ کا کہا۔ ”کیا سر؟“

”خواب، حوصلہ، محنت، ارادہ۔ یہ ایک ہی جگہ
ہے۔ بڑی کامیابی بھی آسانی سے نہیں ملتی۔ مجھے بتاؤ کہ
دولت مند بننے کے لیے تم کیا کر سکتے ہو؟ تم نے کہا کہ مجھے
دولت نہیں چاہیے تو یہ تیسرا جھوٹ ہو گا۔“

”میں ایسا نہیں کہوں گا مجھے دولت چاہیے۔“

”کتنی؟“ ”وہ میری طرف دیکھے بغیر بولا۔“

”بہت کم مل جائے۔“ ”میں نے محنت سے کام لیا۔“

”یہ تو تمہاری دولت ہے محبت پر منحصر ہے۔ محبت میں
شیریں کے لیے قہار نے پھاڑ کاٹا تھا اور دودھ کی نہر نکالی
تھی۔ میں نے یہ دولت کن الارمی کے ٹکٹ سے نہیں کمائی۔“

”مجھے آپ سے ورثے میں ملی۔ میں تمہارے جیسا ہی
لاوارث شخص تھا۔ مگر میں نے دولت کو مقصد بنا لیا۔ ہاں،
دولت کو عزت کو نہیں۔ کیونکہ جب دولت آتی ہے تو عزت
بھی آ جاتی ہے خود بخود۔ جب کوئی ایسی کٹھن بھی کوٹھی میں رہتا
ہو“

”جی مرید نے سے اترے اور ہزاروں ہاتھوں لٹائے تو
ہاتھ خود بخود سلام کے لیے اٹھ جاتے ہیں۔ پھر کوئی نہیں
پوچھتا کہ یہ بڑا کس سے آیا۔ لیکن کر کے، لڑاکے لال
کے، ایسے بچا کے، کل ودا میں بیچ کے، رشوت سے، ناجائز
مناج سے۔“

جاسوسی ڈائجسٹ۔ 135 اگست 2014ء

WWW.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN

WWW.PAKSOCIETY.COM

قبول کر نہیں دیکھو گے۔ یہ بہت اہم اور تمہاری بھی آزمائش۔ تم اس میں کامیاب رہے تو اس کام کا معاوضہ پروفیسر فرحت اللہ دیں گے۔ ورنہ مجھے فون پر بتا دیں گے کہ تم پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔" اس نے کتاب مجھے حوالہ دی۔

یہ بڑے سائز کی ضخیم اور خاصی بھاری کتاب تھی۔ دھڑکتے دلی اور تذبذب کے ساتھ میں نے کتاب لے لی۔ معاملات کی پچہ سہاریت نے مجھے بے حوصلہ کر دیا تھا کہ میں کوئی سوال نہ کر سکا۔ اس نے مجھے مہلت بھی نہیں دی۔ "اب تم جاسکتے ہو۔"

میں کسی سرزدہ شخص کی طرح باہر نکلا۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک خیال تھا۔ مجھے اس آزمائش میں پورا اترنا ہوگا۔ کیا ضرورت ہے مجھے اس کتاب کو کھول کر دیکھنے کی۔ کتاب تو کتاب ہوتی ہے خواہ کسی بھی موضوع پر ہو۔ ایک جنون تھا جو مجھے آگے دھکیل رہا تھا۔ خیالوں کی تعبیر کی طرف۔ کامیابی کی کشش مجھے کھینچ رہی تھی۔ اگرچہ کامیابی کی نوعیت کا مجھے کوئی اندازہ نہیں تھا مگر میں کھلی آنکھوں سے اس عزت کا خواب دیکھ رہا تھا جو میرے عزت کے تصور سے بہت مختلف تھا اور یہ تبدیلی ہزار شاہ سے مذاقات کے بعد آئی تھی۔ اس نے مجھے ہسٹنا ناکر دیا تھا۔

باہر آ کے میں نے رکشا چلا اور اسے ماڈل گاؤن کا پتا بتا دیا۔ تقریباً چالیس منٹ کے بعد میں پروفیسر فرحت اللہ کی جدید عالی شان کوٹھی کے دروازے پر کھڑا کالی نکل بجا رہا تھا۔ ایک بار پھر ویسٹن ہوا جیسا کہ درشاہ کے قلعے میں داخل ہوتے وقت ہوا تھا۔ دروازہ کھٹ سے کھل گیا۔ یہ ایک ٹرانک لاک تھا۔ اظہار کام سے آواز آئی۔ "اندرا جاؤ۔" شاید گھونڈ سرگٹ کمرے پر مجھے دیکھ لیا گیا تھا۔ پروفیسر صاحب سے میں آٹھویں بار کئی سال پہلے ملا تھا تو وہ کمن آباد میں تھے اور ان کا معمولی سا گھر تھا۔ پھر چند دفع پہلے ایک دوست کے ساتھ وہاں سے گزرا تو اس دوست نے کہا۔ "یہ ہمارے پروفیسر فرحت اللہ کی کوٹھی ہے۔"

میں بھونچکا رہ گیا۔ "مگر وہ تو کمن آباد میں پانچ مرلے کے گھر میں تھے۔"

"اب یہاں ہیں۔ مٹا ہے ان کو باپ سے ورثے میں انکھوں نہیں گھونڈوں ملے تھے۔"

"کیا تھے ان کے والد؟"

"غالبا بہت بڑے زمیندار۔"

میں اندر داخل ہوا تو پروفیسر برآمدے میں آگئے تھے۔ چار بج تھے وہ شاندار کاریں کھڑی تھیں۔ ایک وائٹ تین ماڈل کی کروڑا۔ دوسری سیاہ رنگ کی چم چم کرتی بٹرا سوک۔ وہ ہاتھ ملا کے بڑی شفقت سے چمچے اندر لے گئے۔ میں نے کتاب ان کی خدمت میں پیش کر دی جسے انہوں نے بے دھیانی سے ایک طرف رکھ دیا اور مجھ سے میرے کمرے کے بارے میں پوچھتے رہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے پچھاتے ضرور تھے مگر جانتے نہیں تھے۔ چند منٹ بعد جب میں نے اجازت چاہی تو انہوں نے دوستانہ انداز میں کہا۔ "فرید میاں! کھانے کا وقت ہے۔ ہم تمہیں ایک گلاس پانی پر رزغا دیں۔ یہ تمہاری نہیں ہڈی بے عزتی ہوگی۔ آج تک ایسا نہیں ہوا۔"

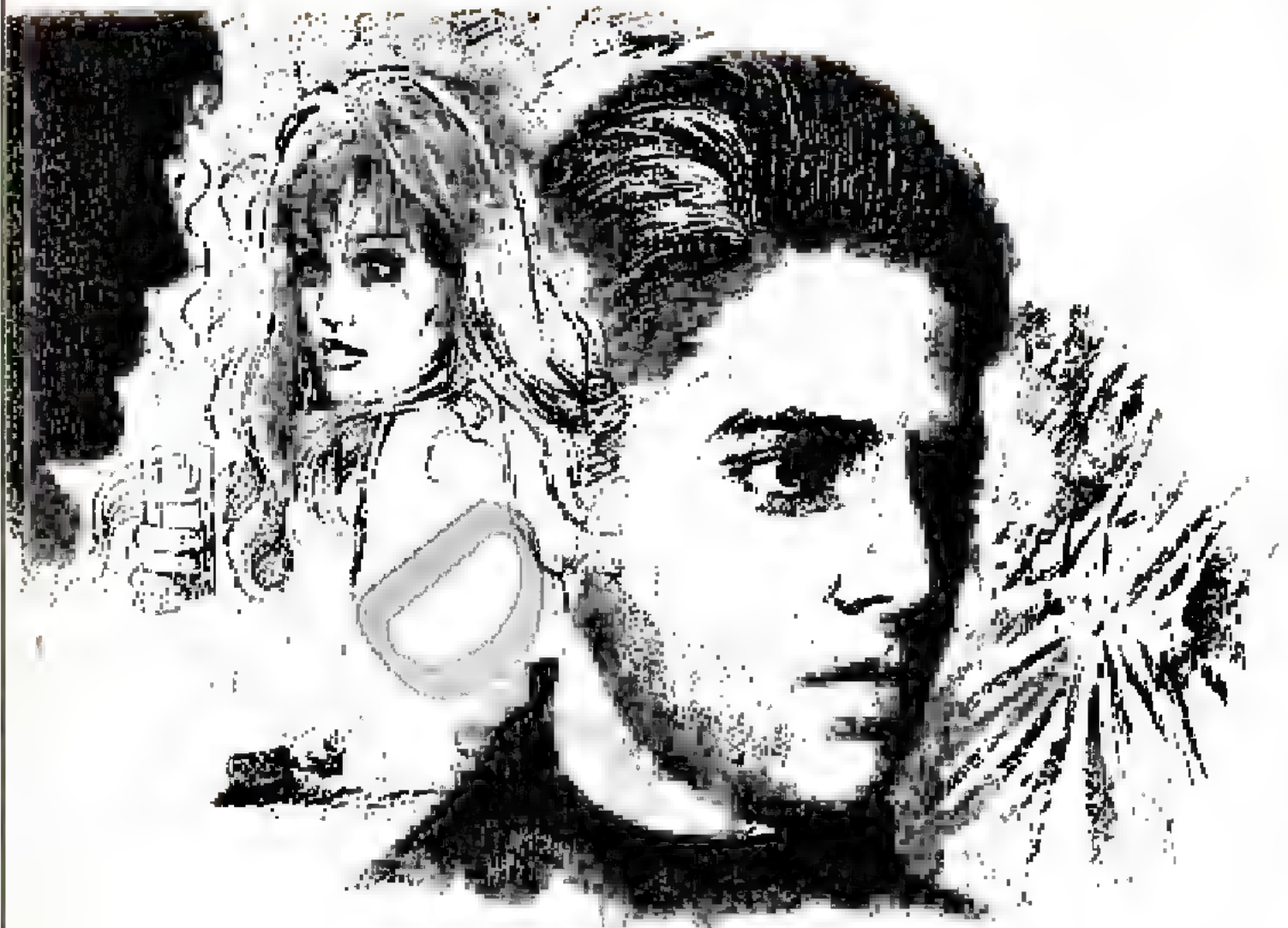
میں مجبور ہو گیا اور ان کے ساتھ میز پر بیٹھ کے ایک پچھلے کونے میں ان کی چوٹی اور ہڈی کے ساتھ شریک بھی ہوا۔ ان کی بیٹھتی جھینم کی اس سے زیادہ ٹورخ۔ البتہ ان کی حکم ضرورت سے زیادہ سنجیدہ نظر آئیں۔ انہوں نے اپنے جوتوں کے بارے میں بتایا جو اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکا گئے ہوئے تھے۔ چلتے وقت انہوں نے مجھے ایک لفافہ دیا۔ "یہ سب کچھ رکھ لو احتیاط سے۔"

"کیا ہے اس میں سر؟" میں نے پوچھا مگر چہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس میں نوٹ ہیں۔

"یہ باہر جا کے دیکھنا۔" انہوں نے جس کر کہا اور غصہ حافل کہہ کے دروازہ بند کر لیا۔ میں نے چند قدم چل کے لفافہ کھولا۔ اس میں دس ہزار روپے تھے۔ میرا مارغ پکرا گیا۔ بے خیالی میں کئی کئی پیدل چلتے کے بعد رکشا میں بیٹھنے تک میرے ومارغ میں ایک سوالیہ نشان نے اپنا روپ بدل لیا اور غصے کی عاصمت بن گیا۔ ایک کھوپڑی اور کمراس میں دو ہڈیاں۔ لیکن میں لوٹ کر درشاہ کے گھر پر پوچھنے نہ جاسکا کہ وہ کتاب کیا تھی اور اسے لے جانے کا یہ حوالہ چہ مٹی دار۔ ڈاک سے وہ دس ہزار روپے میں جاسکتی تھی۔

رات تک میں بے چین رہا۔ جب بھائی لوٹ کے آیا تو میں نے اسے ساری بات بتائی اور دس ہزار اس کے سامنے رکھ دیے۔ اس کا چہرہ سنجیدہ سے تشویش زدہ ہو گیا۔ پھر اس کی آنکھوں میں خول اتر آیا۔

برمچاد پر ایک نئے ماڈل کی مشط
جواری کی تعمیریں اگلے ماہ بن رہے



تجفہ

منظر امیاء

عہد کی خوشیوں اور پرہیز سعادوں میں اس وقت چار
چاند لٹک جاتے ہیں... جب کوئی چاہنے والا تجھ سے... ایک
ایسے ہی گہرائی کے روز و شب... جہاں جو شخص کسی اپنی
الکھ دیتا تھی...

بیت اور چاہت کی چاشنی سے لیس تھی پر سزا کی تشنگل

”اے حامد ذرا ادھر آنا۔“ استاد پھیرو نے حامد کو
آواز دی۔

حامد اس وقت میز یاں لینے جا رہا تھا لیکن استاد کی
پکار پر ان کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ ”مئی استاد! کہو۔“

پورا محلہ استاد پھیرو کا احترام کرتا تھا۔ استاد پیچ دی بھون
یا کالیج وغیرہ کے استاد نہیں تھے بلکہ گنگا چلانے، لٹو کھانے
اور پھٹیا اڑانے کے استاد تھے۔ پورا شہر ان سے ان سب
بھری تھنک سیکھا کرتا تھا۔

جاسوسی ڈائجسٹ - 137 - اگست 2014ء

استاد کسی زمانے میں پہلائی بھی کر چکے تھے اس لیے ہاتھ پاؤں کے بھی مضبوط تھے۔

ان کی گزر بسر ان چند دکانوں کے کرائیوں سے ہوا کرتی۔ وہ دکانیں انہوں نے بہت پہلے خرید لی تھیں۔ ایک پڑا تھا راجو جس کی شادی ہو چکی تھی۔

راجو کسی فیکٹری میں سپرد کارز قسم کی کوئی چیز تھا۔ "ابے تو کیا کرتا ہے؟" استاد نے اپنے پاس کھڑے حامد سے پوچھا۔

"کچھ نہیں استاد، ایک دکان پر کام کرتا ہوں۔ اس کے بعد گھبرا جاتا ہوں۔ شام کے وقت کرکٹ کھیلنے چلا جاتا ہوں۔"

"ابے تمہیں عشق وغیرہ بھی کرتا ہے یا نہیں؟" استاد نے پوچھا۔

"کیسی بات کرتے ہو استاد۔" حامد نے دانت پھاڑ دیے۔

"ابے دانت مت نکال۔ میرے سوالی کا جواب دے۔"

"نہیں استاد، اپنی تقدیر ہی ایسی نہیں ہے۔" حامد نے کہا۔

"عشق کرنے میں غرچا بہت ہوتا ہے۔"

"ابے غرچا میں دسے دیا کروں گا۔ تو میرے بل پر کسی سے عشق شروع کر دے۔"

"استاد آج یہ تم۔۔۔ کیسی باتیں کر رہے ہو؟" حامد نے حیرت سے پوچھا۔

"ابے تیرے بھٹے کی بات کن رہا ہوں؟" حامد نے اشارے میں نے تیرے لیے خواب دیکھا تھا۔ سننے لے دیکھا کہ تو کسی لڑکی کا ہاتھ تھامے پاؤں کی طرف اڑا چلا جا رہا ہے۔ اس کا مطلب سمجھتا ہے؟"

"نہیں استاد۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تو کسی لڑکی کی وجہ سے ترقی کرے گا۔" استاد نے کہا۔ "جاؤ احمد کسی لڑکی کو۔"

"استاد یہ رمضان کا مہینہ ہے۔" حامد نے کہا۔ "اس مہینے میں لڑکی کہاں ملے گی؟"

"ابے بھوکھ لہا کی لڑکی ہے اس محلے میں۔ اسی کو پکڑ لے۔"

"استاد؟ وہ تو ایک نمبر کی ظالم ہے۔ اس کے ہاتھ اتنے بھاری ہیں جیسے چاچر۔ ایک بار اس نے جو چاٹا مارا تھا وہ ایک سال تک زور ہاتھ قسم سے استاد کیا ہاتھ ہے۔ پورے سال ایک طرف سے سوچ گیا تھا۔"

"اچھا اس کو پھوڑ، وہ فسطو دکان والے کی بیٹی کسی رہے گی؟" استاد نے پوچھا۔

"استاد! وہ تو پہلے ہی کسی کے ساتھ چکی ہوئی ہے۔"

حامد نے بتایا۔ "میں خود کئی بار اسے کسی کے ساتھ دیکھ چکا ہوں لیکن ایک بات تو بتاؤ استاد! تمہیں مجھ سے اسکی کیا دلچسپی ہوگی کہ تم میرے عشق کی پلاننگ کر رہے ہو؟"

"ابے میں مست جنگ قسم کا آدمی ہوں۔" استاد نے کہا۔ "اپنا تو کام ہی دوسروں کی بھلائی ہے اور تو تو ویسے ہی مجھے کا ہے۔ تیرے مرحوم باپ سے میری دوستی رہی ہے۔"

ایک بار میں نے اس کو دو ہزار روپے ادھار لگے دیے تھے۔"

"استاد! یہ بات تم مجھے دس بار بتا چکے ہو۔" حامد برا ماننے لگا۔

"ابے تو کیا ہوا۔" حامد کو کیا آٹھ۔" استاد نے کہا۔

"پہل چھوڑ اس ڈنگر کو۔ میں تو بھول ہی گیا ہوں۔ تو میں اپنے منتقل کیا گھر مست کر۔ پکڑ لے کسی لڑکی کا ہاتھ اور بادلوں کی طرف پرواز کر جا۔"

"استاد تمہارے خواب کا کہیں یہ مطلب تو نہیں کہ کسی لڑکی کا ساتھ لے لیتے ہی میں مہر جاؤں گا اور میری روح بادلوں کی طرف پرواز کر جائے گی؟"

"ابے جانی، کیا ایسا مانا ہے کہ کوئی روح کسی لڑکی کا ہاتھ تھام کر پرواز کر رہی ہو؟" استاد نے پوچھا۔

"نہیں استاد! اسکی تو کوئی بات نہیں سنی۔"

"تو نہیں جان لے کہ قدرت نے تیرے لیے مجھے اشارہ دیا تھا۔ اب جا۔۔۔ شروع ہو جا اور ہاں، لڑکیوں کو تحفے وغیرہ بھی تو دے دیتا نا۔"

"ہاں، استاد دیتے تو ہیں لیکن میں کہاں سے دوں گا؟"

"اس کی فکر مت کر، میں نے کہا ہے کہ سادہ خرچا پانی میری طرف سے۔ تیرا کام بس ترقی کرنا ہے۔ اب جا میری دعا میں تیرے ساتھ ہیں۔"

حامد حیران اور پریشان سا ہو کر ایک طرف چلا گیا۔

استاد سبزی کے ٹھیلے کے پاس پہنچ گیا۔ سبزی دکان بھی استاد ہی کی طرح پتنگ باز تھا۔ "کیا بات ہے استاد! کل کی ہو جائے؟" میدان میں چلتے ہیں۔"

"ابے نہیں! یہ سودے میں پتنگ نہیں لڑائی جاتی۔"

سارا ادھیان انظار کی طرف لگا رہا ہے۔ "استاد نے کہا۔"

"استاد! ایک بات تو بتاؤ۔ یہ شہر لٹی کے لوٹنے نے

تمہاری چٹنگ کیسے کاٹ دی تھی؟

"اے بے وہ اناڑی ہے اور اناڑی کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ اناڑی سے کیا پریشانی؟"

"اے اناڑی ہی سے پریشانی ہوئی چاہے۔ اب مثال کے طور پر آج کل چوری چکاری بہت ہونے لگی ہے۔ سربائل جو چھینے کا زمانہ آ گیا ہے؟ ہے نا؟"

"ہاں استاد میرے سائلے کا سواگل بھی چھین گیا۔"

"اب دیکھ، دیکھ وہ ہے جو سامان لے کر تیرے سر پر آ جاتا ہے لیکن وہ پروٹیکشن ہے یعنی اس کام میں مہارت رکھتا ہے۔ اسی نے اگر حملہ بھی کیا تو بڑے اطمینان کے ساتھ ٹانگ و ٹانگ میں گولی مار کر چلا جائے گا لیکن کوئی اناڑی سامنے آ گیا تو وہ اتنا گھبرایا ہوا ہوگا کہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"کتنی بھی گولی مارو گے۔"

"یہ بات تو ہے استاد۔"

"اسی لیے اناڑی سے مت بھرا کر۔ دو کلو آلو تول

دے۔ یہود انگار میں بیٹھی ہوگی۔"

استاد سبزی وغیرہ لے کر گھر پہنچے تو بہو جیلہ ان کے انتظار میں ہی بیٹھی تھی۔ استاد کو دیکھتے ہی بھڑک اٹھی۔

"کیا بات ہے اب! اتنی دیر سے کیوں آ رہے ہو؟"

"دو راستے میں کچھ لوگ مل گئے تھے۔ ان کو رمضان کے روزوں کی فضیلت بتا رہا تھا۔"

استاد نے بھونکا ہوا منہ سے دوسری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جائے دو اپنا۔ لیکن تم نے رمضان کے روزے رکھے؟"

"جیلہ نے پوچھا۔"

"جیلہ! کم از کم دو روزوں کو تو اس کے فائدے سے جانتا پھرتا ہوں۔ اس کے لئے کئے گئے ٹوٹے میری وجہ سے روزے رکھنے لگے ہیں۔ ان کا ٹوڑا بہت ٹوٹا ہے تو ملے گا نا مجھے۔ تو جس قیامت میں کام مل جائے گا۔ اے مجھے جنت میں لا جا کر کرے بھی مل جائیں تو وہی بہت ہیں۔ ہزاروں کروں گے کر کیا کروں گا؟"

جیلہ نے آلو کا شاہراہ اٹھا اور چکن کی طرف چل پئی۔

استاد اپنی بیوہ کو دیکھتا رہا۔ لیکن جیلہ اس سے بہت ناراض ہو جاتی اور بھی اسے چپ لگ جاتی۔ استاد جانتا تھا کہ اس کے مزاج میں اتنی الجھنیں نہیں رہتی تھیں۔

جیلہ کچھ دیر بعد چکن سے کسی کام سے باہر نکلے تو استاد نے کہا۔

"بات سن۔ اس عید پر میں تجھے ایسا تحفہ دوں گا کہ زندگی بھر میرا احسان ماننے کی۔"

"رہنے لا اباء کچھ تحفہ تمہارا چاہتا دے دیتا ہے۔ کچھ تم

دے دو گے۔"

"اے چھین کر میری بات کا۔ بہت قیمتی تحفہ ہے۔"

استاد نے کہا۔ "اب میں اس کے بند دوست کے لیے جا رہا ہوں۔"

"یہ کہو کہ چٹنگ اڑانے جا رہے ہو۔"

"اے نہیں، رمضان میں تو صرف جوش اڑتے ہیں۔ چٹنگیں کہاں اڑتی ہیں۔"

استاد مسکرا کر پوئے۔ "میں ایک لمحہ کے کوراہ راست پر لائے جا رہا ہوں۔ کم بخت پر بڑی محنت کرنی پڑ رہی ہے۔"

جیلہ نے کچھ نہیں کہا۔ استاد مکان سے باہر آ گیا۔ اسے حادثہ کی تلاش تھی۔ جسے کچھ دیر پہلے عشق کرنے کا مشورہ دے کر آیا تھا۔

استاد نے پھر اشارے سے اس کو اپنے پاس بلا لیا۔

"بتا کیا سوچا تو نے؟"

کس بار سے تیرا استاد؟"

"اے جو تجھے لکچر دے کر گیا ہوں۔ اس کے بارے میں کیا سوچا ہے تو نے؟ کس سے عشق کر رہا ہے؟"

"استاد تم تو میرے پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔ خود سوچو کس سے عشق کروں؟"

"میں تجھے ایک مشورہ دوں؟"

"بتاؤ استاد۔"

"تو میری بیوہ کو پھانس لے۔"

استاد نے کہا۔ "اگرچہ اسے بھلا کر استاد کی طرف دیکھا۔"

"کیا کہہ رہے ہو استاد؟ یہ کیسی بات کر دی؟"

"نیک بات بتا۔ کیا میری بیوہ خوب صورت نہیں ہے؟"

استاد نے پوچھا۔ "جواب دے، شرماتے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہاں استاد ہے تو خوب صورت۔"

حادثہ نے اعتراف کیا۔

"لگتا ہے تو نے اس کو پہلے سے نظر میں رکھا ہوا ہے؟"

"ارے نہیں استاد تو یہ تو یہ کیسی بات کر رہے ہو۔ وہ تو آتے جاتے اس کو دیکھ لیتا ہوں۔"

"بھلا، اب اس سے باقاعدہ عشق شروع کر دے۔"

استاد نے کہا۔ "یہ بھول جا کہ وہ کسی کی بیوی اور کسی کی بہو ہے۔ بس یہ سوچ کر وہ ایک جوان اور خوب صورت عورت ہے اور تجھے اس سے عشق کرنا ہے۔"

"استاد! ایسی اہل بات تو میں نے بھی نہیں سنی ہو

گی۔ "حامد نے کہا۔" لوگ تو اپنی بہوشیوں کی طرف کسی کو میلی آنکھ سے دیکھنے کی اجازت نہیں دیتے اور تم اس سے عشق کرنے کی بات کر رہے ہو۔"

"اب مجھے تجھے ترقی کرتے ہوئے دیکھنا ہے۔" استاد نے کہا۔ "کوئی بات ہے۔ جب ہی تو کھ رہا ہوں۔ ورنہ کون اپنی بہوشی کے لیے کسی کو ایسا مشورہ دیتا ہے۔ ابے بہت پکڑ لے، ابے حیاتین جا میرے سامنے اور اس سے عشق کا اظہار کر دے لیکن ڈائریکٹ عشق پر مت جانے۔"

"تو پھر کیا کرنا ہوگا استاد؟" حامد کچھ آنکھ بے حیا چٹنے لگا۔

"یہ بتا میرے بیٹے راجو سے تیری جان پہچان ہے؟"

"ہاں استاد! انھی خاصی جان پہچان ہے۔" حامد نے بتایا۔

"اب آج یا کل بہت سے فروٹ وغیرہ خرید کر افطار کے وقت پہنچ جائے۔" استاد نے بتایا۔ "راجو تو مجھے تو اس سے کہتا کہ چٹنگ ہارڈی کے گر سیکنے آیا ہوں۔ میں تجھے افطار پر روک لوں گا کیونکہ تو فروٹ لے کر آیا ہوگا۔"

"اس کے بعد کیا ہوگا استاد؟" حامد نے پوچھا۔

"دھیان سے منہ رو۔ افطار کے بعد چائے کا زور چلے گا کمپ شپ ہوگی۔ اس دوران میری بہوشیوں پر زور دینا۔ یہ پہلے دن کا کام ہوگا۔ اس کے بعد جیسے جیسے بات بڑھتی جائے گی میں تجھے بتاتا جاؤں گا۔"

"استاد میں تو حیرت سے صرا جا رہا ہوں۔" حامد نے کہا۔

"ابے حیرت کو چھوڑ دو تم اپنے دھنکے کا سوچو۔ یہ سب میں تیرے بھلے کے لیے کر رہا ہوں۔ تیرے باپ سے میری کوئی رنج ہے حالانکہ اس نے میرے وہ ہزار روپے واپس نہیں کیے تھے۔"

حامد برا سامت بنا کر رہ گیا لیکن استاد کی تجویز پر عمل کرنے کے لیے ایک شام افطاری سے پہلے استاد کے گھر پہنچ گیا۔

استاد کا چنار راجو گھر پر ہی تھا۔ استاد نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ سب کچھ اسی طرح ہو رہا تھا جس طرح استاد نے پلاننگ کی تھی۔

استاد نے حامد کو افطاری پر روک لیا۔ راجو کی زحیرنی ٹیکٹری میں آٹھ بجے رات سے مچی۔ وہ افطار کے بعد چٹا گیا

تھا۔

اس کے جانے کے بعد استاد نے حامد سے کہا۔ "دیکھ میں اب یہاں سے واش روم کی طرف جا رہا ہوں۔ میری بہوشی تیرے لیے چائے لے کر آئے گی اور وہی کرنا جو میں نے کہا ہے۔"

"استاد اس تو ابھی تک ٹھہرا رہا ہوں۔" حامد نے کہا۔

"اب کس بات کی ٹھہراہٹ ہے؟"

"کہ کہیں کوئی سناؤش نہ ہو۔"

"ابے کیا پاگل ہو گیا ہے۔ تیرے خلاف کون سناؤش کرے گا۔ تیرے پاس سناؤش کرنے کو رکھا ہی کیا ہے۔ سارے خوف دل سے نکال دے اور چہ کس ہو جا۔ میں کمرے سے باہر جا رہا ہوں۔"

استاد کمرے سے باہر چلا گیا۔ چند لمحوں بعد اس کی بہوشی بیلہ چائے لے کر کمرے میں آگئی۔ "ابا کہاں ہیں؟" اس نے لاہر اور دھڑکتے ہوئے پوچھا۔

"وہ واش روم میں ہیں۔" حامد اس کی طرف دیکھتے ہوئے سر اڑایا۔

جیلہ نے ٹرے ایک طرف رکھ دی اور جب وہ چائے کے لیے دروازے کی طرف بڑھی تو حامد نے آواز دے کر اسے روک لیا۔ "ایک منٹ ڈراما میری بات سنو۔"

"کیا ہے؟" وہ دروازے کے پاس ہی کھڑی رہی تھی۔

"کچھ نہیں۔" حامد شپٹا گیا۔ "میں نے سوچا شاید تمہیں مجھ سے کوئی بات کرنی ہوگی۔"

"پاگل ہو گئے ہو۔ تم سے کیا بات کروں گی؟" جیلہ کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔ "اپنی اوقات میں رہتا کبھی۔"

حامد پیسے پیسے ہو گیا۔

استاد کچھ دیر بعد کمرے میں داخل ہوا تو حامد جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ "مجھے تو جانے دو استاد۔"

"کیوں، کیا بات ہوگئی؟" غلط پریشان کیوں ہے؟"

"یہ سب اپنے بس میں نہیں ہے استاد۔ تمہاری بہوشی پھاڑ کھانے کو روڑتی ہے۔"

"ہیں، ابھی سے ٹھہرا گیا۔ ابے شروع شروع میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ تو نے محنوں کے بارے میں نہیں سنا۔ اعزاء عوین پکڑنے کے بعد ملنے نے اس کی شکل دیکھی تھی۔"

استاد نے اپنی جیب سے پانچ سو کا ایک نوٹ نکال کر حامد کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "یہ لے، یہ رکھ لے۔"

وہ تمہاری اپنی بہو ہے۔“
”ابے، یہ سب میں تیری بھائی کے لیے کر رہا ہوں۔“

”ایک کیوں؟ میری بھائی سے ایسی کیا دلچسپی ہو گئی تھیں؟“

”ابے خواب میں ختم ہوا ہے کہ تیری بھائی کر دیں۔ اس بھائی کے لیے میں بتایا گیا ہے کہ تجھے کسی سے عشق کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد تیرے دل بدل جائیں گے۔“

”استاد! تمہارا چٹا راجہ بہت عجیب و غریب ہے۔“ حامد نے کہا۔ ”اگر اس کو چٹا چل گیا تو وہ مجھے جان سے مار دے گا۔“

”ہاں، اسے دلوں میں تو نے بس بھی عقل مندی دانی بات کی ہے۔“ استاد مسکرایا۔ ”میں یہی پہتا ہوں کہ اس کو معلوم ہو جائے کہ تو اس کی بیوی کو پسند کرنے لگا ہے۔ اس کے عشق میں پاگل ہو رہا ہے۔“

”اب یہ تم نے دوسری کہانی پیڑھ دی۔“

”میری بات سننا تیرے کام تو آسان بنا رہا ہوں۔ تجھے میری بہو سے ملنے ملانے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ بس تو دوستوں میں چٹ کر اس کی تعریف کر۔ اس کے انداز کی۔ اس کی باتوں کی، اس کے حسن کی اور دوستوں سے کہہ کہ بے چاری بد قسمت ہے جو شادی کے بعد ایک مسکونی سے گھر میں اور ایک بے ڈھنگے آدمی کے ساتھ آکر رہنے لگی ہے۔ اگر اسکی گورت ڈیفنس میں ہوتی تو اس کو سر آکھوں پر بٹھاتے۔“

”استاد! یہ تو اور خطرناک کام بنا رہے ہو۔“

”ابے، اب اس میں کیا خطرہ ہے۔ تجھے کون سا سامنے آتا ہے۔ اس دوستوں میں بیٹھ کر بول رہا اور بہت سے دوست راجہ کے بھی دوست ہیں۔ وہ تیری کہانی راجہ تک پہنچا دیں گے۔ اس کے بعد میں سنبھال لوں گا۔“

”دیکھو استاد۔“
”ابے سب دیکھ بھال کر کر رہا ہوں۔“ استاد نے پانچ سو کا ایک نوٹ نکال کر اس کی جیب میں خونس دیا۔ ”بس جو سمجھایا ہے وہی کر۔ تجھے کچھ نہیں ہوگا۔ راجہ کی بھال نہیں جو تجھے ہاتھ لگی لگے۔ بس تو آج شام ہی سے شروع ہو جاتا۔“

استاد نے جو جاں بچھا یا تھا، اس کا رزلٹ تین چار دلوں کے بعد ہی سامنے آ گیا۔ جب اسے پتا چلا کہ اس کا بیٹا راجہ حامد کو اس کے گھر جا کر ڈھیر سا دی گالیاں دے کر آیا

”مجھ میں نہیں آتا، یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ حامد نے کہا۔ ”میں تمہارے پیسے کیوں رکھوں؟“

”ابے عید آنے والی ہے۔ اس کے لیے کچھ نئے وغیرہ خرید کر اسے دے دینا۔“

”اور اگر اس نے داویلا مچا دیا تو سب سے پہلے تم ہی میری لٹھکائی کرو گے۔“

”ابے کیا پاگل ہو گیا ہے۔ میں کیوں ماروں گا؟“ استاد نے کہا۔ ”معاذ بڑھ گیا تو پھر میں تجھے صاف نکال لے جاؤں گا۔ اس کی فکر مت کر۔ بس اپنا کام کرتا رہ۔ لے رکھ لے۔“

حامد نے ہچکچاتے ہوئے پانچ سو کا نوٹ رکھ لیا۔

دوسری شام جینہ نے استاد سے کہا۔ ”ابا! تم سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔“

”ہاں، چٹا! کہو۔“

”ابا! تم منع کر دینا اس ڈاکٹر کو اور... یہ... لو۔“

اس نے ایک شاہرہ استاد کی طرف بڑھا دیا۔ ”پہلے پر مار دینا اس کے۔“

استاد سمجھ تو گئے تھے کہ جیلہ کس کے لیے کہہ رہی تھی

پھر بھی انجان میں کر رہے تھے۔ ”کیا ہوا چٹا! کس کے لیے کہہ رہی ہو؟“

”اسی ڈاکٹر کے لیے جسے آپ اپنا مہمان بنا کر لائے تھے۔“ جیلہ نے کہا۔ ”وہ آج مجھے یہ سالانہ دے گیا ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔ میں سمجھاؤں گا اس کو۔“

”ابھی طرح سمجھا دینا۔ دوسرے مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔“

استاد نے پھر حامد کو جاکھڑا۔ ”ابے تو تو ایک لبر کا اٹاری ہے۔ تو نے تو میری بہو کو ہلکا کر رکھ دیا۔ ابے اتنی جلدی تجھے نہیں دیتے۔ پہلے آہستہ آہستہ اس کو اپنے اعتماد میں لیتے ہیں پھر تجھے تحائف دیتے ہیں۔“

”استاد! تم ہی نے تو مجھے پانچ سو دے دیے تھے۔“ حامد نے کہا۔

”ابے وہ تو تیرے خرسچے کے لیے دیے تھے۔ بھانہ یہ بنایا تھا کہ تجھے دے دینا۔ اب مجھے کیا مصنوم تھا کہ تو اتنی جلدی کرے گا۔ خیر کوئی بات نہیں، معاذ ابھی بھی کنٹرول

میں ہے۔ میں تیری طرف سے اس کا دل صاف کر دوں گا۔“

”استاد! تم کیوں اس بے چاری کے تجھے پڑے ہو؟“

"اس بات سے کہ تو جس میرے کی قدر نہیں کر سکا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ میرا کسی اور کے پاس چلا جائے۔ اسی لیے تو اتنا تنہا بچن ہو رہا ہے۔ تجھے خوف ہو گیا ہے کہ اب دوسروں نے جیلہ کو سرا جانا شروع کر دیا ہے اسی لیے تو غائب اٹھا ہے۔ کیوں یہی بات ہے؟"

"ہاں ایسا بات تو کچھ سنا ہے۔"

"اب جیسا اس کے دل کو اپنی منگی میں لے۔ کچھ ایسا نہ ہو کہ تیرا خوف سچ ہی ہو جائے۔"

"ابا! لیکن وہ عام۔"

"بھول جا اس کو۔ اس سے کچھ مت کہنا۔ اس کو میں نے ہی کہا تھا۔ اس نے ہر گز کیا وہ میرے ہی کہنے پر کیا تھا۔"

"تمہارے کہنے پر کیا وہ کیوں؟"

"اس نے کہا کہ میں یہ چاہتا تھا کہ میرا کوئی رقیب پیدا نہ ہو۔ اور کچھ عرصے کا عرصہ ہی وقت بھر تک اٹھا ہے جب اس کے چھانچے کا اندیشہ ہو۔ جب کوئی رقیب نہ ملے تو وہ ویسے ہی قدر نہیں بولی۔"

"تم سچ کہہ رہے ہو ابا۔" راجو نے اعتراض کیا۔

"میں نے اپنی اپنی قدر نہیں کی لیکن اب تو ایسا لگ رہا ہے جیسے میرے سے میرے سینے میں آگ لگی ہوئی ہو۔"

"شک ہے۔ تجھے احساس ہو گیا۔" استاد نے کہا۔

"ان دوران جیلہ بھی گھر سے گھر کر باہر آگئی تھی۔ وہ ان دنوں سے کچھ قسطوں پر کھڑی دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔"

"ابے سوچ کیا رہا ہے! سرورین۔" استاد نے راجو سے کہا۔

"میرے منائے عذری ہے۔ معافی مانگ لے اس سے۔ بہت بڑا دل ہے اس کا۔ ہر عورت کا دل بہت بڑا ہوتا ہے۔ معافی مانگ لے۔"

راجو نے جیلہ کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"مجھے معاف کر دو جیلہ۔" راجو نے کہا۔ "معاف کر۔"

"معاف کر دے جی۔" استاد نے کہا۔ "اور یاد رکھ کہ میں نے تجھ سے کہا تھا کہ اس عید پر میں تجھے ایک قیمتی تحفہ دوں گا۔ تو وہ بھی تجھ سے ہے۔" راجو۔

"ابا! جیلہ دوڑ کر استاد سے پٹ گئی۔

اب وہ تینوں دور رہے تھے اور اس چھوٹے سے گھر میں عید کی خوشیاں داخل ہو گئی تھیں۔

ہے۔

اتفاق سے عام اس وقت گھر میں نہیں تھا۔ ورنہ راجو اس کے ساتھ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

استاد نے اس خبر کو سننے ہی راجو کو اپنے پاس بلا لیا جو اس وقت پورے آگے کے پتھر کاٹ رہا تھا۔ غصے سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"ابے تو عام کے گھر کیا کر کے آیا ہے؟" استاد نے پوچھا۔

"ابا! اس معاملے میں کچھ مت بولنا۔ میں جان سے مار دوں گا اس کو۔" راجو نے کہا۔

"ابے دیکھ دھر۔ اس کی کیا تیزی آگئی تھی میں۔ وہ تو بے چارہ ایک شریف انسان ہے۔"

"شریف۔ ابا! وہ ایک فیر کا بد معاش اور لوٹرا ہے۔"

"آخر بات کیا ہوئی ہذا کچھ بتا تو چلے۔"

"ابا! وہ جیلہ کے بارے میں پورے محلے میں کیا کیا بولنے لگا ہے۔" راجو نے بتایا۔ "جیلہ حسن کی دیوی ہے۔ انہی اچھی لڑکی کہاں سے راجو کے بچے بند ہو گئی۔ اس کو تو شیشے کی طرح نراکت سے رکھنا چاہیے۔ پورے علاقے میں اس کا چر اب نہیں ہے۔ کیا حسن پایا ہے اور پتہ نہیں کیا گیا۔"

"میں ادھر یہ سب بولی تھی رہا ہے تو پھر تجھے کیا؟"

استاد نے کہا۔

"کیا مطلب ابا؟" راجو نے حیرت ہو کر استاد کی طرف دیکھا۔

"وہ کینڈہ میری بیوی کے لیے بول رہا ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ تجھے کیا؟"

"ایک بات بتا۔ اسکی باتوں سے تجھ پر کیا فرق پڑتا ہے؟" استاد نے کہا۔ "جیلہ اگر حسن کی دیوی ہے تو اس حسن کی دیوی کو یا ہر والوں سے بچا ہے تا تو نے اس کی کون سی قدر کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ جیلہ کو شیشے کی طرح نراکت سے رکھنا چاہیے اور تو اس کا دل توڑ رہا ہے۔ تو نے بھی اس کی قدر نہیں کی۔ لیکن پتا نہ بھری لگا ہوں سے اس کی طرف نہیں دیکھا۔ جو اب دے۔ کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟"

"نہیں ابا، تم کہتے تو خفک ہی ہو۔" راجو کی آواز دھکی ہو گئی۔

"تو میرا بھرا آج کیوں جیلہ کی محبت جاگ اٹھی؟"

"ابا! کیونکہ کسی دور کے حد سے اسکی باتیں اچھی نہیں لگیں۔" راجو نے کہا۔

"اس کا مطلب تو یہ ہونا کہ تو ڈر گیا۔"

"ڈر گیا؟ کس بات سے ڈر گیا؟"

سبقت

تویر ریاض

زندگی کی بڑی جیت بات کے حقدار وہی ظہر ہے ہیں جو دشمن کی
چال سے پہلے اپنی چال چل دیتے ہیں... اپنی تمام تر کمزوریوں اور
مضبوطیوں سے گزرتے ہوئے بیوچال اسے ایک موقع مل گیا تھا... اور
گامیابی اسی کے حصے میں آئی جو ہرل کرتا...

فریب راستوں میں کم ہو جائے بارگاہِ دوستوں کی کہانی



جب مار پانے فون کر کے مجھے بتایا کہ اس نے
پیری جانے کے لیے وہ کٹ چیک کر دالے ہیں تو میں حیران
ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ میری کچھ میں نہیں آئے کہ اسے اتنے
عرے بعد میری یاد کیسے آگئی۔ کالج کے زمانے میں چار
سال تک وہ میری روم میٹ رہی۔ اس دوران میں ہمارے
تعلقات میں اتار چڑھاؤ آتا رہا۔ کبھی تو ہم دونوں سگی
ہیٹوں کی طرح محبت کرنے لگتیں تو کبھی ہمارے درمیان پول
چال بھی بند ہو جاتی۔ مگر بکوشش ملل کرنے کے بعد میں مگر

حصہ سیر لائن 143

میں دیر نہیں لگی کہ ان تصویروں میں جس شخص کا سر قلم کیا گیا وہ کون ہے۔

"زچہ کیا ہے؟" میں نے صوفے پر بکھری ہوئی چیزوں کو ایک طرف کرتے ہوئے اپنے بیٹھنے کے لیے جگہ بتائی۔ وہ بھی میرے سامنے بیٹھ گئی۔ اس کی انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی جککار رہی تھی۔

"اس نے بہت پریشان کر رکھا ہے۔" وہ منہ بناتے ہوئے بولی۔ "میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔"

میں انتظار ہی کرتی رہی لیکن اس نے کچھ نہیں بتایا۔ اگلے روز میں رات کی پرواز سے ویرس جانا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ بہت ساری گولیاں رکھ لی تھیں۔ جہاز کے فضا میں بندہ ہوتے ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ پر کپڑا تان لیا۔ میں تقریباً رات بھر جاگتی رہی۔ میری آنکھوں کے سامنے ان فلموں کے مناظر چلتے رہے جن میں ویرس کے حسین لاور کیش مناظر دکھاتے تھے۔ یہ یقیناً دل موہ لینے والی روایان پرور جگہ تھی۔ اتر چوٹ سے پار آنے کے بعد ہم نے ٹیکسی کرائے پر لی اور میں کھڑکی سے جھانک کر گزرتے مناظر دیکھنے لگی۔ جس ہوٹل کے سامنے ٹیکسی رکنے لے وہ کچھ گھر میں حیران رہ گئی۔ وہ ایک ٹھک سڑک پر واقع خستہ حال عمارت تھی۔ میں سمجھی کہ شاید مار پاستے ہوٹل بک کر وائے میں غلطی ہو گئی لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے ڈرائیور کو میرا سامان اتارنے کا اشارہ کیا اور خود وہ باؤنسی میں بیٹھتے ہوئے مجھے ایک لفافہ تھا دیا اور بولی۔

"یہ دکھ لو۔ یہاں کریڈٹ کارڈ نہیں قبول کیے جاتے۔"

اس نے ڈرائیور کو چلنے کے لیے کہا تو میں گھبراتے ہوئے بولی۔ "مار پاستے کہاں جا رہی ہو؟"

"احتیاطاً بائیس مت کرو۔ تم اب ویرس میں ہو۔" میں حیران و پریشان کھڑی ٹیکسی کو دیکھتی رہی پھر باؤنسی کے عالم میں سر ہلاتی ہوئی ہوٹل میں داخل ہو گئی۔ استقبال پر چلتی عورت نے میرا استقبال کیا اور مجھ سے شامی کارڈ مانگا۔ اس نے میرا نام پڑھا اور رجسٹر پر نظر سے دوڑاتے ہوئے بولی۔ "ایلی لارنس۔۔۔ تمہارے لیے کمر نمبر 602 مخصوص ہے۔ میرا خیال ہے تمہیں سیزھیواں چاہئے میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔"

"خاف کرنا۔ میں کچھ بھی نہیں۔" میری حیرانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"بہت خوب صورت لاور روشن کمرہ ہے۔ وہاں سے

واپس آگئی اور مختلف جگہوں پر ملازمت کے لیے درخواست دینے لگی۔ لیکن کہیں کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ میں سوچ رہی تھی کہ والدین کی عمارت آہستہ نظروں سے بچنے کے لیے کوئی معمولی سی ملازمت ہی کر سکتی چاہیے۔ خواہ وہ لو آئٹ صاف کرنے کا کام ہی کیوں نہ ہو۔

جب میں نے ماں کو اس سفر کے بارے میں بتایا تو اس کے چہرے پر دعائیہ تاثرات ابھرے اور وہ بولی۔ "مجھے ہمیشہ سے ویرس جانے کی خواہش تھی۔ تم خوش قسمت ہو اپنی کہ تمہیں مار پاستے جیسی دوست ملی۔" میں نے ماں کے سامنے ماریا کی کبھی پرانی نہیں کی تھی۔ اس لیے وہ اسے ایک شخص دوست سمجھتی تھی۔ اس نے سامان پیک کرنے میں میری مدد کی جبکہ والدین منظر میں رہ کر مختلف کام فرماتے رہے۔ میرے والدین ماریا سے دوسرے مل چکے تھے اور جب ماں اس کی خوب صورتی اور حسن اخلاق کی تعریف کر رہی تھی تو والد تائیدی انداز میں مسکرا رہے تھے کیونکہ انہیں ماریا کی شخصیت کے تاریک پہلو کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں تھا۔

ماں نے مجھے اپنی گاڑی میں پورٹ لیڈ تک چھوڑا جہاں سے مجھے نیو یارک کے لیے بیس مل سکتی تھی۔ جب میں ماریا کے اپارٹمنٹ پہنچی تو یوں لگا جیسے کسی غلط جگہ پر آ گئی ہوں۔ ایک لمحے کے لیے یہ خیال بھی ذہن میں آیا کہ کیا اس نے اپنا ارادہ بدل تو نہیں دیا۔ ایسا پہلے بھی ہو چکا تھا۔ جب اپنے بوائے فرینڈ رچرڈ سے اس کے تعلقات ختم ہوئے تو اس نے مجھ سے ہوائی چلنے کے لیے کہا اور وہاں میں اپنا بھرا ہوا سوت کیس لے کر واپس آئی تو وہ دوبارہ رچرڈ سے تعلق استوار کر چکی تھی۔ اس سے کچھ بھی ممکن تھا۔

اس نے دروازہ کھولا اور مجھ سے غلٹ گیر ہوتے ہوئے بولی۔ "میں تمہیں بہت یاد کر رہی تھی۔ ہمیں بہت سے کام کر لے ہیں۔"

میں خودی طور پر اس کا مطلب نہیں سمجھ سکی لیکن جب اپارٹمنٹ کا جائزہ لیا تو اندازہ ہو گیا کہ ضرور کوئی کڑ جڑ ہے۔ گمرے میں چاہا شاہنگ ٹیکز دے سائے، مگرینٹ کے کلزوں سے بھری ہوئی ایٹش ٹرے اورہ اذ کا کی خالی بوتلیں تھرا آ رہی تھیں۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ میں نے وہاں کچھ ایسی فریم شدہ تصویریں دیکھیں جن میں ایک مرد کا سر بڑی صفائی کے ساتھ دھڑ سے الگ کر دیا گیا تھا۔ میں اس کے لئے اپارٹمنٹ میں کبھی بار آئی تھی لیکن یہ تصویریں پہلے واسے اپارٹمنٹ میں بھی آویزاں تھیں۔ اس لیے یہ جاننے

باہر کا بہت عمدہ کھانا کھا چکا تھا۔ البتہ جیسے کمرانہر 604 کے ساتھ ہاتھ روم میں گھس کر پڑے گا۔ تم جانتی ہو کہ ہم مردوں کو نہیں ٹھہراتے اور یہ ہاتھ صرف خواتین کے لیے مخصوص ہے۔"

میں نیم روشن میز چایاں چھتی ہوئی چھٹی منزل پر پہنچی جو دراصل ساتویں منزل تھی۔ میں نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ اس کی دو دروازوں پر گہرا نیلا رنگ کیا گیا تھا اور اس میں ایک ڈبل بیڈ، کرسی اور میز رکھی ہوئی تھی۔ ایک بڑی کمز کی سے میں چھتے کے ٹھنڈی بیڈروں کی طرف گئی۔ پیچھے گئی میں اس مشکوک سے آدمی سر جھکائے ہاتھ کر رہے تھے۔ ان کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے منشیات کا لین دین کر رہے ہوں۔

میں نے ہاتھ روم کا دروازہ کھول کر دیکھا۔ وہاں ایک شاور موجود تھا جس کے گرد پردہ لٹکا ہوا تھا۔ دوسری جانب فرائٹ اور۔۔۔ تنک لگا ہوا تھا۔ میں نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی۔ مجھے سات دنوں میں قیام کرنا تھا۔ یہاں پہنچی کر محسوس ہوا کہ میرا دیرینہ خواب پورا ہو گیا لیکن اس وقت تو مجھے مار یا پر خُصا رہا تھا جو مجھے اس گھنیا سے ہٹانے میں ہمدردی نہ کر سکتا تھا۔

"ادھر۔۔۔ معاف کرتے۔"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ دوسرے دروازے پر سنہری بالوں والی عورت کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے ایک لمحے کے لیے ہار یا کا گمان ہوا۔ بالکل وہی قد، بیضی چہرہ اور نیلا آنکھیں۔

"یہ ہاتھ روم زیادہ تر میرے استعمال میں رہتا ہے۔ اس لیے یہاں میری چیزیں پڑی ہیں۔ میرا نام آنکس ہے۔ تم کا نام بھی آئی ہو؟" اس نے اپنے والی عورت نے مجھے بتایا تھا کہ اس کمرے میں کوئی آنے والا ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم آج ہی آ جاؤ گی۔"

"میرا نام آنکس ہے اور چند منٹ پہلے ہی یہاں آئی ہوں۔"

"کیا تم چائے پینا پسند کرو گی؟" میرے پاس سارا سامان ہے۔"

اس کا کمرانہ بھی میرے جیسا ہی تھا لیکن ذرا استعمال ہونے کی وجہ سے بھرا بھرا لگ رہا تھا۔ دو دروازوں پر پوسٹرز لگے ہوئے تھے اور میز پر پھولوں کا گلہبان رکھا ہوا تھا اور انہی کے برابر ہی ایک تصویر میں وہ کسی مرد کے ساتھ نظر آرہی تھی جسے دیکھ کر میرے جڑے پیچھے گئے۔ وہ رچڑھا تھا۔

صفت

وہ دونوں سمندر کے کنارے ملی ہوئی ایک پتہ پھنڈی پر کھڑے۔۔۔۔۔ تھے اور انہوں نے اپنے بازو ایک دوسرے کے گرد لپیٹ لیے ہوئے تھے۔

میں نے ایک مرد آہ بھری۔ اسی لمحے ایس نے چچا ماری۔ پھر اس نے اپنا پرس کھولا اور اس میں سے ایک پلاسٹک سفٹ بکس نکالا جس میں ایک سوئی لگی ہوئی تھی پھر اس نے بڑی صفائی سے وہ انککشن اپنے ہاتھ میں لگایا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پرس کوں ہو گئی اور بولی۔ "کیا تم نے کچھ دیر پہلے موٹنگ پہن لی تھی؟"

میں خوف زدہ ہو گئی اور کوئی جواب دینے کے بجائے ہاتھ روم میں جا کر اپنے ہاتھ دھوئے۔ کچھ دیر پہلے میں نے جگ میں موجود موٹنگ پہننے کے بعد کو ہاتھ لگا دیا تھا۔ وہی بوسیرے ہاتھوں میں بس گئی تھی۔

"پریٹن مست ہو۔" ایس نے کہا۔ "میں موٹنگ پہننے سے اڑ جک ہوں لیکن یہ تمہیں یہاں نہیں ملے گی۔ فریڈی اسیے شمالی امریکا کے لوگوں کی طرح استعمال نہیں کرتے۔"

"مجھے واقعی افسوس ہے۔" میں نے شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔ "اسمندر اختیار کروں گی۔"

میں نے تصویر کی طرف دیکھا تو وہ بولی۔ "یہ میرا دوست رچڑ ہے۔ ہادی ملاقات اسٹور میں ہوئی تھی۔ وہی میرا آبائی شہر ہے لیکن میں اس کے ساتھ رہنے کی وجہ سے پھر اس چلی آئی۔"

"رچڑ ڈانرس؟" میری زبان سے بے اختیار نکلا۔

"تم اسے جانتی ہو؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی لیکن وہ حیران نظر نہیں آ رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ یہ میری ایک اسکول کی بھیلی سے بھی ڈینٹ کر رہا ہے۔"

"وہ کاروبار کے مسئلے میں دیکھو رہا تھا۔ اسی کے کہنے پر میں پھر چلی آئی۔ مجھے یہ شہر پسند ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت کاروبار کے مسئلے میں سفر کرتا رہتا ہے۔ ان دنوں بھی ملن گیا ہوا ہے۔"

"اب مجھے چلنا چاہیے۔" میں اٹھتے ہوئے بولی۔

"کچھ دیر آرام کروں گی۔"

"ابھی اکیلا میں امید کروں کہ تم موٹنگ پہننے والی بات کسی سے نہیں کہو گی؟" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"میں کس سے کہہ سکتی ہوں؟" میرے ہونٹوں سے اظہار پھل پڑے لیکن میں سمجھ گئی کہ اس کا اشارہ کسی کی

جانب تھا۔ "بے فکر رہو، میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔"
میں ہونٹوں سے ہنسنے لگی تھی کہ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی
عورت نے مجھے ایک پرچہ پکڑا دیا جس پر صرف اتنا لکھا
تھا۔ "چھوٹی بچی... ناٹریس ڈیمپر۔"

پیغام نامکمل تھا لیکن میں اسے نظر انداز نہ کر سکی اور
ناٹریس ڈیمپر کی طرف روانہ ہو گئی۔ وہاں بہت بھیڑ تھی۔
یوں لگ رہا تھا کہ سارا ہیروں ہی وہاں آ گیا ہو۔ میں گر جا
کے پاس ہی رک کر مار یا کا انتظار کرنے لگی۔ چند لمحوں بعد
ہی وہ آگئی اور سرگوشی میں بولی۔ "میرے ساتھ آؤ۔"

وہ مجھے لے کر ایک کینے میں چلن گئی۔ ہم باہر نکلی
ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ دینر نے امارے سامنے میلو لاکر
رکھ دیا اور وہ سکرینٹ سلگاتے ہوئے بولی۔ "ہونٹ کیسا
لگا؟"

"ٹھیک ہی ہے۔" میں نے ٹائٹلے والے انداز میں
کہا۔ میں اس سے بہت ناراض تھی اس لیے کوئی شکوہ کرنا
ضروری نہ سمجھا۔

"کیا تمہاری وہاں کسی سے ملاقات ہوئی؟" اس
نے کریدنے کی خاطر پوچھا۔

"ہاں، برابر والے کمرے میں رہنے والی ایلس
سے۔" میں نے بھلاتے ہوئے کہا۔ "ہم دونوں ایک ہی
ہاتھ روم استعمال کرتے ہیں۔"

"ایلس بروکس۔" اس نے آنکھیں میچھرتے ہوئے
کہا۔

"کیا تم بتانا پسند کرو گی کہ یہ سب کیا ہے؟"
اس نے سٹیشن کی انگوٹھی اٹھ کر اسے امار کی اور پھر پر
دکھتے ہوئے بولی۔ "رچرڈ نے مجھے دھوکا دیا۔ اس عورت
سے اس کی ملاقات ویسکوور میں ہوئی، جب وہ کاروبار کے
سلسلے میں وہاں گیا تھا۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" میں نے منہ بناتے ہوئے کہا۔
"اماری سچے ہو گئی تھی۔ رچرڈ اسے پھوڑ کے آگیا تھا
لیکن وہ اس کا پیچھا کرتی ہوئی میری آگئی اور اب وہ اسے
اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

میں اسے بتاؤں چاہتی تھی کہ رچرڈ اپنے رویے کا خود
رستہ دار ہے لیکن وہ یہ سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ میں نے
پوچھا۔

"رچرڈ کہاں ہے؟"

"کاروبار کے سلسلے میں چین گیا ہوا ہے۔"
"تم اس کی فیئر موجودگی میں اس کی گرل فرینڈ سے

البتہ چاہتی ہو؟"
"وہ اس کی گرل فرینڈ نہیں ہے۔" ماریا سانچ کی
طرح ہنسنے لگی ہوئی۔ "البتہ وہ اپنے طور پر یہی سمجھتی
ہے۔ اس نے رچرڈ کے شکوائی جانے کے بعد مجھے فون کر
کے کہا کہ اس کی زندگی سے کل جاؤں۔"

"اس لیے تم مجھے لے کر جبریں چلی آئیں؟"
ماریا تانیہ میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "وہ انتہائی
امتی ہے۔ اس نے مجھے یہ بھی بتا دیا کہ وہ کہاں ٹھہری ہوئی
ہے اور کہاں اگر میں بھی جبریں آؤں تو اس سے ضرور ملوں۔
اسی حفاظت کی وجہ سے اس سے پیچھا پھڑانا آسان ہو جائے
گا۔"

"بہتر ہوگا کہ تم رچرڈ سے بات کرو۔"
"شٹ آپ۔" ماریا نے انگوٹھی دو بار دھو پینتے ہوئے
کہا۔ "میں اسے اپنے واسطے سے ہٹا چاہتی ہوں اور تم
اس کام میں میری مدد کرو گی۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتی۔"
"تمہیں بھروسہ اسی سے قریب ہونا ہے تاکہ وہ تم پر
بھروسہ کر سکے۔"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنی بات جاری
رکھتے ہوئے بولی۔ "یہ بات ہم دونوں کے درمیان راز
رہے گی۔ تم جانتی ہو کہ تمہارے بہت سے راز میرے پاس
ہیں اور تم اس سے انکار نہیں کر سکتیں۔ تمہارے پاس اس
کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔"

یہ سراسر دھمکی تھی جسے نظر انداز کرنا میرے لیے ممکن
نہ تھا۔ میں خاموشی سے وہاں چلی آئی۔ ہاتھ روم سے پانی
گرنے کی آواز آرہی تھی جنڈا میں نے کمرے کی لائٹ آن
نہیں کی۔ میرا خیال تھا کہ ایلس کو میری آمد کا علم نہیں ہوا ہوگا
لیکن دوسرے ہی لمحوں میں نے اس کی پچھالی آواز سنی۔
"ہی!"

"ہائے ایلس۔"
"ذرا تو نہیں گئیں۔ اگر پرائیویسی چاہتی ہو تو ہاتھ روم
میں کھنسنے والا اور داؤد اندر سے بند کر لیا کرو۔" اس نے ایک
زنج آلود چٹائی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"شکریہ۔" میں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"کیا تم میرے ساتھ ڈر کر رہا چاہو گی؟ کچھ اور دوست
بھی ہوں گے۔"

میں نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ کمرے کی
لائٹ بند تھی ورنہ وہ میرے چہرے کے تاثرات دیکھ کر

ایک عورت

ایک عورت اپنے دو بچوں کو ساتھ لے کر ایک کھلی سے ملنے گئی۔ چھوٹے بچے کو دیکھ کر کھلی نے کہا۔ "اس کی آنکھیں پانگل ہاں کی طرح ہیں۔"

ماں بولی۔ "اور ساتھ باپ کا ہے۔"

"اور پانچا بڑے بچے بھائی کا ہے۔" اس کے بڑے بچے نے کہا۔

بانی عزیز... کراچی

غراش خراش

ایک سیاہی دوسرے سے۔ "تم پولیس میں بھرتی کیوں ہو گئے؟"

دوسرا سیاہی بولا۔ "میری بیوی نہیں ہے اور میں سرنا چاہتا تھا اور تم؟"

پہلا سیاہی۔ "میری بیوی قحی اور مجھے سکون کی موت چاہیے تھی۔"

بہتر حسن، ہینڈ باکس

"میں اپنی انگریزی کو الزام نہیں دوں گی لیکن میں نے اسے پڑھنے میں کئی دیکھی نہیں لی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا تمہیں کسی نے بتایا ہے کہ امریکن ہونے کے باوجود تم دیکھنے میں فرانسیسی لگتی ہو؟" یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے پر دلکش مسکراہٹ بھینچ گئی۔

"میں بھی لسا فرانسیسی ہی ہوں لیکن مجھے زبان پر عبور حاصل نہیں۔"

"میری فرانسیسی تو انگلش سے بھی زیادہ بڑی ہے۔ اسی وجہ سے لوگوں کے سامنے شرمندگی ہوتی ہے۔" وہ خجالت سے بولا۔

"اگر تم فائنگز کو پڑھ سکو تو سمجھ لیا کہ تمہاری انگریزی اتنی کمزور نہیں ہے۔"

"تمہارے خیال میں مجھے اس کے علاوہ اور کیا پڑھنا چاہیے؟" اس نے پوچھا۔

میں نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا اور ہمیں ایک اسٹیج پر نظر دوڑانے لگی۔ اچانک ہی ایس کی آواز نے

پریشان ہو جاتی۔ میں کہنا چاہ رہی تھی کہ یہاں سے دور چلی جاؤ۔ میری پانگل دوست تمہیں مارنا چاہتی ہے لیکن اس کے بجائے میری زبان سے صرف یہی نکلا۔ "میں بہت تھک گئی ہوں۔"

"ٹھیک ہے تم آرام کرو۔ اگر لپٹا چاہو تو میری جیلی استعمال کر سکتی ہو جو ہاتھ روم میں چھوڑ آئی ہوں۔"

یوں لگا جیسے اس نے میرے منہ پر تھپڑ مار دیا ہو۔ وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "کل میں مصروف ہوں۔ اگر تم چاہو تو سہرے میں شیشہ پینڈ کھانی تک اسٹور پر مجھے مل سکتی ہوں۔ میں نے اس کا پتا ایک کانڈ پر لکھ دیا ہے۔ ویسے وہ بہت مشہور جگہ ہے۔ تمہیں تلاش کرنے میں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔"

میں نے اسے خدا حافظ کہا اور وہ دروازہ بند کر کے چلی گئی۔ اس کے بعد میں انھی اور ہاتھ روم سے گزرتی ہوئی اس کے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے بھی کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ میں نے کمرے کی جانی ہوئی اور اپنی نظریں اس تصویر پر جمادیں جس میں وہ چڑو کے ساتھ نظر آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایک کارڈ پڑا ہوا تھا جس پر مشہور مصور کسٹاؤ کھٹ کیا پینٹنگ بنی ہوئی تھی اور اندر کی جانب رچا کے لیے کچھ پُر جوش کلمات لکھے گئے تھے۔ میں سوچنے لگی کہ کھٹ اپنی بر تصویر میں عورت کو اس طرح کیوں پینٹ کرتا ہے کہ اس کی گردن ٹوٹی ہوئی نظر آئے۔ مجھے یوں لگا کہ مارا اور انیس دونوں ہی ایک دوسرے کو راستے سے ہٹانے کی منصوبہ بندی کر رہی ہیں۔

اگلے روز میں دوبارہ فائنگز کے ٹائم گئی اور مجھے شیشہ پینڈ کھانی تک اسٹور تلاش کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ میں نے دروازے کے کچھ باہر دیکھے ہوئے ہیچر تک اسٹیج پر لگا دوڑائی پھر وکان کے اندر تھا لیکن وہاں مجھے ایس نظر نہیں آئی۔

"ایس کا زنی۔ کیا تم نے ہالنگز کو پڑھا ہے؟"

میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ہیچر اور سفید قمیص میں ملبوس ایک وجیبہ شخص مجھ سے مخاطب تھا۔

نہیں۔" میں نے دیکھا کہ وہ ایب سلام، ایب سلام ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا۔

"لوگوں نے مجھے بتایا ہے کہ اسے ضرور پڑھوں لیکن مزہ نہیں آیا۔ شاید اس کا وجہ یہ ہو کہ میری انگریزی کمزور ہے۔"

مجھے چوتھے پر مجبور کر دیا۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "ایلی! تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔" یہ کہہ کر اس نے اس شخص کی طرف دیکھا اور اسے گھورنے لگی۔

"ہم ابھی اپنا تعارف ہی کر رہے تھے۔" وہ وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "ولیم وی لیگ۔ میرا تعلق ایسٹریڈیم سے ہے۔ تم سے مل کر بہت خوش ہوئی۔"

"اے... میں میں کی رہنے والی ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔
"تمہیں کچھ اور دوستوں سے بھی ملنا ہے۔" ایلی نے میرا ہاتھ پکڑا اور پھینکتی ہوئی دور لے گئی۔ میں نے پلٹ کر ولیم کی طرف دیکھا تو اس نے شانے اچکا دیے۔ مجھے اس سے باتیں کر رہا تھا، مگر ہاتھ اور اس وقت بالکل بھول گئی تھی کہ ماریہ مجھ سے کہا چاہتی ہے لیکن جیس میں رہنے ہوئے میرے چاہنے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

ماریہ کے کہنے پر میں نے اگلے دو روز ایلیس کے ساتھ ہی گزار دیے۔ جیس میں اس کے درستیوں کا وسیع حلقہ تھا جن میں زیادہ تر امریکی بولتے تھے۔ مجھے دن بھر کی رپورٹ دیا کرتا تھا ہوتی تھی۔ اس وقت مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگی تھی۔

"کیا تمہارا کوئی بوائے فرینڈ ہے؟" ایلیس نے ہنس کر کہا۔
"نہیں، میں نے بڑھاپے سے بچنا چاہا۔ ہم ان کے بعد بالکل ٹھیک رہے۔" میں نے اس سے جواب دیا۔
"تم کیوں چھوڑ رہی ہو؟" میں نے اس سے ٹالنے کی غرض سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ سامعین جنہیں پسند کرنے کا ہے۔" اس نے سرخ بالوں والے ایک آسٹریلین کا نام لیجے ہوئے کہا۔

"نہیں۔" میں نے ولیم کے بارے میں سوچتے ہوئے کہا۔ وہ مجھے اس روز سہ پہر کے وقت تک اسٹور میں ملا تھا اور ہم کافی چٹے چٹے گئے تھے۔ چند منٹوں بعد ایلیس بھی وہاں آگئی اور ہم بلائے مہمان کی طرح عمارت سے ساتھ کافی میں شریک ہو گئی۔ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا کہ وہ بھی ولیم کافی پینے کے بعد فراموشی وہاں سے چل دیا۔

"ولیم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" میں نے غلط انداز میں پوچھا۔

"وہ مجھ سے دور بھاگتا ہے۔" ہمیشہ مثبت اور پرجوش نظر آنے والی ایلیس کے لیے میں یہ تبدیلی میرے

لیے حیرت انگیز تھی۔ "تمہیں معلوم ہے کہ وہ منشیات کا کاروبار کرتا ہے؟"

"نہیں۔" میں یہ سن کر ششدر رہ گئی۔ "مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"تمہاری اس کے ساتھ ہفتکل پانچ منٹ ملاقات رہی تھی۔ تمہیں اس سے قائل دیکھنا ہوگا۔"

جیس آنے کے بعد ہی میں الجھڑوں کا شکار ہو گئی تھی لیکن اب اس میں خرید اضافہ ہو گیا۔ "کیا تم نے اس سے منشیات خریدی تھی جو یہ بات کہہ رہی ہو؟" میں نے ہمیں بہ جیس ہوتے ہوئے کہا۔

"میں نے جو سنا وہی سنا ہی ہوں۔ کچھ ٹوگ بٹھہر بڑے شریف نظر آتے ہیں لیکن اندر سے... اس کی آواز بچانک جانتی ہوگی۔" رچا بہت اچھا انسان ہے لیکن بعض اوقات وہ مجھے حیران کر دیتا ہے۔ سابق مجید اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ ہم نے اسے رہنے کی بات کی لیکن وہ کہتا ہے کہ اگر ایسا کیا تو وہ اسے مار ڈالے گی۔ اس نے انکی غارت کے ساتھ جس کیلئے قائم کیا تھا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد ہم نے کوئی بات نہیں کی۔ کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے پوچھا۔ "احتیاطیہ کھرک نے تمہیں کس کا پتہ دیا تھا؟"

"میری ماں کو خط تھا۔"

کمرے میں داخل ہو کر میں نے سب سے پہلے ہاتھ دروم کا دروازہ دیکھا۔ اس کی پتختی اندر سے لگی ہوئی تھی۔ پھر میں نے اپنی جیب سے وہ مڑاڑا کاغذ نکالا۔ اس پر لکھا تھا۔

"کس روپہر ٹارڈیم پر ملو۔"

وہ رات میں نے تقریباً جاتے ہوئے گزاری۔ میرا ذہن رچڑھا، ماریہ اور ایلیس کی شات میں الجھا ہوا تھا۔ ختم میں بھی اپنے آپ کو شعلوں میں گھرا ہوا دیکھا۔ جیسے جہنم میں ہوں۔ مجھے ان شعلوں میں ماریہ اور ایلیس کی پرجھٹکیاں بھی دکھائی دیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے ہم تینوں آگ میں جل رہے ہوں۔

میں ایلیس کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی اس لیے صبح جلدی اٹھ گئی۔ وہ ایک خوب صورت دن تھا۔ میں نے لباس تبدیل کیا اور ہوٹل سے باہر نکل گئی۔ کچھ دیر تاریکی مقامات دیکھے۔ ان میں پینڈلین کا مشہور اور وہ جگہ بھی شامل تھی جہاں گلوٹن سے لوگوں کے گلے کاٹے جاتے تھے۔ میں دھندلے پاؤں بھی گئی جہاں شہر کی بہترین دکانیں ہیں اور ان میں رہی



مادر نے دیکھا کہ وہ بے پروا ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے اس کی ساری ترن کرینڈ یعنی تم ابھی تک اس کے پیچھے پڑی ہوئی ہو۔ تمہارے بارے میں وہ اس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔

مادر نے اسے روک دیا اور قہقہہ لگایا اور بولی۔ "وہ جھوٹ بول رہی ہے۔ معلوم ہے کیوں؟ شکوائی سے واپس آنے کے بعد رچ ڈیجھ سے دوبارہ ملنے کی کوشش کرے گا اور میں نہیں چاہتی کہ یہ عورت کوئی رکاوٹ بن کر رہے۔"

"اگر شکوائی میں بھی اسے کوئی کرینڈ مل گئی تو کیا اسے بھی مار ڈالوں گی؟"

"ہاں میں اپنے راستے میں آنے والی ہر رکاوٹ کو دور کرتی چلی جاؤں گی اور تمہیں ہر حال میں میرا ساتھ دینا ہو گا۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے بیگ میں سے کچھ کاغذات نکالے۔ میں نے قریب ہو کر انہیں دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی بلکہ دونوں بازو سینے کے گرد لپیٹ کر اپنی کچپا ہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیا مجھے یہ یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ اگر میں یہ کاغذات لے کر کام کے پاس چلی گئی تو تمہارے ساتھ کیا سوک ہو گا؟" اس کا لہجہ بیکار تھا۔ "تم جیل چلی جاؤ گی اور تمہارے گھر والے کسی کو منہ دکھانے کے قائل نہیں رہیں گے۔ شاید وہ تم سے قطع تعلقی کر لیں۔"

"تم جانتی ہو کہ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ میں

ہوئی خوب صورت و قیمتی اشیاء کوں کا دل تپاتی رہا۔ میرے پر س میں تو اتنی رقم بھی نہ تھی کہ کوئی معمولی سی چیز ہی خرید سکتی۔ لہذا وہ ڈش پلنگ پر ہی اکتفا کیا۔

مادر یا مجھے نارے ڈیم کے سامنے ہی مل گئی۔ اس نے سفید لباس، اجڑا سا صوف کا چپڑا اور سر پر اسکا دف لے رکھا تھا اور وہاں سے گزرتا ہوا ہر شخص کو دن گھبرا سے دیکھ رہا تھا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی سڑک پر لے گئی اور ایک ٹیکسی کو دکنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دیر بعد ہم ایک ہوٹل پہنچ گئے جس کے دروازے پر باوردی دربان کھڑے تھے۔ مادر یا کا سوٹ چھٹی منزل پر تھا لیکن لفٹ ہونے کی وجہ سے اوپر جانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ یہ ایک شاندار کمرہ تھا جس میں فرش پر قیمتی پھول و ہر قالیق اور انتہائی نفیس فرنیچر موجود تھا۔ کمرے میں چاندی کا ڈش پلنگ بیکر بکھرے پڑے تھے جس سے مجھے یہ اندازہ لگانے میں دیر نہیں لگی کہ وہ اپنا وقت کیسے گزارتی ہوگی۔

"میں اس کھیل سے شک آچکی ہوں۔" میں نے کھڑکی کے پاس پڑے ہوئے صوفے پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

"اب یہ کھیل ختم ہونے والا ہے۔" وہ مسکرت لہجے میں بولی۔ "آج رات تم اس کے ساتھ کمرے میں رہو کیونکہ وہ کل کام پر نہیں جائے گی۔ اس لیے اسے اس کے کسی کو بھی علم نہیں ہو گا۔ اس کام کے لیے یہ مناسب وقت ہے۔"

"گمشدگی؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"میں آج رات اس سے بچھا بیٹھنا چاہتی ہوں۔"

"بالکل ہو گئی ہیں تم اسے نکال مار سکتیں۔"

"لیکن تم یہ کام کر سکتی ہو۔" وہ بڑے اطمینان سے بولی۔

اس کی زبان سے نکلے الفاظ مجھ پر ہم کا گول بن کر گرے۔ میں نے احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم نے تو صرف اس پر نظر رکھنے کے لیے کہا تھا۔"

"کیا تم بالکل ہی سنبھال گئی ہو؟ میں تمہیں صرف اس کی جاسوسی کرنے کے لیے نہیں رکھی تھی۔"

"لیکن تم۔" میں کڑوری آواز میں بولی۔ "اگر تمہیں انتقام لینا ہے تو ایس کیوں؟ تمہیں رچ ڈیجھ سے حساب چکانا چاہیے۔"

"میں رچ ڈیجھ جیسے وجہہ اور امیر آدمی کو نہیں کھونا چاہتی۔ یہ ناممکن ہے۔"

روہا کی آواز میں ہوئی۔ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے تھے۔

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ تم نے کیا کیا لیکن یہ کاغذات تمہیں جیل پہنچانے کے لیے کافی ہیں۔ البتہ اگر تم میرے کہنے پر عمل کرو تو یہ وارنٹ ہمیشہ میرے اور تمہارے درمیان رہے گا اور بہت ممکن ہے کہ کسی وقت میں یہ تمہیں دے دوں۔" یہ کہہ کر اس نے وہ کاغذات دو ہاتھ اپنے ہیک میں رکھ لیے۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھم لیا اور چلا تے ہوئے بولی۔ "میں یہ تمہیں آکر سکھائی۔"

"تمہارے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور سوٹ کیس کھول کر اس کے نجانے میں سے کوئی چیز نکالتے ہوئے بولی۔ "تمہیں صرف یہ اسے دینی ہے۔" یہ کہہ کر اس نے میرے ہاتھ پر ایک پھوٹی سی جیٹن رکھ دی۔ میں ایک نظر میں ہی جان گئی کہ اس میں کیا ہے۔

"تمہیں صرف اس کے مشروب میں اسے ڈالنا ہے۔"

"میں اسے نہیں مار سکتی۔"

"وہ صرف بے ہوش ہوگی۔" میں نے اس کے شیریں لہجے سے اٹھ بڑھ لگایا کہ وہ جھوٹ بولی رہی ہے۔

"اس کے بعد تم ہول کے قریب واقع ہل پر پہنچ آنا۔ میں تمہیں وہیں ملوں گی۔ بس تمہیں یہی کام کرنا ہے۔"

دوسری جھوٹ بولی رہی تھی۔ اس کا مشن یہ تھا کہ میں اس کو زبردستی کر ہل پر آ جاؤں۔ پھر اس کے مجھے رام کرنے کے لیے کہا۔

"میں ہائل بھول ہی گئی تھی تمہارے پہلے ٹینک حملہ لائی تھی۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک بڑے ہیک میں سے چھ کورڈ بانکال کر لائی جس کے گرد ایک رہن لپٹا ہوا تھا۔

"اسے کھولو۔"

میں نے کا پتے ہاتھوں سے وہ ڈبا کھولا۔ اس میں ایک خوب صورت سلگ کا اسکاؤٹ تھا۔ میں نے ڈبا بند کر دیا۔

"آج رات تم اس کے مشروب میں یہ بخول ڈالو گی۔ اس سے وہ نہیں مرے گی۔ باقی کام کوئی اور کرے گا۔" اس نے مجھے لہجے میں کہا۔ "کل ہم شاپنگ کے لیے جا سکتے ہیں یا پولیس اسٹیشن۔ اور تمہیں حواالت میں بند کر دیا جائے گا۔ یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔"

میری زبان سے ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ وہ بولی۔ "میں دس بجے کے بعد ہل پر تمہارا انتظار کروں گی۔ اس کام میں کوئی کڑ بڑ نہیں ہونی چاہیے۔"

میں اس کی دی ہوئی دونوں چیزیں لے کر دوپٹے سے سین کے ساتھ ساتھ چلی جا رہی تھی اور میرے ذہن میں گزشتہ واقعات کسی قسم کی طرح گھوم رہے تھے۔ ماریا کو پہلے دن سے ہی میری کڑوروں کا علم ہو چکا تھا۔ پہلی ہی ملاقات میں اس نے فراخ دلانہ انداز میں پیشکش کی تھی۔

"تمہیں جو کچھ چاہیے میری امدادی سے لے لو۔ میرے پاس ضرورت سے زیادہ کپڑے ہیں۔" مجھے ہمیشہ سے عیش و عشرت اور خوب صورت جوتوں کا شوق تھا لیکن میں انہیں صرف فیشن میگزین کے صفحات پر ہی دیکھ سکتی تھی۔ جب میں اسکول میں داخلہ لینے کے لیے چھو باریک آئی تو میرے والدین کو ڈر تھا کہ جرائم کی زد میں نہ آکر جاؤں۔ وہ میرے ساتھ رہنے والے لڑکوں، خشیات اور دیگر برائیوں سے خوف زدہ تھے۔ انہم میں نے اپنا حلیہ ایسا بنا رکھا تھا کہ کوئی بھی مجھے ضرورت مند سمجھ کر اپنی غرض پوری نہ کر سکتا تھا۔ البتہ میں کسی بھی اپنی خواہشات کی تکمیل کے قابل نہ ہوتی۔

شروع شروع میں ماریا کی پیشکش سے فائدہ اٹھایا لیکن بعد چھ کر پڑے کاؤز سے خریداری کرنے لگی لیکن اس سے میرا گزارہ نہیں ہوتا تھا۔

"انی" کسی نے میرا نام لے کر پکارا تو میں ہچکل پڑی۔

"ولیم، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میری نظر تم پر پڑی اور میں تمہارے پیچھے چل پڑا۔ تم اپنے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھیں کہ تمہیں بتائی نہیں چلا۔"

ہم دونوں ساتھ ساتھ چلتے گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولی۔ "میں جیس جھوڑنے سے پہلے تم سے ملنا چاہ رہا تھا۔ میں نے یہاں کی ملازمت چھوڑ دی ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم یہاں ملازمت کرتے ہو۔"

میں نے تعجب سے کہا۔ "تم کہا کام کر رہے ہو؟"

"تھقب نوعیت کے کام لیکن کس غلط فہمی میں جلاست ہو جانا۔ میں کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتا۔ مثلاً میں سرائی رساں کے طور پر کام کر رہا تھا۔"

میں چلتے چلتے رک گئی۔ ماریا نے کہا تھا کہ ایسی کو ٹھکانے لگانے کا کام کوئی اور کرے گا لیکن اس نے اس کی شناخت نہیں بتائی تھی۔ شاید اسے ڈر تھا کہ میں کہیں بہک جاؤں۔

جاسوسی ذراعت 150 - اگست 2014ء

روانے کی وجہ بتاؤ گی؟ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں تمہیں میرے جانے کا دکھ ہے۔ کیا بات ہے؟"

"اس وقت تم کیا کرو گے جب کوئی تمہیں کسی خطرناک کام کے لیے مجبور کرے اور تمہارے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ ہو؟"

"پھر تو مجھوری ہے۔"

"مجھ سے دو سال پہلے ایک ظلمی ہوئی تھی اور آج تک اس کا خیارہ ہلکتا رہی ہوں۔ میں وہ دن بھی نہیں بھول سکتی جب ماریا نے مجھے گرفتار کر دیا تھا۔ وہ پولیس کے سامنے چلا چلا کر کہہ رہی تھی مجھے یقین نہیں آ رہا آئیسر۔ یہ میری بہترین دوست ہے۔ یہ ایسا کیسے کر سکتی ہے۔" بات صرف اتنی تھی کہ ماریا نے مجھے تین سال کے دوران ہاتھ پر مڑا دیا تھا اور کہا تھا کہ میری موت پڑنے پر میں اس کے ہینک کارڈ سے مزید رقم نکال سکتی ہوں۔ میں نے ایک بار دو مرتبہ ایسا کیا پھر ایک روز پولیس مجھے گرفتار کرنے آ گئی۔ ماریا نے مجھ پر الزام لگایا کہ میں نے اس کے کارڈ کا کوڈ نمبر دیکھ لیا ہے اور اس کے ذریعے پیسے نکالتی رہی ہوں۔ میرے پاس ملائی میں کتنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ بعد میں اس نے اس شرط پر یہ الزام دیا کہ میں نے لیا کہ میں تحریر کی طور پر اس چوری کا اقرار اور رقم کی واپسی کا وعدہ کروں۔ رقم کا کس کر میرے ہوش اڑ گئے۔ میں تیس سال کام کر کے بھی یہ رقم واپس کر سکتی تھی۔ بہر حال میں نے اس کاغذ پر دستخط کر دیے۔ اس نے مجھ سے کچھ اور کاغذات پر بھی دستخط کر دیا۔ اس وقت میری حالت ایسا نہ تھی کہ انہیں پڑھ سکتی۔ اس وقت تک مجھے پاور آف انارنی کا کچھ پتا نہیں تھا لیکن ایک ہفتہ قبل اس نے مجھے بتایا کہ میں اسے اختیار دے چکی ہوں۔ وہ جب چاہے مجھے جیل بھیج دے۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے اس کے لینے پر عمل نہیں کیا تو وہ مجھے جیل بھجوا دے گی۔"

"ایس تم سے کیا چاہتی ہے؟" ولیم نے پوچھا۔

"ایس؟" میں نے اسے حیرت سے دیکھا۔ اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ جس عورت نے اسے ملازم رکھا ہے اسی نے میری زندگی بھی جہنم بنا دی ہے۔ میں نے کہا۔

"تمہیں ملائی ہوئی ہے۔"

"واقعی؟ میں تو اسے عا بھجوا رہا تھا۔ لگتا ہے کہ سرائے رسائی میرے بس کا دوک نہیں۔ مجھے اپنے کام پر لوٹ جانا چاہیے۔"

"تمہارا اصل کام کیا ہے؟"

اسٹور پر ہی اس سے نا اچھ جاؤں۔ وہ ایس کی گریڈی کر رہا تھا اور میں سوچ رہی تھی کہ کیا ایس کو اس کا احساس نہیں تھا اور اس نے مجھے ولیم سے دوا دینے کے لیے کیوں کہا تھا؟

میں نے ہل کر کہا۔ "تم نے مجھ سے صرف اس لیے بات کی کیونکہ تم کسی اور پر نظر کرنا چاہتے ہوئے تھے؟"

"ہاں، میں نے کسی مقصد کے تحت اپنا تعارف کروایا تھا۔" وہ اعتراف کرتے ہوئے بولا۔ "لیکن آج میں تمہیں اس مقصد کے تحت تلاش نہیں کر رہا تھا۔ میں اس کی وضاحت نہیں کر سکتا لیکن لگتا ہے کہ تمہیں جاننے لگا ہوں اور میری غور دہش ہے کہ تمہیں بہتر طور پر جان سکوں۔"

میں نے اپنے سینے میں اٹھنے والی لہر کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم نے ملازمت کیوں چھوڑ دی؟"

"مجھ سے وہ کام کرنے کے لیے کہا گیا جو میں نہیں کر سکتی۔"

"کیا؟"

"ہاں جس عورت نے میری خدمات حاصل کی تھیں وہ چاہتی تھی کہ میں ایک نکل میں اس کی مدد کروں۔"

"نکل؟" میں نے اہراتے ہوئے کہا۔

"اس کا کہنا تھا کہ بظاہر یہ خود کشی نظر آئے۔ میں نے بہت سے کام کیے ہیں جن پر ختم نہیں کیا جاسکتا لیکن ہر بات کی ایک حد ہوتی ہے۔ میں یہ کام نہیں کر سکتا۔"

ایک سرور لبر میرے پورے بدن میں دوڑ گئی۔ ماریا کے الفاظ میرے ذہن میں گونجنے لگے۔ "آج رات تمہیں اس کے مشروب میں یہ دوا ڈالنا ہے۔ اس کے وہ چین مرے گی۔ کوئی دوسرا شخص اس کا کام نہ لے گا۔ کیا ولیم ہی وہ شخص تھا؟ یہ ایک جوا تھا۔ اگر میں اس کو ہار کے بجائے ہار میں ہی وہ دوا چلا دیتی تو کیا ہوتا؟ کیا ماریا نہیں جانتی کہ ہار میں مردوں کا داخلہ ممنوع ہے۔ اس خیال کے ذہن میں آتے ہی میں نے محسوس کیا کہ ماریا کا منصوبہ کتنا ناقص تھا لیکن اس نے دوسرا منصوبہ بھی تیار کر رکھا ہو گا اور وہ یہ کہ ولیم کے انکار کرنے کی صورت میں وہ مجھے اس کام کے لیے مجبور کر سکتی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تمہیں یہ سب سن کر حیرت ہوئی ہے۔" ولیم نے کہا۔ "لیکن تم کچھ یوں نہیں؟"

میں نے کچھ کہنے کے بجائے رونا شروع کر دیا۔ ولیم نے مجھے اپنے قریب کر لیا اور میں اس کے سینے میں منہ چپا کر روئے گی۔ جب ٹیبلٹ ہوئی تو اس نے مجھے آنسو مار کرنے کے لیے ایک دو مال دیا اور بولا۔ "کیا تم مجھے"

وہ مجھے پچیس پولیس کے حوالے کر دے گی یا ان کا مذاق کی
اہمیت صرف امر کا میں ہے۔ میں نے اپنی طرف سے بہت
بڑا جوا کھینا تھا۔ مارا نے ایسا بیگ کھولا اور اس میں چابی
ڈالتے ہوئے بولی۔ "تم جا سکتی ہو۔"
"لیکن..." میں نے کچھ کہنا چاہا۔
"ایمانت دوسری طرف کرو۔"

میں نے اس کے کہنے پر عمل کیا لیکن سب کچھ ناپاک
ہو گیا۔ وہ مجھے اتنی آسانی سے چھوڑنے والی نہیں تھی۔ میں
نے پات کر دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پتھر چمک رہا
تھا۔ میری چیخ مچنے میں گھٹ کر رہ گئی۔ اس کا چاندو اٹھ
میرنی گردن کی طرف بڑھا تو میں پیچھے کو ہٹ کر دروازے کی
ریچنگ سے لکرائی۔ اوم سے ہی مجھے میرنی آنکھوں کے
آگے اندر مچا گیا۔ پانی نے مجھے اپنی آنکھوں میں سے لپکا
تھا۔ میں نے اوپر آنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکی۔
میرنی ٹانگ اور منہ میں پانی بھر گیا تھا۔ مجھ سے مافس لپکا
دھواں ہو گیا۔ پھر میں نے مجھے پتھر پر سے دیکھ کر آواز لگائی
اور ایک نیوٹ گولی۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور سچ آب پر
آگئی۔ تب تک فوطہ غور واپس پٹی چکے تھے جو مجھے اوپر لے
سکرائے۔ ایک پوئیس والے نے مجھے اسپتال پہنچایا جہاں
ایک ڈاکٹر نے میرا معائنہ کیا اور بولا۔ "بےوقوف لڑکی۔ تم
نے کیا سوچ کر دریا میں کودنے کی حثیت کی؟"

"کس نے مجھے پانی میں دھکا دیا تھا۔ اس نے میرا
بیگ بھی چھین لیا۔" میں نے رات مارا کا نام نہیں لیا۔
"وہ تمہیں گرتا دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا ہو گا جیسی وہ
تمہارا بیگ پل پر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اب وہ پولیس کے
پاس ہے۔"

میرا اعانہ کرنے کے بعد اس نے کچھ دوا بھی دیں
اور بولا۔ "تم بالکل ٹھیک ہو، لی حال آرام کرو۔"
ایک پولیس والے نے میرا بیان کھنکھایا اور کہا کہ پیسے
بی ڈاکٹر نے اجازت دی وہ مجھے ہاسٹل چھوڑ آئے گا۔ لیکن
تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا اور سر ہلاتے ہوئے بولا۔
"مضموم ہوتا ہے کہ آج رات تمہیں نہیں رہنا ہوگا۔ وہاں
ایک حادثہ ہو گیا ہے۔ وہاں ایک نوجوان عورت ۲۲
برس کی تھی۔ وہ کھڑکی سے گر گئی۔ سب کا خیال
ہے کہ اس نے خودکشی کیا ہے۔"

دوسرے دن میں نے کھڑکی سے درہال نما روٹیاں
خریدیں اور انہیں ایک آٹے میں رکھ کر مار پیا کے ہونٹ کی
طرف چل دی۔ اس کے کمرے کے دروازے پر "ڈونٹ

"پڑھا لکھا بدعاش ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے
بولا۔ "میرا مشورہ ہے کہ تم ان دونوں لڑکوں سے دور رہو۔"
اس کا مطلب ہے کہ وہ میرا پیچھا کر رہا تھا۔ میں یہ
سوچ کر حیران رہ گئی۔ وہ میری طرف جھپٹے ہوئے بولا۔
"ماشی کی غلطیاں نے دیر پاؤں جن سے تمہارے مستقبل کو
نقصان پہنچے۔"

"اگر میرے پاس کوئی دوسرا راستہ نہ ہو تب میں کیا
کروں؟"

"کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آتا ہے اپنی۔" یہ کہہ کر
اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے ایک کارڈ تھما کر چل دیا۔ میں
نے کارڈ دیکھا۔ اس پر ولیم کا نام، فون نمبر اور ای میل
ایڈریس درج تھا۔ پشت پر ایک سسٹرم جالے والی ٹریڈوں
نے اوقات مجھے دئے تھے۔ میں نے وہ کارڈ اپنی جیبز کی
جیب میں رکھا اور ہاسٹل کی طرف روانہ ہو گئی۔

رات گئے میں نے مارا سے مقررہ مقام پر ملاقات
کی۔ میں نے جان بوجھ کر دیر لگائی تاکہ جیس کے نوک
سوجائیں اس وقت صرف ایک جواز وہاں موجود تھا۔ مارا
نے پوچھا۔ "تو تم نے اچھا کام کر دیا؟"
"ہاں۔ وہ بے ہوش ہے۔"

"وہ اس سے زیادہ بری حالت میں ہے۔"
"کیا؟" میں چونکتے ہوئے بولی۔
"وہ مر چکی ہے... بے وقوف۔ تم نے ایسا کیوں
کیا؟"

میں ہٹا بکا رہ گئی۔ آخر کار مارا نے مجھے قائل بنا ہی
دیا۔ "میں وہ بے ہوش ہے۔ تم نے مجھے جو شیشی دی تھی وہ
نوٹ تھی لیکن میں یہاں ایک شخص سے ملی اور اس نے مجھے
بے ہوش کرنے کے لیے ایک ادویہ دی۔"

مارا مجھ سے بولا۔ "تم پاگل ہو۔ میں تم پر یقین
نہیں کر سکتی۔ بہت گڑبڑ ہو گئی۔ اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے
گا۔" میں جانتی تھی کہ وہ کس طرح کا توکل ظاہر کرے گی۔
میں نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "اب جانے بھی دو مارا۔"
"مجھے دوسرا موقع نہیں ملے گا۔ وہ جان جائے گی کہ
اسے بے ہوشی کی ادویہ کتنی ہے لیکن وہ ہے کہاں؟"
"میرے ہاسٹل کے کمرے میں۔"
"کمرے کی چابی کہاں ہے؟"

میں نے جیب سے چابی نکالی اور کہا۔ "اسی سے
اور دائرہ کھینچو۔"
مارا ایک لمبے کے لیے چھپ گئی۔ میں سوچ رہی تھی کہ

صاف چال رہا تھا۔ الٹ دی۔ معاف کرنا میں رات بھر سو نہیں سکی۔
کیا تم میرے ساتھ ڈونک کرنا پسند کرو گی؟
میں نے ایک گھونٹ لیا اور جانتی ہی مجھے احساس
ہوا کہ میری وجہ سے ماریا کی جان گئی۔ میں بے اختیار
رونے لگی۔

"چپ ہو جاؤ۔" ایلیس نے تیز آواز میں کہا۔ اس
سے پہلے وہ مجھ سے ہیوڈنزم لکچ میں بات کیا کرتی تھی۔
"اب تم اپنے آپ کو اس واقعے سے علیحدہ نہیں کر سکتی۔
ماریا اسی سڑک کی منتہی تھی۔ تم اس کی بہترین دوست تھیں
اور وہ تمہیں ہی ایک میل کر رہی تھی۔"
"تم اس بار سے جس جانتی ہو؟"
"مجھے رچرڈ نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ اس نے تمہیں
بے وقوف بنا کر کاغذات پر دستخط لیے اور تمہیں اپنا غلام
بنا دیا۔"

"اب وہ کاغذات کہاں ہیں؟"
"یہاں نہیں ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی لیکن
آپکسیں اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ میں جانتی تھی کہ وہ
جھوٹ بول رہی ہے لیکن اسے اس کی پروا نہیں تھی۔ "پریشان
ہست ہو تمہارے تمام راز میرے پاس محفوظ ہیں۔"
مجھے یوں لگا جیسے میں ایک بلیک منٹر کے قبضے سے
کل کر دوسرے کے ہتھے چڑھ چکی ہوں۔ میرے پاس
ولیم کی باتوں پر غور کرنے کے لیے کالی دقت تھا جو اس نے
گزشتہ روز کہی تھیں۔ "ایلیس تم سے کیا چاہتی ہے؟" اس کا
خیال تھا کہ وہ میرے ساتھ بھی وہی سڑک کر رہی تھی جو وہ
ولیم سے چاہتی تھی۔ وہ ایلیس کی جاسوسی نہیں بلکہ اس کے
لیے کام کر رہا تھا۔
"تم ٹھیک تو ہو؟" ایلیس نے پوچھا۔ "تمہارا چہرہ
زرد لگ رہا ہے۔"

"شاید ماریا کی موت کا کچھ زیادہ ہی اثر ہو گیا
ہے۔" میں نے گزور آواز میں کہا پھر اپنے بیگ میں سے
بیکری کا ڈاڈا دکھایا اور بولی۔ "میں تو بھول ہی گئی۔ یہ میں
تمہارے لیے لائی تھی۔"

"تمہیں میری پیندیر بیکری یاد دی۔" وہ خوش
ہوتے ہوئے بولی۔ "بہت بھوک لگ رہی ہے۔ مجھے یہ
روٹیاں بہت پسند ہیں۔"

"ایلیس! کیا تم نے ماریا کو کھانا بلایا تھا؟"
"ہیہ؟"

"ماریا نے مجھے بتایا تھا کہ تم نے اُسے فون کر کے

واٹرپ" کی منتہی گئی ہوئی تھی۔ میں نے آہستہ سے
دروازے پر دستک دی تو ماریا کی جگہ ایلیس نے دروازہ
کھولا۔ وہ مجھے کھینچتے ہوئے اندر لے گئی اور دروازہ بند
کرتے ہوئے بولی۔ "تم کہاں رہ گئی تھیں؟"
"گزشتہ رات ماریا نے مجھے سین میں لگا دھکا دے دیا
تھا۔"

"میرا خیال تھا کہ شاید وہ مجھے ہی مارنا چاہتی تھی۔"
"شاید اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں اس کے کسی
کام کی نہیں۔" میں ایلیس سے پوچھتا چا رہی تھی کہ ہاسٹل
میں ماریا کے ساتھ کیا ہوا؟ کیا میں اس کی بھولی تھیں جانتا
چاہ رہی تھی یا نہیں۔ "پولیس نے آج صبح مجھ سے چند
سوالات پوچھے۔" میں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔
"مثلاً یہ کہ تم دل برداشتہ نظر آ رہی ہو کیونکہ ہوائے فریڈ
تمہیں چھوڑ کر چلا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔"

"انہوں نے تم سے یہ بات کیوں پوچھی؟"
"کیونکہ انہیں ماریا کے بیگ سے رچرڈ کی ای میل
میں۔ وہ اسے میرا بیگ سمجھ رہے تھے۔ مڑے کی بات یہ
ہے کہ ماریا کی لاش کو بھی تمہارا نام دیا جا رہا ہے۔"
"حقیقت معلوم ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔
میرا خیال ہے کہ ساتویں منزل سے گرنے کے بعد اس کی
ٹاش بری طرح منہ ہو گئی ہوگی۔"

ایلیس نے خود کشی سے پہلے جو لکھا تھا۔ شاید وہ بھول گئی
ہو۔ ایک پولیس آفیسر نے مجھے بتایا کہ اسے ایلیس کی بیوی پر
سے ایک خط ملا ہے جس میں اس نے اپنی ماریا کا اصرار
کرتے ہوئے مرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ پولیس کو
بے وقوف بنانے کی یہ ایک اچھی ترکیب تھی۔ میں حیران تھی
کہ ایلیس نے یہ خط لکھا۔ وہ بہت آگے کا سوچتی تھی۔
"ماریا مجھے چاتو کے ذریعے قتل کرنے آئی تھی۔ اگر
وہ بیڑھیاں چڑھ کر اوپر نہ آئی تو میں اپنے مقصد میں
کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔"

میں نے ایلیس کو ماریا کے بارے میں سب کچھ
بتا دیا۔ میں نے ماریا سے جھوٹ پوچھا کہ ایلیس کو بے ہوشی
کی دوا دے چکی ہوں۔ مجھے امید تھی کہ ماریا اس کی قصد
کرنے ایلیس کے ہاسٹل ضرور جائے گی لیکن وہ اپنے مقصد
میں کامیاب نہ ہو سکی اور ایلیس نے اُسے کھڑکی سے دھکا
دے دیا۔

"خوش قسمتی سے مجھے رچرڈ نے اس پائل لڑکی کے
بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ اچھا لیے میں نے اس کی

رہڑ کے بارے میں بتایا۔ تم کو شش کر رہی تھیں کہ کسی طرح وہ میری آجائے تاکہ تم اس سے چھٹکارا حاصل کر سکو۔ چڑھتھیں چھوڑ چکا تھا۔ اس لیے تم ماریا کو منظر سے ہٹا دینا چاہتی تھیں۔

"تم نے اپنا بیان کیوں بدل دیا، پہلے تو کہہ رہی تھیں کہ ماریا مجھے ہارنا چاہتی تھی۔"

"میں نے سچ کہا تھا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تم نے ماریا کو قتل کرنے کے لیے ولیم کی خدمات حاصل کی تھیں۔ اب صرف یہ سوال باقی رہ گیا تھا کہ دونوں میں سے پہلے کون اپنے حریف کو ختم کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔"

"انتم دونوں بہت چالاک ہو جبکہ چڑھتھیں بے طرف سمجھتے ہیں میں جانتی تھی کہ تم بہت ہوشیار ہو۔" وہ میرا کندھا پکڑتے ہوئے بولی۔ "لیکن ہمیں تمہیں بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے۔ شاید ہی تمہیں اس کی مہلت مل سکے۔"

"یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"تمہارا کین خیال ہے، میں ایسے شخص کو چھوڑ دوں گی جو مجھے قتل پہنچا سکتا ہے؟ میرا خیال ہے کہ تمہیں موت کی نیند سنانے کے لیے یہ نیکی کافی ہوگا۔"

میں ایلیس کا جلا ہوا روپ دیکھ رہی تھی۔ پہلے ماریا اور اب ایلیس۔ میں ان کے سچ کھلو مانتی ہوئی تھی اور دونوں ہی مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ میرا دل اٹھوٹ رہا تھا لیکن وہ سے آواز نہیں نکال رہی تھی۔ میں فریج کی جانب جھٹک گئی اور میرے ہاتھ سے گلاس گر پڑا۔ مجھے جون لگا کر دوش دھواں کھینچ لیا اور وہ بولی۔

جب آنکھ کھلی تو میرا منہ برقی طرح خشک ہو رہا تھا۔ کمرے کی روشنی سے اندازہ ہو گیا کہ یہ پہرا محلِ رختی ہے۔ میں آہستہ سے اٹھی تو وہ مجھ کے میرے سامنے ایلیس چادروں شانے میں پڑی ہے۔ یقیناً اسے اگلی کی دوائیں لگائیں مل سکی ہوں گی جو میرے پاس تھیں۔ میری آنکھیں برقی طرح دکھ رہی تھیں لیکن ذہن پھردی طرح کام نہیں کر رہا تھا۔ میں جانتی تھی کہ ایلیس کو اپنی روایں ساتھ لانے کا موقع نہیں ملا ہوگا اور وہ اپنا سب پیڑیاں ہاسٹل میں ہی چھوڑ کر آگئی ہوگی۔ گوکہ وہ بہت اچھی منہ دینے والی تھی اور خود کشی والا خط لکھ کر اس نے یہ راستہ بہت کر دیا تھا لیکن وہ جلدی میں اپنی دوائیں لیتا بھونک گئی۔

مجھے اس کی طرف دیکھ کر جانے میں کچھ وقت لگا۔ وہ صرف پانچ فٹ کے قایمے پر تھی۔ میں نے اس کی ٹپس ٹٹولی۔ وہ ساکت تھی۔ اس کا چہرہ برقی طرح سرخ ہو رہا تھا اور منہ سوجا

ہوا تھا۔ اس کی موت کی ذمہ داری مجھ پر نہیں تھی بلکہ اس نے خود مجھے پہلے روز ہی لو پائن کے آنے کے بارے میں بتایا تھا۔ کچھ فراموشی بیکریاں اس سے خوشی تیار کرتی ہیں جو بے حد خوش واقعہ ہوتی ہیں۔ بشرطیکہ آپ کو موتک پھل سے لڑتی نہ ہو۔ ایسے لوگوں کے لیے یہ جھلک ہے۔

میں بمشکل کھڑی ہوئی اور کمرے کا تفصیلی معائنہ کیا۔

وہ کاغذ جس پر میں نے چوری کا اعتراف کیا تھا، دوسرے کاغذات کے ساتھ ایک لفافے میں رکھا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ماریا کا پرس بھی اٹھالیا جس میں اچھی خاصی رقم تھی۔ اس سے میں ٹھیک ٹھاکہ شاپنگ کر سکتی تھی لیکن میرے ضمیر نے یہ گوارا نہیں کیا اور میں نے وہ پرس واپس ماریا کے جیکٹ میں رکھ دیا۔

جب میں پلٹے کے قابل ہوئی تو دو لفافہ جیب میں رکھ کر کمرے سے باہر آگئی۔ ہر قدم کے ساتھ میرے اعصاب پر مسکون ہوتے گئے اور میں اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔ ہونٹ سے دو ہلاک کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے کسی پکڑی اور اسٹیشن پہنچے کا کہنا۔ ولیم کا دیا ہوا کارڈ ابھی تک میری جیب میں تھا۔ ایک گھنٹے بعد مجھے ایک مسٹر ولیم جانے والی ٹرین مل سکتی تھی۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ میں نے انیسٹر ولیم جانے کا فیصلہ کب کیا لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ اس سے پہلے میں نے ہی ایسا قدم نہیں اٹھایا تھا اور میں پہلی بار اپنے لیے انتخاب کا حق استعمال کر رہی تھی۔ ولیم پر مجھے بھروسہ تھا کیونکہ اس نے ہی مجھے ان دونوں عورتوں سے دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ ورنہ میں تو ایلیس کو بہت محسوس کچھ رہی تھی لیکن ولیم سے معلوم ہوا کہ ایلیس بھی ماریا کو مارنا چاہتی ہے۔ گویا دونوں ہی اپنے عقیدے کو جانے کی خاطر ایک دوسرے سے پیچھا پھرانے پھا رہی تھیں جس میں ایلیس کو کامیابی ہوئی اور وہ بہت لے گئی۔ میں نے جب پولیس والے سے اس کی خود کشی کا سنا تو اس کا سارا منصوبہ میرے ذہن میں آگیا اور میں اس سے اپنے کاغذات لینے لگی تھی لیکن ماریا کی طرح ایلیس بھی مجھے اپنے اشاروں پر چلا چلا رہی تھی۔ چنانچہ میں نے وہی کیا جو مجھے کرنا چاہیے تھا کیونکہ یہ صرف میں ہی جانتی تھی کہ ایلیس کو موتک پھل سے لڑتی ہے۔ اسی لیے میں نے حفاظت، مقدم کے طور پر موتک پھل کے آنے سے ہی ہوتی روٹیاں اپنے ساتھ رکھ لی تھیں۔ اب میں جان گئی ہوں کہ پھل کونے والا ہی بازی جیتتا ہے۔



جنگدان شکن

کاشت زریں

تکلیف کسی بھی نوعیت کی ہو... جسم کی پھرتی اور چستی کو
سسلی میں بدل دیتی ہے... جلیل اور راجا کی جوڑی بھی اسی طرح
کی ہے... ایک سہمت و دوسرا چست... اسی بڑا راجا نے کمال کر کے
پونے اپنے دانتوں کی فرمانی کا زبردست سہما کر لیا...

شہر کی یہی اور شہزادوں کی رشتہ دار باہت سکرنا سہل



راجا نے اسی دل خروش چچا ماری کہ میرا دل بھل
کر مطلق میں آ گیا۔ میرے آس پاس بیٹھے لوگوں کا حال
تو یادہ برا تھا کیونکہ راجا کے بعد ان کی باری تھی اور میں
صرف راجا کے ساتھ آیا تھا۔ چچا دراصل اس واسطے کا غلط
آغاز تھا جو راجا نے چچ کے بعد شروع کیا تھا۔ "ہائے
ہائے... آئے ہائے... مر گیا... اے بھو مردود... تو کیا
مجھے قتل کر رہا ہے... آہ... آہ... آہ... اتنی تکلیف تو
مروے کا عذاب کے فرشتے بھی نہیں دیتے۔"

جاسوسی ڈائجسٹ - 155 - اگست 2014ء

"کیوں مرا جا رہا ہے۔" ڈاکٹر صفت شخص نے کہا۔
 "ابھی تو میں نے کچھ کیا ہی نہیں ہے۔"
 راجا کے ساتھ باقی لوگ بھی اچھل پڑے تھے۔ راجا
 نے چتا کر کہا۔ "ہلیر کچھ کیے اتنی تکلیف دے رہا ہے تو بعد
 میں کیا حال ہوگا؟"

"جب کروں گا تو پتا چل جائے گا۔" صفت شخص نے
 کہا۔ اس کے ٹیکک کے بازو پر بے شمار معلوم نام لکھے اور
 پراسرور ڈگریوں کے ساتھ کھنسا ہوا واحد کاپی شاخت نقطہ
 لکھا تھا یعنی اس کا نام۔ ویسے برابر میں بیٹھے سال خوردہ حکیم
 نے اسے دندان شکن قرار دیا تھا۔ راجا کے داو پلے سے لگی
 کچھ ایسا ہی لگ رہا تھا۔ راجا نے اگلی ٹیچہ ماری تو لگا کہ اس کا
 دانت نہیں ہنرا مع تپکی کے نکلا جا رہا ہے۔ مجھے تشویش
 لاحق ہو گئی کہ راجا آخر کار میرا یاد بے حد گرا اور ذلیل و خوار
 تھا۔ اگرچہ صرف چھ گھنٹے اور پینتا لیس منٹ پہلے میں اسے
 قتل کرنے کے حکم قبیلے پر قائم تھا۔ پچھلی بقرہ عید پر ہم نے
 زور شاد کے بکرے کے ساتھ جو کیا تھا وہ راجا بد بخت نے
 عارفہ کے سامنے پھوٹ دیا تھا اور وہ بھی اسے پاس لے گئی تھی۔
 ہوئی۔ اس نے اپنے باپ کو بتانے میں ذرا تاخیر نہیں کی۔

اس تقرری کا نتیجہ میری ایک مختصر تھانے یا ترائی
 صہوت میں لگا۔ میں صرف آدمے کہنے میں دانا ہی آجیتا
 تھا۔ مگر آنے جانے کے اس مختصر وقت نے میری جسمانی
 حالت میں دور رس تبدیلیاں مرتب کی تھیں۔ مثال کے طور
 پر میری پائیں آنکھ لٹوے کے عارضی سریش یا چال چاروں کی
 مستقل خیالی کے ڈکڑو جوان کی طرح بندھ گئی۔ یہ تو دیکھنے
 والے کی سمجھ پر منحصر تھا کہ وہ مجھے کیا سمجھتا ہے۔ چکی کے
 ساتھ ساتھ دیکھنے والوں کو میری چال میں بھی خرابی واضح نظر
 آ رہی ہوگی۔ میں صرف ٹھوس کر رہتا تھا۔ راستے میں ایک
 نبوی کے جند لے آئے میں اپنا حال دیکھنے کی کوشش کی۔
 یقیناً اس میں دوسروں کو اپنا مستقبل بخندوش ہی نظر آ رہا ہوگا۔
 نبوی کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ صرف تباہ کن عیش
 گونیاں کرتا ہے۔ دوسروں کو برے حال کی نوید سناتا ہے
 اسی لیے اس کا اپنا حال برا تھا۔ ہر حال اس کے خوش آئینے
 میں اپنا حال بھی نہیں دیکھ سکا کیونکہ میری گردن ٹالک
 کر کٹ نیم کے اس کلاوی کی سی پوزیشن میں تھی جو شاہد
 آفریدی کا کچھ پکڑنے کے لیے گیند کی زمین پر دایہ کا
 انتظار کر رہا ہو۔

بیچہ دیکھنا ممکن نہیں تھا اس لیے گھر تک پہنچنے کے
 دوران میں مزید سانحات سے دوچار ہوں۔ ایک کتے نے

مجھے تقریباً گات لیا تھا۔ وہ نظری خرابی میں مبتلا تھا اور اسے
 خاصی تاخیر سے پتا چلا کہ اس نے جو ٹانگ منہ میں دبویا
 رکھا ہے وہ میری نہیں ہے۔ پھر ایک فقیر بہت دیر تک کتے
 کی طرح بھونکتا رہا تھا۔ میں نے دونوں کی دوسوں پر پاؤں
 رکھا تھا، کم سے کم کتے کے بازو میں یقین سے کھد سکتا ہوں
 کہ اس کی دم پر ہی پاؤں رکھا تھا۔

مزید برآں ایک بڑے میاں کی کوٹھی کورات ماری
 جو دانتوں کی عدم موجودگی میں پھالیا کوٹھی میں کوٹ رہا
 تھے۔ انہوں نے ہوش مند سے جو مجھے کہا اس پر خدا انجی
 معاف کرے، میں نے تو ویسے وقت معاف کر دیا تھا۔ ایک
 کھلے سینہ ہونٹ میں ٹیکک پاؤں جانے سے میری تشویش
 دور ہو گئی تھی کیونکہ اسے میں دنوں جیروں سے لکڑا رہا تھا۔
 اس پورے سفر میں میں نے اچھا سمجھا کہ میں کسی بس یا ٹرک
 کے نیچے نہیں آیا، کسی تالے میں نہیں گرا جس میں پہلک نے
 کچرے کی دلدلی کی بناؤی ہے۔ واحد حادثہ جس سے میں
 ہی وہ قدرے کی نا قیامت تھی جو ایک جلدنگ سے پھینکے جانے
 والے کچرے میں شامل تھی۔ کرکٹ کی ایک بال بھی میرے
 سر پر نہیں گئی۔

اماں نے پہلے گرم پانی سے سیکائی کر کے میری آنکھ،
 ناک اور گردن کو ان کی اصل پوزیشنوں پر بحال کیا اور پھر
 حیرے دونوں پیروں میں آیوڑیکس کی بالٹش کی۔ آخر میں
 زبردستی درجہ میں ہلکی سا کمر پلائی۔ اللہ جل جلالہ تھا کہ مجھے
 کسی اوجھے آرتھرو پیک کو دکھایا جائے جو مجھے کم سے کم ایک
 مین ہڈی وارڈ میں لگا کر رکھے۔ اماں نے میری بات پر
 یقین کر لیا تھا کہ ایک شرابی ڈرائیور نے بائیک مجھ پر
 چڑھائی تھی مگر خلیل بھانپ گیا تھا۔ اماں کے جاتے ہی اس
 نے مجھ سے اگلا نیا کہ اصل واقعہ کیا پیش آیا تھا۔ اس نے
 راجا کو چند نفیس اور برنگس گالیوں سے نوازا اور مجھ سے پہلے
 کئے انداز میں بولا۔

"تمہارا یہ نام نہاد یا کسی دن تمہیں قبر میں پہنچا دے
 گا۔"

"وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔" میں نے ایک عزم سے
 کہا۔ "راجا بد بخت اس سے پہلے قبر میں ہوگا۔ تم مجھے ذرا
 ٹھیک ہو لینے دو۔"

مریم بی کے بعد اماں اگلے رات میں صوفیوں
 سانے آئی تھیں مگر میں اس سے پہلے ہی معصومی طرائف لینے
 لگا۔ اماں جاتی تھیں کہ میں سوتا ہوا ہوں لیکن انہوں نے
 فی الحال معاف کر دیا۔ میں نے تمنا کی پاتے ہی رہا کواکال

دندان شکن

تھا۔ سرکار کا قرض عوام دہارتی ہے اور میرا شتو اتار دیتی ہے۔ مگر عوام سے رقم نکلوانا جتنا آسان ہے، شتو سے رقم نکلوانا اتنا ہی مشکل کام تھا۔ بہر حال میں نے کسی نہ کسی طرح شتو کے سیلف ڈیپازٹ سے پانچ سو کا ایکسٹیم گرم نوٹ نکلوا ہی لیا۔

میرا ارادہ ایک دن بھی آرام کرنے کا تھا مگر نکلی دکانوں کو میرا ارادہ پسند نہیں آیا۔ میں بھری دوپہر میں مکے کی پلی اسکیم کی میں دھماکا ہوا، کچھ شیلے وغیرہ نکلے اور گھروں کے ساتھ آنکھوں کے سامنے بھی اندھیرا چھا گیا کیونکہ اب یہ چوبیس گھنٹے سے پہلے ٹھیک ہونے والی نہیں تھی۔

راجا جسے حساب کتاب کرتا تھا۔ اس کے لیے میں شام کا انتظار کر رہا تھا کہ مکمل فٹ ہو جاؤں اور راجا کو جان بچانے کا موقع نہ ملے مگر اپنی کم شدتی نے مجھے وقت سے پہلے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ گرمی کی شدت کی وجہ سے مکے ڈی پچوٹی سسٹان اور دیران تھا۔ شدت گرمی سے فو اور اس کا ایک ایک سے انداز میں ہانپ رہے تھے۔ تو کار زیادہ برا حال تھا کیونکہ وہ چوبیس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ایسے میں صرف پانچ گھنٹہ انتظار نہ چکنا تک گرم ہوا پھینک رہا تھا۔ تو مجھے دیکھ کر مکمل اندھا ہوا کچھ جگہ یا شام کے رش آور میں اس کی آنکھوں میں خون اتر آ رہا تھا۔ ایک شخص جانور کے بال کا حوالہ اس لیے نہیں دیا کہ وہ تو کی آنکھوں میں پھونکی سو جوتا تھا۔ سنا ہے والد ماجد نے تلاش کر کے خورڈا لیا تھا۔ فو کی تربیت خاص خود فرما رہی تھی جس کا ایک واقعہ فو نے جوں بیان کیا کہ ایک بار والد گرامی نے دائری پر بیٹھا کر کہا: "بیٹا کو جانور میں پکڑ لوں گا۔"

اسی وقت فو کم سے کم اپنے باپ پر اعتبار کرتا تھا۔ اس نے چھانگ لگا دی اور والد ماجد یکن موقع پر بہت مجھے۔ منہ کے بل لینڈنگ کا نشان آج بھی تو کے منہ میں منہ پر موجود ہے۔ بہر حال والد صاحب نے جو سبق دیا تھا اسے فو نے گرو سے یاد لیا کہ اس کے بعد باپ پر بھی اعتبار نہیں کیا۔ بہر حال یہ وقت ایسا تھا کہ فو کے کچے میں بھی محتاس آگئی اس نے پوچھا: "جلیل کڑک پیے گا یا دودھ پیتی۔"

مادہ ہے کہ گرمی کو گرمی مارتی ہے اس لیے میں نے کڑک کا آلودہ دیا۔ اس نے براہ راست کپ میں ڈال کر پیش کی اور منہ کی طرف اشارہ کیا: "بڈا منہ چیت کر لیا ہے یا کسی نے کر دیا۔"

گرم چائے سے زبان چلی تو آہ کے ساتھ راجا کے

کی اور اسے بے بھادگی سنانے کے بعد مشورہ دیا: "بیٹے ابھی سے اپنی قبر تک کر کے لے چکے ہو۔ تیرا باپ تو مجھے کسی گڑھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی ڈال دے گا۔ دعا تک نہیں مانگے گا۔"

راجا معافی مانگ رہا تھا: "یار عارفہ حراف نے پوچھا بھی اس وقت تھا جب آری بھوت بھی نہیں بول سکتا۔" اس پر میں نے عارفہ کو بھی خامی سنائی تھیں۔ راجا مجھو کی میں مستاد ہاؤس میں دنوں عارفہ اس پر مہربان ہوئی تھی وہ اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سنا تھا۔ دل کی ہمزاس تھلنے سے پہلے تھلن ختم ہو گیا۔ کچھ میں نہیں آتا کہ نوں کمپنیوں والے یہ چند روپے کا ٹینس بھی کیوں دیتے ہیں۔ شاید زکوٰۃ خیرات نکالتے ہیں ہم غریب نر با کے لیے۔ اگلے دن جھٹ کے ڈیٹ پوائنٹ پر شتو مجھے بائیں آنکھ سے زیادہ دھکین نظر آئی۔ اس آنکھ میں ابھی تک لالی برقرار تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر بھی اور خاص دیر ہستی رہی۔ جبہ میں نے ہتھاکر پوچھا: "کیا میری مسودت کسی کامیڈین سے ملے گی ہے؟"

"نہیں۔" شتو نے منہ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ شتو سے اس کے اعضا بول رہے تھے جیسے گل کو تھنے بچے کے ہٹنے ہیں وہ آج کل کچھ اسکی ہی ہو رہی تھی۔ اگر وہ مارلی شتو رہی ہوتی تو میں اسے بھی نہ ٹوکتا۔ مگر ابھی بھالک میں اعضا کی شاعری کے لیے خواہمیں کو قصہ وغیرہ کرتا چلتا ہے۔ ہمارے ہاں خواہمیں منی اور تہقیدوں سے یہ شاعری پہ فو کی کر ملتی ہیں۔ "تمہاری شکل تو آپس میں نہیں مل رہی ہے اسکی کامیڈین سے کیا ملے گی؟"

"شتو، میرے ساتھ کل بہت برا ہوا۔" میں نے سر ر آد بھری۔

"راجا جیسے دست سے اور کیا توقع رکھتے ہو۔" شتو نے بھی جلی جلی ستائیں۔ راجا سے اسے دینے ہی اللہ واسطے کا ہر تھا۔ "فکر کرو کہ وہاں آگے۔" شتو نے بھی غلیل والی بات ذرا دوسرے پیرائے میں کی۔ "لائے نہیں گئے۔"

شتو کے سامنے بھی میں نے عزم محکم و ہر کیا کہ راجا کی زندگی کے اتنا مختصر وہ گئے ہیں۔ اگرچہ اماں کے ویسی علاج کے بعد میں اندر سے بالکل ٹھیک محسوس کر رہا تھا مگر شتو سے رقم نکلوانے کے لیے میں نے اپنی حالت خراب ہی ظاہر کی۔ ٹیکر کی دکان مستحق بند ہونے سے میری آمدنی کا گراف پھر سے دو سال پہلے والی پوزیشن پر آ گیا تھا اور اب میں سرکار کی بیرونی کرتے ہوئے قرض اوصاء پر گزارہ کر رہا

لیجے بے شمار ناگفتن منہ سے نکل گئیں۔ تو تھا۔" اسی لیے تو راجا سے یاری ترک کر دی۔ جلیل اور دوستی کے قائل نہیں ہے۔"

"تو نے صحیح کہا لیکن وہ دشمنی کے قائل ضرور ہے۔"
ملو جستہ سے ہوا۔ "کیا کرے گا... یہ مرزا درود
تیری لائن نہیں ہے۔"
"یہ بھی تو نے ٹھیک کہا لیکن اس سے کم کرنے کو دل نہیں مان رہا۔"

"چھوڑ جلیل، راجا میں بچہ ہی کیا ہے، دو تین سال اور مارلہ کے قتلے میں رہا تو خود قبر میں پہنچ جائے گا۔ دو خون پینے والی چٹیل سے کم نہیں ہے۔"
میں نے ٹلی میں سر ہلایا۔ "میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا۔"

تو فکر مند ہو گیا۔ "تو اس بار سنجیدہ لگ رہا ہے۔"
"میں قلعہ سنجیدہ ہوں۔" میں نے کب میز پر بیٹھ کر کہا۔ "اگر وہ ڈیل اس وقت یہاں آ گیا تو مجھ لے لے کہ تیرا بوش جائے وقوعہ بتا جائے گا۔ اخبارات اور ٹیلی وی میں اس کی تصویریں آئیں گی۔ لوگ درود سے یہاں چائے پینے اور پانی کیلک، بسکٹ کھانے آئیں گے۔"

برائے نام کے بجائے لو کا منہ کھل گیا تھا۔ وہاں لے ہاتھ سر پر پھیرا اور پھریں جھٹکا جیسے دھبے ہونے کا اشارہ کرتا رہا ہو۔ میں نے غور سے اسے دیکھا۔ "خیریت، اچھا بھلا منہ سے بولتے ہوئے تو نے اچانک اشاروں کی زبان میں بات کیوں شروع کر دی؟"

"کچھ نہیں۔" تو نے پوچھا مگر کہا اور درود بار بار ہاتھ ہٹکا۔ وہ میرے پیچھے دیکھ رہا تھا اور اس بار میں نے بھی دیکھا۔ راجا وہ بے قدموں رہیڑیں لگتے ہیں جا رہا تھا۔ مگر میرے دیکھتے ہی اس نے منہ اور گھٹن بڑھادی گولی کی طرح روانہ ہوا۔ میں نے اسے اور تو کو مشترکہ گالی دی اور میز الٹ کر راجا کے پیچھے لپکا۔ راجا یوں بھاگ رہا تھا جیسے س میز کی دوڑ میں حصہ لے رہا ہو۔ میرے گھنٹوں کے بال ہیرنگ پوری طرح رواں نہیں ہوئے تھے۔ راجا ہرگز روتے لمبے دور ہوتا جا رہا تھا۔ میں اس وقت جب وہ تقریباً صبح کا ستارہ بن گیا تھا اس کی بدلتی کاسٹراج کا۔ بدستہ ایک کیلے کے چنگے کی صورت میں راجا کے پیروں تلے آئی۔ راجا نے ایک شاندار رفتار بازی کھائی اور اس کے بعد فلمی انداز میں اٹھا چلکا ہوا ایک خاتون کے قدموں میں جا کر رکا۔ خاتون نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور ایک ناز بھری چٹخ ماری۔ ہاتھ

رکھنے سے کسی قدم پر وہ پوٹی ہوئی تھی کیونکہ وہ پٹا نہ ہونے کے برابر تھا۔ شکل تو عام ہی تھی مگر خود کو خاص بنانے کے کچھ اور گر خاتون کے پاس تھے۔ ان کا لباس تقریباً اسکی فٹ تھا اور راجا کو یہ نگاہ خاصا سنسنی خیز لگا تھی وہ اسی پوز میں ٹھہر ہو گیا اور فرار ہونے کا جدوجہد اس کے پاس تھا وہ اس نے اس نگاہ سے کی نذر کر دیا۔ میں ہانپتے ہوئے راجا تک پہنچا اور جھک کر اس کی گردن دلو پٹی تو راجا منہ لایا۔
"جلیل مجھے معاف کر دے، میرا پہلے ہی برا حال ہے۔"

میں نے اسے کھینچ کر کھڑا کیا تو برا حال فوراً نظر آ گیا۔ اس کا گال ایک طرف سے پھولا اور اٹھا اور یہ دوسری طرف کے پٹکے گال سے کھل کر ٹک رہا تھا۔ میں نے کہا۔
"کوئی بات نہیں، میں ابھی تیرا دوسرا گال بھی ایسا ہی کر دیتا ہوں۔ ویسے یہ کس نے کیا؟... فیئرس نے بھی کیا اس نے میرا ہی کام کیا۔"

میں نے سمجھتے ہوئے راجا کے ٹھیک جڑے کے لیے مکا کھایا اور وہ میں سوچ رہی رہے گیا۔ میں نے بروقت دیکھ لیا کہ راجا کے سینے پر کچھ خاتون ہیں اور انہوں نے اپنی جگہ سے سر نہ کی کوشش نہیں کی تھی اس لیے مکا روکتے رہتے بھی ان کے منہ کو چھو گیا۔ چوتھ نہ ہونے کے برابر تھا مگر ان کے منہ سے جس قسم کی آواز برآمد ہوئی اسکی دانت تو گولی کھانے والے بھی نہیں مارتے ہوں گے۔ چٹخ کے ساتھ دوسرا لفظ جو ان کے منہ سے نکلا وہ سننے کے ابا تھا۔ دھیران کے منہ سے نکلا اور ادھر مٹی کے ابا آن موجود ہوئے۔ خاتون کی صحت کے قد بے میں مٹی کے ابا آدھے بھی نہیں تھے۔ مگر ان میں جوش و جذبہ اتنا بھرا ہوا تھا کہ ہاتھیں اٹج کے سینے سے چھلکا پڑ رہا تھا۔ صرف یہ جذبہ بتانے کے لیے کافی تھا کہ وہ کئی مٹیوں کے ابا بننے کی تکت رکھتے تھے۔ ٹیکم کے وہ پہلے پر لپک کہتے ہوئے انہوں نے مجھ پر یلغار کی۔ ان کا چلایا اور اٹھا راجا کے درست جڑے پر لگا جہاں میں ضرب لگاتا چاہتا تھا۔ ابا جو میرا اور خالی جانے سے خوش تھا کراہ کر فکڑکھڑایا اور خاتون پر جا کر۔ خاتون نے اس کا بالکل برا نہیں منایا مگر ان کے حقوق شوہر نے ضرور منایا۔

"اسے دور رہ۔... ہماری نوجہ سے... مرادو۔"
انہوں نے چٹک کر کہا اور ایک بار پھر میرے چہرے کو نوازنے کی کوشش کی لیکن میں نے کامیابی سے ان کا مکا ہلاک کیا اور پھر پیٹ پکڑ کر رکوع میں چلا گیا کیونکہ انہوں نے اتنی ہی تیزی سے اچھا استخوانی گھٹنا میرے پیٹ

دندان شکن

توجہ نہیں دی اور فرار کی راہ میں وٹل انداز سے گریز کیا۔
ذرا آگے نکلنے کے بعد میں نے توجہ دی تو راجا کے ہاتھ میں
وینا بیگ پایا جس نے مجھے ناک کو ہلوسٹاک بنا دیا۔ انہوں
کیا۔ "یہ بیگ تو اس خاتون کا ہے۔"

"جی ہاں مجھے کے سر پر ٹھیک لگا۔" راجا نے اطمینان
سے کہا۔ "تو قریب المرگ تھا جب میں نے بیگ کھنکھار کر اس
کے سر پر مارا۔"

راجا بیگ کی تلاش لینے لگا۔ اس نے بیگ سے جو پہلی
چیز نکالی اسے دیکھ کر میں رنگ رہ گیا۔ رسالوں، قلموں اور
انٹرنیٹ پر اس قسم کی اشیاء بار بار دیکھی تھیں لیکن ذاتی طور پر
مکمل پارہ دیکھ رہا تھا۔ راجا بھی دم بہ خود تھا غالباً اس نے سوچا
بھی نہیں ہوگا کہ خاتون کے پرس سے اس کی کوئی ممنوع چیز
برآمد ہو سکتی ہے۔ اس نے گھبرا کر اسے ایک طرف پھینکا۔
اب مجھے پتا چلا کہ کس چیز نے مجھے ناک آؤٹ کیا تھا۔ راجا
بڑا نکاتو میں اس کے پیچھے لگا۔ بیگ کا باقی معائنہ اس نے
ایک بیگ و تار پکھلی میں کیا۔ مگر اس کے سوا کوئی چیز ممنوع
نہیں تھی۔ راجا نے ناخوشی سے آہ بھری کہ "میں نے سوچا بھی نہیں
تھا کہ ہمارے ہاں بھی اس قسم کی چیزیں دستیاب ہو سکتی
ہیں۔"

"سوچا تو میں بھی نہیں تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔
"اگر پرس سے پتہ چل جاتا تو ہم کل آتا تب بھی مجھے
اسی حیرت نہ ہوتی۔"

کچھ دیر بعد راجا بھی واپس سے گئے کے تازہ دوس
کے دو بے ہوش گھنٹے لپا کر حواس مکمل طور پر ٹھکانے آئے تو
مجھے یاد آیا کہ میں تو راجا کے قتل کے اداوارے سے آیا تھا۔
یاد آنے پر میں ہچکچا یا کیونکہ بہر حال راجا نے میری جان
بچائی تھی۔ ورنہ میں ہی کہتے ہی موقوف کسی میں نے ان
کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ "راجا تو نے میرے ساتھ
اچھا نہیں کیا، نادر شاہ نے میرے ساتھ کھانے میں وہ سلوک
کیا جو اصل نادر شاہ نے ولی کے ساتھ بھی نہیں کیا تھا۔"

"میں کچھ سنا ہوں۔" اس نے اعتراف کیا۔ "میں
خود کئی بار ان کی حالت سے گزر چکا ہوں۔ تو بے شک گھر
بھڑکی خرچ کسی لیکن اپنے پیروں پر چل رہا ہے، مجھے تو دل تھا
کر لایا جاتا رہا ہے۔"

"مگر بھی تو اس حرفہ... کے پاس کھسار ہوتا ہے۔"
راجا نے دانت نکالے۔ "کہنا کروں یا نہ کہنا
ہے حرفہ ہے موقع پرست ہے مگر پارہ عارلہ بھی تو ہے۔"

میں ہار اٹھا۔ میرے ہنسنے کا نقصان یہ ہوا کہ راجا جو خاتون
سے بادل بنا خواستہ الگ ہو کر آگے آ رہا تھا اس نے جاک کر
ہاتھ چٹایا اور میاں جی کی ناک کو ہلوسٹاک بنا دیا۔ انہوں
نے تقریباً حکیم جیسی جلی مار دی اور شور کرنے لگے۔
"ہائے... ہائے... جی مار دیا... ناک کا بھا کر
دیا۔"

راجا کے واجبی سے نکلنے سے ان کی ناک کو کوئی خاص
نقصان نہیں ہوا تھا مگر شاید واویلا کرنا ان میاں بیوی کا
مشغلہ تھا۔ اس پاس جمع تماشائی بیگ وقت تماشے اور
خاتون کے جاسے سے ہا ہوتے حسن سے محفوظ ہو رہے
تھے۔ میاں جی کو مکارا جانے مارا تھا مگر خاتون نے اسے
بہش دیا اور گھبرا کر مجھے اپنا ہنڈ بیگ رسید کیا جس کا وزن وہ
احسانی کلورامہ تو تھا اور مجھے دن میں تار سے وغیرہ نظر آ گئے۔
دنیا گھومنے لگی۔ مجھے چکراتے پا کر میاں جی نے آسمان
پر دف بھجا اور عقب سے میری گردن واپس کر فری، سٹاکس
نکستی کے انداز میں نیک الگ لگا دیا۔ اس واؤ میں سانس
رک جاتا ہے اور میرا بھی سانس رک گیا۔ بد قسمتی سے میاں
جی نے ہانک دوسٹ واؤ لگایا تھا اور میں کوشش کے باوجود
خود کو چھڑا نہیں پا رہا تھا۔ میری سانس رک گئی اور آنکھوں
کے سامنے اندھیرا آتے ہی وہ تمام اجرام فلکی غائب ہو گئے
جو خاتون کی ضرب لگیم کے بعد نظر آئے تھے۔

دن واپس سے میں پتھر پھینکنے سے قاصر تھا اور میں ان
وقت جب مجھے لگ رہا تھا کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے اور
مجھے گھر شریف پہنچ لینا چاہیے، راجا کی میری گردن چھوٹ
گئی اور میں یوں سانس لینے لگا جیسے ایک سال بعد سانس
لینے کا موقع ملا ہے۔ یقیناً میاں جی نے ترس کھا کر میری
جان بخشی کی تھی۔ مگر جب میری سانس بحال ہوئی اور
آنکھوں کے آگے آنے والا اندھیرا بچھا تو میں نے میاں جی
کو کسی معصوم بچے کی طرح فٹ پاتھ پر محو غرام پایا۔ اگرچہ
ان کی بیگم کے واؤ پہلے سے لگ رہا تھا کہ وہ بیگم کی خیند سو
چکے ہیں۔ مگر اس فلکی کی تردید ان کا ٹیلیوں والا سید کر رہا
تھا جو سستی سے کسی لیکن اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ میں حیران تھا
کہ مجھے لگانے کے بجائے وہ ٹور لے لیٹ گئے تھے۔ ابھی
میں اس معنی کو حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ راجا نے مجھے
بازو سے پکڑ کر کھینچا۔

"اجلیں لکھ یہاں سے۔"

تماشائی لب بھی تماشے اور خاتون سے محفوظ ہو رہے
تھے جو کہ کھنکھارے تھے۔ اس لیے کسی نے ہماری طرف

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

محکم خاص کیوں نہیں؟

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنگ نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

اس کا تو مجھے بھی اعتراف تھا کہ عادی کسی لحاظ سے کم نہیں تھی بلکہ بعض مقامات سے کچھ زیادہ ہی تھی۔ اب تک میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے راجا میں کیا دیکھا۔ شاید یہ بھی کسی قسم کی توجہ کی تھی کیونکہ دونوں میں بہر حال عشق و عاشقی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ میاں راجا کی ضرب نے راجا کے ٹھیک رخ کو بھی کسی قدر سہا دیا تھا مگر وہ سرور رخ جو پہلے سے سوچا ہوا تھا وہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔" یہ کیا ہوا ہے؟

راجا نے مضروبایا۔ "ایک زارجہ مسئلہ کر گئی ہے۔" "اور یہ مسئلہ ضرور کیسے ہوا؟" استاد جانی چرنا ہے تو اسے کس نے بتایا کہ ہم نے کچھ ہی آخر عید پر اس کے گھروں کے ساتھ گھپا لٹیا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ مار کر بے اثر ہلا دی۔" میں فکر مند ہو گیا۔" اس نے یقین نہیں کیا ہو گا ورنہ ہاتھ نہیں گولی مارتا۔" "یہی بات ہے۔" راجا نے اپنے مضروبایا۔ "مگر اندر تک چلا گیا اور دانت کھوکھلا ہو گیا۔"

"اس کا ایک ہی عارضہ ہے۔" میں نے اشارہ کیا۔ "سے دانت نکالنے کا مظاہرہ کیا۔" "مجھے معلوم ہے۔" راجا نے اطمینان سے جواب دیا۔ "لیکن میرے پاس پیسے نہیں ہیں اور گولی ڈاکٹر کی قریبی میں دانت نکالنے کے لیے تیار نہیں ہے۔" "میں تو تیری جان نکالنے آ گیا تھا۔" میں نے اعتراف کیا۔ "اگرچہ دانت میں بھی جاسکتا ہوں لیکن نکالا تو غلطی ہو سکتی ہے گا۔" "یہ پیشکش تو اس نے بھی کی تھی۔" راجا نے سر دھڑ بھری۔ "کہہ رہے تھے سارے نکال دینا ہوں اس میں یہ بھی نکل جائے گا۔"

میں نے راجا کا چہرہ دیکھا تو مجھے ترس آنے لگا۔ وہ کچھ بھی تھی تھا تو میرا پار۔ مگر میری جیب میں بس وہی پانچ سو کالوٹ تھا جس سے شو کی خوشبو آرہی تھی اور میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ اسے خود سے جدا کروں۔ دوسری طرف راجا کا بھی کچھ کرنا تھا۔ تب مجھے یاد آیا کہ جس خانے کے پاس ایک گلی میں دسکا علاج کرنے والے بیٹھے ہیں۔ ان میں شاید کوئی دندان شکن یعنی ایسٹ ہو۔ وہاں سیتے میں کام چل سکتا تھا۔ میں نے راجا سے کہا۔ "چل میرے ساتھ ایک جگہ ہے جہاں تیری تھیں نکالی جاسکتی ہے۔" "مجھے صرف ایک دانت نکالنا ہے جو کھوکھلا ہو گیا

ہے۔" راجا نے گھبرا کر کہا۔

"یہاں جب ایک دانت جاتا ہے تو باقی دانت اس کے پیچھے ایسے ہاتھ ہیں جیسے ہادی پچک اس ایک کے بعد ایک کر کے جاتی ہے۔ میرا مشورہ ہے اس سے بول میل میں بات کر لیتا کہ وہ آگے سے ساری تھیں نکالنے کے لیے لے گا۔"

راجا اپنی اوقات پر آگیا، اس نے کھا جائے والی نظروں سے مجھے دیکھا اور بولا۔ "تو اس نہ کر، بس یہ ایک دانت نکل جائے یہی کافی ہے۔"

ہم مذکورہ گلی میں آئے جہاں آغاز میں ہی مہرت نامی قسم کے عطار کھڑے کھالی دے رہے تھے۔ ایک پھلوان کے چوڑے ختم میں دبا دارا مظلوم چچا دیکار کر رہا تھا۔ پھلوان غلابا اس جگہ بیٹھے تھے۔ پچھلے پاؤں گواگے کی طرف مڑنے کے قائل بنائے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کے بے مقابلہ جراح مقابلے پر ایک معصوب کی گولی کا جوتہ بٹھانے میں مصروف تھا۔ مقابلے ان کے ختم دسکوں کی نیچا اچکار کا تھا۔ راجا ہشت دروہ نظر آئے لگا۔ "جیکل یہ کہاں لے آ گیا؟"

"جیرے ساتھ بلدی کا نہیں، دانت کا معاملہ ہے۔" بلن نے اسے تسلی دی۔ مگر کچھ ہی تھکے ایک دندان ساز دندان شکنی میں مصروف تھا۔ اس کا کشتہ آواز بھی نہیں نکال رہا تھا کیونکہ اس کے اندر میں دندان ساز مع اپنے اوزاروں سمیت گھسما ہوا تھا۔ البتہ وہ جان کنی کے سریش کی طرح اتھ پاؤں تلخ رہا تھا۔ راجا نے اسی وقت فیصلہ سنا دیا۔ "میں اکیلے کچھ چیز پر جیسا پسند کروں گا بہ نسبت اس کی کری پر بیٹھنے کے۔"

"اگر تو امریکا میں ہوتا تو تیری یہ خواہش اب تک پوری ہو چکی ہوتی۔ مگر دندان شکن کری ہی استعمال کرتے ہیں۔ میز صرف آپریشن یا پوسٹ مارٹم کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ ویسے کلرمت کرا میں تجھے جس کے پاس لے جا رہا ہوں وہ باقاعدہ ڈینٹک دیکھتا ہے دانت پاتھ پر تشدد کے یہ مظاہرے نہیں کرتا۔"

"ان سب کو دیکھ کر مجھے نادر شاہ جیت پولیس والے بھی رحم دل نظر آنے لگے ہیں۔"

"فرق صرف اتنا ہے کہ یہ تشدد پہلے اپنی نہیں وصول کر لیتے ہیں پولیس والے بعد میں لیتے ہیں۔"

صاف شکن کا کھینک میں خود بھی بھول گیا تھا۔ ایک حکیم نے بادل نا خواست مراقبے سے نکل کر صاف شکن کے کھینک کا ہاتھ بٹا۔ البتہ اس نے اسے دندان شکن قرار دیا اور دھوکا دیا

موجود ایک مریض نے احتجاج کیا۔
 "باری تو ہوتی ہے۔" اس نے مزید کہا۔
 "نرس کو وہ زیادہ پسند آیا ہے۔" دوسرے نے اپنی
 ناپسندیدگی کا اظہار دھک کے جذبے کے ساتھ کیا۔ "ہاں
 نہیں پہلے اسے اس کے کمرے میں کیوں لے گئی تھی۔"
 مگر ایک منٹ بعد احتجاج کرنے والا اللہ کا شکر ادا کر
 رہا تھا کہ وہ نہیں گیا اور دوسرا اپنے رشتہ و حسد دلوں سے
 دست بردار ہو گیا تھا۔ میرے دانتوں میں درد و رنج کوئی
 مسئلہ نہیں تھا اس کے باوجود راجا کا دادیلاسن کر میرا دل جو
 پہلے حلق میں آیا تھا اب پھسل کر معدے میں جا چکا تھا اور اس
 سے بھی نیچے گتسا جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس وقت میں
 نے سوچ لیا کہ اگر مجھے دانتوں میں کوئی مسئلہ ہو اور کمرہ
 ادھر پر بڑا کمر صاف ٹکٹن واحد دستکست بچا تب بھی میں اس
 کے پاس نہیں پہنچوں گا۔ آخر میں اندر سے ایسی آوازیں
 آئیں جیسے راجا غرور سے گرد رہا ہو۔ پھر ایک نکل کی سی پٹکی
 ستانی دی اور اندر بدر سراسر کی خاموشی چھا گئی۔ احتجاج
 کرنے والے نے کاہلی آواز میں کہا۔

"تمہارا دوست گور گیا ہے۔"
 میں راجا کی آواز دھونے کے خیال سے متوجس ہو
 گیا۔ میں نے نکلی سے اس کی طرف دیکھا۔ "اول تو ایک
 جانت نکالے سے آوی نہیں کرتا ہے اور دوسرے راجا ادا
 غیرت مند ہے مگر نہیں۔"
 "کیا بتا اس نے کیا کیا نکال لیا ہو۔" حاسد روہا نے
 لہجہ میں بولا۔ "کاش میں نے فٹنگلی بیس نہ دی ہوتی۔"
 میں دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا چند لمبے بعد چہ وہ
 سر کا اور خود مند نرس راجا کی باتیات میرا مطلب ہے لاش
 اٹھائے اندر سے نمودار ہوئی اور تقریباً کھینکے کے انداز میں
 میرے حوالے کیا۔ "نے جا ڈالا ہے۔"
 "راجا مگر کیا؟" میں نے گھبرا کر کہا۔ "ناور شاہ مجھے
 ذاتی طور پر پانسی چڑھاوے گا۔"
 "بیکل کیا ہو گیا ہے تجھے میں زندہ ہوں۔" راجا
 نے مجھے ہلایا تو میں ہوش میں آیا اور تب مجھے پتا چلا کہ میں
 خیالوں میں کچھ زیادہ ہی دور نکل گیا تھا۔ راجا ہلکل کچ
 سلامت میرے سامنے کھڑا تھا اس کا منہ جزا سب ٹھیک لگ
 رہا تھا۔ جہاں پہلے سوجن مٹی وہاں اب گڑھا سا نمودار ہوا
 تھا۔ اپنی اوقات کے بارے میں میرے خدشات سن کر راجا
 خفا ہو گیا تھا۔ سیاہ قام نرس اب دھچکا کو دبوچ کر لے جا
 رہی تھی۔ وہ اس وقت بھی احتجاج کر رہا تھا کہ اسے کیوں

کہ اس کی بنائی ہوئی دوا نہ صرف دانتوں کو گرنے سے روکتی
 ہے بلکہ گرے ہوئے دانت دوبارہ نکل آتے ہیں۔ نیر
 کھو کھلے دانت یوں بھر جاتے ہیں جیسے استخوانی حسن رکھنے
 والی لڑکیوں شادی کے ایک سال بعد بھر جاتی ہیں۔ سکیم
 مذکورہ کے نہ صرف پاؤں بلکہ باقی اعضا بھی تقریباً قبور سیدہ
 ہو چکے تھے لیکن لڑکیوں پر خواتین کا ذکر کرتے ہوئے ان
 کے گھٹے میں دس آگیا تھا۔ وہ اس حوالے سے اپنی دوا کے
 مزید چشم کشا راز افشا کرنے پر آمادہ تھے۔ یہ افشادات بھی
 شادی کے بعد کے حالات و واقعات کے بارے میں تھے
 اور راجا بھی دلچسپی لے رہا تھا لیکن میں اسے سمجھتی کر ڈاکٹر
 صلب شکن کے ٹھیک ٹک لے آیا جیسے بقرہ عید پر قربانی کے
 جانور کھینچ کر لائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صلب شکن کے پورے
 لائسنس اور ناقابل فہم ڈگریوں کے ساتھ دوسری بجھ میں آنے
 والی چیز اس کا ریٹ تھا۔ وہ صرف پچاس روپے میں آپ کا
 دانت نکال کر آپ کے ہاتھ میں رکھ سکتا تھا۔ اندر جانے
 سے پہلے راجا نے منہ کر کہا۔

"یاد حرج کیا ہے اس کی دوا آڑا لینے میں؟"
 "راجا گدھے تو نے اس سکیم گدھے کو مال بہاتے دیکھ
 کر غور نہیں کیا اس کے اپنے منہ میں کوئی دانت نہیں ہے۔
 اپنی دوا خود کیوں نہیں کھیتا۔"
 "لیکن اس کے باقی اثرات۔۔۔" راجا نے کہنا چاہا
 مگر میں اسے اندر دھکیل چکا تھا جہاں ایک سیاہ قام اور
 ہماری جسامت والی نرس نے راجا کو یوں دبوچا جیسے تھالی
 بکرے کو دبوچتا ہے۔ راجا اس وقت مٹی بکرنے کی طرح
 منسار رہا تھا۔ نرس کے گھٹے میں آنے کے بعد اس نے فریاد
 طلب نظروں سے میری طرف دیکھا مگر میں کچھ نہیں کر سکتا
 تھا البتہ فکر مند ہو گیا۔ بیکل کا ناخول خاصا پراسرار سا لگ رہا
 تھا۔ چند سے ہوئے مریض پہلے سے موجود تھے۔ میرا خیال
 تھا کہ راجا کی بادی ان کے بعد آئے گی۔ مگر نرس راجا کو
 دبوچے ہوئے پہلے ایک کمرے میں لے گئی۔ وہاں سے
 راجا کی لائسنس قسم کی آوازیں آئیں جیسے وہ کچھ کہتا جا رہا ہو
 لیکن کہہ نہ پا رہا ہو۔ میری تشویش بڑھ گئی۔ راجا کی عصمت
 کو قطعی خطرہ نہیں تھا۔ اس کے پاس گھونے کے لیے واحد
 چیز جان تھی اور مجھے اسی کی فکر تھی۔ پھر اسے زندہ سلامت
 باہر آتے دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اگرچہ وہ اب
 بھی سیاہ قام نرس کے قبضہ قدرت میں تھا جو جسامت سے
 ناور شاہ کا زمانہ نایابیشن لگ رہی تھی۔ وہ اسی طرح دبوچے
 ہوئے اسے دوسرے کمرے میں لے گئی۔ اس پر پہلے سے

میں ساتھ والی گلی میں کھس گیا اور چند لمحوں بعد دوسری سڑک پر لٹکا تھا۔ اب راجا کا باپ بھی مجھے تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ ڈی پوس میں فوتے پھر مجھے رشک آمیز نظروں سے دیکھا اور بچ بچا۔

"پولیس نے اب تک تجھے پکڑا نہیں۔"
میں نے اسے مطلع کیا۔ "آرہم سے پکڑے کی جب میں اپنے تمام یاروں کو کھانے لگا دوں گا۔"
"تو فکر مند ہو گیا۔" راجا کی حواحدی تو واضح تھی یا قیدوں سے کیا قصہ ہو گیا ہے۔"

"وہ بھی راجا سے کم کیسے نہیں ہیں۔" میں نے فتو کو گھورا۔ اس نے فوری چھوٹے کو اشارہ کیا اور وہ میرے لیے دو روپے کی نوٹ لے جانے لوش کے دور ان میں ان طریقوں پر روشنی ڈال رہا تھا جن سے کسی کیسے دوست کو قتل کیا جا سکتا ہے۔ کوئی شہید ہو کر ۱۰۰ زیادہ سے زیادہ تکلیف سے مرے۔ تو اسے ان میں اضافہ کیا۔

"سب سے تکلیف دہ طریقہ شادی ہے، آدمی سبک دینا۔" راجا نے پچاس سال میں مر رہا ہے۔ یہ سب جان کنی کی ہیئت ہوئی ہے اور جان بھی نہیں بچتی۔"

"میں انی روپے سے تو اب تک بچا ہوا ہے۔" میں نے خالی کپ اس کے سامنے رکھا اور اس بار بھی مل رہے تھے۔ مدانہ ہو گیا۔ آج صبح میں وال ٹڈ سے پکے تھے ان لیے میں نے نہاری کی ریت کی اور آتش نشانی نہاری کی طرف روانہ ہو گیا۔ ابھی میں آتش نشانی نہاری کی پیٹ پر (جو ہیٹ میں تنگ ہو چکی تھی) اور دوسری بار کوئلہ ڈرنگ انڈیاں رہا تھا کہ مجھے راجا کی صورت نظر آئی۔ مجھے اچھوٹ لگ گیا جب تک میں کھانسی کر فارغ ہوتا راجا نے پر ہجوم نہاری ہاؤس میں مجھے تلاش کر لیا اور تیر کی طرح میری طرف آیا تھا۔ اس کے پیڑ سے پر اب بھی سونچن تھی لیکن اس سے زیادہ وحشت تھی۔ اس نے ہانپہٹ کہا۔

"راجا وہ کیسے ہاتھ دیکھا گیا۔"

"کون؟"

"وہی ڈاکٹر صف تھیں۔" راجا نے میرے آس پاس ناچنے ہوئے کہا۔ "لیکن کے بعد کے باقی الفاظ نہایت ناقابل اشاعت تھے۔"

"تیرا مطلب ہے اس نے لفظ دانت نکال دیا۔"

"نہیں دانت تو ٹھیک نکالا ہے۔"

"پھر کیا مسئلہ ہوا ہے؟"

راجا نے مجھے ہارو سے پکڑ کر اٹھایا۔ میں نے کاؤنٹر

سے جا رہی ہے پہلے حاسد کو لے جائے۔

"راجا بد بخت تو نے اندر جتنا اویلا کیا تھا اتنا تو آدمی مرتے وقت بھی نہیں کرتا ہے۔"

"آہ پہلے میں بھی یہی سمجھتا تھا لیکن اب پتا چلا کہ دانت کھوانے میں زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔" راجا نے اپنا جہز ادا کیا۔ "مگر اب سکون ہے۔"

ہم باہر آئے تو مجھے یاد آیا۔ "ڈاکٹر نے نہیں تو لی نہیں۔"

راجا بھی حیران ہوا۔ "ہاں اس نے نہیں لی بلکہ نرس نے مجھے آکس کریم بھی کھائی تاکہ خون دگ جائے اور سوچن اتر جائے۔"

"یہ کہاں سے اتنا سخی آ گیا۔" میں نے فکر مندی سے کہا۔ "راجا نرس نے تیرے ساتھ تھائی میں کہا کیا؟"

"خصیث الزمان وہ سب نہیں کیا جو تیرے لہجہ میں خود کی طرح پکار رہا ہے۔" راجا نے جواب دیا۔ "اس نے میرا منہ کھلو کر نقرہ باندھ کر کس کے میرا معاذ کیا تھا اور اس کے بعد مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئی تھی۔"

"اس معاذ کی کیا ضرورت تھی جبکہ اصل کام تو ڈاکٹر نے کرنا تھا۔ اس نے ڈاکٹر کو تیرے بارے میں کچھ بتایا تھا؟"

"ہاں لیکن کان میں اور اس کے بعد ڈاکٹر بول میری طرف پکا جیسے دانت کے ٹھٹھے جان بولنے کا امر دے رہا تھا۔ ہاں اس کا پس نہیں ہل رہا تھا کہ مجھے کہتے ہیں یہ دنیا اور کھڑے کھڑے میرا دانت نکال کر ہاتھ میں رکھ دینا۔"

"اس نے سن کر سننے والا انکیشن لگایا تھا؟"

"نولی انکیشن نہیں لگایا، بعد میں بھی نہیں لگایا۔ البتہ روٹھ کر دی ہے۔" راجا نے جب سے پرہیز کرنا چاہا لیکن میں نے روک دیا۔

"اسے اندر ہی رکھ۔" میں نے کہا۔ میرا پانچ سو کا نوٹ بیچ گیا تھا اور میں اسے گھور رہا اور گھوٹا دیکھتا تھا۔ مگر ڈاکٹر صرف لیکن کا روپہ مجھے ہضم نہیں ہو رہا تھا اس نے نہ صرف غری میں راجا کا دانت نکالا بلکہ اسے آکس کریم بھی کھائی۔ پھر جسا راجا کا کام ہو گیا تھا اور وہ میرے ہاتھوں منتول ہونے سے بچا گیا تھا۔ ابھی چند دن اسے ان تمام اشیاء سے پرہیز کرنا تھا جن سے دواغ سے شام تک شغل کرتا تھا۔ یعنی گولہ اور چائے وغیرہ۔ جیسی خانے کے پاس سے میں اس سے جدا ہوا۔ راجا یقیناً آسانی سے جدا ہونے والا نہیں تھا مگر جیسے ہی وہ سامنے سے گزرتی تھوڑی کی طرف متوجہ ہوا

"اتنے بھی مصنوعی نہیں ہوتے، میں نے خود بھیٹس کے دانت میں کرائیوں کو لگاتے دیکھا ہے۔"

"یہ تو میں نے بھی دیکھا ہے۔"

"تب انسان کے دانت بھی تو کسی کو لگ سکتے ہیں۔ جیسے نوگوں کے گردے، پیچھے ہڑے، دل، جگر اور دوسرے اعضائے ریسر اور غیر ریسر دوسروں کو لگ سکتے ہیں۔"

راجا نے پتے کی بات کی تھی۔ واقعی جب دوسرے اعضا لگ سکتے تھے تو ایک انسان کا دانت کسی دوسرے انسان کو کیوں نہیں لگ سکتا تھا۔ آخر مصنوعی دانت بھی تو کتے تھے تو اصل دانت لگنے میں کیا قیامت تھی جبکہ میری مصنوعی دانت کے مطابق دانت میں جان نہیں آتی ہے یعنی جسم اسے رو بھی نہیں گزرتا ہے۔ میں نے راجا کی طرف دیکھا۔

"تیرا مطلب ہے کہ اس نے غیر ایک انسانی دانت لگائی یا کسی دوسرے کے لیے ڈھکیا تھا۔"

اس نے سر ہلایا۔ "نہ ہر ہے خراب دانت تو کسی کو لگ نہیں سکتا۔ اگر نہ میرے منہ میں نہ لگا رہتا۔ اسی لیے اس نے نہیں چھین لی اور اپنی طرف سے آتش کریم بھی کھلائی تھی۔"

"قرض کر دے بنے ایسا کیا ہے تب بھی ہم اس کا کیا کر سکتے ہیں۔ خیر دانت اگر کسی اور کی نہیں میں خست ہو گیا ہوگا تو اسے واپس بھیے حاصل کریں گے؟"

"اتنی جلدی تو نہیں آوا ہوگا۔" راجا نے امید سے کہا۔ "جلیل کچھ کر، مجھے میرا دانت ہر صورت واپس چاہیے۔"

"نہوڑا جا جانے والی چیز تھی اور اگر تجھے واپس مل بھی جائے تو کچھ عرصے بعد تجھ میں وال چاول چبانے کی سکت نہیں رہے گی دانت کا کیا کرے گا۔"

اس پر راجا نے مردانہ دانتوں کے کچھ قابل بیان استعمال پر روشنی ڈالی۔ "میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔" میں، "ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔"

"تب تو میرے ساتھ چل رہا ہے۔" راجا خوش ہو گیا۔ پھر اس نے اپنی جتنوں کی جیب سے اسے کی فٹ بھر لی راجا نکالی۔ "یہ میں اس کے لیے لایا ہوں۔"

میں فکر مند ہو گیا۔ "دیکھ راجا میں تجھ کے خلاف ہوں۔"

"وہ شرافت سے کہاں مانے گا؟" راجا نے راڈ لہرائی۔ "دین میں اس سے کیسا کام لیتا ہوں۔ وہ اپنے آپ کے لڑھکے سے دانت نکال کر میرے منہ میں فٹ کرے گا۔"

راجا کی اور ہم باہر آئے جہاں راجا نے اسٹریٹ لیمپ کی طرف منہ کر کے اپنا منہ بھاڑ کی طرح کھولا۔ "اندہ دیکھ۔"

نہار کی خلق تک بھر کر میرا راجا کے منہ میں جھانکنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس لیے باؤل کا خواستہ میں نے اندر جھانکنا چاہا تو راجا تک آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا تھا۔ صرف آنکھوں کے آگے نہیں بلکہ آس پاس ہر جگہ اندھیرا چھا گیا تھا۔ بجلی والوں نے برقی لائٹ بند کی تھی۔ لائٹ کی تلاش میں ہمیں دو گھنٹہ گزرنا پڑا تھا۔ راستے میں راجا نے صرف ڈاکٹر کی شان میں گستاخیاں کی تھیں اور منہ سے پھوٹ کر نہیں دیا تھا کہ اس نے راجا کے ساتھ کیا کیا تھا۔

"اس کے ساتھ جو میں کروں گا وہ دیکھنا۔"

"تو کیا کرے گا؟"

راجا نے واضح کیا کہ وہ نکاح تک نہیں کرے گا۔ میں

نہا۔ "وہ تو تو نے عارف سے بھی نہیں کیا ہے۔"

"جس نے کیا نکاح کا لہذا وہ یہ بخار دیکھا۔"

"ٹھیک کہا تو نے۔" میں نے عضدی مانس بھری۔

"بارانہ تیرا کام نہیں سے نہیں ہائی مجھے۔ تو کے کسی اس کی بیوی کے کئی بچے ہو گئے ہیں۔ ابھی بھی کئی یا شاہی کی منزل سے ہٹنا ہوتے آتے رہ گیا۔"

"بس ایک تو ہے جو شہر ہوتے ہوئے بھی ابھی تک

تصیر دہی پر گزارہ کر رہا ہے۔" راجا نے دانت لگانے کی

کوشش کی اور اس کوشش میں اس کے منہ سے ڈاکٹر صحت

فنان کے لیے کئی ناگفتنی نکلیں۔ اس کا جہر اچھین تھا یعنی

اتنا ہی سوجا ہوا تھا جتنا آبرو میں نے بعد تھ۔ جو اسٹریٹ

لیمپ روشن ملا اس کا لب شہی کی وجہ سے ٹھنڈا ہوا تھا اور مجھے

راجا کے منہ میں ٹھیک سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا البتہ اس کی

غائب ڈانڈھ کا خلا کچھ بڑا محسوس ہوا تھا۔ میں نے راجا کو

بتایا تو اس نے رو دینے والے لمحے میں کہا۔ "میں تو بتا رہا

ہوں۔ اس کہنے نے میرا منہ دانت بھی نکال لیا ہے۔ خراب

ڈانڈھ کے برابر والا۔"

میں خیراں ہوا۔ "لیکن کیوں؟"

"میں تو بتا چلا ہے اور مجھے اپنا دانت واپس لینا

ہے۔"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "دانت نکالا جاتا ہے لیکن

اسے دوبارہ لگانے کا ذکر میں نے بھی نہیں سنا۔"

"مصنوعی تو قیقتے ہیں۔"

"اب وہ مصنوعی ہوتے ہیں۔"

”پہلے مل تو جائے۔“ جس نے کہا اور ہم نے اس بات کی طرف باریج شروع کر دی۔ وہاں اس وقت تاریکی تھی اور فٹ پاتھی دندان شکن کی کرسی پر ایک فقیر بادشاہ پر ایمان تھا۔ فقیر کا اسٹاک شاہانہ تھا مگر وہ خود کو تینا کسی شہنشاہ سے کم نہیں سمجھ رہا تھا کیونکہ اس نے جس کا سونا لگا رکھا تھا۔ چرس ایسی چیز ہے جو بادشاہ اور فقیر کو ایک ہی صف میں لے آتی ہے۔ دونوں انجانی دنیاؤں کی میر کو ٹکل جاتے ہیں۔ ظاہر ہے اس وقت کیونکہ بندہ تھا بلکہ وہاں سب کچھ ہی بندہ تھا۔ اس لیے معلومات کا واحد ذریعہ وہی فقیر تھا۔ راجا نے بلا تلف راؤ سے اس کا ٹھکانا پچایا۔ ”اٹھ جا فقیر بادشاہ دخی رانا کچھ دے آئے ہیں۔“

دو بلبل! گر ہوش میں آیا اور بھٹا کر بولا۔ "خنی داتا
آلیف دے آئے ہیں؟"

اس ہاروا جانے اسے ٹانگ سے پکڑ کر کرسی سے نیچے کھینچ لیا۔ وہ حزام سے گرا اور چٹایا۔ "ہائے ماوریا... ظالم فقیر کے ساتھ دست و پائی کرتا ہے... اللہ کرے شیرے ہاتھ برفانیخ کرے۔"

"پریشانی نہیں۔" میں نے اس کے پاس بیٹھ کر کہا۔
 "جھڑی سے ہوش میں آ جاؤ، ہمارے کچھ سونالوں کے
 جوامات دو روز اس کے بعد سکون سے سوتے رہو۔"

”کیسے سوالات؟“ اس نے اعتراض کیا۔
 ”میں کیوں جواب دوں؟“

”راجا کہیں سے پانی لاؤ، فقیر بادشاہ تکمیل کوٹھ میں نہیں آئے۔“

"پانی کی کیا ضرورت ہے؟" وہاں سے رانا لہرائی۔
 "ضرورت ہے ان کا نقشہ ہر جگہ بنائے گا۔"

"قہار کے لیے۔" "تفسیر بادشاہ نے فریاد کی۔" "پانی
مست و انشاء بڑی مشکل سے ایک سمیٹھی فی سکا۔ مارکیٹ
میں شاد ہے، ایک سمیٹھی ۳ روپے کا مال رہی ہے۔"

راجہ نزدیکی ہی ایک گھڑے سے پیالہ بھر کر لے آیا اور بوں فقیر بادشاہ کے سر پر کھڑا ہو گیا جیسے اشارہ ملے ہی اس پر الٹ دے گا۔ غیثات استعمال کرنے والے کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتے ہیں جتنا کہ پانی سے ڈرتے ہیں کیونکہ پانی نقشہ اتار دیتا ہے۔ میں نے کینٹک کی طرف اشارہ کیا۔ "اس کے بارے میں جانتے ہو؟"

اس نے سر ہلایا۔ "دانت کا ڈاکٹر ہے، پر ہر روز نہیں آتا، کبھی پختے میں دو دن آتا ہے کبھی ایک دن آتا ہے۔"
 لیکن اکٹر بند پڑا دھنا ہے۔"

”کیا اس سے آتا ہے کہاں جاتا ہے؟“
 فقیر بادشاہ کو اس بارے میں علم نہیں تھا مگر جب راجا
 نے اس پر پانی چھلکایا تو اس نے بلبلا کر انکشاف کیا کہ وہ
 سیاہ فام نرس کے ہارے میں جاتا ہے۔ اور وہ ایک عیار جی
 تھی۔ فقیر بادشاہ بھی اس کا پیچھا کیا کرتا تھا ایسے ہی بطور
 فخرک۔ میں نے مامست سے کہا۔ ”تمہیں شرم آتی ہے؟“
 اس کی چیز سے تو آدمی دور بھاگتا ہے اور تم اس کا پیچھا کرتے
 ہو؟“

فقیر بادشاہ نے حانت (کالے)۔ "کہا کرتے عورت
بھی تو ہے۔"

فرس کے گھر کا پتا سمجھ کر میں نے واپس کے امرلاء ایک مارچ کا انکا حصہ شروع کیا۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ نہاری کے ساتھ چار سو روپی روٹیاں کھانے اور اوپر سے ایک جگہ پانی پینے سے بہت چھوٹا بھری فٹ بال بن گیا تھا اب کسی قدر زری پر آنا ہوا تھا۔ میں نے واپس سے کہا۔ "بے شک وہ تجھے جیسے چار آدمیوں سے خالی ہاتھ ٹٹ سکتی ہے اور دیکھنے میں کسی گیند سے کم بھرور زوجہ لگتی ہے مگر اس نے ایک بھی چٹا ماروی تو آس پاس پبلک ہمیں پاؤں بنا دے گی۔ آج کل پبلک میں شکوک و گمان بڑھ چکا ہے۔ کوئی یقین نہیں کرے گا کہ تو نے اس پر دست درازی نہیں کی۔"

”مصرف اپنے چھٹی ہلک کے خلاف۔“ اور جانے کچھ
بیانی سے کہا۔ ”تو نے آج تک سنا ہے کہ مزدوروں نے کسی
سینٹر کو چلنا ہو یا ہلک نے کسی دولت مند کو گاڑی سے اتار کر
کوچہ اور جس نے کسی بچے پر گاڑی چڑھا دی ہو۔ وہ تو اسلئے
پروردگار کو دس سے بھی دور بھاگتی ہے ہاں اپنے جیسا کوئی
کڑکا جھٹی پستول پروردگارت کرنے والا ہاتھ آجائے تو اس کا
ضرور پایا پناہ دیتی ہے۔“

میں نے راجا سنا تھا کہ کیا اور اسے یاد دلایا کہ ہمارا شمار بھی پنچک میں ہوتا ہے اس لیے پا پڑنے کے امکانات غائب سے روشن ہیں۔ راجا نے اتفاق کیا اور طے پایا کہ پہلے آس پاس سے نرس کے بارے میں معلومات جمع کی جائیں اور ان کی روشنی میں کوئی قدم اٹھایا جائے۔ دو ایک ہر کیٹ بلڈنگ میں اوپر کہیں رہتی تھی اور نیچے ایک دکان میں چلنے والے ہول کے چھوکرے نے نرس کے بارے میں چشم کشا انکشافات کئے۔ ہول اس کا شو ہر بس نام نہاد شو ہر تھا۔ سارا دن نشہ کر کے گھر میں پڑا رہتا تھا اور یہ دن رات کماٹی تھی۔ رات کی کماٹی ایک نرہوئی کیلنگ میں ہوتی تھی جہاں رات کی تار بلی میں گھنٹا ہوں گا بوجھ صاف کیا جاتا تھا۔ میں نے

دندان منظر

نور انکرا رہے گی۔ راجا نے آگے آکر کہا۔ "تم میری آواز سن رہی ہو سر ہلاؤ۔"

اس نے سر ہلایا۔ راجا نے ملٹن ہو کر کہا۔ "مجھے لاٹھڑیوں کا پتا چاہیے۔"

نرس نے ٹکی میں سر ہلایا تو راجا نے پھر اس کے سر کے زخم پر چکا۔ اچانک تکلیف ہوئی تو وہ اچھلی پڑی اور پھر پھینچنے لگی۔ اس کے پھینچنے سے نہیں ہٹے گی تھی کیونکہ اس کے نیچے پیسے گئے تھے۔ راجا نے ایک چاقو سے اس کے ہاتھ پر کٹ لگایا اور پھر اس پر پھڑا تو وہ ناک کے نلی دہانے لگی۔ مگر اس کی یہ ہڈیاں اس کمرے سے باہر نہیں جاسکتی تھیں۔ تیسرا کٹ لگوانے اور اس پر پھڑا لہانے کے بعد نرس نے اذیت میں سر ہلایا تو راجا نے اس سے کہا۔ "میں نہ کھولتا رہا ہوں لیکن ذرا چند آواز نکلی تو دوبارہ سر پر لوہے کی دراڑ لگے گی۔"

اس دوران میں نرس نے نرس کی تلاش سے تر اس کا ہدیہ کی اجازت لون نکال لیا اور ان کا سیراویڈ پوسٹ پر کمرے سے ایک طرف رکھ دیا۔ نرس کو پتا نہیں تھا کہ اس کی سونگ کی اس رات سے اور آواز نہ نکالے گا۔ وہ منہ لٹھنے پر اس نے آواز دھکی دھکی تھی مگر اس کے منہ سے جو الفاظ نکلتے

راجا کے ساتھ جا کر ٹھیک دیکھا اور ملے نیا کہ اسے کیونک ہی بلایا جائے۔ اس کام کے لیے ہوئی کے اسی درے کو آج وہ کیا گیا کہ اس نے صرف سو روپے لیے۔ آدھے گھنٹے بعد سیاہ کام نرس دتر کہ نیچے آئی اور کیونک کی طرف روانہ ہو گئی۔ کیونک گند سے نالے کے ساتھ تھا۔ حتیٰ ایک آسمانی اور بھی۔ رہا جو شب انتقام سے بھرا ہوا تھا نیز وہ نرس کے زور بازو سے بھی بہ خوبی واقف تھا اس لیے اس نے راست اقدام کیا اور جیسے ہی نرس کیونک کی حد میں داخل ہوئی راجا نے عقب سے اس کا سر لوہے کی دراڑ سے بچایا۔ وہ گمراہ کر گئی اور میں اچھل پڑا۔

"یہ کیا کیا؟"

"دیکھتا رہو۔" راجا نے پہلے نرس کو خود اندر لے جانے کی کوشش کی لیکن وہ اسے کھسکا بھی نہیں سکا۔ پھر اس نے اس کی مدد کی۔ کیونک کا کالا راجا نے اپنی فلاحی سے کھول لیا اور ہم نرس کو اندر لے آئے۔ اسے یہ مشکل اس نہیں پڑا الا جس پر وہ خود دوسروں کو ذاتی رہی ہوگی۔ پھر بیٹ سے اس کے ہاتھ پاؤں باندھے اور آخر میں راجا نے اس کی آنکھوں اور منہ پر مہل ٹھوپ لگا دیا جو بہت مضبوط ہوتا ہے۔ اسے ہوش میں لانے کے لیے انوینا سونگھائی تو وہ

بہ نوک خراج

ہول کتبہ کی جو کتب دینی و دنیاوی کی گنتوں سے بہت زیادہ نکلتا ہے

العیان سینا پوری کے منتخب کتب کا ایک گوشہ

دھرا جم

ایک خطی کتاب پر دو پوشی ستر غلیوں کو ڈال دینی ہے۔ وہ بھی جب تکیش سے پھسلتا تو ہم کی دھل میں توتا پھلا گیا

تخری منوات پر نشور ہادی کا تحریکیہ انداز

ستاروں کا کمنہ

کبھی بھی اپنے مطلوبہ مدد تک پہنچنے کے لیے انسان کو اپنے مرکز سے ہٹنا پڑتا ہے۔ وہ بھی دل میں اور ایسے اپنی بہت سے میاںوں اور اوتہ بار ہاتھا۔ طاہر جاوید مغل کا تقریباً ۲۰۰

ماہوی

قدش حالات، تو بے جاوں کی کتب اور پھر سے نور اہوں کا

عذاب۔ محسن الدین نواب کے کتب کا اتار پڑھا

ستمبر 2014ء کا ایڈیشن ایک نرس

خوبصورت کتابیں کا مجموعہ

سینا پوری

ماہنامہ

مزید

خطی و لکھی کتب

منظومات و شاعری

سرگودھا کی ایک کتب خانہ

کاشمیر سرحد کے خلیفہ نور محمد خاں کٹر سجاد مجدد

سلمہ اندر اور مسجد درہم کی کتب اوروں پر کیا یاں آپ کی مہر

تھے راجا کی شان میں وہ سب کے سب کاظمی شاعت کے ذمے میں آتے تھے۔ جواب میں راجا نے اس کے منہ پر ٹیپ لگا کر پینے سے موجود زخمیوں پر ٹیپ لگا کر اسے خیردار کیا۔ "اب صرف کام کی بات نکلے منہ سے ورنہ پورا جہنم کچھڑتے بھر جائے گا۔"

اس بار اس کی ہمت جواب دے گئی اور جب راجا نے ٹیپ ہٹا دیا تو وہ رو رہی تھی۔ اس نے دوسرے دوسرے ڈاکٹر صاف شکن کے دوسرے کلینک کا پتا بتایا جو خاصے پوشے میں تھے۔ اگلا سوال میں نے کیا۔ "ڈاکٹر اس کلینک میں کیا کرتا ہے؟"

"لوگوں کے دانت نکالتا ہے۔" وہ بولی۔

"تہوٹ مست ہو لو۔"

"میں سچی کہہ رہی ہوں، وہ خراب کے ساتھ ٹھیک دانت بھی نکالتا ہے۔ اس کلینک میں وہ بہن کا کام کرتا ہے۔"

"کیسے دانت نکالتا کرتا ہے؟"

"میں نہیں جانتی۔"

"وہ ہم ڈاکٹر سے پوچھ لیں گے۔ یہ بتاؤ کہ تم اس کے لیے کیا کرتی ہو؟"

وہ آسانی سے ہاتھ پر آواز دینے لگی مگر جب میں نے اس کا منہ دیا تو وہ راجا کے ٹیپنگ مین کی تو وہ آواز دینا۔ کلینک چلتا ہی کی وجہ سے تھا۔ وہ دانتوں کے مریضوں سے راجہ کرتی تھی اور انہیں یہاں بلواتی تھی۔ اس کا تیل نہیں چلتا تھا۔ جب کئی مریض تھے تو وہ دانتوں کے مریضوں کے ساتھ ایک ساتھ ان لوگوں کے خراب دانتوں کے ساتھ ٹھیک دانت بھی نکال کر لے جاتا تھا۔ ایک بار دانت نکال کر وہ ان دن یا پچھلے ہفتے کے لیے ثابت ہو جاتا تھا اور بے چارے دانت زنی کا ظلم چکر لگا کر ملے جاتے تھے۔ راجا کی بات درست ثابت ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر یہاں صحیح دانت نکال کر دوسروں کے منہ میں منت کر رہا تھا اور یقیناً وہ اس کی انہی خاصی نہیں لیتا ہوگا۔ میں نے نرس کے لیے بیادہ کی بیب سے سو بائیں نکالا تھا اور ساتھ میں چابیوں کا گچھا تھا مگر کوئی رقم نہیں تھی۔ مگر جب راجا نے ہمارے ملائی لی تو اس کے خفیہ دانت سے رقم بھی برآمد ہو گئی۔ یہ لوگوں کا لپٹا ہوا دانت تھا جس میں خاصی رقم تھی۔ راجا نے اسے اپنی جیب میں رکھا۔ اس کے منہ پر وہ پہلے ٹیپ لگا چکا تھا۔ وہ نہیں رہی تھی مگر کچھ کر نہیں سکتی تھی۔

ہم باہر آئے اور میں نے راجا سے کہا۔ "اب کیا کرتا

ہے؟"

"ڈاکٹر کے کلینک چلتا ہے۔" اس نے کہا۔

"وہ اس وقت کلینک پر نہیں ہوگا۔"

"تب اسے وہیں بلا لیتے ہیں۔" راجا نے کہا۔ "میں

نرس کا پچھنے پانس جسکی آواز کی نقل دے رہی ہوں۔"

"ہاں کیونکہ تیری اپنی آواز بھی مکمل اتنی عیا

ہے۔" میں نے تیرے کی نو راجا نے گھورا اور نرس کے سو بائیں

کا مطالبہ کیا۔ میں نے اس شرط پر دیا کہ وہ واپس کر دے

گا۔ راجا نے سر ہلایا اور سو بائیں میں موجود ڈاکٹر صاف شکن کا

نمبر نکال کر نرس کی ایسی آواز نکالی کہ میں دنگ رہ گیا۔ زندگی

میں کلینک پر بھیجے احساں ہوا کہ راجا اداکاری کر سکتا تھا۔ وہ

تباہ طور پر پہلے فلم اور اب فی دنی انڈسٹری میں جانے کے

لیے مریا رہا تھا۔ اس نے یہاں صداکاری کے ساتھ

اداکاری کے پورے بھیجے اور ڈاکٹر کو آمادہ کر لیا کہ وہ

اپنے کلینک آئے۔ یہ ٹھیک وہ اسے ایک نہایت اہم اعلان

دینے آ رہی تھی۔ نرس نے راجا کے سر سے کہا۔

"وہ آ رہا ہے، گاڑی کے تیرے پاتھ بائیں ہوں۔"

بائیں بائیں آواز کی نذر ہوئی تھی اور میں ایک بار

پھر وہی پیدل چلی تھی۔ ہر حال ایک دیکھنے سے ہمیں اقرار ہوا

کہ اس کی رفتار سے ڈاکٹر صاف شکن کے کلینک پہنچ رہا تھا اور

رات کے وقت تک کرنے کا حرج نہ لے کر پچھلے سال کے

سے ایک سو ایک توپوں کی سلامی دیتا ہوا ردائے ہو گیا۔ اس

کے جانے کے بعد بھی کچھ دیر کاغذوں میں اس کا شور مچا رہا

رہا۔ ڈاکٹر کا کلینک ایک مالی شان پارٹنٹ کے گراؤنڈ

اور فرنٹ والے طبقہ میں تھا اور اس میں آمدورفت کا راستہ

بھی الگ تھا۔ ہند گیٹ سے ظاہر تھا کہ ڈاکٹر ابھی تک نہیں

پہنچا ہے۔ میں نے راجا سے پوچھا۔

"اب اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے وہی نرس

والا؟"

"بائیں۔" راجا نے پھر عزم انداز میں راڈ ٹیرا۔

"آج یہ دوسرا سر پھانڈے کی۔"

"جیسے تیرا دانت دالیں ایسے لگاتا ہے ایسا نہ ہو کہ

خود اس کے ساتھ کیس ہو جائے، تیری ضرب قلم اسے

بھدوب کر دے۔"

راجا گھر مند ہو گیا۔ "تو خدیک کہہ رہا ہے۔"

"یہ راڈ میرے حوالے کر دے۔" میں نے کہا تو

راجا نے راڈ مجھے حمادی۔ اب میں نے اسے بتایا کہ اسے کیا

کرتا تھا۔ اسے سمجھا کر میں خود پاس کی ایک پھولدار میں کے

دندان شکن

"وہ صوفی تو ایک دوسرے کیلک میں پڑی ہے۔" میں نے کہا۔ "تمہیں اس صوفی نے بلایا تھا۔"
"ڈاکٹر صاحب جلدی آئیں۔" راجا نے صوفی کی نقش اتاری تو ڈاکٹر کی آنکھیں پھیل گئیں۔
"کیا جانتے ہو؟"

ڈاکٹر کو خلیل کر ایک کرسی پر بٹھا دیا تھا پھر راجا نے اسے ٹیپ کی مدد سے کرسی سے باغداد اور یکن ٹیپ اس کی آنکھوں پر لگا دیا۔ میں نے ترس کے سوبال کا گیسرا آت کر کے ایک طرف دھک پاد اور ڈاکٹر سے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ یہ کیا چکر ہے۔ ایک طرف تم نے اس غریب کی جگہ کیلک کھوا ہے اور صرف پچیس روپے میں تو کون کے دانت نکال رہے ہو۔"
"نکال دیا جانے والا ہے مگر یہ بھی نہیں لیتے۔" راجا نے تقر لیا۔ "اس پر ہم بھی ہنر چرب سے کھاتے ہو۔"

"کیا تمہاری کے بدلے تم میری من کے خراب دانت کے ساتھ ساتھ اس کا ایک بافل ٹھیک دانت بھی نکال لیتے ہو۔" میں نے کہا۔ "دوسری طرف یہ تمہارا مالی شان کیلک ہے یہاں تمہاری نہیں ہی جیتنا ہزاروں میں ہوگی اور دانتوں کو ہاتھ لگانے کے عوض بھی تم ابھی خاصی رقم وصول کر لیتے ہو گے۔"

"مجھے تسلیم ہے کہ ایک دانت مجھ سے لٹھی سے نکل گیا۔ لیکن کرو یہ صرف غلطی تھی۔" اس نے ٹھکایا کر کہا۔
"میں کھانی کے لیے تیار ہوں۔"

"وہ بھی کرو گے لیکن پہلے میرے سوالوں کا جواب دو۔ تم لانے گئے تھے دانتوں کا کیا کرتے ہو؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے بھوٹ بولا چاہا۔ "میں نے بتایا کہ اس کا دانت غلطی سے نکل گیا تھا۔"

"یہ اس طرح نہیں مانتے گا۔" میں نے راجا کی طرف دیکھا۔

"لگتا ہے اس کے ساتھ بھی صوفی والا ٹریسٹ کرنا پڑے گا۔"

کیلک میں چھری موجودگی لازمی تھی۔ ایک چھوٹا سا جاتو بھی مل گیا۔ راجا نے پہلا کٹ لگا کر اس پر چھری چڑکا تو ڈاکٹر نے ناک سے ایسی تھن مادی تھی کہ اس پر چھری پڑے۔
راجا نے کہا۔ "اس کی ناک بھی بند کرنا پڑے گی۔"

"احسن پھر یہ سانس کیسے لے گا۔"

ڈاکٹر صرف کلن نام کے برعکس قلم سے چھوٹے دل کا تھا۔ دوسرے کٹ نے اس نے ناک سے دھاڑیں مار کر رونا

پیچے روپوش ہو گیا۔ وہاں خوشبو تھی مگر ساتھ ہی بھروسہ اور دیگر حشرات الارض بھی بہت تھے۔ وہ سب کانٹے کے ساتھ کلاسیک راگ بھی اتاپ رہے تھے۔ یہ قلم میرا آزما مراحل تھے اور میں دے رہے پر مجبور تھا۔ راجا حیرے سے فٹ پاتھ پر ہوا خودی کر دیا تھا۔ ڈاکٹر بہت دیر سے آیا، اس وقت تک پھر اور دوسرے خون آشام کیڑے میرا کوئی ایک کیڑا خون لیا چکے تھے۔ میں مسلسل حالت جنگ میں تھا۔ راجا مایوس ہو کر وہیں فٹ پاتھ پر لیٹ گیا تھا۔ اس لیے میں ڈاکٹر کی آدھ کا ذرا دیر سے پتا چلا۔ اس کی بے آواز کارہ کی اور اس سے دتر کر ڈاکٹر کیلک کی طرف بڑھا۔ راجا اٹھ کر اس کے پیچھے لگا۔ "ڈاکٹر۔۔۔"

"معاف کرو بابا۔" اس نے رکھائی سے کہا۔ "آدھی رات کو بخش دیا کرو۔"

مگر راجا کے پاس راز ہوتی تو وہ یقیناً ڈاکٹر کے مہذب ہونے کی پروا کیے بغیر اس کے سر پر آزمایا۔ اس سے پہلے وہ غصے میں آ کر کام خراب کر دیا، میں ان کے عتب میں پہنچ گیا اور راز کی ٹوک ڈاکٹر کے گردے پر لگا کر کہا۔
"آدھی رات کو آنے والے ہی تو نہیں بخشتے ہیں۔ خبردار ہلتا مت ورنہ گولی آ رہا ہو جائے گی۔"

راجا نے پھرتی سے اس سے چاہیاں چھین لیں۔ اس نے کیلک کا ٹالا کھولا اور ہم اندر آئے۔ یہ خاصا بڑا اندر شاندار کیلک تھا جس میں دندون سازی اور کھانی کے تمام جدید ہونڈ اور مشینیں دستیاب تھیں۔ ڈاکٹر ساکت تھا اور اس نے کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی۔ مجھے کوئی چٹانی پڑی۔ راجا نے باہر والا دوا دوا لاک کر دیا اور کھڑکیوں پر دھندلا پلاٹنڈ گرا دیے تھے، اب باہر سے کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ اندر کوئی ہے۔ اسے بھی آن کر دیا اور تب میں نے راز نکال کر ڈاکٹر کو دکھائی۔ اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا اس لیے وہ مجھے نہیں پہچانتا تھا۔ البتہ راجا کو اس نے کچھ دیر بعد شناخت کر لیا۔ "تم۔۔۔ تم وہی ہونا جس کا۔۔۔"

"تم نے ایک دانت اضافی نکال لیا تھا۔" راجا نے اسے پھرتی سے تھپڑ مارا، ڈاکٹر صورت سے معزز لگ رہا تھا اور غالباً خود کو معزز سمجھتا بھی تھا اس لیے تھپڑ پر اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس نے خون کے گھونٹ پی کر پوچھا۔

"کیا جانتے ہو تم۔۔۔ صوفی کہاں ہے؟"

"کون صوفی؟"

"جس نے مجھے کال کر کے بلایا تھا۔"

شرع کر دیا۔ اب وہ زور شور سے سر چلا رہا تھا۔ میں نے راجا کو روکا۔ "ایک منٹ شدید یہ مان گیا ہے۔"

"اتنی جلدی مان گیا۔" راجا نے مایوسی سے کہا۔ "یہ تو اسی صورت سے بھی کیا گزرا ہے۔"

میں نے اس کے منہ سے نیپ اتارا۔ اس نے کراہتے ہوئے کہا۔ "جاتا ہوں، وہ خدا کے لیے وہ اب مزید کچھ مت کرنا۔"

ڈاکٹر صف فکس نے کسی قدر تذبذب کے بعد تسلیم کر لیا کہ وہ جان بوجھ کر مریضوں کے اخلاقی دانت نکالتا تھا۔ یہ دانت وہ اس کلینک میں آنے والے مریضوں کو لگاتا تھا۔ دانت ایک جدید تکنیک سے لگائے جاتے تھے۔ جس میں یہ بغیر جڑ کے ہمیشہ کے لیے تیشی میں لٹ ہو جاتے تھے۔ کیونکہ دانت اصل ہوتے تھے اس لیے ڈاکٹر ان کی بہت ہماری قیمت وصول کرتا تھا۔ آپریشن اور دوسرے اخراجات الگ ہوتے تھے۔ میں اور راجا جن کو دنگ رہ گئے کہ وہ ایک دانت کے ایک سے زیادہ لاکھ روپے تک وصول کرتا تھا۔ جن لوگوں کے پاس بے شمار دولت تھی ان کے لیے لاکھ روپے لاکھ کچھ نہیں تھے۔ ڈاکٹر غریبوں کے کلینک سے لوگوں کے دانت نکال کر یہاں امراء کے کلینک میں لگاتا تھا اور یقیناً ان لوگوں ہاتھوں سے نکال رہا تھا۔ راجا یہ سن کر جھپٹا ہوا گیا تھا اس نے قہقہہ کر پوچھا۔

"اور طبیعت آدمی تو نے یہ ادا دانت کتنے میں دیے ہیں؟"

"ابھی تو نہیں بیوہ دکھا دیا ہے نہ" اس نے جلدی سے کہا۔

"ڈاکٹر اب تمہاری جان بخشی کی ایک ہی صورت ہے میرے دوست کا دانت انہیں لگاؤ اور اس کا جو خراب دانت نکالو تھا اس کی جگہ بھی دوسرا دانت لگاؤ تو ہم خاموشی سے وانچا بیٹھ جائیگا۔"

"دوست میرے ساتھ تیرے کلینک کا بھی ملنا کر جائیگا۔"

"راجا نے اسے دھمکی دی۔ ڈاکٹر ڈر گیا مگر وہ دوسرا دانت لگانے کو تیار نہیں تھا۔

"وہ میرا کہاں سے لائوں؟"

"انہیں سے بھی۔" میں نے کہا۔

"یہ آسان کام نہیں ہے، پہلے دانت نکال کرنا پڑتا ہے پھر چیزے کا انیسرے ہوتا ہے تب تک جا کر آپریٹ کر کے میں دانت فکس کرتا ہوں۔ یہاں انیسرے کیسے کروں؟"

"مشین تو ہے۔" میں نے کہا۔ "اور تمہیں ایک آدمی

کی مدد کی ضرورت ہوگی تو میں ہوں نا۔ اس تم اپنا کام کرو۔"

ڈاکٹر باؤلی نا خواستہ راضی ہوا۔ میں نے اسے کھولا اور وارننگ دی کہ اس کی کسی غلط حرکت یا چلانے پر میں

لوہے کی داؤد استعمال کرنے میں ذرا پس دہیں گے کام نہیں لوں گا۔ نمونے کے طور پر میں نے اس کی میز پر دو ٹیبلٹس آف جیبرن کی بنی کھوپڑی توڑ دی جو تیشی دکھا رہی تھی۔

"اس سے زیادہ آسانی سے تمہاری کھوپڑی ٹوٹ جائے گی اگر تم زندہ بچ بھی گئے تو امکان ہے کہ مجھ کو ہوجاؤ گے۔"

وقت سے زیادہ مجھ کو بھڑوب ہونے کے امکان نے اسے سہا دیا اور اس نے یقین دلایا کہ وہ کوئی غلط حرکت نہیں کرے گا۔ اس کے بعد اس نے سب سے پہلے راجا کے

چیزے کا کئی ڈاویوں سے انیسرے لیا۔ جب اس نے اس کا دانت نکالا تو میں نے دیکھ کر راجا سے کہا۔ "اس میں بھی تو اتنی ہی خشکی نظر آ رہی ہے جتنا کہ نازل میں دکھائی دیتا ہے۔"

راجا نے پراسنایا اور بولا۔ "تیرا شاؤلی کا نوٹو اس سے زیادہ خشکی آئے گا۔"

"اسے تیری زبان مبارک کرے۔" میں نے دانت نکالے۔ "خشکی ہی تھی تو توڑ آئے۔"

ڈاکٹر صف فکس نے صف بندی کی یعنی آپریشن کی تیاری شروع کی اور اپنا خزانہ نکالا۔ یہ بہت تھکن سے

انیسرے کی نرے میں سے ہوئے موتیوں جیسے دانت تھے ان میں راجا کا ذاتی دانت بھی شامل تھا۔ نہ جانے اس پر سے

پان مٹکے کے داغ صاف کیوں پڑے تھے۔ راجا کو بھی شک ہوا کہ یہ اسی کا دانت ہے۔ مگر ڈاکٹر نے تصدیق کی کہ یہ اسی کا

دانت ہے پھر اس نے چمک کرٹا اور دوسرا دانت نکالا اور حسرت سے بولا۔ "یہ لم سے کم از حد لاکھ کا ہے آپریشن سمیت اس کی گلسنگ دو لاکھ تک میں ہوتی ہے۔"

میں نے راجا کو مبارک باد دی۔ "زندگی میں پہلی بار تیرا خرچ لاکھ سے اوپر گیا ہے۔"

ڈاکٹر نے مجھے سمجھایا کہ مجھے کیا کیا کرنا تھا۔ میں اس کی محاضرت کرنے لگا۔ اس نے سب سے پہلے راجا کو ایک

انکشن لگا کر تھرا ہا ہے ہوش کر دیا پھر اس کا سر ایک کھینچے میں جکڑ دیا اور دوسرے کھینچے نے راجا کا منہ کھول دیا۔ اب

ڈاکٹر آرام سے اپنا کام کر رہا تھا۔ میں اس کی ہدایت کے مطابق اسے اوزار اور دوسری چیزیں اٹھا کر دیتا رہا۔ اس نے خاصی جبر بھاڑ کی اور راجا کا خون جو دیکھنے میں سرخ تھا

تھا خاصا بہا تھا مگر ڈاکٹر نے مجھے تسلی دی تھی کہ یہ معمول کی بات ہے۔ کچھ چیزوں کی مدد سے اس نے دونوں دانت فکس

دندان شکن

دیا ہے کہ ذاتی طور پر حاصل کیے ہوئے مال میں دوسرے کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔"

اس کے بعد راجا کی امت نہیں ہوئی کہ وہ مجھ سے مزید پوچھتا، اسے خطرہ تھا کہ میں اپنا حصہ لینے پر تہمت لگاؤں۔ اس لیے وہ جلدی سے ہاتھ ملا کر چلا گیا۔ میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ "بہا خوش رہ اپنے خرچے پر جب تک رہ سکتا ہے۔"

اگر راجا کو پتا چل جاتا کہ اس وقت میری جیب میں پچاس ہزار روپے ہیں تو وہ نیب سے جوتک کی طرح چٹ جاتا۔ میں نے ڈاکٹر صنف قلعن کے سامنے صوفی کے موبائل میں ریکارڈ ڈیٹا لیا، ویڈیوز رکھیں اور اس سے کہا۔ "تمہارے سامنے دو راستے ہیں، ایک تو میں اس ویڈیو کو انٹرنیٹ پر شیئر کر دوں اور دوسری چھپاؤں کو بھیج دوں۔"

"خدا کے لیے ایسا مت کرنا، میں برباد ہو جاؤں گا۔" اس نے نکال پڑا۔

"دوسری صورت یہ ہے کہ تم مجھ سے یہ موبائل خرید لو۔" ڈاکٹر کے پاس دوسری بات مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ ہم بڑائی اسے فی ایم گئے جہاں ڈاکٹر نے مجھے پچاس ہزار نکال کر دیے اور موبائل لے لیا۔ میں خوش تھا کہ شنو کا لوٹ طریقہ ہونے سے بچ گیا تھا مگر میں اسے واپس نہیں کر سکتا تھا ورنہ وہ عیار حسین بھٹپ جاتی کہ میرے پاس بڑائی آیا ہے بھی اسے پانچ سو روپے کر دیا ہوں اور میں ان پچاس ہزار کی شنو کو بھٹک بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ اگلے دن میں سو رہا تھا کیونکہ ابھی میری صبح نہیں ہوئی تھی، یہ اور بات ہے کیا ماں ہر دس منٹ بعد وقت کا اعلان سنوا تو اس کے ساتھ کرنٹ نہیں تب موبائل نے تیل دی۔ یہ راجا کی کال تھی اور وہ دہرائی، اور کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا ہوا خداوندہ خواست تو یہ تم تو نہیں ہو گیا۔"

"اللہ تعالیٰ زبان مبارک کرے۔" راجا نے زار و تھار دوتے ہوئے کہا۔

"پھر کیا ہوا، کیوں صبح رو کر ٹوسٹ پھینک رہا ہے۔" "کل رات گھر جاتے ہوئے چائی چے یا سے سامنا ہو گیا تھا۔" راجا نے کہا اور پھر دہرائی، مارنے لگا۔ اس سے آگے کی بات سمجھنا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ میں نے چشم تصور سے دیکھا کہ چائی چے نے بلا تلف باجھ چلا دیا ہوگا اور راجا ایک بار پھر اپنے دونوں دائروں سے محروم ہو گیا ہوگا اور اس بار یہ محرومی ہمیشہ کی تھی۔



کیے اور آخر میں دانتوں پر ایک ایسی کیب چڑھا دی جیسی کہ ہانسر مقابلے کے دوران دانت بچانے کے لیے پہنتے ہیں۔ پھر اس نے راجا کو یکے بعد دیگرے کئی انگلیشن دیے اور مجھ سے کہا۔ "یہ ایک گھنٹے میں ہوش میں آجائے گا۔"

"ٹھیک ہے تب تک ہم ڈاکٹر کو کھنکھرتے ہیں، ڈاکٹر میرے پاس نہیں دیکھانے کے لیے کچھ ہے۔"

میں اور ڈاکٹر آفس میں آگئے تھے۔ راجا کو ڈاکٹر تاخیر سے یعنی سوا گھنٹے بعد ہوش آیا تھا اور اس کے حواس بحال ہونے میں مزید پندرہ منٹ لگے تھے۔ جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو ہم وہاں سے نکل آئے۔ ڈاکٹر نے راجا کو تین دن تک نرم غذا کھانے اور گھٹکے سے پرہیز کا کہا تھا۔ وہ خاصا رنجیدہ تھا۔ راجا نے باہر آ کر بندھن کے ساتھ ایک گٹا ہوا تہجد لگا یا اور بول۔ "کیسا کیا سائل کے ساتھ، تو جیسا من نکل آیا تھا۔"

کیونکہ اس وقت رکشا کیسی لٹے کا امکان نہیں تھا اس لیے ہم نے پیدل مارچ شروع کیا۔ راجا بہت سرور تھا۔ لیکن جب میں نے نرس کے پاس سے ملنے والے کیش کی بات کی تو اس کا موڈ خراب ہو گیا۔ "اس کی بات کیوں کر رہا ہے، ابھی مجھے وہ ایسا لگتی ہیں اور نرم غذا کھانی ہے۔"

"راجا چالاک مت کرو وہ خامی رقم تھی، میں نے خود ہزار اور سرخئی لوٹوں کی بھٹک دیکھی تھی۔ اس میں سے کچھ نکال۔"

"یہ مجھے ذاتی کوشش سے ملی ہے۔" راجا نے ڈھٹائی سے کہا۔ "تو نے بھی تو اس کا موبائل نکالا تھا وہ بھی بھنگا والا ہے۔"

"موبائل میں وہ لین کر آیا ہوں ڈاکٹر اسے دے دے گا۔" راجا نے کہا۔ "تو جانتا ہے میں نے چھوٹی چھوٹی دی ہے۔"

"یہ بھی تو چوری کا مال ہے۔" راجا نے عیاری سے کہا۔ "تمہ پر حرام ہے۔"

"حرام تمہ پر ہے لیکن تو اگر مجھے دے دے گا تو یہ میرے لیے حلال ہوگا۔"

مگر راجا ہمیشہ کی طرح کینڈا بہت ہوا تھا۔ رقم آتے ہی اس کی آنکھیں بدل جاتی تھیں۔ "میں اس میں سے ایک روپیہ نہیں دوں گا اور تو نے کیا واقعی موبائل اسے دے دیا ہے۔"

"تیرے خالی سر کی قسم۔"

"جیل تو نے کوئی چکر تو نہیں چلایا ہے نا۔" راجا منکوک ہو گیا تھا۔

"اگر چلایا بھی ہے تو تجھے کیا تو نے ابھی خود ملے کر

الاسم الرباعي

[illegible]

تفسير القرآن الكريم

میں نے بھی توجہ نہ دی۔
میں نے اسے دیکھا اور اسے پہنچا دیا۔
میں نے اسے دیکھا اور اسے پہنچا دیا۔
میں نے اسے دیکھا اور اسے پہنچا دیا۔

”قیم خرید باغیچے ہاں
مطلوبہ رہا۔ چاہدہاں اتھا
ہے۔ تمہیں کوئی مطلب ہوگا
میں غصہ ہے جس طرح ہوا اس
اور جس کی وجہ سے جس
ان لفظ سے جس
چراغ اٹھا۔“



اچانک پیٹ کا دم پر نظر آگیا ہے۔ خدا حافظ۔"

میں نے کہا اور میری سبب میں جتنے پیسے تھے، وہ میں نے شکریہ کے ہاتھ میں تھا دیا۔

ٹرین ویر سے دھیر سے رفتار بڑھانے لگی، پلیٹ کا دم ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ میں اترا اور چند قدم دوڑتا رہا تاکہ گر نہ پڑوں۔

میں فوراً پلٹا... وہ دونوں مجھے مسافروں کے انہم میں کھڑے نظر آ گئے۔ وہ ریلوے کے کسی اہلکار سے باتیں کر رہے تھے، پھر آگے بڑھے۔ میں بھی ان کے تعاقب میں آگے بڑھا۔ لڑکے کے ہاتھ میں بڑا سا سوٹ کیس تھا جبکہ ٹرکی نے چھوٹا سا شوئرز بگ اٹھا رکھا تھا۔

دونوں ایک ایک پیرس ٹرین کی سلپریز کی میں سوار ہو گئے۔ یہ ایک پیرس ٹرین لاہور جا رہی تھی۔ میں بھی ان کے پیچھے ٹرین میں سوار ہو گیا۔ ٹرین کی روانگی میں شاید ابھی کچھ وقت باقی تھا۔

دونوں راہ ادری سے گزرتے ہوئے اپنے مظلوم سلپریز کی پارٹنر میں داخل ہوئے تو ان کے پیچھے میں بھی تیزی اندر گھس آیا اور عقب میں ساؤنڈنگ ڈور ایک نکلے سے بند کر دیا۔

دونوں ابھی اپنا سامان رکھ رہے تھے کہ دروازہ بند ہونے کی آواز پر چونک کر مڑے۔ دونوں کی ایک وقت مجھ پر نظر پڑی اور گویا دونوں ہی مجھے پہچان کر بڑی خرابی ہو گئے، مجھے پہچانتے کے بعد دونوں کے چہروں پر مختلف جراثیم رونما ہوئے۔

لڑکا تو مجھے اپنا حصہ کے روپ میں پہچاننے کے بعد ایک خوشگوار سی حیرت میں چھا تھا کہ اس کی سامنے ٹرکی مجھے دیکھتے ہی خوف زدہ ہی نظر آئے تھے۔

"تمہیں..."

"ہاں، میں..." میں نے لڑکی کی طرف نمودار کے انداز میں دیکھ کر کہا۔ جبکہ ٹرکی کو اس بات پر حیرت ہوئی کہ اس کا سامنے لڑکا مجھے پہچانتا ہے۔

"تم دونوں آدمی سے بیچ جاؤ۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔" میں نے اس ہارڈ ٹرکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تو... تم وہی ہو نا... جس نے کھانا والی کے ایک سی سی جلیے میں پھنسی ہوئی میری کار..."

"ہاں، میں وہی ہوں، اور اس ٹرکی کی سزا بھی بھگت رہا ہوں۔" میں نے اس کا جھل پورا ہونے سے پہلے کہا اور

ساتھ ہی کچھ سی نظروں سے اس کے قریب سیٹ پر سٹری سٹی بیٹھی ٹرکی کو دیکھا۔ مجھے اس کی آنکھوں سے شرمندگی اور انہماک کے بے جا تاثرات مترشح ہوتے محسوس ہوئے۔ میں نے اس کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے طریقہ بتایا۔ "اس ٹرکی کی ایک اندھی ہم جوئی کے باعث تم سے کی گئی میری ٹرکی الٹا میرے گلے آنا پڑی ہے۔ یہ تمہاری کیا سزا ہے؟"

"یہ میری سنگت ہے آسید اور میرا نام ملک ریحان ہے۔" وہ ایک گہری سانس لے کر بولا۔

اس کی بات پر مجھے ایک جھٹکا لگا۔ کیونکہ جس ٹرکی نے وہی ہمیشہ پر سو فیصد ادراک کی فوج اور ویڈیو کھپا رکھائی تھی، اس کی آنکھ پر من کے مطابق اس خولی ادراک کی اپنے سٹیل پر فوج لانے والی ٹرکی کا نام خولہ بنایا گیا تھا۔ جو شگفتہ راجا کی سنگت اور متان کے بڑے فریڈرچ جوہری الف خان کی اگلی بیٹی اور ممتاز خان کی بہن تھی۔ بات تعجب اور حیرت کرنے والی تھی۔ کیا بات میں نے فوراً اس سے پوچھی۔

"اور ٹرکی میں ہی تھی، خولہ نہیں۔ تم نے یقیناً مجھے پہچان لیا ہو گا؟" میں نے اشارات میں اپنے سر کو جنبش دی۔ انہوں نے اپنی بات آگے بڑھائی۔ میں اس ابھی کھپا کو سلجھانا چاہتا تھا۔ اس لیے میری پوری توجہ اس ٹرکی پر مرکوز تھی۔

"میرا نام آسید ہے۔ میں ایک نل کلاسی گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ ملک ریحان میرے سنگت تھے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور لو میرج کرنا چاہتے ہیں۔ درحقیقت اس بات کا بعد میں مجھے بھی احساس ہوا تھا کہ اس فوج کو آشکارا کرنے سے پہلے میں اپنے طور پر تھوڑی بہت تصدیق کر لیتی مگر مجھے اس کا موقع ہی نہ ملا، ہمارے چھیننے کے ڈائریکٹر یا سین ملک اسے فوراً نشر کرنا چاہتے تھے۔ وہ میڈیا کی اس اندھی اور باقاعدہ روڈ میں آگے لٹکا چاہتے تھے، حالانکہ میں نے ان سے تم کو ڈاؤن کر کے کو کہا تھا کہ وہ نہ مانے۔ مجھ سے بھی غلطی ہو گئی کہ میں نے اس کا تذکرہ جوش میں نہ کر ان سے کر ڈالا تھا۔

"بہر حال اب جو انہوں نے دیکھا کہ میں ڈکچا ہٹ کا مظاہرہ کر رہی ہوں تو انہوں نے میرے علم میں لانے بغیر اس سنگت خیر کو سب سے پہلے اپنے ٹی وی چینل سے نشر کرنے کے جنون میں ایک غلط قدم اٹھالیا۔ سوئے اتفاق... نیوز روم کی ایچ بی جی مس سفید... چودھری

نگاہ سے دیکھا۔ ”گو یا تم لوگوں کو صرف خبر کی جندی ہوتی ہے، حقیقت کیا نہیں۔“ یہ کہتے ہوئے میں نے ہا آخراصل حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ اور اس ”آگاہی“ کو صرف اس حد تک ہی محدود رکھا جس حد تک میرا خبر سے تعلق تھا۔

”اومائی گا! ایہ میں نے کیا کر دیا۔“ حقیقت جان لینے کے بعد آسیہ باقاعدہ پشیمان سی ہوئے گی۔ ”اگر یہ سچ ہے تو واقعی میں نے ایک بڑی ہیما تک لٹھلی کر ڈالی اور اپنے پروفیشن کے معافی کا کام کیا ہے۔“

”پاپا آسیہ صاحبہ! کیا سچ ہے کہ وہ قتل میں نے یا میرے سانسی نے نہیں کیا تھا۔“ میں نے مسکھم لہجے میں کہا۔ ”تمہارے منگیتر کی کارجلوں میں بیٹھنے سے ساری کہانی کی ابتدا ہوئی تھی اور اس پاداش میں راجا شہقت نے اس معمولی بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر ہم سے دشمن مولیٰ اور اپنے مسئلہ کارندوں کے ذریعے ہمیں پرغال بنا کر اپنی دھنک میں لے گیا۔“

میرا بات سن کے ریحان بھی غور سے نظر آنے لگا۔ وہ لوں ہی خبروں کی طرز میں سے سامنے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

میں نے ایک گہری سانس لی پھر ریحان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ”تمہاری ماں کی طبیعت اب کیسی ہے؟“ اس نے نہایت متون بھرے لہجے اور شرمندہ سی نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری وجہ سے ہی میری ماں کی جان بچ گئی تھی دوست! اس کی حالت بہت خراب تھی، اگر مجھے مزید دیر ہو جاتی تو...“ وہ آگے کہنے کی ہمت نہ کر سکا۔

”خدا کا شکر ہے۔ اللہ نے تمہاری ماں کو زندگی عطا کی، شکر ہے میری تر بانی ضائع نہیں گئی۔“ میں نے دیکھے لہجے میں کہا۔

اسی وقت ٹرین نے دسل دی۔ میں چولا۔ میرے پاس ٹکٹ نہ تھا۔ میں بے یمن سا ہو گیا۔ میری بے یمنی بھانپتے ہوئے ریحان مجھے تسلی دیتے ہوئے بولا۔

”گلز نہ کرو دوست۔ تم اب ہمارے ساتھ چلو گے اور اس وقت تک ہمارے ساتھ رہو گے جب تک آسیہ... اپنے وید یو کلب کی باقاعدہ تردید کا کوئی بندوبست نہیں کر دیتا۔“ اس کی بات پر مجھے پتہ چلی ہوئی ٹرین نے دوسری دسل دی اور حرکت میں آگئی۔ میں نے سیٹ سے کمر ٹیک دی اور سر بھی اٹھا کر تھکے تھکے انداز میں آنکھیں موند لیں۔ میرے کانوں میں ان دونوں کے دھیمے لہجے میں

اتھ خان کی یمن خولہ کی پرانی اور گہری دوست ہے۔ وہ اکثر وہاں آتی جاتی تھی۔ وہ نظربا سادہ مزاج ہے۔ اپنے سونے پر پھونکے چھوٹے دلچسپ اور کامیڈی ریکارڈ کرنا اس کی باپنی تھی۔ میڈم سفینہ جس پر دو گرام کی اچھا رچ تھی، اس میں ”دوست کلب“ کے عنوان سے اس طرح کی مختصر وید یو کلب تفریح کے لیے دکھائی جاتی تھیں۔ بس وہیں جلد بازی اور میری ہلکا ہٹ کے باعث یا مین کلب سے لٹھلی ہو گئی۔ یا میڈم سفینہ سے کہ میرے ”پرو فائل“ کے بجائے خولہ کا ”پرو فائل“ مذکورہ کلب کے ساتھ چل گیا۔ بعد میں جتا چلا تو میں نے احتجاج کیا اور میڈم سفینہ کے ذریعے خولہ سے بھی معذرت کر لی گئی، بعد میں اس کی تردید بھی آگئی تھی۔ جو شاید تمہاری نظروں سے نہیں گزری ہو گی۔“

وہ اتنا پتا کر خاموش ہو گئی۔ میں بے اختیار ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ یہ کوئی اتنا بڑا ایڈیشن تھا۔ اصل مسئلہ تو اپنی جگہ جوں کا توں موجود تھا... اور پھر آسیہ کی طرف دیکھا جو میری طرف ہی... کئے جا رہی تھی۔ ”آپ مجھے صرف اس سوال کا جواب دیں کہ آپ نے مجھے ایک خولہ قاتل ثابت کرنے کے لیے وہ وید یو کلب میڈیا میٹرز کو جاری کی تھی۔ کیا آپ نے مجھے یہ غور خاطر اب یا ٹکا کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا؟“

میرے اس چھتے سوال پر وہ کچھ گڑبڑائی مگر بظاہر فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔ ”کیا وہ قاتل آپ نے نہیں کیا تھا؟ میرا مطلب ہے رچ خان کے لیے راجا شہقت کا قتل تم نے نہیں کیا تھا؟“

”آپ پہلے میرے سوال کا جواب دیں۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ گڑبڑائے ہوئے لہجے میں بولی۔ ”اس وقت پروفیشن کچھ ایسی تھی کہ...“

”کیا تم یہ بھی نہیں سمجھ سکتی کہ تم تین مسلح لوگوں کی آن دی اسٹریٹ وید یو بنا رہی ہو، وہ اگر اس قدم وحشی قاتل ہوتے تو تمہیں بھی فائرنگ کر کے ہلاک کر سکتے تھے۔“

”میرا خیال ہے آسیہ سے واقعی ایک بڑی ہیما تک لٹھلی ہو گئی ہے۔“ اس بار اس کے متحیر ریحان نے مداخلت کی۔ ”یہ اس وقت اتفاق سے ان کے سیاسی جنوس کی لائیو کورنگ وید یو کے سلسلے میں دہیں گئی۔ اور یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ میں بھی اپنی ہمار ماں کو کار میں لیے وہاں سے گزر رہا تھا۔“

ہاتھ کرنے کی آوازیں آتی رہیں۔ اس کے بعد ریحان اٹھ کر میرے قریب آن بیٹھا اور دوستانہ انداز میں اپنا ایک ہاتھ میرے کندھے پر رکھ دیا۔ میں نے اپنی آنکھیں کھولیں رہیں اور ہونٹوں کی ہچکت کو گھورنے لگا۔

”میں نے رفتار بگڑ لی تھی۔ سانسے والی سیٹ پر پشیمان ہی بیٹھی آسپہ بھی میرا ہونٹوں کی ریحان کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”دوست! ہمیں تھوڑی دیر کی کیفیت دور پریشانیوں کا بخوبی اندازہ ہے اس لیے میں نے اور آسپہ نے اس کا اندازہ کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا ہے۔ اب تمہیں زیادہ فکر مند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ اس کی بات پر میرے چہرے پر پشیمانی مسکراہٹ خود کر آئی۔ لیکن ہے آسپہ کو اس نقبت کا اندازہ ہو کر شاید اس کے متغیر ریحان کو نہ تھا اس لیے وہ اسی طرح کی بچوں جیسی باتیں کر رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف سرگھما کر دیکھا اور کہا۔

”ریحان صاحب! سنی کا تو اڑا۔ ہو جاتا ہے مگر خطرناک قحطی کا اڑا۔ مشکل سے جاتا ہے۔ اس کے لیے بڑی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ آپ لوگوں کو شاید اندازہ نہیں۔ اس قحطی کی وجہ سے میں سنی مسئلہ اور خطرناک حالات کا شکار ہو گیا ہوں۔ حنا کی ایک عدالت میں یہ آئیں بھی چل رہا ہے جو میں قریباً جیتنے ہی والا تھا۔ میری اس جیت سے نکلنے کے لیے گھر اور معصوم مظلوم لوگوں کو ٹھکانوں کے نیچے سے نجات دینے والی تھی۔ یہ سنی سے بھی کوئی بگے خلاف میں نے حق کی آواز بلند کی تھی۔ وہ زہر خانا وغیرہ کے حلیف بن گئے۔ انہیں میرے خلاف کچھ اچھا لگنے کا سوجھ بوجھ نہیں اور اب وہ دونوں مشترکہ طور پر میرے خلاف میدان میں اتر آئے ہیں اور میں تنہا رہ گیا ہوں۔“ میری بات پر ریحان کے چہرے پر گہری تشویش چھا گئی۔ آسپہ کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئی تھیں۔

”اٹھ اٹھ آیا تو مجھ سے واقعی ایک بڑی اور خطرناک قحطی ہو گئی۔ لیکن...“ فرط جذبات سے اس کا لہجہ دھندھا ہوا تھا اور وہ جملہ بھی مکمل نہ کر پائی، تاہم کچھ توقف کے بعد بولی۔ ”میں واقعی آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔ شہزاد صاحب! آپ نے ہمارے بارے میں شاید ٹھیک ہی اندازہ لگا رہے۔ ہم صحافیوں اور اسکریپٹس کو صرف گرامر اور سنسنی خیز خبروں کو آواز دینے کی جلدی ہوتی ہے حقیقت کی ضمیر، اب حقیقت یہی ہے کہ میرا اپنے اس پردہ نشین سے ہی دل خراب ہونے لگا ہے۔ میں تو سچے اور نیک عزم کے ساتھ اس لیلڈ میں آئی تھی، تاہم سچا سچا حاد کا فرض ادا کر سکوں

اور حاشیے میں انسانی روتوں میں پھیلی ہوئی برائیوں کی نشاندہی کر سکوں۔ جو عام آدمی کی نظروں سے مخفی ہیں۔ لیکن افسوس میں اس کے معیار تک نہ پہنچ سکتی... مجھے ساری زندگی اس کا افسوس رہے گا۔“

مجھے دو خاص حساس طبیعت کی محسوس ہوئی... میرا تجربہ تھا ایسے انسان زیادہ جذباتی ہوتے ہیں اور اپنے مثبت کار میں سچے بھی۔ اس نے جبرطرز میں باہر کر رکھا تھا اور نجانے کتنے پاؤں پیلے کے بعد وہ اس مقام پر پہنچی ہوئی مگر ایک غلطی نے اسے اٹھا کر رکھ دیا تھا۔ میرے پاس اسے دلا سارینہ کے لیے کوئی مناسب الفاظ نہ تھے، میں خود اپنی پریشانیوں میں گمراہ بیٹھا تھا۔

”آسپہ! سنی چاہیں ہے کہ تم اب اس لیلڈ کو بیٹھ کے لیے غیر باوقار دینا چاہتی ہو۔“ ملک ریحان نے اس سے کہا۔ ”اس کی بات تو سنی نہیں یہ ممکن بتاتی ہے کہ اس ویزو کلب کی بڑی دیر میں خطرناک انداز سے دوکے شہزاد صاحب پر لگا رہا بھی تھا جسے اور انہیں مستقبل میں کسی امید کا کوئی سامنا نہ کرنا پڑے۔“ اس کی بات سنی نے پر میں نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا، وہ بدستور سنی گہری سوچ میں غرق ہی نظر آتا تھا۔ وہ ایک نکاح پر ڈالنے کے بعد ریحان سے بولی۔

”کوشش تو میری پوری کی ہوئی کہ... تو یہ اس طرح کی جائے کہ اس کی ڈر پذیری ذہن نہ ہونے پائے، میں کل تک ہوم ورک کر کے... ایک انٹرویو اس سلسلے میں سوچ لوں گی، لیکن...“ اس نے یہ کہتے کہتے مجھے سوچ انداز میں اپنا جملہ احوال چھوڑ دیا اور اچانک مجھ سے مخاطب ہو کر مختصر ہوئی۔

”شہزاد صاحب! کیا آپ نے اب تک کوئی وکیل ہائر کر رکھا ہے؟“

”اب تک تو میں نے ایسا کوئی وکیل ہائر نہیں کیا کیونکہ اب تک ملائی کی عدالت میں پراسیکیوٹر ہی میرے حق میں دلائل دیتا رہا ہے جس سے میں خود بھی کچھ زیادہ مطمئن نہیں ہوں۔“

”ہرے... تم باقی سے اس سلسلے میں مدد کیوں نہیں لے لیتیں؟“ دفعتاً میرے ریحان کو کچھ یاد آیا۔

”ہاں! میں کیا سوچ رہی تھی اس لیے میں نے شہزاد صاحب سے یہ سوال پوچھا تھا۔“ اس نے ریحان کی طرف دیکھ کر کہا۔

”میں تو پھر ٹھیک ہے۔ گھر پہنچنے ہی سب سے پہلے

نے دیکھا ان کی آنکھوں میں میرے لیے ہمدردی کے جذبات بھی ابھرے تھے۔

اپنے متعلق ریمان نے یہی بتایا تھا کہ وہ لاہور کے ایک مقامی کالج میں پتھر دار تھا۔ آسپہ اس کی فرسٹ کزن تھی۔ دونوں نے بچپن سے اکٹھے وقت گزارا تھا۔ ریمان کا باپ مرچکا تھا۔ ایک ماں تھی بڑھی، جبکہ آسپہ کے ابا و حیات تھے۔ اب کسی بھئی میں ابھی پوسٹ پر تھے۔ اس دوران میں مجھے اول خیر کا بھی خیال آیا۔ میں اس کی خیریت جاننا چاہتا تھا۔ مجھے صرف لال خیر کا سہل نمبر ہی یاد تھا۔ میرے پاس تو سبھی تھیں، پھر مجھے سرحد بابا سے بھی بات کرنا تھی، انھیں صاحب آباد میرے لیے پریشان ہو رہی ہوگی، یقیناً اب تک میرے ہارے میں نشر ہونے والی خبریں اس نے بھی سنی اور سنی، اپنی خیریت کی اطلاع کے ساتھ مجھے سرحد بابا کو گنجلک کے بارے میں بھی بتاتا تھا جو ملتان پہنچنے والی تھی۔

میرے چہرے کی پُرسج بے چینی کو بھانپتے ہوئے... ریمان نے میری خرف مستفردانہ نظروں سے دیکھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ پا کر میں نے اس سے کہا۔

"کیا آپ اپنا مکمل فون مجھے خود بخود میرے لیے دے سکتے ہیں؟"

"نہیں! شیور...!" یہ کہتے ہوئے اس نے فوراً اپنی ٹرسٹ کی جیب سے اپنا سبیل فون نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے "شکر ہے" کہا اور سب سے پہلے اول خیر کا نمبر سچ کیا۔ ظاہر ہے وہ خود تو فون اخیذ کرنے کے قابل نہ تھا، فون دینی رہیو کر سکتا تھا، جو اس وقت اس کے قریب موجود ہوگا۔ تیسری فون جانے کے بعد دوسری جانب سے شاسا کی آواز ابھری۔ بار شد تھا۔

"ہاں۔ ارشد بول رہے ہو؟" میں نے پہلے صحیح چاہی۔

"ارے... شہزی... تم؟ کہاں ہو؟ کدھر ہو...؟"

خیریت سے تو ہوتا... یہ کس کا نمبر ہے؟ تمہارا؟"

میری آواز بچانے ہی وہ بولنا چلا گیا۔ میں نے جواباً کہا۔ "میں فی الحال خیریت سے ہی ہوں۔ مجھے پہلے اول خیر کے بارے میں بتاؤ جلدی، وہ کیسا ہے؟" یہ پوچھنے کے دوران میں اولیٰ انجانے دوسروں سے مدد کرتے گئے۔

"اللہ کا فضل ہوا شہزی! اور نہ چھوٹا استاد گیا تھا۔"

دوسری جانب سے ارشد نے ایک گہری سانس لیجتے ہوئے

فون پر ان سے رابطہ کر دیا اور مشورہ لو۔ وہ بھی تو ملتان ہی میں رہتی ہیں۔"

"کیا آپ کی ہاتھی صاحبہ کل ہیں؟" میں نے آسپہ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"جی ہاں۔ وہ اینڈو کیٹ ہیں۔ قاتم شاہ نام ہے ان کا۔ ملتان میں ہی رہتی ہیں۔ وہ پیپر ویڈ ایکسٹرا ایک میڈیا سٹریٹل اینڈوائزر بھی رہ چکی ہیں۔ وہ مجھے اس سلسلے میں زیادہ بہتر طور پر گائیڈ کر سکتی ہیں۔" اس نے جواباً کہا۔

"بلکہ میں تو یہ چاہوں گا کہ ہمیں خود بخود ان سے اس سلسلے میں بات کرنی چاہیے۔" ریمان، آسپہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہ بھی ہو جائے گا لیکن فوری طور پر ہمیں پہلے شہزاد صاحب کو تحفظ فراہم کرنا ہے۔ پولیس نہ صرف ان کو تلاش کرتی پھر رہی ہے بلکہ... ان کے خلاف دستہ وارنت بھی نکل چکا ہے۔ گویا ایک شریف اور امن پسند آدمی کو اس قدر خطرہ کہ دور انتہائی مطلوب مجرم کے طور پر پیش کر دیا ہے کہ اس قانون پر قائم کرنے کو جی چاہتا ہے۔"

"ایک سے زائد قتل کرنے کی واردات میں ایسا ہی ہوتا ہے۔" آسپہ نے ریمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "اور اس پر سوا... جب دسمن پہلے سے وائٹ گوسے بیٹھے ہوں..."

"تمہاری بات ٹھیک ہے ریمان۔ ہاں کے قتل میں ایس کے لیکن ابھی لاہور پہنچنے ہی فوری طور پر مجھے باقی سے فون پر ہی رابطہ کر کے اس سلسلے میں مدد اور مشورہ لے لینا چاہیے۔"

اس کی بات پر صاگر کہتے ہوئے ریمان نے اپنے سر کو اٹھائی جنبش دی۔

مفر جاری تھا۔ اس دوران میں آسپہ نے اپنے بیگ سے کچھ کھانے پینے کی اشیائے نکالی تھیں، نکت خیر بھی آیا تھا۔ میں ہر ایک سے اپنا چہرہ غیر محسوس انداز میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرا لاہور تک کا ٹکٹ کٹوا دیا گیا تھا۔ کچھ دیر پھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ اطفال گھر کے حوالے سے، آسپہ کو کچھ غم نہ تھا، حالانکہ میرا خیال تھا اسے کچھ نہ کچھ غم ہوگا۔ میں نے بھی ان سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔

پھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ میرے بارے میں بھی انہوں نے دریافت کیا۔ حقیقتاً ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ اب تک کوئی خاص تعارف ہی نہیں ہوا تھا۔ میرا بھلا کیا تعارف تھا۔ میں نے وہی بتا دیا جو میری ذات سے متعلق اور میرے ماضی سے آسپہ کی طرح سچ چھو ہوا تھا۔ میں

ساتھ تو نقدیر کا ایسا الٹ پھیر ہوا تھا کہ میں ابھی تک چکر
در چکر دگرگوں حالات کے بھنور میں پھنس کر رہ گیا تھا۔
اتھاہ اور عمیق خاموشی میں مجھے ڈوبا پا کر دوسری
جانب سے سرمد بابا کی آواز نے میری سوچوں کو ٹھنکا دیا۔ وہ
مجھے پکار رہے تھے۔ "شہزی پٹا... کہاں کھو گئے...؟" میں
جھپٹ کر تھکے ہوئے قدموں سے متعلق بتا رہا ہوں۔ وہ بالکل
ٹھیک ہے مگر تمہارے لیے پریشان اور تشویش زدہ رہنے لگی
ہے۔"

"جی بابا! اسے تسلی دیجیے گا۔ آپ دس وقت... دفتر
میں؟" میں نے کسی خیال کے تحت پوچھا تو انہوں نے
اثبات میں جواب دیتے ہوئے کہا۔ "ہاں پٹا... لیکن...
ہم اور عابدہ تمہارے لیے بہت فکر مند اور پریشان ہو رہے
ہیں۔ کیا تمہیں اپنے حالات کا اندازہ بھی ہے؟" میں جان
گیا۔ ان کا اجداد میں طرف تھا۔ آج کل کے میڈیا نے ملک
میں نہیں بلکہ دنیا کے ایک کونے سے چڑیا کی آواز تک دنیا
کے دوسرے کونے تک پہنچانے کا انتظام کر رکھا تھا۔
"تمہارے خلاف؟" تھو دارنٹ... اور..."

"بابا... مجھے سارے حالات کا بہ خوبی اندازہ ہے
اور میں ان حالات سے نمبر آ رہا ہوں۔"
"پٹا! تمہاری جان تو خطرہ ہے۔" ان کے لپکے کی
تشویش بڑھتی جا رہی تھی، میں نے انہیں تسلی دینے کی کوشش
پانی اور شیلہ کے سامنے میں انہیں آکھ کر کرتے اور آخر
میں کہہ کر کہ میں بہت جلد ملتان پہنچوں گا... اور رابطہ متقطع
کر دیا۔

ماننے کی سیٹ پر دیکھان اور آسیہ خاموش بیٹھے مگر
بہ غور میری یہ فون پہ ہونے والی ساری گفتگو سن رہے
تھے۔ میں نے شکر یہ کے ساتھ دیکھان کو ان کا سکر فون
تھا دیا۔

نرین ذرا لیٹ ہی لاہور پہنچی تھی۔ شام کے سات
رات کی تیر کی میں بدلے گئے تھے، میں اپنا چہرہ چھپانے کی
کوشش کر رہا تھا۔ اس ناکت کا محسوس کرتے ہوئے ام نے
نرین سے اترنے اور اسٹیشن کی بلڈنگ سے باہر نکلتے اور
ایک کھن میں سوار ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔

مجھے احساس تھا کہ اس وقت میں خود بھی ان دونوں
کے لیے کسی ہم سے کم نہ تھا... جس کی اپنی کسی وقت بھی کوئی
فکال ملے گا، اور پھر میرے ساتھ ان کی بھی خبر نہ ہوتی، اسی
خطرناک حقیقت کا یقینا میرے ان دونوں نے خیر خواہوں
کو بھی اندازہ ہوگا۔ ان ساری باتوں کے باوجود کہ... میں

بتایا۔
"اوٹھیک ہے اب، آرام کر رہا ہے۔ اس کا فون
میں نے ہی سنبھال رکھا ہے۔ اب مجھے تو اپنے بارے میں
بنا جلدی۔ یہاں سب تیرے لیے پریشان اور تشویش میں
بتا رہے ہیں... خاص طور پر بیگم صاحبہ۔"
"یاد رہے بات لگی ہو جائے گی، ابھی چھوڑ، من سب
وقت پر میں دوبارہ..."

"یار! تو بند کر اپنا فون، میں کاشی کرتا ہوں تجھے۔"
اس نے میری بات کاٹی۔

"کہاں...؟" ہاں ابھی نہیں، میں بعد میں بات کروں
گا... اور میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تو ٹھیک نہیں ہے شہزی!" وہ تڑپ کر بولا۔ "تو
خبروں میں گھرا ہوا ہے، یاد تو سمجھتا کیوں نہیں، تو جہاں بھی
ہے فوراً ملتان آ جا۔" یا نہیں بتا تو کہاں ہے۔ ہم تجھے لینے
آ جاتے ہیں۔ بیگم صاحبہ تجھے بچا لیں گی۔"

"مجھے صرف انڈی ذات بچا سکتی ہے اور اس نے کیا
بچنے کا ایک سامان پیدا کر دیا ہے۔" اچھا خدا حافظ۔"

میں نے رابطہ متقطع کر کے سرمد بابا کا نمبر ملایا۔ میری
آواز سن کر دوسری جانب یکدم سناٹا طاری ہو گیا۔ پھر گویا
برقیاتی کی خبروں جیسی سفر کرتی آواز ان کی ابھرنی۔

"ارے پٹا! شہزی! تم ٹھیک تو ہو جاؤ... کہاں ہو؟"
کیسے ہو... اور کہاں سے بول رہے ہو؟"

متوقع سوالات کی ایک پوچھاؤ تھی، اس میں تشویش
تھی شفقت بھی اور محبت و نسبت کی گڑھی بھی...

"بابا! میں بالکل ٹھیک ہوں اور انشاء اللہ بہت جلد
ملتان آؤں گا۔ عابدہ کو میری خیریت کے بارے میں
بتا دیتا۔" اوٹھیک تو ہے مان؟"

میں نے فنی فنی آواز میں کہا۔ عابدہ کے فون پر
جانے کیوں میں وقت ذرا سا ہونے لگا۔ وہ بھی کئی سوچ رہی

ہوگی، کیسا عجیب من تھا ہمارا بھی۔ پہلے اطفال گھر میں گھس
گھس کر زندگی گزارنی پھر وہاں سے باہر کی دنیا نصیب ہوئی

تو ہم خوش تھے۔ میں نے بھی عام آدمی کی طرح عابدہ کے
ساتھ محبت بھری فنی خوشی کی زندگی گزارنے کے لیے خواب

دیکھے تھے۔ یہ کوئی اونچے خواب نہ تھے، بڑے سادہ سے
خواب تھے، میں محنت مزدوری کروں گا۔ عابدہ میرے

ساتھ رہے گی، میری بیوی بن کر... ہم دونوں جا رہے ہمارے
میں... فنی خوشی، محبت بھری زندگی گزاریں گے، مگر وہ

نقدیر ہی کیا کہ جیسا سوچا جائے ویسا ہو جائے۔ میرے

پائے وہی تھی۔

وہ دن بکے پھٹکے انداز میں گزرا۔ ریحان کا دل بھی گیا تھا اور دو تین گھنٹے بعد لوٹ آیا تھا۔ دوپہر کا کھانا بھی ہم نے ساتھ کھایا۔ پانچ بجے کے قریب آسہ بھی تازہ خبروں کے ساتھ آن واپس ہوئی، اور میں اور ریحان اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”میں نے باجی سے تفصیلات کی تھی، ان کا بھی یہی کہنا تھا کہ پالشاف ملاقات ہی بہتر رہے گی، لیکن موجودہ حالات کے پیش نظر فوری طور پر ان کا مشورہ یہی تھا کہ کسی ذمے دار پولیس آفسر سے ملاقات کر کے شہزاد صاحب کو پہلے اپنی گرفتاری دینا چاہیے۔ لیکن یہ کام بھی کسی دیکل کی سرپرستی میں کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ جبکہ رہی بات دینے پر کلپ کی سب سے پہلے متعلقہ ٹی وی وی چینل کی جانب سے ہی تردید ہونا لازمی ہے، مگر ان کا نہیں خیال کہ ملکہ کوئی وی چینل دس کی تردید کی جرأت کرے گا، کیونکہ میڈیا کی دوز میں ہر کوئی ایک دوسرے سے ہمت لے جاتے ہیں۔ جن میں سے جیٹا ہے۔ کسی کی بھلائی یا بھرتی کی خاطر کوئی جیس ایک قدم پیچھے ہٹا گوارا نہیں کرتے گا۔ باجی نے یہ بھی کہا کہ ہم لوگ آپس میں مشورہ کر سکتے ہیں۔ پھر دوبارہ مجھے آگاہ کریں۔ اگر مجھے لاہور بھی آنا پڑا تو میں آ جاؤں گی۔“

وہ اتنا جانا کر خاموش ہو گئی۔ ماحول میں چند تپانے کے لیے پُرسوج خاموشی طاری رہی پھر ریحان نے ہی اس خاموشی کو توڑا اور آسہ سے سوال کیا۔

”تم نے اپنے ٹی وی چینل سے بات کی اس سلسلے میں؟“

”ہاں!“ وہ ایک سر ہٹکاری بھرتے ہوئے ہوئی۔

”باجی کی بات درست ثابت ہوئی تھی، انہوں نے ایسی کسی تردید کی طلب چلانے سے انکار کر دیا تھا، نیز مجھے بھی ڈائریکٹر آف پروگرام کی جانب سے یہ سرزنش سنی پڑی کہ اس سلسلے میں اب خاموشی ہی بہتر رہے گی، اور اس کی ذمے داری بھی انہوں نے مجھ پر ہی ڈال دی ہے کہ مجھے مکمل کنٹریشن کے بعد اس کلپ کو آن ایئر کروانا چاہیے تھا۔“

”تم نے کیا سوچا پھر؟“ ریحان نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”تردید تو بہر حال کرنا پڑے گی چاہے اس کے لیے مجھے کسی دوسرے ٹی وی چینل سے ہی کیوں نہ رابطہ کرنا پڑے۔ باجی سے بھی فون پر میں نے اس سلسلے میں بات کی

آج جن دیگر گول حالات کا شکار تھا، ان کی وجہ یہ دونوں ہی تھے، میں پھر بھی ان کا شکر گزار تھا کہ یہ لوگ اپنی فطرتی ذالہ بھی نیت اور ہمت اور اسے سے کرنے کے لیے تیار تو تھے۔ مجھے انہوں نے تنہا نہیں کیا تھا اور مجھے اپنے ہمراہ رکھنے کا رسک بھی لے لیا تھا۔

ٹیکسی نے آدھے گھنٹے بعد ہمیں اقبال ٹاؤن کے ایک چمکے نما مکان کے سامنے اتار دیا۔ ریحان نے کرسی دے کر ٹیکسی والے کو فوراً رخصت کر دیا۔ اس کے بعد کال منل بھاری۔ جواب میں ایک اویسز ملازمہ نے پہلے اندر سے مخاطب ہو کر کچھ پوچھا، اس کے بعد ان دو لوگوں کو پہچان کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ تاہم وہ مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔

ہم اندر آ گئے۔ مجھے ایک کشادہ اور آرام دہ نشست گاہ میں بٹھانے کے بعد دونوں تھوڑی دیر تک مکان کے اندرونی گوشے میں غائب ہو گئے۔ اس کے بعد ریحان ہی اندر سے برآمد ہوئے اس نے مجھے بتایا کہ آسہ اپنے گھر جا چکی تھی، مجھے اس نے میرے کمرے تک پہنچایا۔ میں غسل وغیرہ کر کے تازہ دم ہوا پھر کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر بعد کمر میں اور ریحان آپس میں باتیں کرتے رہے۔ چائے بھی پیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ کل شام تک آسہ... اپنی باجی خاتم شاہ سے رابطہ کرنے اور ساری تفصیلات جاننے کے بعد ادھر آئے گی۔ اس کے بعد ہی آئندہ کا کوئی فیصلہ کرنے کے لیے کر پائیں گے۔

ریحان نے مجھے آرام کا مشورہ دیا نیز اس نے ایک دوسرا سیل فون مجھے دے دیا تھا۔ اپنے اس نمبر وہی سم بھی ڈال دی تھی جس نمبر سے میں نے اپنے کئی خواہوں سے رابطہ کیا تھا، ممکن تھا وہ اس نمبر پر دوبارہ مجھ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرتے۔ ریحان کے پاس ایک اور سم تھی۔

مگر میں نے سوئے وقت اپنا سیل آف ہی کر دیا تھا۔ صبح اٹھا۔ ناشتے کے بعد ریحان نے مجھے اپنا پیار ماں سے اپنے دوست کی حیثیت سے طوایا۔ ریحان کی والدہ... سادہ طبیعت کی ایک بزرگ خاتون تھیں۔ انہیں معد سے اور جوڑوں کے درد کی تکلیف تھی، اس لیے زیادہ تر ان کا وقت بستر پر ہی گزرتا تھا۔ ایک اویسز ملازمہ ہر وقت ان کی مدد کو موجود رہتی تھی۔ ایک ملازم بھی تھا۔

ریحان نے اپنے ہوا آسہ کے متعلق یہ بھی بتایا تھا کہ دونوں کی عقرب شادی ہونے والی تھی اور اس سلسلے میں تمام تیاریاں مکمل تھیں۔ نیز وہ ایک روز میں جارتا بھی طے

آوازِ کبر

"تو... نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا شیخ ادا؟" وہ یکدم گڑبڑا سا گیا۔ "میں چلو رہا تھا اس مسئلے کا جب دوسرا حل موجود ہے تو مجھ پر درانتہ اور کٹھن میں مردہ کی طرح کا کیا فائدہ...؟ ظاہر ہے تم بھی نہیں چاہو گے کہ... آسہ بھی باوجود تمہارے دشمنوں کی زد میں آئے۔ ویسی خود غرضی کی تو کم از کم میں تم سے امید نہیں رکھوں گا۔"

دیحان نے اچانک ہی کھینچی ہدلی تھی۔ بدلے میں انسان روپ کیسے کیسے... کے مصداق بنے اس کی بات پر رنج کی حیرت محسوس ہوتی تھی۔ وہ گویا مکالمہ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے مجھے ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتا تھا کہ میں اس کی سنگیت کو اپنے عقائد کی خاطر کسی خطرے میں نہ ڈالوں۔ میں نے کن آنکھوں سے آسہ کی طرف بھی دیکھا کہ راست اپنے مختصر ریمان کی طرف کچھ جھٹکتی ہوئی نگاہوں سے تکتے ہوئے پایا۔ بہر حال جو اسب میں دیحان کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے بھی کسی قسم کا لحاظ کیے بغیر کیا۔

"دیحان صاحب! یہ تو آپ بھی جانتے ہوں گے، زمانہ صحافت کو لوگوں نے باقاعدہ پروفیشن کی طرح اپنا رکھا ہے۔ اور ان دشت کی سیاحی میں وہ پیر، عزت اور شہرت اپنی جگہ لیکن اس میدان کے حکماء لوگوں کو خطرے سے بچنے چاہتے ہیں۔ یقیناً ان کا اندازہ آسہ صاحبہ کو ہی نہیں بلکہ ہر اس شخص کو ہوگا جو اس پروفیشن میں آتا ہے۔" یہ بتاتے ہوئے میں نے اسے ایک دوسرے ہی فی ویلیٹیٹس کی صفائی خاتون اور انکریٹ میں گہا حال بھی دیا۔ جس کی کچھ سیڑی اور بائو لوگوں سے دھنسی ہو گئی تھی، اور وہ اسے دوس کے چھوٹے بھائی کو جان سے مارنے کی دھمکیاں دیتے رہتے تھے، باآخرا ایک دوسرے لی دی جھٹکنے نے اسے ہار کیا۔ اور اس کی وساطت اور تعاون سے اس خاتون سمیٹنی نے اپنے مستقبل بچاؤ کی تدبیر بھی کی۔

"کہنے کا مقصد یہ ہے دیحان صاحب کہ اس طرح کیسے کاموں میں ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ آسہ نے بغیر کسی قصد و نیت اور تحقیق کے پیشروانہ جوش میں آکر ایک ایسی ویز بولکپ لایا جو بڑی کمزوری کہ جس سے ایک بے گناہ انسان ہلاک ایک بڑی مصیبت کا شکار ہو گیا۔ اب اس کا ازالہ تو کرنا چاہیے۔ لیکن ظاہر ہے میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ اپنے قتل کے آدھی سے پرہیز ہے۔ مگر کچھ نہ کچھ تو اٹھانا ہی پڑتا ہے۔ کہیں نہ کہیں خطر تو مول لیا پڑتا ہی ہے۔"

"میرے کہنے کا مقصد کچھ اور تھا۔" دیحان پور سے دیحان سے میری بات سننے کے بعد ہلا۔ اس کے چہرے سے

کے ہاتھوں نقل ہوا تھا اس کی لاش کا بھی پتا چلنا چاہیے اور اذکارہ کی جتنی بائی... جس کا وہ آدمی تھا... کیا نام تھا اس کا...؟"

اس نے استفسار یہ انداز میں میری طرف دیکھا۔

فرط جوش سے اس کا چہرہ چمکتے لگا تھا۔

"تجربہ کیا؟" میں نے کہا۔

"ہاں! وہ آگے بڑی۔" ایسا سنی الیچ پر وکرام

کوئی بھی لی وی چیل... ہاتھوں ہاتھ لے گا... میں آج

ہی ایک مشہور لی وی چیل سے رابطہ کرتی ہوں... اتنا کہ

کر رہی اور پھر تائید طلب لگا ہوں سے دیحان کی طرف

دیکھ کر بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے دیحان! یہ بہت زیادہ بہتر نہ

ہوگا شیخ ادا صاحب کے لیے؟"

میں نے دیحان کی طرف دیکھا اور تھوڑا چونک سا

کیا۔ میں نے اس کا چہرہ دیکھا ایک کسی گہری سوچ میں

مستغرق پایا۔ تاہم وہ آسہ کی آواز پر سوچوں کے بھنور سے

ابھرا اور نہایت چر سوچ متانت سے آسہ کی طرف دیکھ کر

بولی۔

"آسہ! ممکن ہے کہ یہ سب شیخ ادا صاحب کے لیے

بہتر ہو لیکن شاید یہ تمہارے حق میں کچھ اچھا ثابت نہ ہوگا۔"

میں نے اس کی طرف دیکھا تو آسہ نے کہا۔

"کس کے حق میں کیا بہتر ہے کیا نہیں؟ یہ تو اب کرنا

ہی ہوگا... پھر میری طرف دیکھتے ہوئے اس نے بات

بڑی رکھی۔ "میرا شاطی کا ازالہ ہو جائے اور شیخ ادا صاحب

کو اس مصیبت سے نجات مل جائے لیکن بہت زبردستی اپنی

نوکری کی پر دانی ہے۔"

"بات صرف نوکری کی موتی تو مجھے بھی پروا نہیں

تھی۔" وہ بولا۔ "معاذ دینی! اور جان پر پڑ جائے گا۔

بالخصوص تمہاری اپنی جان خطرے میں پڑ جائے گی۔" یہ

کہتے ہوئے اس نے میری طرف تائید طلب لہجے میں

پوچھا۔ "کیا خیال ہے شیخ ادا صاحب؟ میں صحیح کہہ رہا ہوں

ناں؟" مجھے اس کا یوں تائید طلب انداز میں استفسار کرنا

خالی از علت نہیں لگا۔ گویا اس کا مطلب تھا کہ میں بھی اس کی

خطرات کی اور نزاکت کو سمجھتے ہوئے اور اس کی انابت میں

آسہ کو اس بات سے باز رکھوں۔ مجھے اس کا یہ بدلا ہوا انداز

اچھا نہیں لگا۔ لہذا اللہ میں نے اس پر سوال داغ دیا۔

"تو پھر آپ کا کیا خیال ہے دیحان صاحب! اس

معاملے کو دھری چھوڑ دیا جائے؟"

سے لگتا تھا کہ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کھل کر کہنے سے اجتناب برت رہا تھا۔ ممکن ہے وہ کچھ ایسی باتیں آسیر سے کرنا چاہتا ہو، جو میرے سامنے نہیں کر پار ہا ہو۔ بہر حال... میں اس کی بات سننے لگا، وہ کہنے لگا تھا۔

"بسیا سوالات کچھ سامنے لانے کا عمدہ کم اور نقصان زیادہ ہو جاتا ہے۔ جو ناقابلِ حل مسائل بھی ہو سکتا ہے۔ کہنے کا مطلب ہے کہ ہم اس طرح کچھ کو سامنے تو لا رہے ہیں۔ مگر دیکھنا یہ کہ اس کے کتنے سودمند اور مثبت اثرات برآمد ہونے کی امید ہو سکتی ہے؟ یا کہیں الٹی آتیں مجھے پڑنے کے مترادف نہ ہو جائے۔"

"میں تمہاری اس بات سے اتفاق نہیں کروں گی ریحان! آسیر نے اس کی طرف دیکھ کر گہری سنجیدگی سے کہا۔

"سچی کو آج نہیں، اس پر میرا ایمان ہے کہ سچی ایک نہایت دل آویز اثر ضرور دکھاتا ہے۔ پھر شیخہ صاحبہ کے معاملے میں تو کہیں بھی کھوٹ نہیں، یہ بے چارے تو اپنے رشتہ داروں کے ہمراہ... اور کاروبار چاہے تھے۔ یہ اذیت دہا کو جانتے تک نہیں تھے۔ تمہاری کامیابی کے سیاسی ہنوس میں شخصیت ہوئی تھی اور اندرائی جاں پہاں پرچی نہیں۔ ذرا کی بھی دیر نہ اٹھا آستان کی جان بھی لے سکتی تھی، ایسے میں شیخہ صاحبہ محض انسانی حدود کی کے طور پر آپ کی مدد کو آئے، آپ کو ایک مشکل سے بچا کر وہ خود نکال سکتے اور باقی رہتی تھی کہ وہیں سے پورے کر دینی۔ لہذا اب ان باتوں کو دہرانے کی ضرورت نہیں، اب باتیں خود کچھ نئی ہوں، میں ان کی مدد سے پیچھے نہیں ہٹ سکتی، کہ آسیر نے اس قدر اہم کاری طرف رہتے ہوئے کیا ہے، وہ شاید یہی ہی صورت اپنے منگنیتری بات کا مفصلہ سمجھ گیا تھی، جبکہ میں اب ریحان کی طرف سے ایک نامعلوم سی گھٹک کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ اب بالکل خاموش ہو گیا تھا... جبکہ آسیر اپنے آئندہ کے ٹکڑے کو باقاعدہ طور پر تشکیل دیتے ہوئے مجھ سے تیار رہنے کی طرف اشارہ کرتی رہی۔ جبکہ میرا حیران و حیران کی طرف لگا رہا۔ اب یہ بات صاف طور پر محسوس ہونے لگی تھی کہ وہ کچھ اور ہی سوچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے بھی جب ذرا وسعت نظری سے غور کیا تھا تو ریحان مجھے اتنا لالہ بھی نہیں لگا تھا۔ اپنے تعلق کے بارے میں سوچتا ہر کسی کا حق ہے... مگر میرا خود سے یہ سوال تھا کہ ایسے تعلق کو میں کیا نام دوں جو دوسرے کی ہر بات کی کامیابی کا سبب بنے؟

اس وقت میرے تل فون کی بیل بجی، یہ سادہ سا

موبائل فون سیٹ فوری ضرورت کے پیش نظر ریحان نے ہی مجھے دیا تھا۔ ریحان نے مجھے بتایا تھا کہ اس نمبر کی سم میں اس کے بہت کم نمبرز درج ہیں جو غیر اہم اور خالی خالی ہی استعمال ہوتے ہیں۔ تاہم احتیاط کے پیش نظر اگر ریحان کی کوئی کال ہوتی تو میں وہ اسے تھا دیتا۔ اب جو تل آ رہی تھی، اسے دیکھ کر مجھے چونکا پڑا۔ یہ ٹیم صاحبہ کی کال تھی، میں دونوں سے معذرت کر کے اپنے کمرے میں آ گیا اور ٹیم صاحبہ کی کال ریسپونڈ کرتے ہوئے فون کان سے لگا کے دوسرے سے "ہیلو" کہا۔

"... شیخہ!... تھ... تم... ہم... دوسری طرف سے ٹیم صاحبہ کی حشرم آواز کو لکر تشویش کی گرفت میں پا کے میرے اندر کچھ عجیب اور نامعلوم سا احساس جاگ اٹھا۔ ہاضف کوشش کے جسے میں کوئی عنوان نہ دے سکا۔ میں جان تو گیا تھا کہ یہ حشر ارشد نے ہی دیا ہوگا اور مجھ سے بات کرنے کے فوراً ہی بعد اس نے ٹیم صاحبہ سے اس کا ذکر بھی کیا ہوگا۔

"... شیخہ!... دینی آواز ایک مختصر ترین وقفے کے بعد دوبارہ اٹھ اٹھی۔ "تم... تم... تم آخر کس مٹی کے بنے ہو؟" وہ میری کوئی بات کوئی مشورہ... ذرا بھی غالم میں نہیں لائے... ایک طرف میرے کاندھے سے ہیں جو پھر ایک ذرا جھنجھ ابرو پر سر ہٹانے میں ریر نہیں لگاتے... ہر تم..."

"میں آپ کا کارندہ نہیں ہوں۔ ٹیم صاحبہ! میں نے سنجیدگی سے اس فیما بابت کات... کہہ... تو... لکھو مجھے اجازت دے دینی تقیص کو ترات ہوگی۔

"... اور نہ ہی یہ ہرگز چاہتا ہوں کہ میں اپنے کسی دوست یا اہل کا... نہ سے آپ میں بھی دیکھوں... تم اپنے ذہنی اور دلی سے یہ نکال کیوں نہیں دیتے شیخہ! کہ میں نے نہیں بھی ایسی نگاہ سے دیکھا ہی کب سے؟ ہم دوست ہیں اور ایک دوسرے کے کام آ سکتے ہیں... تم... تم... ہر طرف سے غلط بات میں گھرے ہوئے ہو... مگر کوئی چال چلنے کا موقع مل چکا ہے۔"

"مجھے اس کا اندازہ ہے ٹیم صاحبہ!" میں نے دوسرے سے کہا۔

"میں نے نہیں ہے تمہیں اس کا اندازہ؟" وہ یکدم ہلکی۔ "تمہارے تصور میں بھی نہ ہوگی یہ بات کہ چہ ہر کسی مستاذ خان اس موقع سے لائندہ اٹھاتے ہوئے اپنے راتب توار اسپیڈ روشن خان کے در سے نہیں جلی پولیس مقابلے میں ہلاک کروانا چاہتا ہے۔ جس کی منصوبہ بندی تیار کی جا چکی

آوارہ گرد

صاحب: "با آخر میں نے مجھ کو ڈالا۔" مجھے آپ سے بہت اچھن سی محسوس ہونے لگی ہے ابھی بھی۔" دوسری طرف سے بے اختیار ہنس کی کھنکھائی ہوئی انہی کی آواز سنائی دی۔ مگر دوسرے ہی لمحے وہ سنجیدہ ہوئیں اور حسبِ عادت موضوع بدل کر بولیں۔

"شہزی، خدمت کرو... آزاد... مجھے تمہاری بہت فکر ستا رہی ہے۔"

میں یہ سوچتا کہ ممکن ہے وہ مجھے اس لیے اہمیت دے رہی ہوں کہ میں ان کھانڈی دشمن جوہر بنی الف خان کے خلاف ایک اہم ہتھیار کی حیثیت رکھتا تھا۔ جس کے ذریعے وہ جوہر بنی الف خان اینڈ سنز (ممتاز خان) کو زیر کرنا چاہتی تھیں۔

اپنی سوچوں کو جھٹکتے ہوئے میں نے کہا۔ "جنگم صاحب! آپ میری گھر تہہ توڑیں... میں جہاں بھی ہوں۔ ہاتھ پہ ہاتھ دوسرے نہیں بیٹھا ہوا ہوں... اپنا بندوبست کر لے اور ان مصیبتوں سے نجات پانے کی خاطر تک و دو میں مصروف ہوں، اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں اس وقت یہاں اپنے بی بی خواہوں کے پاس بیٹھا ہوں اور ماشاء اللہ جلد ہم ایک لاکھ مل تیار کرنے والے ہیں۔ بس آپ فی دی دیکھتی رہیں، معرّب میں ایک دروہرو دھماکا کرنے والا ہوں... خدا حافظ۔" یہ کہتے ہی میں نے فون بند کر دیا۔

جب نشست گاہ میں داخل ہوا تو میں نے ریحان کو آسیہ کے ہاتھل قریب دروہروں موجود دیکھا جیسے وہ اسے کسی اہم بات پر سمجھانے کے لیے پُر زور کوشش میں مصروف ہو... مگر آسیہ کے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ اس کی کما بات سے متعلق نہیں ہو رہی تھی۔

آخری الفاظ ریحان کے منہ سے پُر زور انداز میں برآمد ہوئے۔ ".... پیلز... آسیہ! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو... امارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

اچانک مجھ پر فتنہ پڑتے ہی وہ چپ ہو گیا اور آسیہ سے دروہرو جو کے بیٹھ گیا۔ میں نے آسیہ کے چہرے کا بہ غور جائزہ لیا تو ہونٹے پٹنا نہ رہ سکے... اس نے جب میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا تو میں نے اس کی آنکھوں میں تشویش کی جھلک دیکھی پھر وہ بھی سنبھل کر بیٹھ گئی مگر زیادہ دیر نہ بیٹھ سکی... اور جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ مجھے کچھ بے چین اور فکر مند سی دکھائی دے رہی تھی، ابھی پانچ سوچی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھتے لگی تو کہیں...

ہے۔ ذبح و دہشت کی آڑ میں تمہیں دیکھتے ہی وہ کوئی مارنے کے لیے پاگل ہتھیاروں کی طرح تمہیں دھونڈ رہا ہے۔ میں... میں... وہ بارہ نہیں... جس کو مٹا چاہتی... شہزی! وہ بے اختیار فریاد جذبات سے رو پڑیں۔ ان کے آخری الفاظ پر مجھے ایک زبردست جھٹکا لگا تھا اور میرے ذہن کی سوئی ان کے اس آخری جملے پر اٹک گئی۔

"... میں... میں... تمہیں... دوسری بار... نہیں کھونا چاہتی... شہزی! پھر وہ جذباتی ہو کر رو پڑیں۔

تیس شہزادہ کون تھا؟ پھر میں جنگم صاحب کی نگاہ میں کیا تھا؟ کیا مر کر زندہ ہوا تھا؟ یا میں نے کسی تیس شہزادہ نامی انجینیئر کو دوسرا جنم لیا تھا؟ میں نے اپنے ان تلخ خیالات پر افسانہ سمجھ دی۔

دوسری جانب سے معافی جنگم صاحب کی ذرا سنبھلی ہوئی آواز ابھری۔

"... معافی چاہتی ہوں شہزی! میں پریشانی اور تفکرات کے باعث تمہارے ساتھ جانے گیا اولیٰ فول پک گیا... دراصل میں تم سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ تم جہاں بھی ہو بے شک خیریت سے سکھائیں... تم محفوظ نہیں ہو... فوراً سے جو شتر میرے پاس آ جا... یا جیاں ہو... مجھے بتا دو۔ آندھی طوفان کی طرح میرے کارندے تمہیں اپنے لیے وہاں پہنچا جائیں گے۔"

"میں صرف اللہ کی امان ہی میں خود کو محفوظ سمجھتا ہوں جنگم صاحب! میں نے سنجیدہ لکچ میں لکھا۔"

"بالکل وہی انداز... وہی لہجہ... وہی نگہداشت باتیں۔" دوسری جانب سے جنگم صاحب نے اختیار کر لیا۔ بڑبڑائیں مان کا یہ انداز مجھے اپنے جھجھک میں جلا کر دیا کرتا تھا۔ آخر وہ ماضی کے کئی اگستہ حوالوں سے اور کسی کے ساتھ میرا تعلق جوڑنا چاہتی تھیں؟ طرہ یہ کیا سمجھتے تھے؟ ان کے اسرار بھرے انداز سے ابھی ابھی تو میں خود الجھ جایا کرتا تھا۔ میں کون تھا آخر؟ میری ذات سے آخر ان کا کیا تعلق تھا؟ اپنے بڑے جنگ کی سربراہ جس کے سامنے سب مرتجعہ کے ہاتھ کرتے تھے، اور وہ خود ان سب کو اپنی جنبشِ ابرو کے اشارے پر رکھتی تھیں مگر میرے ساتھ... ان کا یہ ایسا رویہ کیوں تھا، جسے وہ بظاہر دوستی کا جذبہ کہتی تھیں مگر معاملہ درونِ خانہ کچھ اور ہی تھا؟ وہ مجھے کیا سمجھتے تھے؟ آخر...؟ کیا کسی ناخوشی کا شکار تھیں یا پھر میرے ماضی کا کوئی باب ابھی تک میری نظروں سے اوجھل تھا؟

"میں آپ کو ابھی تک سمجھ ہی نہیں سکا ہوں جنگم

ریحان کی طرف... واضح طور پر وہ ایک عجیب سی انجمن کا
تکارتھی، کچھ ایسا لگتا تھا جیسے میرے ذرا دیر کے لیے یہاں
سے جانے کے بعد دونوں کے درمیان کوئی گرم گرم بحث
ہوئی اور یہی سب تھا کہ... وہ فوراً وہاں سے چلی گئی۔ میں
حیران حیران سی نظروں سے ریحان کی طرف دیکھتا ہوا ایک
صوفے پر بیٹھ گیا۔

جانتے کیوں نہیں کہتا میرے دل کو بے چینی کی محسوس
ہو نے لگی۔ میں خود کو یہاں ایک مہلوہ بنی انجمن کا شمار
ہوتا محسوس کرنے لگا۔ میں سردست چپ بیٹھا مگر ریحان
میں کے پوچھنے کا خطرہ رہا... مگر... اس نے بھی مجھ سے کوئی
بات نہ کی اور محض ایک عجیب سی نظروں سے انداز کی نظر
میرے چہرے پر ڈالنے کے بعد وہ بھی کمرے سے نکل گئی۔
میں ذرا دیر لمبم اور الجھا الجھا سانس لست گاہ میں تنہا بیٹھا رہا
پھر اس کے بعد ناچار اندھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔
ابھی کمرے میں آئے تھے ذرا سی دیر ہوئی ہوئی کہ
اچانک میرے سائل فون کی نل گنگنی، میں نے چونک کر
اسٹریٹ پر ٹھہر دیکھا جو میرے لیے اجنبی تھا۔ پہلے پہل
میں بھی سمجھا ہو سکتا ہے یہ ریحان کے کسی جاننے والے نے
کیا ہو۔ تاہم یہ سوچی کر کہ اگر ایسا ہو تو ہولناک و اگر یہ یوں
ریحان کے سوائے کدوں گا۔ مگر جب فون میں نے کان کی
طرف لے جا کر دیکھا کبسا اور دوسری جانب سے ایک شہزادہ
آواز ابھرنی تو میں رنی طرح خشک گیا۔ وہ آہستہ کی آواز
تھی۔

شہزادہ صاحب! آپ میں وقت اپنے گھر سے میں
جس امیرا مطلب ہے وہ جہاں تو میں آپ کے ساتھ...
اس نے پوچھا۔ اندازہ اندازہ تھا۔ میں سمجھنے سے
قاصر تھا کہ اس کا مطلب کیا تھا اس طرح مجھے لون کرنے کا۔
تاہم جو ابا بونا۔ "جی ہاں اشر..."
"میری ایک بات غور سے سنیں۔" وہ فوراً بولی۔ "میرا
میں اس سے کچھ پوچھتے پوچھتے دو گیا۔ اس کا اندازہ جا
پڑا میرا اور عجیب سا تھا۔

"آپ جتنی جلدی ہو سکتے یہاں سے چلے جائیں اور
مقام کیپٹن کی کوشش کریں، اپنی ذاتی خادمہ شاہ کا میں آپ کو
پتا دے رہی ہوں، میں انہیں لون بھی کر دوں گی۔ وہ آپ
کی ہر طرح سے مہرج و مدد کریں گی۔"

"کیا مطلب؟" یہاں مجھے کوئی خطرہ ہے؟" میں نے
اس کے اندازہ گفتار سے کچھ اخذ کرتے ہوئے پوچھا۔

"خطرہ تو آپ کے چاروں طرف ہے۔" وہ تیزی
سے بولی۔ "میں آپ یہاں سے فوراً نکل جائیں۔"
"یہاں سے آپ کی کیا مراد ہے آہستہ صاحب؟" میں
نے ذہن میں اچانک ابھرنے والے ایک خیال کے تحت
پوچھا۔ "ریحان کے گھر سے یا... پورے؟"

دوسری جانب لمبے بھر کو پوچھ سوچ خاموشی طاری رہی
پھر آہستہ کی آہستہ ہی آواز ابھری۔ "آپ ریحان کی رہائش گاہ
سے نکل جائیں۔ اور انہیں اپنے کسی آئندہ کے پروگرام کے
متعلق بھی مت بتائیے گا۔"

"کیا آپ کو ریحان کی طرف سے کسی گزبڑ کا خطرہ
ہے؟" آخر میں نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے
خوف سے کھٹکوں کے پیرائے میں آکر قی دیا۔
"شاید... ہاں! وہ کچھ گھبرائے ہوئے ہیں۔
پھر ذرا مہرج و مدد کی ہے۔"

"ریحان کی طرف سے آپ اپنا الی خراب مت
کے ساتھ؟" شہزادہ صاحب پلیز... میں آپ کو بھی اندھیرے
میں نہیں دیکھتا چاہ رہی ہوں۔ گھر پلیز... ابھی آپ
یہاں سے چلے جائیے۔ ریحان... آپ کے
خواب... کب... کب کوئی خطہ قدم بھی اٹھا سکتا ہے۔ میں
زیادہ نہیں جانتی۔ میں خود ایک ہاتھان سے گز رہی
ہوں... آپ بھی..."

"مجھے اندازہ ہے آہستہ صاحب! میں نے ان کی
بات کاٹ کر کہا۔ میرے چہرے پر تلخی سی سٹراہٹ
ابھرائی تھی۔ "بہر حال... ٹھیک ہے" آپ کا بہت بہت
شکریہ..."

آہستہ نے مجھے اپنی بائیں کا پتا اچھی طرح ذہن نشین
کر لیا اور آخر میں مہرج و مدد سے بولی۔

"شہزادہ صاحب میری طرف سے آپ بے فکر رہتے
گا۔ میں آپ کی کسی بھی مدد و تعاون سے جیسے نہیں ہوں
گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔ آپ بے گناہ ہیں، یہ مجھے بہت
کرنا ہوگا اور آپ کو بھی..."

میں نے اس کا اثنائی انداز میں شکریہ ادا کر دیا اور
رابطہ منقطع ہو گیا۔

میں بیٹے بیٹے بیٹا سوچوں میں ڈوب گیا۔
اندھ بھالی نے ہر انسان کے اندر ایک ایسی حس رکھی
ہے جسے چھٹی حس کہتے ہیں مگر یہ محسوس انہی افراد کو ہوتی ہے
جو غیر معمولی احتیاط اور وقت و حالات کی مناسبت سے اپنا
دماغ ہر وقت بیدار رکھتے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ کہ ریحان

آواره کرد

دروازے کے قریب ہی تھا۔ وہ بھی سے غافلینڈلائنوں پر باتیں کر رہا تھا۔

”آپ جتنی جلدی ہو گئے آجائیں اسپیکر صاحب! وہ امرعی ہے۔ میں اسے پہچاننے کے بعد بڑی چالاکی سے اپنے ساتھ یہاں لے آیا ہوں۔۔۔ آپ آسانی سے اسے گرفتار کر گئے ہیں۔ بات تفصیل بعد میں بتاؤں گا۔“

یہ سنے کے بعد میرا پورا دل دھڑکنے لگا۔ گھنٹیوں میں
سائیں... سائیں... ہونے لگی۔ میرے بدترین...
خدا شات کی تصدیق یہاں کی اس گفتگو کو سن کر ہلچلی گئی۔
فیض آسیہ کے بروقت کال کرنے کا سبب بھی معلوم ہو چکا
تھا... پھر میں ایک پل کے لیے بھی نہیں دکا... لاہور... باہر
گیت پر پہنچا... وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ بقی برواز کو کھول
کر مشہور نقل آیا اور تیز تیز قدموں سے ایک طرف کوچل
دیا... پھر کتب خانوں سے دوپٹا ہوا سن شہراہ پر آ گیا۔

میں نے بیوی بال پر وقت دیکھا۔ سر پہر کے قین بجے
 والے تھے۔ لیکن ایک لہجہ عجیب نہیں اسٹاپ پر کھڑا تھا۔
 پنجاب کے مختلف شہروں کی طرف آنے جانے والی مسافر
 بسوں کو یہ اڈا تھا۔ گرمی اور دھوپ پڑ رہی تھی اکبھی کبھی گرم
 ہواؤں کے تھپڑے بھی پہر سے پہنچسکتے تھے مگر اس
 وقت یہ مجھے خوشگوار اور نرم ہواؤں کے جھونکوں سے لایا وہ
 طرز مصنوم ہو رہے تھے کیونکہ اس پہاڑ سے شہر نے بڑا
 سادہ مال اپنے سر اور چہرے کے ایک حصے پر لپیٹ رکھا
 تھا۔ مجھے رہ رہ کر ریمانٹ پر بری طرح پیش آ رہا تھا۔ ایک
 حد تک تو میں نے اس کی شخصیت کے اسی متقی پہلو کو رد کر دیا
 کر دیا تھا کہ وہ میری مدد کرنے کے بجائے اب اپنی سنگین
 آسیہ کے مفاد کے بارے میں سوچنے لگا تھا اور مجھے پتہ
 تھا کہ انداز کر گیا تھا۔ لیکن اس کا میں چوکیں کو لون کر کے مجھے
 گرفتار کر دیا۔۔۔ بری طرح مکمل رہا تھا۔ ٹیٹس اور نفرت کی
 لہر نے مجھے آگ بگولا کر دیا تھا۔ دل تو چا رہا تھا کہ ریمان کو
 اس طرح چٹائی کا حرا پنکھا کر میں اس کی رہائش گاہ سے کوچ
 کر تا مگر... پھر آسیہ کے خیال نے مجھے اس جارحانہ حرکت
 سے باز رکھا۔

۱۱ اور میں میرے پارے پولیس کو اخراج دینے کا
مطلب تھا چوری اچھا ہے کی تو پاؤں کا رخ لاہور کی طرف
ہو جاتا۔ کوئی عید نہ تھا کہ میرے دشمنوں کا نالہ بھی اپنے تئیں
ادھر کا ہی رخ کرتا۔۔۔ میرے لیے مشکلات کھڑی ہو سکتی
تھیں۔ مشکل یہ تھی کہ میری جیب میں رقم نہ تھی۔ سامان کی
موردت میں صرف ایک سستا سامو ہائن سیٹ تھا مگر میں

کے ساتھ بیٹنے والی آخری نشست تک تو مجھے اس کی نیک نیتی پر کوئی شبہ نہ تھا لیکن... اس کے بعد اس کی گفتگو کا بدلا بدلا انداز... اس کا رویہ اور پھر آپ کے ساتھ اس کی پھر اسرار گفتگو نے درحقیقت مجھے میدان کی طرف سے چونکا دیا تھا۔ بالفاظ دیگر اس کی طرف سے میری چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بھانا شروع کر دی تھی۔ اور اب آپ کے آنے والے فون نے تو اس پر میرے دل پر قیامت طاری کر دی تھی۔

محبت میں انسان خود غرض ہو جاتا ہے۔ ریحان کے
یکدم بدلنے کی وجہ سے میں آگاہ تھا۔ جب اسے بعد میں کچھ
معنوں میں حالات کی نزاکت کا اندازہ ہوا تو اسے مجھ سے
زیادہ آسیہ کی غمگینی ہونے لگی۔۔۔ دور دور میرے گھبرمچاٹے
سے چلاؤ تکی کرنے لگا۔ اور میری تھوڑی دیر کی طیر موجودگی
کے دوران اس کی اس سلسلے میں یقیناً آسیہ کے ساتھ گرما
گرم بحث بھی ہوئی تھی۔ ریحان کو میں اپنے معاملے میں
اب غصہ نہیں پا رہا تھا مگر آسیہ ایسی نہیں تھی وہ میرے سلسلے
میں پرجوش تھی۔ اسے اس کی بھی پروا نہیں تھی، میرے
ساتھ وہ بھی خطرے میں بکھر سکتی تھی۔ پہلے ریحان اس
خوشے کے پیش نظر آسیہ کو میرے معاملے سے دور رکھنے کی
کوشش کر رہا تھا اور شاید اب اس کی خدشہ سے مجبور ہو کے وہ
الٹا میرے خلاف ہی کوئی قدم اٹھانے کے بارے میں بھی
سوچ رہا تھا جس کا اندازہ پہلے ہی آسیہ نے بھی لگا لیا تھا۔

میں نے ایسا ہی کرنے کی غصائی۔ گویا یہ ٹھکانا بھی کسی وقت میرے لیے مصیبت بننے والا تھا۔ میرے پاس چھوٹا تھا، کوئی سا بال بھی نہ تھا۔ قصوری بہت نرم بھی جوڑوں نے تحلیل کر دے تھی۔ اٹھ یہ موبائل بیٹ تھا، بڑا جوان کا بی بی بیوا تھا۔ یہ بھی نصیب تھا کہ میں اپنے بیبی خواہوں سے تم از گہرا بیٹے میں تورہ سکا۔

حریہ سوچنے کا وقت نہ تھا۔ میں فوراً کمرے سے
 نکلا۔ صورت حال کی... سچائی کو محسوس کر کے میری دگوں
 میں خون کی گردش تیز ہو گئی تھی اور دل نہ اور ذرا سے دھڑکنے
 لگا تھا۔ گویا غطرہ سر پہ آچھلچھا ہو۔ درمیان میں نشست گاؤنگی
 جو خالی تھی۔ دیمان اندر کسی کمرے میں ہو سکتا تھا۔ میں
 دبے پاؤں نشست گاؤنگی کے خارکی دروازے کی طرف
 بڑھنے لگا اور تریب چلنے کے خشک کر دکا۔ دائیں جانب ایک
 دوسرے دروازے کے بند دروازے سے مجھے کسی کے
 بلنے کی آواز سنائی دی۔ پس مجھ بھر کے نیسے میں رکا تو آواز
 کو پہچان کر میں دوسرا قدم نہیں اٹھا سکا۔

وہ آواز ریحان کی تھی اور شاید دوسری طرف

اسے فروخت نہیں کر سکتا تھا کیونکہ یہ واحد ذریعہ تھا، اسے ہنسی
نواہوں سے راجنے کا۔ اچانک میرے ذہن میں ٹھٹھکا ہوا
خیال ابھرا۔ یہ سیت تو رہبان کا تھا۔ سمجھی یقیناً اس کے نام
ہوگی اور اسے بلاک بھی کروا سکتا تھا۔

تو کیا اس سے پہلے مجھے مدد کے لیے فوراً اپنے کسی
مخدوم سے رابطہ کر کے مدد مانگ لیں چاہیے تھی۔ کم از کم یہ
اطلاع ہی دے دینا کہ میں اس وقت کہاں تھا؟ مگر سب
سے اہم اور فوری مسئلہ یہیوں کہ تھا۔ میری جیب میں نہ
پہوئی کوڑی تھی کہ میں ٹھٹھکے گا کسی کا پالی بھی خرید کر لی
پتا۔

اس وقت صرف آسید تھی، جہاں اور میں میری فوری
ظہور پر کوئی مدد کر سکتی تھی۔ یہ راج کر میں نے فوراً اس کا نمبر
دیکھ لیا۔ مگر وہاں جو اجس کا دار تھا مجھے۔ رہبان نے سم
بلانک کروا دی تھی۔ کیونکہ دوسری جانب سے سم ایف پائی
گئی۔

آسید کا نمبر مجھے اذہر تھا، میں کسی قریبی پلی کا اسے
جہاں بات کر سکتا تھا۔ مگر اس کے لیے رقم کی ضرورت تھی جو
میرے پاس نہ تھی۔

میں نے یا تو فریٹ فروخت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
کیونکہ اب یہ میرے لیے بے کار تھا۔

لاری ڈائے میں اسوں بھڑوں کے باروں اور لوگوں
کی جھلکی جاتی آوازیں اور ٹریک کا شور مجھے یہی حکمت
بیزار کر رہا تھا۔۔۔ بھر جلی۔۔۔ میں ابھر اوجھڑتا ہوں
سے دیکھتا ہوں آگے بڑھتا۔ مجھے کسی ایسے دکان کی تلاش تھی۔
جہاں میں یہ سیکرٹ فون فریٹ فروخت کر کے کچھ رقم کا جبرہ دست
کر جا۔

اباں ڈائے پہ مجھے کچھ لہو بونوں اور چائے خانوں
کے سوا کچھ نظر نہ آیا تو میں اسٹاپ کی حدود سے ذرا باہر نکلا
آئی۔ یہاں اسٹاپ کے کنارے کچھ دکانوں کی قطاریں
دکھائی دیں۔ وہاں میں زیادہ آواز کیست پلیٹ آواز پارسی
وغیرہ کی دکانیں تھیں۔ ایک جگہ مجھے موبائل کی ایک مشاپ
نظر آئی تھی۔ میں یہ حادہاں کاٹا۔ کچھ گاہک موجود تھے۔
ایک سٹریٹ میں کامیاب لڑکا میری طرف متوجہ ہوا میں نے اسے
سیت دکھایا اور کہا کہ میں اسے پین چاہتا ہوں۔

"ہم پوری کا مال نہیں خریدتے۔۔۔ آگے جاؤ
بھائی۔" وہ یہ کہہ کر دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ میرے دل کو
ایک گھونٹ کا۔ مہاشی اور عزت نفس کو لگنے والے اچھلنے
مجھے پانی پانی کر دیا۔ میں دکان سے باہر نکلے ہوئے سخت

تو خیت کا حکار تھا۔ میں کیا تھا۔ میری حیثیت کیا تھی۔ کچھ بھی
نہیں صفر بے صفر۔۔۔ میرے آگے زندگی کا اتنا بڑا سفر پڑا
تھا اور میں ایک جوان مرد تھا۔ مگر میں کیا تھا۔ کچھ بھی تو
نہیں، زندگی کا سفر کاٹنے کے لیے کچھ نہ کچھ ذرا ہوا تو ہوتا ہی
چاہیے۔ وہ جو میرے پاس نہیں تھا۔ عابدہ کی محبت اور اطفال
مصر سے نجات کے بعد تو میں نے سوچا تھا اب عابدہ کے
ساتھ باقی زندگی ہمیں خوشی گزاراں گا۔ مگر یہی خوشی زندگی کیا
ہوتی ہے، اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا، آٹا کا دار پہلے کی
نسبت بہت سخت اور کڑا تھا۔ زندگی بسر کرنے کے لیے
وہ اپنے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور طحال کی روزنی کھانا تو
دینے ہی اتنے مشقت طلب کار مسلسل ہے۔ یا پھر انہی
تعمیر۔۔۔ ایسی تعلیم جو ایک انہی نوکری کی امید دلاتی ہو۔ لی
اس پالی کی ایک قیمت تھی آج کل۔ نوکری ہنر بھی نہیں جانتا تھا
میں۔ عابدہ کے ساتھ تو میں نے زندگی گزارنے کے بہت
سے خواب دیکھے تھے۔ اب ان تمام حقیقتوں کے تناظر میں
سوچتا ہوں تو اپنی بے بسی بدلتا آتا ہے۔ پورے شام کی
پہلیں مجھے دھڑکنی پھر رہی تھی، میرے دیکھو دیکھو دیکھو
میرے دل کے چاتے ہو رہے تھے، بے شک میرے ہی
خوابوں کی بھی کوئی کمی نہیں تھی، مگر یہیں؟ میں ان کی مدد
کیوں لیتا؟ ان کے سر پہ یہ بھائیوں بیٹا؟ کیا میری ساری
زندگی ترس کھاتے اور ہمدردیاں جھٹکتے ہوئے لوگوں کی
محاکاتی میں گزارنے کی؟

یہ ساری باتیں سوچتے سوچتے میں اس قدر تھوٹی اور
ماریں مارتے لگا کہ جی چاہا اسی وقت خود کو پولیس کے
حوالے کر دوں۔ پتہ نہیں کیوں آج میں اس ساری بھاگ
دوڑ اور مساعدا مات کی کشمکش سے اس قدر بیزار اور ہا
تھا کہ ان بارے میں کبھی مجھے آخر سوچنا پڑا۔ یہ بھلا کہ
کہ۔۔۔ میں بیل پڑا گیا تو عابدہ کا کیا ہوگا؟ اور تو سب چاروں
اندہ و دگر ہو جائے گی میری راہ میں دن رات بکسیر لگے۔
لیکن آنکھیں نہ کھائے بیٹھی رہے زندگی کی جتنی دھوپ و خوشی آئند
اور محنتی چھاؤں کی آس میں نہیں رہے وہاں کون تھا دنیا میں
میرے سوا اور میرا بھی کون تھا عابدہ کے سوا۔۔۔ مجھے شہید
جیاس خوس ہوئے گی۔ دھوپ کی تازت اور گرلی بھی مجھے
سب سانسے گی تھی، میں دکان سے باہر نکل کے محنتی بہ
مقصد کھڑا رہا۔ میرے گرد و پیش میں لوگوں کی آمد و رفت
ساری تھی۔ ٹریک کا شور اور نہانے کیا کیا تصامیم کا ایک
خوفناں جھیرا بھیرا ہوا تھا۔۔۔ مجھے اس سارے ماحول
سے پڑھانے لگی۔

MEDICAM

FLUORIDE ANTICAVITY TOOTHPASTE

HERBAL
FRESHNESS

MEDICAM

HERBAL
FRESHNESS

Whiter Teeth - An Explosion of Extreme Whitening
MEDICAM

FLUORIDE ANTICAVITY TOOTHPASTE

NET WT 4.17 OZ (118 g)

HERBAL
FRESHNESS

Herbal, Brightest & Spiciest

پھر اچانک ہی میں اردو ناک ماضی میں کھو گیا۔ مشکل، تنگ اور تنگ حالات میں کسی اپنے خوفی رشتے کا یاد آنا بھی لازمی امر ہے۔ ایسا خوفی رشتہ جس پر انسان کو فخر ہو، غرور اور... ایک قسم کی طمانیت ہو۔ میرا تو ایک ہی خوفی رشتہ تھا، باپ کا... یہ واقعی ایسا خوفی رشتہ تھا جس نے شروع دن سے آج تک میرے اندر کے انسان کو ڈھکی رکھا تھا۔ وہ کیا باپ تھا، جس نے کبھی ایک خوبصورت عورت کے کہنے پر مجھے نکال دیا اور خود سے غلطہ و کرنے کے باوجود مجھ سے اپنی پیرائہ محبت و شفقت بھی جتا دیا۔ مجھ سے مل کر اور مل کے چھوڑ کر آنسو بھی بہا ہوا تھا۔ یقیناً اس نے مجھے... یعنی اپنے لبت جگر کو خود سے دور کرتے وقت بڑے پتھروں و جگر سے کام لیا تھا۔

ہاں... جس کی شہید... ایک سوہومری جنگ... مجھے اپنے لاشعور سے اٹھتی... بڑی بھی بھی محسوس ہوتی تھی۔ پھر مجھے اپنی ممتاز بھری لعلی چھوڑنے میں رکتی محسوس ہوتی تھی۔ پھر اچانک کیا ہوا، یہ شہید چلی گئی، اس کی بیا ایک فرانٹ عورت نے لے لی۔ جس کی کڑھکی سے میں خوف زدہ ہو کے کئی گونے میں دبکا رہتا۔ ایک... سوہومری کا کیا زہن اور کیا دماغ ہو گا... مگر انسانیت و جذبات کی زبان ہونے سے زیادہ محسوس کرنے کی ہوتی ہے... اور وہ نہایت محسوسات جیسے لاشعور کے ساتھ چپے رہ گئے۔

ہاں آج تک یہ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ مجھے اپنے باپ سے نفرت کرنی پڑے یا محبت؟ ہاں دل و دماغ میں ایک دشمنی تھی... آپ جتنے بھی میری شناخت بھی۔ اب بڑے میں سوہومری نے مجھے کھٹکے ہو گیا تھا، ہر سوہومری سے ملنے سے تامل کرنے کی جاہاں میں روز بروز بڑھتے گئی تھی اور گزرتے وقت کے ساتھ اپنا پیش و پیر بدستوری ہوتی محسوس ہوتی تھی۔

اچانک کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور میں جیسے ماضی کے مجسمہ جزیروں کے ویران ساحل سے سر ٹکراتی پر شور موجوں کے چنگل سے لگفت آؤ ہو گیا اور چونک کر مڑ کے دیکھا۔

ایک پختہ عمر اجنبی شخص بڑی معنی خیز نظروں سے میری طرف غور رہا تھا۔

"... چپٹا چاہتے ہو؟" اس نے پوچھا۔ سلی خون ہنوز میرے ہاتھ میں دبا ہوا تھا۔ اس نے اشارے سے پوچھا۔

"ہاں؟" بے اختیار میرے منہ سے نکلا۔ میرے

اندروں پر ماندہ خیالات اور سوچوں کی پلکار دھیرے دھیرے کم ہو رہی تھی۔

"لاؤ... دکھاؤ... کتنے لوگ..." اس نے میرے کندھے سے ہاتھ ہٹا کر میری طرف بڑھا دیا۔

"پہلے تم قیمت لگاؤ۔" میں نے سوہومری سے اس کی طرف بڑھا دیا اور ساتھ ہی اس کا جائزہ بھی لینے لگا۔ ہلکا پر وہ ایک خام سا شخص نظر آ رہا تھا۔ شاید کان پر ہی موجود کچھ اکوں میں شامل دیکھا نکال رہی جس نے پہلے ہی اپنا شکار میری صورت میں پا لیا تھا اور شاید میری مجبوری کو بھی...

"... پانچ سو سے ایک پائی اوپر نہیں دوں گا۔" وہ اسے ٹانہ پر پی کے انداز میں گھٹ پٹ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

"اصولاً پانچ سو..." میں اس کی طرف دیکھ کر وہابی کی ہیرت سے بولا۔ میں کسی منافع کرنے کی خاطر یہ نہیں بیچ رہا تھا لیکن بیسٹ فی حالت آئی زیادہ پہلی بھی نہیں تھی، میں ہرگز نہ پانچ سو کی امید رکھتا تھا۔

"... اسے میاں کہاں ہوا؟" وہ خراشت پن سے بولا۔

"... بیسٹ وہاں ہے گریڈ کر باہر قدم رکھو تو اس کی قیمت آدھی ہو جاتی ہے۔ اور پھر... تمہارے پاس اس کا ٹاؤ ہوا؟"

میں نے سوچا۔ پانچ سو بھی غلیٹ تھے اور ایشیا میں سر ہار دیا۔ اس نے پانچ سو کا ٹوٹ مجھے کھڑا کیا اور بیسٹ لے کے چل دیا۔

میں نے سب سے پہلے غصے سے پی پی کے روٹین گلاس پہنے، اس کے بعد سوچنے لگا۔ پہلے کسے فون کر دوں۔ گھوم پھر کے فون میں آسے کا نام لیا۔ یہ کونسی خیر پر اس وقت وہ ہی میری ضرورت تھی۔

ایک قریبی پلی ای او جا کر میں نے آسے کے نمبر پر رابطہ کیا۔

مراہندہ ہوتے ہی وہ جیسے بڑ بڑاتی آواز میں بولی۔

"تو... تم... آپ کہاں ہو اس وقت؟ خیریت سے تو ہونا؟" شہزی؟ "اس کے بولنے کے انداز سے میں سمجھ گیا کہ ضرور اسے کسی گزیر کا علم اور آپ جس کی وجہ سے وہ اس قدر پریشان اور ہولناکی ہوئی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں... آسے صاحب! ایک پلی سی اسٹ بات کر رہا ہوں..." میں نے جواب دیا اور ڈاکٹر سوچ رہا تھا کہ اسے خود غرض اور احسان فراموشی مگیتری بیان کی رہنمائی کے بارے میں آگاہ کروں یا نہیں۔ میں نہیں

شاہزاد صاحب! آپ ایک عظیم انسان ہیں آپ وہ انسان ہیں جو اپنے لیے نہیں... دوسروں کے لیے جیتے ہیں۔ میں نے آپ سے مشکل کچھ پر اپنی خبروں کی رپورٹنگ کا کام اور ادارے پر سے ہٹا دیا۔ اور بہت کچھ آپ کی زبانی بھی میں نے سنا ہے اس کے بعد سے تو یقین کیجیے میں خود آپ سے شرمسار ہوں۔ میں آج تک صحافت میں وہ کام نہ کر سکی جو آپ نے اپنے زور بازو سے کر دکھایا... اور وہ ہے... باطل کو حق کی طاقت سے زیر کرنا۔ بلکہ میں تو خود اپنے عزم کر چکی ہوں... کہ آپ کا ہر معاملے میں ساتھ دوں جو برائی کے خلاف برسرِ پیکار ہو۔ شاہزاد صاحب! انسان دنیا میں ہی لیے نہیں آیا کہ اس کو بھیا بھا اور سوچ مستی میں گم رہے۔ انسان کو ایک مقصد کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ جہاں برائی دیکھے اسے مٹانے کی کوشش کرے، جہاں نا انصافی اور ظلم کی آگ کو جھونکا دیکھے اسے بجھانے کے لیے کوشش کرے، میں نے بھی اسی مقصد کے لیے ہی صحافت کی دنیا میں قدم رکھا تھا۔ وہ ظلم اور کیمرے کے زور سے جہاں نا انصافی اور برائی کو دھنسنی اسے منظر عام پر لانے کی کوشش کرتی، لیکن اسس کو آپ کے سلسلے میں مجھ سے ایک بھیا تک غلطی ہو گئی مگر اب میں نے بھی اپنے عزم کو رکھا ہے کہ جب تک میری غلطی کا ازالہ نہیں ہو جاتا، آپ کا ساتھ میں نہیں چھوڑوں گی۔"

میں خاموشی سے اس کی خواہی مشکوستانہ رہا اور اس کے بارے میں اندازہ قائم کرتا رہا۔ پہلے پہل وہ بھی اپنے ریمان کی طرح ثابت قدم اور جذباتی لڑتی محسوس ہوتی تھی، لیکن متوقع خطرات کی بنیاد کا اندازہ ہوتے ہی ریمان پیچھے ہٹ گیا تھا بلکہ اظہارِ بے خلاف قدم بھی اٹھ چکا تھا۔ اس کا مقصد یقیناً یہی رہا ہو گا کہ سب جھوٹ بھی ہو سکتا ہے یا پھر وہ مجھے گرفتار کر دے کہ اپنی منگیتر آسیہ کو اس سارے خطرناک چکر سے آزاد کرانا چاہ رہا تھا۔ جس میں پڑنے کا وہ عزم کر چکی تھی۔ جبکہ آسیہ... کے جذبات میں مجھے اب تک اپنی اجوش اور جنگی کیفیت کی جھلک محسوس ہو رہی تھی۔ بلا شہود ایک باعزم لڑکی ثابت اور ہی تھی جو ثابت قدمی کے ساتھ نہ صرف اس مشکل گھڑی میں میرا پورا پورا ساتھ دینے کا گویا عہد کر چکی تھی بلکہ اسے اپنی غلطی کا بھی احساس تھا۔

"ایک پتا نوٹ کریں... اور فوراً اسے چیئر وہاں پہنچنے کی کوشش کریں۔" معاویہ دوسری جانب سے دوبارہ اس کی آواز ابھری۔

"میں کچھ رقم لے کر وہاں پہنچ رہی ہوں۔ مگر خیال

چاہتا تھا کہ دونوں کے بچے کوئی ناچاتی ہو۔"

"شکر ہے خدا کا۔" دوسری جانب سے آسیہ کی قدرے طمانیت بھری آواز ابھری مگر دوسرے ہی لمحے ہوئی۔

"... ریمان کا فون آیا تھا۔ آپ کے خاموشی سے ٹکس جانے پر وہ بڑے پُر زور اصرار سے آپ کے بارے میں مجھ سے دریافت کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور خاصا پرہم بھی ہو رہا تھا۔ لگتا ہے اسے مجھ پر شبہ ہو گیا ہے کہ میں نے پہلے ہی آپ کو اس کے عزائم سے باخبر کر کے بھگا دیا ہے۔" لمحہ بھر توقف کے بعد ہوئی۔ "لیکن شاہزاد اونی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا... اس نے پولیس کو آپ کے سلسلے میں اغوا کر دیا تھا اور اب آپ کے غرار کے بعد وہ خود پولیس کے چکر میں آ گیا ہے۔"

اس کی بات سن کر بے اختیار میں نے ایک غصہ منی سانس بھری اور اسے ریمان کی چوڑی پیچھے کی پولیس اسپیشل کے ساتھ دہانے والی گفتگو کے بارے میں آگاہ کرنے کے بعد بولا۔

"اس نے ایک غلط قدم اٹھایا تھا... آسیہ صاحبہ!... لیکن میرا نہیں خیال کہ پولیس اسے زیادہ ایجنٹس کی... وہ معاملہ نمٹانے گا... لیکن میرے ساتھ ایک مسئلہ ہو رہا ہے۔"

"ہاں... اب... پولیس... میں تو خود آپ کے لیے پریشان ہو رہی تھی اور کسی طرح راستے کی کوشش بھی کر رہی تھی آپ سے۔" وہ پریشان لہجے میں بولی۔

"لیکن مجھے جلد پتا چل گیا کہ ریمان نے وہ دم پیک کر ادی ہو... جو ان نے آپ کو دی تھی۔ خیر... مسئلہ بتائیں۔"

"میں بتان چاہتا ہوں... مگر میرے پاس کمرائے وغیرہ کے لیے رقم نہیں ہے۔" بتاتے ہوئے مجھے اندر سے شرمندگی محسوس ہونے لگی۔ بے شک میں آسیہ کی وجہ سے ہی ایک بڑی مصیبت کا شکار ہوا تھا مگر پھر بھی اس طرح اپنی مجبوری بتانا مجھے قیمتِ آمیزندہ امت سی محسوس ہو رہا تھا۔

"... مجھے پہلے بتا دیجئے آپ۔" دوسری جانب سے وہ ہوئی۔ "خیر... اب آپ فکر نہ کریں میسوں کا بندوبست ہو جائے گا۔"

"مگر یہ مجھ پر آپ کا ادھار رہے گا۔ میں آپ کو لوٹا دوں گا۔" میں نے جلدی سے کہہ دی دیا تو وہ نہایت سنجیدگی سے ہوئی۔

رکھتا پولیس آپ کے پیچھے نہ لگے۔ ایک بار پولیس کی نظروں میں آگئے تو معاملہ بگڑ جائے گا۔ میں چاہتی ہوں آپ جلد از جلد باہمی خاتمہ شہاء کے پاس پہنچ جاؤ۔۔۔ بعد میں وہ بہت کچھ سنہال نہیں گی، اور میں بھی تھوڑے دنوں بعد وہیں آ جاؤں گی۔“

میں نے اس کا دل سے شکریہ ادا کیا اور پھر اس کا بتایا اس پر کچھ طرح ذہنی نشیمن کر لیا۔

رابطہ منقطع کرنے کے بعد میں نے اپنی ادا والے کو پیسے دیے اور باہر آ گیا۔ یہ بھی میں نے آسیہ کو فون کرنے کا رستہ لیا تھا۔ مگر مجبور بنی تھی، اس کے سوا میرے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا۔۔۔ میری فون کال ریکارڈ بھی کی جاسکتی ہوگی۔

مجھے حیرت تھی کہ کسی طرح ایک بے گناہ اور عام سے انسان کو ایک خطرناک مجرم کے طور پر پیش کیا جا رہا تھا۔ مگر آسیہ نے بھی میرے ساتھ سچ اور اصل مجرموں کو بے نقاب کرنے کی نشان دہی کی تھی۔ بلاشبہ وہ ایک باعزم اور سچ کی پیروی کرنے والی خاتون تھی۔

آسیہ کے بتائے ہوئے پتے پر میں ایک رستے کے اوپر بیٹے پہنچی۔ یہ ایک باڈرن انڈین ریسٹورانٹ کا پتہ تھا جو آبادی سے قدرے الگ تھلک ہے، بالائی وے کے قریب واقع تھا۔

پتا نہیں آسیہ نے آدھی سے اتنی دور ریختی ہوئی گولیوں کیوں منتخب کیا تھا۔ مگر اس کی یہ حکمت بھی سمجھ آتی تھی کہ وہیں اس نے اپنی پولیس دفینر کی نظروں سے بچنے کے لیے چھپا دیا۔ میں اس ریسٹورانٹ کو دیکھ کر سمجھنے لگی تھی کہ یہ تو اچھا

کر تھا۔ آسیہ نے مجھے وہ مقام بتا دیا تھا جہاں آج کل سے پتھر پھینکا کر لگا کر قتل کیے جاتے ہیں۔ ایک سنگ ہالی تھا جو کراؤن فلور پر بنی ہوئی تھی۔ یہی پولیس کا اس ریسٹورانٹ کی طرف کم بنی دھیان جاسکتا تھا۔ شیشے کے جھارے بھر کر دروازے کے قریب پہنچا تو وہ باور دہی افراتفری سے اسیب سے ہٹ کر مجھے سلام کیا اور دروازہ کھول دیا۔

اندر سینٹرل اسے سی کی ٹھنڈک سے یکدم ہی جسم و جان میں خوشگوار سی تازگی اتر گئی۔

میں پچھلے فرش پر پڑا حقد چال چلتا ہوا ایک کونے والی میز پر جا بیٹھا۔ اس وقت تو اتنا خاموش دیکھنے میں نہیں آ رہا تھا مگر دن ڈھنسنے سے رات گئے تک یہی ٹاپا ہوا لوگوں کی آؤک جاؤک بڑھ جاتی ہوگی۔

میں نے چکن کاربن سوپ کا آرڈر دیا اور ساتھ ہی

باور دہی دینے سے کہہ بھی دیا کہ میری ایک ساتھی آنے والی ہے۔ شاید ہم لچ بھی کریں۔۔۔ وہ سر ہلا کر مسکراتا ہوا غوث گیا۔ پتا نہیں چکن کاربن سوپ کتنے کا تھا۔ دو تین سو ہی میری میب میں تھے۔ اسے لانے کا مقصد میرا یہ تھا کہ کہیں وہ مل نہ لے آئے، کیونکہ آسیہ آنے والی تھی، رقم کے ساتھ۔۔۔ پھر مجھے مل کی پروا نہ ہوئی۔

بہر حال مجھے بھی بھوک لگی ہوئی تھی۔۔۔ سوپ سے کسی حد تک کام چل سکتا تھا۔ میں آسیہ کا انتظار کرنے لگا اور گاہے بگاہے پکے ہر شیشے کی دیوار سے باہر دیکھ دیکھ دیکھ کر بھی نظر ڈال لیتا۔

ذرا دیر بعد میٹرو سوپ کا بڑا سا باؤل رکھ کر چلتا ہوا

میں آہٹ آہستہ سوپ پیئے گا۔ ابھی میں نے نصف پیالہ ہی ختم کیا تھا کہ آسیہ آ گئی۔ منہ پر ہنس۔۔۔ دیوار کے بعد میرے سامنے والی چھتر پہ برقعہ لٹائی ہوئی۔ اس نے آپ کا تھکا ہوا سا پرس تمام رکھا تھا۔۔۔ میں نے چھتر پر ہنسنے کے بجائے اپنی گود میں رکھ لیا اور اسے حوالہ دے دیا۔

میں نے آسیہ کو اس آج کے لیے ”تیس“ میں لے پو پھا۔ ”وہ ڈرنک کالی ہے۔ میں ڈیڑھ ۲۰ روپے میں بیٹھ سکتی ہوں، آپ کو بیٹھنے کا مشورہ دوں گی۔“ اس نے کہا۔ ”۲۰ کچھ بھلت میں تھی۔ اس کی وجہ میں جانتا تھا۔ اتنی دیر میں وہی میٹر وہاں آئے۔ اس کا میں نے اسے کونڈا لڑتے لڑتے کہا۔ وہ چلا گیا۔ اس کے بعد آسیہ نے ایک دو باؤل سیرت دیے۔ اس کے اندر سمجھوتہ تھی۔ ایک باؤل چمک لگی تھا باؤل سا چھوڑ دیا تھا۔ اس نے باؤل ڈالیں تو میں باؤل پھینک دیا اور وہ بکے ہوئے گئے۔

”یہ رشتہ۔۔۔ پانی پانی۔۔۔“ وہ پو پو باؤل سیرت۔۔۔ اس کی سمجھ بھول سے ہے۔ اب آپ فوراً اٹھ کر اسے لگنے کی کوشش کریں اور مٹا دیں گے۔“ وہ باہمی خاتمہ سے ملاقات ضرور کرے۔“ اس نے کہا۔ میں نے یہ ساری چیزیں سنہال لیں اور اس کا ایک بار پھر دل سے شکریہ ادا کیا۔ وہ کولڈ ڈرنک پینے لگی، میں اپنا سوپ ختم کر چکا تھا اور آسیہ کے چہرے کی طرف۔ یوں ہی تھے جا رہا تھا کہ دفعتاً میں نے اس کا چہرہ دیکھ لیا۔ کولڈ ڈرنک پینے کے دوران اس کا چہرہ شیشے کی دیوار کے پار جھٹک رہا تھا کہ وہاں میں نے اس کی آنکھیں کھلی ہوئی دیکھیں۔ چہرے کے تاثرات میں ایک خوف آمیز پوکھلاہٹ سم آئی، نہ جانے اس نے باہر دیکھا کیا دیکھ لیا تھا۔ میں نے بھی قدرے چوٹک

سمت کی دیوار پہ تھا اور اندر کھڑا ہوا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا مجھے ایک سلائنگ شیٹ والی کھڑکی دکھائی دی۔ میں کھڑا پہ پاؤں رکھ کر اس پر چڑھ گیا۔ اس وقت مجھے دوش روم میں داخل ہوتے بھاری جنوں کی دھمک سنائی دی۔ میرا دل گویا سا نہیں سا نہیں کرتی کنبیوں پہ دھڑکنے لگا۔ کسی بھی وقت میرے ہاتھ روم کا دروازہ چیک کرنے کی باری آسکتی تھی مگر اس سے پہلے کہ ایسا ہوتا، میں نے سلائنگ شیٹ شیٹ کی کھڑکی کھول لی۔ اور ہاتھ روم ہی کی اندرونی دیواروں میں نصب پانچوں کے سپارے کھڑکی سے دوسری طرف کود گیا۔ کھڑکی آرم تڑا رہی تھی۔ جس کا میں پہلے ہی اندازہ لگا چکا تھا۔ ایک اور شخص مٹدی میں نے یہ کی تھی کہ اپنے ہاتھ روم کے دروازے کی اندر سے کھڑکی نہیں لگائی تھی ورنہ پولیس کا شبہ ہو سکتا تھا کہ کوئی یہاں سے اس کھڑکی کے در سے ہی فرار ہوا ہوگا۔ جب وہ دھمک کے جواب میں آواز نہ پا کر ہاتھ روم کا دروازہ توڑا لے۔

میں دوسری سمت کرنے سے پہلے روشن دان ٹائپ کھڑکی کا شیشہ دوبارہ دانی ہلکے سبز یا نہیں بھولا تھا ایک دنا میری یہ ضرورت کھول ہوئی تھی کہ جس دوسری سمت میں گرتا... دانی کوئی مجھے دیکھ نہ لے اور ایسا ہی ہوا تھا۔ یہ کھن کا کوئی دستور نہ چھو، سا کمر انظر آتا تھا۔ اور کھن اس کے ساتھ ہی غائب ہوئی تھا، کیونکہ اسٹور کے بند دروازے سے دوسری طرف مجھے کچھ لوگوں کے ہاتھ کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

میں نے اسٹور کا جائزہ لیا۔ یہاں کو کنگ آٹلی کے بڑے بڑے کھتر معدے اور آنے کے گرم کپڑے اور دیگر مصالحات کے جادو فیروز کے تھے۔

پولیس سے چھنے کی فوری ضرورت مجھے پتا تو نہ گئی تھی مگر غلطی ابھی سر پہ بھولی تھی اور کی طرح مساط تھا پولیس جہاں بھی چلائی کے لیے آسکتی تھی بلکہ یقیناً اس نے پورے وائسٹورنٹ کو گھیرے میں لے کر میری حواس شردع کر دی ہوگی۔

اندرونی سمت میں جانے کے باعث اسٹور کے اندر دنیا میں بھی نیم تار کی چھائی ہوئی تھی جو میرے لیے سوومند ہی گئی۔ میں آنکھیں پھاڑے تیزی سے جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

وفا کھن کی طرف سے آنے والے شور کی آواز بڑھ گئی... پھر کسی کے منہ سے میں نے "پولیس" اٹھاتے سنا۔ میرا دل کچھ ہلکا جیسے دھڑکنا بھول گیا۔ شاید پولیس کھن میں داخل ہو گئی تھی، اور کوئی بعید تھا کہ وہ اسٹور میں بھی دھائی

کرہی کی لگا ہوں کی سمت دیکھا تو مجھے آسیہ کی ٹرزی آواز سنائی دی۔

"شش... شش... شش..."

جب تک میں صورت حال کا اندازہ لگا چکا تھا بلکہ ہر رنگ کی شیٹ کی دیوار کے پار سامنے وسیع احاطے کے کھلے گیٹ سے پولیس کی ایک ہجیر وچسپ ڈبل ڈور جب جس کی چھت پر کھڑا ہوا تھا اور اس کے عقب میں پولیس کی ٹین موٹر بھی اندر تھمتی آئیں۔ میرا پورا وجود سسٹا اٹھا... آسیہ کی طرح گویا مجھے بھی یہ منظر دیکھ کر چند ثانیے کے لیے سکت ہو گیا۔

"مائی گاڈ۔ یہ ہو گیا۔" میری گم صم سامعوں میں اس کی بکھاتی ہوئی آواز ابھری۔ خود میرے اپنے اوسان خطا تھے۔ اور میرا دل اس روتاں سائیں سائیں کرتے لگا۔ میں نے فوراً اپنے قتل حواسوں کو سنبھالا... ذہن میں ابھرنے والے ایک خیال سے میں نے آسیہ سے کہا۔

"فوراً مجھ سے دور ہو جاؤ... اور اوپر کی منزل کے ہاں میں تمس جاؤ۔"

اس کی سمجھ میں نہ آیا بلکہ انت میں کر کہا۔ "بھئی جاؤ۔ پولیس تمہارا تعاقب کرتی ہوئی یہاں آئی ہے۔ وقت کم ہے۔ بھئی سے مجھ سے دور ہو جاؤ۔" وہ اب کہیں جا کر میری بات کا مطلب سمجھ گئی اور فوراً ایک فری زینے کی طرف بڑھ گئی جو اوپر کی چھوٹی کی طرف جاتا تھا۔ میں نے پرس اور ہونکلی سنبھال لیا تھا۔ پیر سے اور سر پہ چھائی ہوئی ڈرا سزیر کھن کا اب یہ پولیس کی موجودگی میں مزید شک کا باعث بن سکتا تھا۔ مگر اس کا فوری حل میرے ذہن میں آچکا تھا۔ ہر نو بلا کر میں نے پانچ سو کا نوٹ چھار دیا۔ اس سے دوش روم کا راستہ پوچھا۔ ششش میری تھی کہ میرے اندر اظہار اور چہرے سے بولکھا ہٹ و بکلت پا پریشانی ظاہر نہ ہونے پائے۔ وینر نے ایک طرف اشارہ کر دیا۔ میں سیدھا اشارے کی سمت بڑھا۔ میں نے الیت وائسٹورنٹ پورے وینر کے چہرے پر ابھرنے والی پوسٹنگ لکیریں بھانپ لی تھیں۔

سروست میرے پیچھے کی بھی ایک جگہ تھی۔ ابھی تھوڑی دیر میں یہاں جو بڑ لوگ مجھے دانی تھی اس کا مجھے اندازہ تھا۔ دوش روم خاصا کشادہ تھا اور یہ دوسرا بیکلو سے مڑن تھا۔ دیوار پر شفاف آئینے نصب تھے اور نیچے فینس دوش کھن تھے۔

میں ایک ہاتھ روم میں کھس گیا۔ یہ میرے سے آخری

میں فوراً بڑے بڑے ڈرم کے ڈھکن کھول کر دیکھنے لگا۔ ایک میں متعدد بہت بلی سچ پتھائیں نے ایک ہی خیال کے تحت اس ڈرم کو گرایا اور اس کے اندر سگڑ سمٹ کر سا گیا۔ اور اس کا منہ دیوار کی طرف کر دیا۔ یہاں میں نے جان بوجھ کر کیا تھا تاکہ پولیس بھرے ہوئے ڈروں کے ڈھکن چیک کرنے کے بعد اس گھرے ہوئے ڈرم کو خالی سمجھے۔ اور میں نے جیسے ہی اپنی کارروائی ختمائی، ادھر میری ہنگامی ہونی سماعتوں نے فوراً اسٹور کے دروازے کی دھڑلہ سے غلٹی آواز سنائی دی۔ اس پر بھاری قدموں کی دھمک سننے لگی میں نے گویا اپنی سانس تک روک لی۔

"اے... یا ریلوے ڈور مردود ادھر بھا کیسے آئے گا..." لے... دیکھو کوئی بھی نہیں ہے چل آگے..."

معاذ مجھے ایک ہی آواز سنائی دی۔ شاید کوئی اپنا ساتھی پولیس والے سے میرے متعلق ہی کہہ رہا تھا۔ میرا دل خوشی سے ہلکا پھلکا اٹھنے لگا مگر اس خوشی کو خاک ہونے میں بھی لمبے کی دیر نہ لگی تھی۔ کیونکہ اس وقت میری جیب میں موجود بیل فون کی "سٹیج فون" سمیت لگی۔ مجھے جیسے موت آگئی۔

"ہوئے۔ یہ نیسی آواز تھی، اور بلی کی قاتی ہے۔" دوسرے پولیس والے کی آواز ابھری۔

"اے... یہاں کوئی نہیں ہے۔ وہ گھڑی ریلوے اسٹیشن ہے۔ اس کے پاس کسی... کیا سبب سے بھا ہو گا۔ میں نکل... مجھے تو یہاں محض ہوری ہے۔"

دروازہ پر بعد جاتے ہوئے قدموں کی آواز ابھری اور پھر جیسے میرے تین مردہ میں ڈھنگ کی گڑبگڑ مچ گئی۔

میں نے ڈرم کے اندر سگڑ کے سنے ہی سب سے پہلے اس منہ بول سلی فون کو آٹ کر دیا کیونکہ پھر اس کی ٹوٹی ہوئی شکل میرے لیے کسی اہمیت کا باعث نہ بنے یہاں واقعی گری اور محض گئی، ظاہر ہے ٹیٹن کے اندر اسٹور میں اور کیا ہو۔ مگر میں خوش تھا، میری جان بچ گئی تھی، ابھی ابھی میں پولیس کے نرنگے میں آنے سے بال بال بچا تھا۔ وہ بھرے میری یہی کوشش تھی کہ... پولیس سے میری کسی قسم کا تکرار نہ ہونے مانے، اس صورت میں میرے تا کر وہ جرم مستثنیٰ میں بدل سکتے تھے، یعنی میرا قانونی طور پر بعد میں اپنا رفاق کرنا مشکل ہو جاتا۔

میں ابھی ایسے ہی سکرا سٹنا گری اور میں زردہ بچن میں ڈرم کے اندر پڑا رہا۔

کافی دیر گزر گئی، شاید نصف گھنٹے سے بھی زیادہ...

اب بچن میں بھی خاموشی طاری تھی۔ میرا بھی اپنے اس خطبے "فحشائے" سے اٹھنے کا بالکل ارادہ نہ تھا۔

مجھے آمیر کی طرف سے ٹیوشن لایا تھا۔ میں نے پولیس کو دیکھتے ہی اس لیے اسے خود سے فوراً رو کر دیا تھا۔ اب وہ کہاں تھی؟ میں نہیں جانتا تھا، کوئی بھی نہ تھا وہ پولیس کی زد میں آچکی ہو، اور وہی متوقع گھاگ پولیس انسپکٹر اسے اب تک اپنے زیر نگرین لایا چکا ہو یا لا رہا ہو۔

آمیر اپنا دفاعی خاطر بخولہ طریقے سے کر سکتی تھی...

میرا معاملہ اور ہوتا۔

میرے انداز سے کے مطابق جب مجھے مزید نصف گھنٹا اس طرح بیٹھنے سے غما فحشائے میں گزر گیا تو میری حالت زتر ہونے لگی۔ میں اپنے سے شرابور ہو چکا تھا۔ گری اور محض سے تو اب میرا دل بھی پھٹنے لگا تھا۔ میں نے سوچا کہ ہاں میں اس ڈرم سے تو باہر چلی آؤں... اور پھر میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک گھنٹے تک خود کو تھوڑا تھوڑا ڈرم میں مائے رکھنے کے باعث جب میں باہر نکل کر سیدھا ہوا تو میرا جواز جوڑ دھنکے لگا۔ بڑی مشکل جسے خود کو ڈرم میں اپنا گیا... میری گھر میں دوبارہ دھڑا سوس اور رہا تھا...

بھر دیا... اب میں کچھ بہتر محسوس کر رہا تھا۔ میں کچھ سوچ کر اسٹور کے دروازے کی طرف دھڑپاؤں بڑھا کر بچن کی طرف بھاگتا تھا، اور اس وقت بند تھا۔ میں دروازہ کھٹک کر فوراً اس کی کوئی چور بھری تلاش کرنے لگا۔ مگر ایک تو دروازہ کھٹکا عام ہول کا نہ تھا جو محض تختوں کا ہوتا، اس دروازے پر پچائی اور فارمیٹ کاچہ چاہو اتھا اور اترت تھا۔ تاہم کان لگا کر میں نے دوسری جانب سے کچھ سن سنا، نیپے کی کوشش پائی مگر کوئی آواز سنائی نہ دی۔ ایک خیال اچانک میرے ذہن میں ابھرا تھا کہ دروازہ ڈھکیا کھول کر باہر بھاگتا جاؤں، میں نے ایسا ہی کیا، شکر تھا دروازہ دھاک نہ تھا، کٹدی گودا کھٹا کر میں نے دروازے میں سب سے پہلے ہار پکھڑا تواری جھرنی بنائی۔

جن خالی نظر آیا جو خاصا وسیع تھا۔ یہاں سے متعدد بھر... رہے سورت کے ہال کا بھی منظر دکھائی دیتا تھا۔ وہاں چند لوگ ہی کھڑے اور بیٹھے نظر آنے لگے پولیس دکانی نہ دی۔

دفعتاً ایک خیالی بکلی لی سی تیزنی کے ساتھ میرے ذہن میں آیا۔

میرا ارادہ آمیر سے رابطہ کرنے کا تھا مگر پھر یہ سبق کر کے بچائے وہ کن حالات کا شکار ہو... مردست مجھے اس

آواز دھڑکے

گھڑی مسافر کو جیسے سڑک کرتی تھیں۔ جن کی خاص طور پر چینگ ہوئی تھی، جبکہ میں نے نسبتاً محفوظ راستہ اپنایا تھا، بے شک یہ راستہ طویل تھا مگر میں سمجھتا تھا کہ طوالت کے باوجود یہ میرے لیے محفوظ راستہ تھا۔ میں نے اپنا فون آن کر لیا تھا۔ آہستہ سے تو میں نے اکیلی راہ پر گھس کرنا چاہتا تھا بھر اس کے کہ وہ خود مجھ سے ملنے ٹوٹ کر رابطہ کرتی، بالآخر ارشد کو فون کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ مجھے اپنے دوست اول خیر... کی خبر ملنی تھی۔

بس میں پنجابی سرائیکی ریکارڈ چل رہا تھا۔ سستے کرائے والی اس بس میں عام اور غریبی سفر کر رہے تھے اور سب اپنے آپ میں منہ تھے۔ میں کھڑکی والی سیٹ پر تھا۔ میرے دائیں بازو میں ایک نو عمر لڑکا کانوں سے اثر فون لگائے اپنے موبائل سے پینڈیہ دگنے سننے میں محو تھا۔ میں نے ارشد کا فہرٹج کر دیا۔ اور قدرے کھڑکی کی طرف خود کو ہٹا کر سٹیل فون اس طرح اپنے کان سے لگا لیا کہ میرا دوسرا ہاتھ منہ کو ڈھانپ رہا تھا۔

دوسری طرف رنگ ٹون جا رہی تھی۔ تیسری رنگ پر ارشد کی آواز ابھری۔

"ہاں، ارشد! میں پول رہا ہوں شہزاد! میں نے محض مکان اپنی آواز دہرائی رکھی تھی، یوں بھی بس میں ریکارڈ بچ رہا تھا۔ جس مسافر کو موبائل پر کسی سے ضروری بات کرنا ہوتی، وہ اسی طرح ہی کر رہا تھا۔ اس لیے مجھ پر کوئی شبہ نہیں کر سکتا تھا۔

"انت... تم... ٹٹ... ٹھیک تو ہو؟... کدھر ہو؟ غیریت سے ہو؟"

میرا ذہن بھی اپنے کسی بھی خواہ سے رابطہ ہوتا ہے سب سے پہلے وہ بھی سوالات کرتا۔ اسے میں اپنی خوش قسمتی ہی تصور کرتا تھا کہ ان نامساعد حالات میں بھی ابھی میری تقدیر اتنی ستم کار نہیں ہوئی تھی کہ میں خود کو کسیلا سمجھتا۔

"میں ہائل ٹھیک... اور جلد از جلد ملتان پہنچنے والا ہوں۔ مجھے اولیٰ خیر کے بارے میں بتاؤ۔ وہ کہاں؟"

دوسری طرف سے دوبارہ ارشد کی آواز ابھری۔

"وہ ہائل ٹھیک ہے۔ اب ہوش بھی آ گیا ہے اسے۔ ہوش میں آتے ہی اس نے سب سے پہلے تمہارے بارے میں پوچھا تھا۔"

"میں اسے میری طرف سے تسلی دے رہا تھا، چاہے تھی تاکہ اس کے ذہن اور طبیعت پر اس کا مثبت اثر

ریمونٹ سے نکل جائے چاہیے۔ میں نے اپنی گزشتہ کارروائی کو ریمونٹ کیا اور... وہ بار... روشن دان تھا کھڑکی سے... کہو کہ دوسری طرف واش روم میں آ گیا۔ یہاں بھی کوئی نہ تھا... میں دھڑکتے دل کے ساتھ باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں... ریمونٹ میں گنتی کے شخص چند ہی لوگ بیٹھے تھے۔ محلے کے لوگ ایک طرف کونے میں مختلف ٹولیاں بتائے کھڑے آپس میں کھسکھس کرتے نظر آئے۔ خارجی دروازے کی طرف بڑھنے سے پہلے میں نے شیٹے کی ریمونٹوں کے پار دیکھا تھا۔ پولیس جا چکی تھی، اور میرا یہ غرض بھی غلط ثابت ہوا تھا کہ جاتے وقت پولیس کے چند اہلکار اور سب قریب ہی مڑ گشت کر رہے ہوں گے۔ مگر شکر تھا کہ ایسا کچھ نہیں تھا... اب مجھے ریمونٹ سے باہر نکلتا تھا۔ یہاں اس بات کا فطرہ تھا کہ مجھے یوں لگتا دیکھ کر محلے کا کوئی شخص... دیکھ کر ہنسی نہ سکتا تھا۔ مگر میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ مجھے روکنے یا ٹوکنے کی کوشش کریں گے۔

لہذا میں پورا اعتماد چال کے ساتھ بظاہر اطمینان سے چلتا ہوا خارجی دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ مگر اندر سے میرا دل بری طرح ٹھٹھکا ہوا تھا۔ خارجی دروازے کی طرف بڑھنے کے دوران مجھے کسی کے اونچا بونے کی آواز آتی تھی، اور میرا دل یکبارگی دھڑکا تھا، مگر میں چلا ہوا اور بالآخر شیٹے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

پھر میں نے ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگائی... اور ایک ٹیکسی میں سوار ہونے کے بعد کرایہ بٹے کیے بغیر رانیور کو... لاری والے چلنے کا کہا۔

ایسے گا کہ جن سے کرائے کی کی ٹیکسی پر سوار کیا گیا، پڑے، ان سے ٹیکسی فوراً خارج ہو کر چلے جاتے ہیں، لہذا اس نے فوراً ٹیکسی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

لاری آگے بڑھی کر میں نے ٹیکسی ڈرائیور کو منہ مانگا کرایہ دے کر فوراً کر دیا۔ میں نے دانستہ گھڑی مسافر کوچ کے کہاے... عام سی لاری کو ترجیح دی تھی اور ملتان جانے والی لاری میں سوار ہو گیا۔

آدھے گھنٹے بعد یہ لاری مسافروں سے کچھ کچھ بھر چکی تھی۔ اس کے مزید نصف گھنٹے بعد بس نے ریجن کے اندر میں بڑھنا شروع کر دیا۔

ملتان سے ملتان کا سفر شروع ہو چکا تھا، میں نے لا اور سے ملتان واپس کا سفر دانستہ ملتان روڈ سے نہیں کیا تھا۔ اس راہ پہ گھٹاں حالی پڑتا تھا۔ اور پھر اس دھڑکے پر مرکز نشین

"ہاں... ہاں وہ تو ظاہر ہے مگر وہ تمہارے لیے فکر مند ہو رہا تھا۔"

"وہ ابھی تک ہسپتال میں ہے یا..."

"اسے ڈسچارج کر دیا گیا ہے۔ وہ اب بیگم والا میں ہے۔" ارشد نے بتایا اور بے اختیار میں نے طمانیت بھرنی سانس لی۔

"تمہارے پاس آخر کتنے نمبر ہیں؟ ہر بار سے نمبر سے رابطہ کرتے ہو... نور پور پچھلا نمبر ملتا ہی نہیں ہے تمہارا۔" وہ بولا۔

"اب اس نمبر سے تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" میں نے کہا۔ "اول خیر کو میرا سلام کہتا... اور فی الحال یہ وقت ضرورت میں خود ہی تم سے رابطہ کرتا رہوں گا۔ فون پر زیادہ دیر گفتگو مناسب نہیں، خدا حافظ۔"

میں نے رابطہ قطع کیا ہی تھا کہ سیل کی بیل بج گئی۔ میرا دل یکبارنگا ہو گیا دھڑکا۔ اسکرین پر نمبر اجنبی تھا۔ میں نے کان سے لگا کر یہ کیا تو دوسری جانب سے ابھر نے والی آواز بھی اجنبی ہی تھی مگر یہ ایک نسوانی آواز تھی۔ جس نے مجھے برقی طرح ہنسنے پر مجبور کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو آپ شہزاد احمد خان؟" اجنبی عورت نے دوسری طرف سے استفسار کیا۔

"جی ہاں مگر آپ کون؟" میری پیشانی پر غباروں کا جال سا بن گیا۔

"ایڈووکیٹ خانم شاہ شاہد ہوں۔ جی ہوں۔ ملتان سے۔" آسیہ نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔

خانم شاہ کا نام سننے پر مجھے اختیار میں ہر سکون ملا ہو گیا۔ اور فوراً انہیں احتراماً سلام کر کے بولا۔

"جی... جی... آسیہ صاحبہ نے آپ کا مجھ سے تعارف کر دیا تھا۔ اور میں اس سے آگے نہ کہہ سکا... وہ بول چال تھی۔"

"میری بات خود سے سنو مگر پہلے یہ بتاؤ تم کہاں ہو اس وقت؟ پولیس کے رٹے میں تو نہیں ہو؟"

"میں اس وقت ایک مسافر میں ہوں اور لاہور سے مکان کے لیے روانہ ہو چکا ہوں..."

"بھیکس کھا۔" بے اختیار اس کے دعائیہ الفاظ ابھرے... میں چونک چکا وہ بولی۔

"آسیہ نے ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی مجھ سے فون پر

رابطہ کیا تھا اور تازہ صورتحال کے بارے میں بتایا تھا۔ سرورست وہ تم سے رابطہ نہیں کر سکتی... ایک مجبوری ہے اسے مگر مجھ سے بات کر کے اس نے مجھے کہا تھا کہ تمہاری غیریت صغوم کر کے اسے بتا دوں..."

"کس دن؟ پولیس کے ہتھے تو نہیں چڑھ گئی ہے؟" میرے لیے میں تشویش مکی۔

"ایسا ہی سمجھ لو... رہنمائی میں خود ہی معاملہ خراب کر دیا تھا اور بڑا وجہ خود ہی پولیس کے گھن پھر میں آگیا اور آسیہ کو بھی پھنسا دیا۔ یہ تو شکر ہوا کہ پولیس کے چھاپے کے دوران رہنمائی میں چڑھ نہیں گئے۔ ورنہ آسیہ بھی مکی ہو جی... پھر آسیہ کی گلو خالصی کر دانی ہے۔ تم ملتان پہنچے ہی سیدھے میرے پاس پہنچو۔ آسیہ بھی دو ایک روز میں آجائے گی۔ ہائی کوریڈر میں آجائیں۔ معلوم ہی ہے۔"

وہ اپنے حق میں سب کچھ کہہ گئی۔ میں بڑے حیران سے اس کی بات سن رہا تھا۔ وہ چند لمحے توقف کے بعد بولی۔

"میری لائیو پراسسنگ کرنا ضروری ہے۔ شہزاد بے حد ضروری... تم سمجھ رہے ہو؟"

"جی... جی ہاں بالکل خانم صاحبہ!" میں نے فوراً کہا۔ وہ بولی۔

"میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ قول آسیہ کے ملتان میں تمہارے اور بھی ایسی خواہش ہو رہی ہو گی مگر ابھی تمہارا خودی طور پر اس سب سے پہلے مجھ سے ملنا ضروری ہے۔ میں فون پر مستند کر رہی ہوں اور آسیہ کو تمہاری غیریت کے بارے میں بتاتی ہوں۔ بے چارہ بہت فکر مند ہو رہی تھی، اوستہ... خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" میں نے بھی اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد میں نے سرورست پایا سنے بات کی، مقصد ان کی اور غاہہ کن اسنے بارے میں سلی کر دیا تھا۔ اور یہ پتا نہیں دیتا تھا۔ ساتھ ہی میں نے انہیں اپنے آنکھ کے انجکشن کے بارے میں بھی بتا دیا۔

"مگر بیٹا! پھر بھی مجھ سے رابطے میں رہنا اور ملتان پہنچنے ہی مجھے فون کرنا۔ یا میں بھی تم سے رابطہ کرنا رہوں گا۔" انہوں نے کہا۔ میں نے جی اچھا کہہ کر سیل آف کر دیا۔ انہوں نے مجھے شکایت کی بھی غیریت سے پہنچنے کی اطلاع دی تھی۔

اس تمام سی مسافر میں کی سٹیشن پر بارہا بڑی یا آرام دہ نہیں تھیں۔ کہ میں اس کی پشت گاہ سے چپہ اور سرنگا کر ڈرا

شہر میں موسیقی

شہر میں موسیقی کی ایک بہت بڑی محفل کا اہتمام ہو رہا تھا۔ ایک صاحب پروگرام نمبر کے پاس آئے اور پروگرام میں شرکت کی اجازت چاہی۔

نمبر: "آپ گانا گاتے ہیں؟"

وہ صاحب: "نہیں۔"

نمبر: "سارے گاتے ہیں؟"

وہ صاحب: "نہیں۔"

نمبر: "تو پھر طبلہ بجاتے ہیں گے؟"

وہ صاحب: "نہیں۔"

نمبر (بھیلا کر): "تو پھر آپ کیا بجا سکتے ہیں؟"

وہ صاحب: "تالیاں۔"

مسعود مجتبیٰ - کراچی

خاموشی

پوری محفل بات چیت اور بحث و مباحثے کی رزم گود بنی ہوئی تھی لیکن ان میں پتہ ایسے بھی تھے جنہوں نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ بولنے والوں نے ان کا مذاق اڑا دیا۔ "صحابیوں اس محفل میں چند گونگے بھی آگئے ہیں، ان کی خاموشی نے اس بامعنا دیہات محفل میں قدر سے بد مزگی اور بوریت پیدا کر دی ہے۔"

ایک کم گونے محفل میں پہلی بار زبان کھولی دیا۔

حضرات! ان صاحب کا فرمانا بجا جواب میں، میں سرف دتا عرض کروں گا کہ خاموشی سے فراموش نہیں پیدا ہوتی اور اگر کہیں پیدا ہو بھی جائے تو ان کا تدارک آسان ہوتا ہے مگر گفتگو اور زیادہ بولنے سے جو خرابی پیدا ہوتی ہے اس کا تدارک مشکل ہوتا ہے۔ پھر حاضرین محفل سے سوال کیا: "کیا آپ نے پانی سے بھری ہوئی مٹک دیکھی ہے۔"

حاضرین میں سے چند آوازیں بلند ہوئیں: "ہاں دیکھی ہے۔"

اس شخص نے کہا: "تب پھر آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ مٹک کا منہ باندھ کر اس کا پانی روکا جاتا ہے۔"

کاشف سعید - لاہور

دیر کو آنکھیں موند کر سو جاتا۔ ایک تو اس میں تنگے اور چنگولے بہت تھے۔ پھر یہ بالی دے سڑک نہ تھی، پنجاب کے چھوٹے بڑے قصبوں اور دیہاتوں کی طرف سے گزرنے والی عام سی سڑک تھی، ہر طور... میرا تحفظ انہی چھوٹی چھوٹی مشکلات کو سمجھنے میں تھا اس لیے میں ممکن تھا۔

رات کے کسی پہر بس ایک رول سائڈ ہوکل میں رکھی۔ میرے مسافر اترنے لگے۔ میں بھی اتر گیا۔ مجھے ہوکل کی تھکی۔ ہوکل کے وسیع و عریض کپے احاطے میں کھری چار پانیاں بھی ہوئی تھیں۔ اس پر مسافر لوگ بیٹھے کھانا وغیرہ کھا رہے تھے اور چائے پی رہے تھے اور بھی آنے جانے والی مسافر بسیں وہاں ٹھہری ہوئی تھیں۔ میں ہوکل کے اندر جا کر ایک کونے والی میز پر بیٹھ گیا اور... چکن کڑا ہوا اور تندوری نان کا آرڈر دیا۔ ذرا دیر بعد ہی وینٹر نے گرم گرم کھانا میرے سامنے لگا دیا۔

آدھا کھٹے کا اسٹپ تھا۔ میں کھانے وغیرہ کھا کے سیر ہو گیا اور پھر سارے مسافر بھی رفتہ رفتہ کھانے پینے سے فارغ ہو سکے بس میں سوار ہونے لگے۔ میں بھی اپنی بس میں سوار ہو کے اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔

اچانک میری نگاہ ایک پولیس موپائل پر پڑی اور میں پریشان سا ہو گیا مگر مجھے اس میں کسی افراتفری کا عنصر محسوس نہیں ہوا۔ وہ شاید معمول کے گوشت پر تھے اور چائے وغیرہ پینے آئے تھے۔ مگر شکل یہ تھی کہ کھڑکی کی طرف پیچھے سیٹ تھی۔ اس کے بہت قریب ہی موپائل آئے وہ کی تھی، پولیس نے پہچان سکتی تھی مگر عام آدمی اپنی جلدی نہیں پہچانتے... ہر طور... میں نے اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے کی کوشش کر لی تھی۔

خدا خدا کر کے ٹوٹ بسیں میں سوار ہونے لگے۔ پھر ڈرائیور نے بھی کھالی کر اپنی سیٹ سنبھالی۔ بس کا انجن اشارت کیا اور تھوڑی دیر بعد بس روانہ ہو چکی تھی۔

پیٹ بھر کے کھانا کھانے کے بعد مجھ پر غنودگی سی طاری ہونے لگی مگر میں بس کی تکی ہوئی سیٹ پر سو نہیں پارہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ مسافروں کو بٹھانے کے لالچ میں ان بسوں کی سیٹوں کو جان بوجھ کر تنگ کر کے تعداد زیادہ کر رکھی تھی۔

میرا سر نیند کے حوالہ حملوں کے باعث بھی دایمیں جھونکے ہاتھ کرتا۔ آخر میں نے اپنا سر اپنی سہولت اور محدود گنجائش کے مطابق ایک طرف ٹکا دیا اور سو گیا۔

تھکانے میں کئی دیر تک اسی طرح بیٹھے بیٹھے سویا رہا تو

کدچا ک ایک تھکے سے میری آنکھ کھل گئی۔۔۔ کچھ شور مچا دیا تھا۔

مجھے اپنی آنکھوں میں جھن ہی محسوس ہو رہی تھی۔
ایسا سورج کی روشنی کے باعث تھا۔ بس ایک بار پھر کسی راڈ
سائڈ سیکے کے اوپر تیار کی تھی، تنہا بنے بھی اتر کر چائے
بست کا شہ کیا۔ پتا چلا کہ ملتان آنے ہی والا تھا۔ میری
منزل قریب تھی۔ یہ میری وہ منزل تھی جو ہر اطراف سے
فخرات میں غرق ہوئی تھی۔۔۔۔۔ مجھے انتہائی حجازہ ہو کے
اس منزل پر قدم رکھنا تھا۔ شکر تھا کہ اب تک راستے میں کوئی
خبر نہیں ملنی، یہ تک نہیں ہوئی تھی۔

میرٹھی سیٹ کی طرف کا حصہ مٹائی تھا۔ وہ لوگوں کا بھی یہ فحش تھا۔
ہوا تھا۔

میں نے سب فون میں سب سے پہلے وقت دیکھا۔ نو
نہ ہوتے تھے۔

تیل ایٹا سیٹ ہے آکر بیٹھ گیا اور خانم شاہ کا ٹھہری
 اگلے آگے ہی وہ تھا کہ ایک SMS موصول ہو۔
 سب سے پہلی سٹین ہائوس اوپن کیا تو ایک اجنبی ٹھہرا۔
 ایم ایس ملا۔ جب پڑھا تو برقی طرح لٹکا۔ وہ آہستہ کہتا۔
 صرف اس قدر دیکھا تھا۔ "پلیز ٹال می۔"

اب بتاتے یہ کتب اس نے مجھے بھیجی تھیں۔ یہ کتابیں
راستہ میں آف کر کے سوچا تھا۔ مگر اس کے مجھے کمال
نہیں کہنے کی ہمت تھی۔ میں نے صرف اتنی ہی کتابوں سے
دراپے کا اور دو ہونٹوں اور تیرے لیے اٹھان ان بھرتوں کا اس قسم
اس کی ضرورت ہے۔

آپنی جوتوں آسے سے نام کے محفوظ رکھنا تھا۔
"ایلو۔"

ایڈیٹرز اور صاحب۔ کیسے ہیں آپ؟ کہنوں ہیں؟“
دوسری جانب سے آسٹیک آواز آئی۔

میں ہنسی لٹکی ہوئی اور آپ کی مہربانی سے بہت جلد ملاؤں پہنچے والا ہوں۔" میں نے کہا۔ "آپ اپنے بارے میں جانتے ہیں۔"

”شکر ہے خدا کا... اب تک سب ٹھیک بہرہ
ہے۔“ اس کی قدر سے ملامت بھرئی آواز آئی۔ ”جس بھی
آج صبح سور سے ہی جاگ مچنی تھی اور ملتان آنے کی تیاری
کر رہی تھی۔“

میں نے ریشورٹ میں پولیس کے چھاپے کے بعد

کے حالات اس سے معلوم کرنے کا ارادہ کیا پھر کچھ سوچی کر
بدلی دیا۔ تاہم ایک پُراندیش خیال کے تحت بولا۔ "اگر
آپ متان آرہی ہیں تو پلیز اس سلسلے میں دیکھو کہ کھیت
بائیے گا۔ نہ ہی یہ کہ میں متان میں ٹپ کیا باجی کے پاس
جاؤں گا۔"

یہ تو اسے معلوم ہی ہے۔ "وہ فوراً بولی۔
 "وہ تمہیں؟" یہ صاحب نہیں اب یہ یحیٰی پر بھروسہ نہیں
 کرتا تھا۔۔۔ پتا نہیں وہ اپنی جھنجھ ہے یا غلط مگر میں نہیں چاہتا
 کہ تمہ سے متعلق کسی آئندہ کے پروگرام کا اسے دخل ہو
 چاہے۔"

”جیسا کہ آپ کی بات کا مطلب سمجھ رہی ہوں۔ وہ تھا کہ جو کچھ ہوں۔“

پولیس نے جیل خانہ کے اندر جانے سے انکار کیا۔ اس نے کہا کہ یہاں کوئی شخص نہیں ہے۔ پولیس نے کہا کہ یہاں کوئی شخص نہیں ہے۔ پولیس نے کہا کہ یہاں کوئی شخص نہیں ہے۔

آپ کے خط لہانہ کے پیچھے سے ملے پڑنے سے روکتے کی ہر
فکری کوششیں کر رہا تھا۔ میں نے بھی اسے کوئی تسلی بخش
جواب نہیں دیا تھا۔ اسی دن میں آپ کا قانون آگیا۔ جب
میں آپ سے ملنے ریلوے اسٹیشن پہنچا تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ
پولیس میپری بھی خطہ گمرانی کر رہی تھی۔ بعد میں اس نے دانش

ہندوئی اور بیدار مغزئی سے قہراً مذاہنات کا اور انکے کمرے
ہونے، مجھے خود سے دور کر دیا۔ اور میں بھی، بالورا
ریسٹورنٹ کے دوسرے فلور پر جا کر ایک خالی میز پر

بابا جی جی۔ بعد میں پولیس آئی اور وہ لپٹ کر محفوظ جگہ پر چلے گئے۔

وہ مست کے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ چونکہ میں خود بھی رچھوڑا ہوا اس لیے وہ مجھے نہ پاوے تک نہیں کر سکتا تھا اور اپنا سامان لے کر دو گھنٹہ پہلے اصرار میں آپ کے لیے دیا تھا جس مانگ رہی

آپ سے بات کرنے کے بعد میں خاصا مطمئن تھا۔
پھر میں نے خانم شاہ سے بھی رابطہ کر کے اسے اپنے جلد جاننے
کی اطلاع دے دی۔

تھوڑی دیر بعد میں رونا شروع ہو گیا۔

f PAKSOCIETY

کے ساتھ ہو جیسے۔ میں نے اس سے کچھ نہیں چھپایا البتہ حکیم صاحبہ والا ذکر میں نے محکم اور عام انداز میں صرف اپنے دوست اول خیر کے حوالے سے کیا تھا۔

میرے حالات جاننے کے بعد وہ مجھ سے خاصی متاثر نظر آنے لگی۔ وہ چند مہینے گہری سوچ میں ڈوبی رہی اس کے بعد بولی۔

"شہزاد تم واقعی ایک حوصلہ مند اور بہادر انسان ہو۔ تمہارا نیک عمل انسانیت کے حین مطابق ہے۔ تم نے عام مساعد حالات کا الٹ کیا جس جواں مردی اور ہمت سے کیا ہے بلاشبہ تم داد کے مستحق ہو۔ تمہارے جیسے ہی انسانوں کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ قدرت ایسے انسانوں سے کیا نتائج مددگار نے کا کام کرتی ہے۔ اللہ نے تم کو بہت بڑی توفیق بطور نعمت عطا کی ہے۔ جب تمہارا اپنا ماضی کر ب کجا ایک دھند میں لپٹا ہوا ہے۔ ایسے میں دوسروں کے لیے جینا تمہارا ایک قابل لائق عمل ہے۔"

خانم شاہ کے ان الفاظ میں میرے لیے جتنی تومسیر تھی وہ اس کے بھی اچھے انسان ہونے کی دلیل تھی۔ میں نے اس پر اس کا بھی فکر یہ ادا کیا۔ اور سادہ سے لکچ میں کہا۔ "میدم! آپ کا خلوص اور آپ کا بڑا دین ہے کہ آپ نے مجھے ایسا سمجھا لیکن حقیقت یہی ہے کہ میں تو خود ایک عام سا انسان ہوں اور ہر حال میں اللہ کا شکر گزار ہوتا ہوں۔ اب پتا نہیں یہ میری فطرت کا حصہ ہے یا میرے اچھے ماضی کے درد کا شائبہ نہ کہ میں کسی پر ظلم و زیادتی ہوتے برداشت نہیں کر سکتا۔ ظالم جب طاقت ور اور با اثر ہو جاتا ہے اور اس کے سامنے مظلوم ہوں کہ زور تو پھر میں اپنی فطرت سے مجبور ہو کر ایسے ظلم کے خلاف قیامت جاتا ہوں۔۔۔ جیسے جتنا مجھے گوارا نہیں ہوتا۔"

خانم شاہ بڑے دھیان سے میری بات سنتی رہی۔ اس کے بعد ہونے سے کھٹکھٹا کر بولی۔ "تمہارے جیسے بہادر اور باعزم لوگوں سے ہی ایک دن ملک و قوم کی تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ ورنہ تو ظلم و نا انصافی اور لوٹ کھسوٹ نے ہمارے ملک کو ہی نہیں قوم کو بھی ہستی میں گرا دیا ہے۔"

"اس کی وجہ ہمارے ملک کے امین الوقت اور طالع آزمائے مست واپس ہیں۔ جو اپنے ذاتی مفادات اور طاقت و اقتدار کے لئے میں اس قدر کم ہو جاتے ہیں کہ پھر انہیں عام عوام کے بنیادی مسائل حل کرنا تو دور ان کی طرف متوجہ ہونے کی توفیق نہیں ہوتی۔" میں نے آپ تک کی اپنی اخباری معلومات کے مطابق کہا۔

"آپ کتنے دلی ہوئی ہیں جب تک کچھ سوالات پوچھنا چاہوں گی۔" اس نے اس گہرے مہم جوئی کی طرف آتے ہوئے پہلو بدل کر کہا۔ میں نے اپنے سر کو اشارات میں جنبش دی۔

"تمہارے حق میں ہونے والے آخری مقدمے کے بعد یہ تو تمہارے ایک تفتیشی افسر مقرر کیا گیا تھا۔ کیا نام بتایا تھا تم نے اس کا؟"

وہ مستغفرا بولی۔ میں نے کچھ سوچ کر بتایا۔ "انسپکٹر فیض باجوہ۔"

"او۔۔۔ میں شاید انہیں جانتی ہوں۔ وہ فلیپ پولیس کے ایک فرخ شائن اور دیانت دار افسر ہیں۔"

خانم شاہ بولی۔ "نہیں انہیں اعتماد میں لینا ہو گا۔۔۔ عمر بھر میں ان سے بات نہیں کر دیں گی۔۔۔ جب تک اس ویدو گپ کی۔۔۔ سینہ باز پر تو یہ نہیں آجاتی۔ تم ایک کام کرو آپ کے آگے تک ان تمام کیوں کو بلاؤ جو ممتاز خان اور محنتوں۔۔۔ شہادت راجا کی بربریت کا نشانہ بنی رہی تھیں۔"

"یہ کام میں ابھی کیسے رہتے ہوں۔۔۔" میں نے یکدم جوش سے کہا۔ پھر ایک خیال ذہن میں آتے ہی پوچھا۔ "کیا آپ نے بتایا ہے کہ کون سا نئی جیل ایسے پروگرام کی آواز دے رہی ہے کہ وہاں انھارے گا۔ ظاہر ہے یہ کام مکمل رازداری سے ہو گا۔"

"ہاں! آپ اس سلسلے میں پہلے ہی ایک ٹی ٹی وی سے رابطہ کر چکی ہے۔" اس نے اشارات میں اپنے سر کو جنبش دے ہوئے کہا۔

"ایسے میں یہ ایک ایسا پروگرام ہو گا۔ جسے ہاتھوں اچھو لینے کے لیے ہر کوئی تیار ہو گا مگر یہ سب کچھ جلد ہی ہونے کا متقاضی ہے۔ تمہاری متوقع گرفتاری سے پہلے۔ ورنہ اس پروگرام سے اس تمہاری چھاپا مار گرفتاری۔۔۔ اس پروگرام کی حقیقت کو متاثر کر دے گی، مگر اس پروگرام کے بعد تمہاری از خود گرفتاری تمہارے حق میں بہتر ہوگی۔"

"جی۔۔۔ یقیناً، آپ نے بھی بتائی کہا تھا۔" میں نے تائید میں سر کو اشاراتی جنبش دی۔

اس دوران انہوں نے ایک فائل تیار کی، کچھ کاغذات وہ پہلے ہی ٹاپ کر دیا تھی۔ اس پر میرے دستخط لیے۔ یہ کاغذات نامزد تھا۔ سہ پہر تک آپس کی آگئی۔ اس نے بڑے جوش و خروش سے بتایا کہ ایک ٹی ٹی وی کا مالک اس پروگرام کو جلد ہی جلد آن ایئر کرنے کے لیے ہے

"کیا کہا تھا؟" میں منکراتے ہوئے لہجے میں مستطفر ہوا۔

"میں نے ان سے کہا تھا ہاں ڈاکٹر صاحب آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ دنیا میں ایک ہی ہے میرا پارا شہزاد احمد خاں! اس نے ہی پورے جی جان سے سو ڈاکٹریم سے میری زندگی کی دعا مانگی ہوگی اور ڈاکٹر مسکراتے ہوئے۔"

"اچھا... تم اب آرام کرو۔ میں بہت جلد تم سے ملنے کے لیے آؤں گا۔ مگر اس سے پہلے مجھے کچھ ضروری کام نمٹانے ہیں۔" میں نے آخر میں سنجیدگی سے کہا۔

"رکھو کچھ کا... تو ایسا کر ٹھیک صاحب سے بھی رابطہ کر کے اسے اپنی موجودہ صورت حال اور پوزیشن سے آگاہ کر دے۔ یہ ضروری ہے۔ مانا میری بات۔ ورنہ وہ سمجھیں گی کہ تو اسے کوئی اہمیت نہیں دے رہا... کچھ کر، پار۔"

"اچھا... اچھا... ٹھیک ہے۔ میں ان سے بھی ابھی فون پر بات کر لیتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اچھا اب رہا کھا۔"

اس کے بعد رابطہ منقطع ہو گیا۔ میں نے اول خیر کی بات پر غور کیا۔ اور ٹھیک صاحب سے بھی رابطہ کر کے انہیں موجودہ صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ مگر مجھے ان کی ایک بات سخت نا پسند تھی۔ وہ میرے سلسلے میں کی گئی کوششوں سے کبھی مطمئن نہیں ہوتی تھیں۔ وہ ہمیشہ ہی سمجھتی تھیں کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ غلط اور خطرے پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے برعکس انہیں اپنے آپ پر بڑا ذمہ تھا۔ ان کی یہ خود پسندی اور خود اعتمادی مجھے پسند نہ تھی۔ لہذا اس بار بھی انہوں نے مجھے بھرا بھرا دیا۔

"... ان ساری باتوں کا کوئی فائدہ نہ ہوگا شہزی! اس طرح تم اپنے ساتھ بہت سے ایسے لوگوں کو بھی اپنے خطرناک دشمنوں کی نظروں میں لے آؤ گے جو ان کی دشمنی اور بربریت کا مقابلہ نہیں کر پا گئے گے۔"

"میں قانونی طریقے سے اپنے دشمنوں سے نمٹنا چاہتا ہوں ٹھیک صاحب! میں نے سنجیدگی سے غصہ کرنا کہا۔"

"قانونی طریقے سے... م... ان کی طرز یہ آواز ابھری۔" تم کوئی وی دنیا میں رہتے ہو شہزی! یہاں قانون طاقت رکھنے والوں کے لیے ہے، کمزور لوگوں کے لیے نہیں۔ لوہے کو لوہائی کا تھا ہے۔ گڈی کے کائے کی کوشش کر دے کہ وہ ٹھوڑی سی گڑبگڑ بھرا جائے گی۔"

"ہو سکتا ہے آپ کی بات درست ہو۔" میں نے کہا۔

"لیکن میں نہیں سمجھتا کہ قانون اتنا کمزور ہے کہ وہ آنکھوں

میں چنچل... آج رات ہی اس حقیقی منظر رکھنے والے ڈرامے کو لائیو ریکارڈ کرنے کا بندوبست شروع کر دیا گیا ہے۔"

میں نے سر ہٹا کر ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور عابدہ اور شکیلہ سے بھی بات کی۔ نیز ارشد سے بھی رابطہ کر کے اسے ساری بات بتائی۔ اس سے کہا کہ جن لڑکیوں کو اس نے میری ہدایت کے مطابق ملتان کے دارالامان پہنچایا تھا، انہیں لے کر خانم شاہ کی رہائش گاہ تک پہنچے۔ وہ تیار ہو گیا اور وعدہ کیا کہ فوراً اس پر عمل کرے گا۔ آخر میں اس نے کہا کہ اول خیر تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔

ارشد اس وقت اول خیر کے قریب ہی تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ بستر پر دراز ہے اور مجھ سے بات کرنے کے لیے بے چین بھی۔

اول خیر سے بات کرنے کے لیے خود میرا دل ہے چین ہورہا تھا۔ اس کا مخصوص لہجہ سے باتیں کرنا مجھے بھلا کب بھولتا تھا۔

"... خیر... کا کا..." دوسری جانب سے اس کی مخصوص نیچے کلام والی آواز ابھری، لہجہ سے کمزوری ظاہر تھی۔ مگر انداز وہی ہی دیرینہ یار باش اور توانا تھا۔ یہ وہ آدمی تھا جو مجھے بہت عزیز تھا۔

"اول خیر... تم ٹھیک تو ہو نا... یار! میرے لہجے میں جذباتی سی لڑکھرائی نمودار آئی تھی۔

"اوسے۔" کا کا میری خیریت چھوڑ۔ اپنی جگہ پر تو بہت پریشان ہوں تیرے لیے ارشد کے مجھے یہ سب بتایا تو... میری سینہ میں کچھ حرام ہو گئی ہیں۔ پار... تو کہاں ہے؟ ادھر آ جا۔ میری آنکھوں کے سامنے آ کہ مجھے تسلی ہو جائے۔"

وہ بھی فرط جذبات سے کھینچا گیا۔ جاتے جاتے ارشد کو منع کیا تھا کہ ابھی اول خیر کو میرے سلسلے میں پورے حالات سے آگاہ نہ کریں۔ لیکن شاید وہ بھی اول خیر کی بے چینی اور ضد سے مجبور ہو گیا ہوگا۔

"یارا میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تم اپنی فکر کرو۔ تمہارے زخم کیسے ہیں اب؟ دیکھو مجھ سے چھپانا مت۔ ڈاکٹروں نے کیا کہا ہے؟" میں نے رسوائیت سے کہا۔

"او... خیر! کا کا... ڈاکٹروں نے تو اسے بخیر قرار دیا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے ضرور کسی ایسے آدمی نے اللہ سے تیری زندگی کی دعا مانگی ہوگی جو تجھے بہت چاہتا ہے۔ چاہے... پھر میں نے کیا کہا تھا ڈاکٹروں سے؟" وہ ہلکا۔

دیکھی حقیقت کو بھٹائے گا۔ آج کا دور ایسا شرابک میڈیا کا ہے۔ جو لوگوں کو سچ اور حقیقت دکھانے کے لیے اپنے اپنے ہاتھوں میں آئینہ لیے کھڑا ہے۔ جنہیں کوئی بھی توڑنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ آپ بس میری کامیابی کا دعا کریں۔ لیکن جو تو کوئی صاحب مشورے سے بھی نواز دینا۔

"خدا تمہاری مدد کرے شہزی" "تجیم صاحبہ کی یکدم دل گیری آواز ابھری۔ آج صبح کی بارانہوں نے مجھے کچھ اپنائیت سے شہزی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔

"میں جانتی ہوں تم میری کوئی بات، کوئی مشورہ نہیں مانو گے مگر میں بھی تمہاری ہر ممکن مدد کرنے سے کبھی ہجے نہیں ہٹوں گی۔ لیکن شہزی! تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔"

"کیا وعدہ؟" بے اختیار اور قدرے چونکتے ہوئے میرے منہ سے برآمد ہوا۔

"ک... تمہیں جب میری مدد کی ضرورت پڑے... یا خدا خواست تمہیں کوئی راستہ نہ ملے تو تم... میرے پاس ضرور آؤ گے، ایک ایسے دوست کے ماتے سنا... کرتے ہو وعدہ..." ان کی استغیاریہ آواز ابھری، ان کی آواز اور لہجے سے محبت چمک رہی تھی۔

"وعدہ کرتا ہوں میں، تجسم صاحبہ! میں نے بھی کہا ڈال۔" ایسا کوئی موقع آیا تو میں بھی آپ کو ایک ایسے دوست کی حیثیت سے ضرور یاد کروں گا۔" میں نے غصوں کیا میری بات پر دوسری جانب سے تجسم صاحبہ نے ایک ہلکی آہ سے مشابہہ سانس لی تھی۔ میں قہقہوں رہا۔ اس کے بعد رابطہ منقطع ہو گیا۔

لاشبہ تجسم صاحبہ کی شخصیت میرے لیے پراسرار تھی لیکن اب میں اسے پراسرار نہیں رہنے دینا چاہتا تھا۔ میرے دل میں اب اس کی کوئی آرزو نہیں رہی تھی کہ... ان کی گناہ شخصیت کو کھولنے کی سلی کرتا۔

راست تک ساری کارروائی لمٹا دی گئی۔ عابدہ کے سوا شکایت سمیت تمام لڑکیاں خانم شاہ کی رہائش گاہ پر پہنچا دی گئی تھیں اور شد و زور سے ساتھ تھا۔

ایک بڑے ہال کمرے میں آن ایئر لائٹ پر دو گرام کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہونے لگا تھا۔ میں نے اپنے چہرے پر کپڑا انتخاب کی طرح ادا لیا تھا۔ مذکورہ لکھی ہوئی چھیل کی چند افراد پر مشتمل ٹیم بھی موجود تھی، کیرا مین بھی تھا اور پروگرام شہزی... پروگرام شروع ہونے میں ابھی چند ہی منٹ تھے کہ اچانک میرے سیل فون کی ٹلنگ گونجی۔

اس وقت میں کوئی کال ایجنڈ کرنے کے سوڑ میں نہ تھا مگر جب اسکرین پر سرہ بابا کا نمبر دیکھا تو میں اسے رو نہیں کر سکا۔

"میں نے اپنا سیل کال سے لگا کر بیٹھو کہا اور ساتھ ہی سرہ بابا کو سلام بھی کیا۔ مگر دوسری طرف سے فوراً ہی سرہ بابا کی گھبراہٹ ہوئی آواز ابھری۔

"شش... شہزی... پتا...!... بہت تم کدھر ہو اس وقت؟ اور کیا کر رہے ہو؟"

مجھے ان کی آواز اور لہجے سے ہی تشویش نے آیا۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں اس وقت کہاں اور کیا کرنے والا تھا۔ میں ابھی کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ ان کی دوبارہ ہلکائی ہوئی آواز آئی۔ "شہزی پتا... عابدہ کو اٹھا کر لیا گیا ہے... لقمہ کچھ نہ کرو پتا۔"

"کیا...؟" عابدہ کے اٹھا کھانسنے ہی میرا دماغ بھک سے اڑ گیا اور دل و دماغ مجھے حواس چھوڑنے لگے۔ سینے میں ایسی جھنجھٹ اٹھی تھی کہ میری آلی جاتی سانسیں تک رک گئیں۔ چند ثانیہ تو مجھ سے بولا ہی نہ گیا۔ جب یہ مشکل ہوئی تو... اپنی آواز سنائی دیتی تھی۔

"تک... تک... کب... تک... کس نے انہو کیا؟" کسی نے فون کر کے بتایا تھا۔ تمہارا نمبر بھی مانگ رہا ہے تھے رابطے کے لیے 'وہ بتاتے تھے۔" مجھ سے دھمکی آمیز لہجے میں کہہ رہے تھے کہ فوراً تم سے رابطہ کر کے تمہیں وہ کچھ کرنے سے روک دوں جو تم آسیہ کے ساتھ مل کر کرنے والے ہو... آسیہ کا نمبر بھی مانگ رہے تھے۔ مجھے اس کا نمبر تو معلوم نہ تھا... مگر تمہارا نمبر میں نے انہیں دے دیا ہے۔"

اس وقت میرے سیل فون میں سرہ بابا سے رابطہ کرنے کے دوران ابھی ابھی باب کی گئی آوازیں آنے لگیں جس کا مطلب تھا کہ میری ایک اور کال آرہی تھی۔ میں نے اپنے خشک پڑتے ہونٹوں پہ ہانک پھیر کر سرہ بابا سے کہا۔

"بابا! میرے سیل پہ کس کی کال آرہی ہے، شاید انہیں کی ہو۔ وہ میں ایجنڈ کرتا ہوں بعد میں آپ سے بات کرتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے میں نے جیسے ہی رابطہ منقطع کیا۔ فوراً میرا سیل دوبارہ گونجنا لگا۔ میں نے دھڑکتے دل سے کال ریسیو کی اور بیٹھو کہا۔

"ممتاز خان بات کر رہا ہوں۔ تم شہزاد خان عرب شہزی ہو؟" بڑے دھڑلے والے انداز میں دوسری طرف سے کہا گیا۔ آواز بھاری اور گھروڑی تھی۔ یہ پہلا موقع کہ

بھی نہیں۔ لیکن چونکہ وہ جیسے بھی کی سونڈ کا راستہ مل جائے تو اسے کھینچنے کے لیے ہاتھی کو پاؤں بڑھانا پڑتا ہے۔ تمہارے ساتھ اس مہم جوئی میں شامل اس وقت کی سوائی لڑکی کو بھی ہم نے سبق سکھانے کے لیے یہی طریقہ آزمایا ہے۔ اس کا سلیٹر ریمان بھی ہمارے قبضے میں ہے، اور تم جانتے ہو اپنے بیٹے کے کئی پر اس کا باپ ذہیر خان کسی قدر ٹرپ رہا ہوگا۔ ریمان اس کے چنگل میں اپنی زندگی کا موت کا خطرہ ہے۔

تمناز خان کی طرف سے میرے لیے یہ دوسرا شاہک تھا۔ میں نے بے اختیار سلی فون اپنے کان سے لگائے ہوئے اپنے سامنے حیران پریشان کھڑی آسپہ کی طرف دیکھا تھا۔

"میرا وقت بہت قیمتی ہے۔ ہم نے سب کا بندوبست کر دیا ہے۔ تمہیں جواب چاہیے اس وقت۔ خود کو پولیس کے حوالے کر دو۔۔۔ بڑے بڑے بڑے بڑے پروگرام جس کا تم نے اور آسپہ نے ہم کو رکھنا ہے، اس سے بعض آجائے۔" تمہاری دوسری شرط ماننے کو میں تیار ہوں، ایسا کچھ نہیں ہوگا البتہ میں پولیس کو اپنی از خود گرفتاری اکی وقت دوں گا، جب عابدہ اور ریمان صحیح سلامت ہم تک نہیں پہنچا دیے جاتے۔" میں نے ایک شرط اس کی ماننے ہوئے دوسری ڈال دی۔

میرے منہ سے ریمان کے ذکر پر آسپہ کے چہرے کا رنگ حلقہ تشویش پر فانی ہو کر دھڑکیا۔ بے اختیار وہ قریب کی ایک کمری پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔ صورت حال کی خطرناک نزاکت کا اسے بھی اندازہ ہو چکا تھا۔ "میں نے اپنی شرائط منوانے کے لیے تمہیں فون کیا ہے، بے ضرر کیڑے تمہاری شرطیں ماننے کے لیے نہیں۔" دوسری جانب سے غراتی ہوئی آواز ابھری۔

"صرف دو دن کی مہلت دیتا ہوں۔ بعد کے نتائج کی ذمہ داری تم دونوں پر ہوگی۔" یہ کہنے کے ساتھ ہی دوسری جانب سے رابطہ منقطع کر دیا گیا۔ میں نے اس قدر حلقی کے ساتھ اپنے دانت بھینچے کہ میرے جہرے کی ہڈیاں تک ابھرا گیا۔

"گنگ... گنگ... کیا ہوا... شش... شہزادہ..." آسپہ نے کمری پر بیٹھے بیٹھے ہکلائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ تو میں نے اسے ساری بات بتا دی۔

خانم شاہ بھی فکر مند نظر آنے لگی۔ پروگرام کرنے والے کئی لی وی کے ارکان وہاں موجود نہ تھے۔ تاہم انہیں

تمناز خان مجھ سے مخاطب تھا۔ میرا وجود جیسے سیاہ آدمیوں کی زد میں آنے لگا۔

"ہاں، بول رہا ہوں، کیا بات ہے؟" میں نے وہی وہی سانسوں کے درمیان کہا۔ میرا تو اس آدمی کی ہر حرکت پر تھا، خوف سے ٹپک، جوشی ٹپک کے باعث۔

"تم نے مجھے بہت غلگ کیا ہے شہزی، جبکہ تمہاری حیثیت ہمارے لوگوں کے برابر بھی نہیں ہے۔" دوسری طرف سے تمناز خان نے بڑی فرعونیت سے کہا۔ "تم اس دور کے کی سوائی لڑکی آسپہ کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف جو کچھ کھلانے والے ہو، اس کا ہمیں پتا لگ چکا ہے۔ باز آجاؤ اس حرکت سے اور خود کو پولیس کے حوالے کر دو۔۔۔ عابدہ میرے ان آدمیوں کے قبضے میں ہے جو صرف میرے اشارے کے بے چینی سے منتظر ہیں۔ اندازہ لگائے ہو۔۔۔ عابدہ کا کیا حشر کریں گے؟"

میں کچھ کہنا چاہتا تھا۔ مگر میں نے اپنے حواسوں پر بہ وقت ترمیم قبول پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"تمناز خان، عابدہ کا ایک ہال بھی بچا نہیں ہونا چاہیے۔ میری کیا حیثیت ہے، اس کا نہیں بھی اب اندازہ ہو چکا ہوگا۔۔۔ یہ قسمی مجھ پر مسلط کی گئی ہے۔ رہی میری پولیس کی حوالگی کی بات تو وہ اپنے ہارے میں جو بیڑہ کھینچا گا وہی کروں گا۔ البتہ تمہاری اسی شرط پر غور کیا جاسکتا ہے کہ اگر تم عابدہ کو بغیر کوئی آئی دیے چھوڑ دو تو میں تمہارے خلاف سیڈ یا ہم روک دوں گا۔"

میں اب رفتہ رفتہ تمناز خان کے دباؤ سے چہرہ آ رہا تھا۔ میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میرے ہرگز موجود آسپہ اور خانم شاہ وغیرہ گم سم سے کھڑے تھے، میری باتوں سے اب تک شاید انہیں بھی سوچنا نہ ہو سکتا تھا حال کا اندازہ ہو چکا تھا۔

"بڑا سمجھتا تھا تمہیں خود پر۔۔۔ بے ضرر کیڑے۔۔۔"

دوسری جانب سے تمناز خان کی پُر غیظ اور پُر غرور آواز ابھری۔ "تمناز خان! اگر میں بے ضرر کیڑا ہوتا تو تم بھی ایسی بزدلوں والی حرکت نہیں کرتے، تمہارا ایک دھمکی آمیز فون ہی میرے لیے کافی ہوتا۔" میرے نے تلے جواب نے اس کی دعوت کو بچھاؤ کر رکھ دیا تھا۔۔۔ کافی لمحوں کی خاموشی سے اندازہ ہوا تھا مجھے کہ اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا۔ وہ اندر ہی اندر پُٹھیں انداز میں بٹھلا کر رہ گیا تھا۔ پھر اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری۔

"... تمہارے جیسے کی کہیں تو تمہاری دشمنی کے باعث

کسی بہانے چلا کر دیا گیا۔ میرا پورا وجود بے چینی میں جکڑ کر رہ گیا۔

"آخر... اسے ان ساری باتوں کا غم کیسے ہوا؟" میں... مضیاعاں سمجھی کر بڑبڑایا۔

"بھارے سوا تو کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ ہم... اس دینڈیوکھپ کا ایک قریبی پر وگرام ممتاز خان اور شہنت راجا کے خلاف لائیو چلانے والے ہیں، تو پھر... "خانم شاہ پر سوچ انداز میں کچھ کہتے کہتے رو گئی، تو آسیدیکدم پڑی۔

"مجھے اندازہ... ہے کہ یہ کسی کی حرکت اور کتنی ہے؟" اس کی بات پر میں اور خانم شاہ چونک کر اس کا چہرہ کٹکتے گئے۔

"... یا سہن ملک... اس کی وجہ رہا ہوگا۔" آسید جیسے خود گھما سید بڑبڑائی۔

"یا سہن ملک...؟ کون ہے؟" میں نے پوچھا۔ "جس کی فی وی چینل کے لیے میں کام کرتی تھی۔ یہ

اس کا ایک ہے اور ڈائریکٹر بھی۔ وہ دینڈیوکھپ ہی نے ہی چارگی تھی، وہ بعد میں حقیقت کا علم ہونے پر جب میں نے ان سے اس سلسلے میں تردیدی پروگرام چلانے اور ممتاز خان سمیت ذہیر خان کے بچے شہنت راجا کو کچا چھپا بھی کھ لئے کا الزام رکھا تھا تو اس نے صاف لاپرواہ کر دیا تھا۔ آسید سوچتے ہوئے تاثرات کے دوران جملے لگے۔

یا سہن ملک کی اس بات پر غصہ آ گیا تو میں نے قہقہے اور جھوٹے مس آ کر اس سے صاف گفتگوں میں لپکا ڈالا تھا کہ اگر وہ یہ پروگرام نہیں چلائے گا تو کوئی دوسرا چینل اپنی پروگرام کو ہاتھوں ہاتھ لے لے گا۔ اس پر یا سہن ملک ہنسکر پر اثر آیا

ہے۔ سب سے پہلے تو اس نے مجھے نوکری سے برخاست کرنے کی دھمکی دی اور کہا تھا کہ اس طرح اس کی چینل کی ساکھ متاثر ہوگی۔ اور مفت کی دھمکی مانا پڑ جائے گی۔ مگر میں نے اس کی پروا نہیں کی تھی۔ میرے عزائم کا اندازہ ہونے کے بعد جب میں نے خود ہی یا سہن ملک کے چینل سے استعفیٰ دیا تو اس نے مجھ پر کچھ اچھا لاشروع کر دیا۔ تین دنوں پر بھی وہ ٹھکرا ہو کے نہیں بیٹھا ہوگا، اس نے سب سے پہلے ذہیر خان کو مطلع کیا ہوگا اور بعد میں ہوسکا ہے ذہیر خان نے ممتاز خان سے بھی ذکر کر دیا ہو۔

آسید کی بات میں وزن تھا۔ یہ سارا سچا سچ واقعہ اور سنا کھ بچانے کا کھیل تھا۔

مجھے اپنی ستم کار تھدیر پر پھر حیرت ہوئی تھی، اطفال

گھر میں پرورش پانے والا ایک عام سا لڑکا کتنے بڑے ہاتھوں کے درمیان الجھ کر رہ گیا تھا کہ مفر کی کوئی راہ نہیں بھائی ایتی تھی۔

عابدہ کے انوائے میرا دماغ سن کر دیا تھا۔ ایسے میں مجھے اول خیر شدت سے یاد آنے لگا۔ وہ بے چارہ خود صاحب فرادش ہے۔

اسی بات نہیں تھی کہ اس کے بغیر میں خود کو کزور سمجھتا تھا۔ بس مجھے اس کی عادت سی ہو گئی تھی، اس کا ساتھ مجھے بہت سارا ماحسوس ہوتا تھا۔ میں نے سر دبا یا کے ہاں جا چاہا مگر خانم شاہ نے مجھے روک دیا۔ البتہ ابا کو فون کر کے یہاں بلایا گیا تھا۔ عابدہ کے مسئلے میں انہوں نے بنایا تھا اول تو عابدہ بے چارگی گھر سے باہر نکلتی ہی نہیں تھی۔

ضرورت پڑنے پر چلتی تھی تو... ذرا شیوہ کے ساتھ بھیجا جاتا تھا۔ یا پھر میری بہد عارف نے اپنا ریشمن چیک اپ کروا دیا تو وہ عابدہ کو اپنے ساتھ لے جاتی تھی، اس بار بھی عارف ڈاکٹر سے اپنا، وہیں چیک اپ کروا کے عابدہ کے ساتھ شام کو واپس آ رہی تھی کہ کار سواری سلسلے افراد نے ان کی کاررواف کر گئی، پورے عابدہ کو زبردستی اٹھا کر لے گئے۔

سرد ہا بانے متعلقہ تھا نے میں اس کی رپورٹ لکھوا دی تھی۔ فیملی طور پر انہیں حالات کا اندازہ نہ اوسکا تھا، اس لیے مجھے معلوم ہوا کارروای کے خلاف ہی انہوں نے رپورٹ لکھوائی تھی۔ اگرچہ ممتاز خان کے فون آنے اور یہ دھمکی دینے کے بعد کہ پولیس کو اس کے بارے میں پتہ لگ چکی پڑی تو تھائی فی اسے واپس آن پر (سرد ہا بانا) پر واپس تو یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا تھا کہ سرد ہا بانے ممتاز خان کا نام تھانے میں نہیں لیا تھا۔

سرد ہا بانے اس بار تفصیلی طاقت ہونے پر ٹھیک کے بارے میں بھی انہوں نے بتایا تھا کہ وہ اپنے بھائی شوکت حسین کے ساتھ ہلکا گئی تھی۔ شوکت اطفال شہر سے اکل چکا تھا اور اپنی انگ زندگی گزار رہا تھا۔ اپنی بہن کو پا کر وہ بہت خوش تھا، اور جب ٹھیکہ نے اسے یہ حقیقت بتائی تھی کہ میں اسے کن کن محسن مراحل سے گزر رہا ہوں وہاں جو حکم تین ڈالنے ہوئے ایک جہنم میں گرنے سے بچنا ہے تو شوکت حسین میرا دل سے ممنون و احسان مند تھا اور مجھ سے ملنے کے لیے بے چینی سے منتظر تھا۔ میں خود بھی اس سے ملنا چاہتا تھا، اطفال گھر کے اندرونی حالات کی چارہ خبریں دی تھیں بے غور رہے ملتا تھا۔ وہ ایک سپرد پاد مسلسل اسٹور میں بیٹھ رہتا تھا۔ اور ہزار مارکیٹ میں ہی اس نے

JASOOSI DIGEST PUBLICATIONS

Convey Your Message to
Millions of Our Readers
World Wide
Through



JASOOSI DIGEST SUSPENSE DIGEST MONTHLY JASOOSI MONTHLY SUSPENSE

H.C. PHASE II EXT. 2, HIGH STAIN KOTLAGE ROAD, KARACHI 75500, PAKISTAN

PHONES: (92-21) 3502552, 3500306-3505313 FAX: (92-21) 3502551

E-mail: jasoosipub@hotmail.com

کرنے کا ایک چھوٹا سا سحر لے رکھا تھا۔ بہر حال دونوں بہن بھائی اب خوش تھے۔

سرمد بابا اور خانم شاہ قانونی باتوں میں ہی اچھے رہے۔ ان کی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عابدہ اور ریحان کے رہنے والوں کے بعد کیا قدم اٹھانا چاہیے۔ جبکہ آسیہ کی اپنی عقلی مادی تھی، اس لیے چاری کی اپنی کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب ہمارے لیے اچانک ہی کس غیر متوقع بھی تھا، ہمارے سان ولمان میں بھی نہ تھا کہ ممتاز خان وغیرہ کے خلاف ہماری اس خفیہ کارروائی کا انہیں ہر وقت پتا چل جائے گا۔ یہ ہماری خوش گمانی ہی تھی کہ ہم یاسین ملک کو بھول گئے تھے۔ وہ بد طبیعت شخص تھا جو میرے اور آسیہ کے خفیہ عزائم سے اچھی طرح واقف تھا۔ نہ ہی ہمارے اداکاران میں اس خدشے کا شبہ تھا کہ وہ ہمارے دشمنوں کو اس کی خبر بھی دے سکتا ہے۔ جیتنا اس میں اس کا بھی مفاد شامل تھا، کیونکہ اس پروگرام کے جاری ہوتے ہی اس کے۔ لی وی چینل کی سائیکہ بھی سٹار ہو سکتی تھی۔

”... مجھے ہی کوئی قدم اٹھانا پڑے گا۔“ بالآخر میں نے ایک فیصلہ کن قدم اٹھانے کا ارادہ کرتے ہوئے کہا۔ بہت سوچا کچھ کر میں نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ اور اس سلسلے میں نیگم صاحبہ کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے گردش کر رہا تھا۔ اور ان کے وہ الفاظ ہی جو انہوں نے مجھ سے کہے تھے کہ... ”تمہیں جب بھی میری مدد کی ضرورت ہو۔۔۔ خدا نخواستہ اور کوئی راستہ تمہیں نہ ملے تو اپنی دوست کی طرح ہی سہی... تم مجھ سے ملنے سے نہیں ہٹنا چاہئے اور میں نے وعدہ کر لیا تھا۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہی تھا کہ انہیں یہ الفاظ مجھ سے کہے ہوئے نصف گھنٹہ بھی نہیں ہوا ہوگا کہ مجھے نیگم صاحبہ کی مدد کی ضرورت محسوس ہونے لگی اور اپنا وعدہ بھی یاد آ گیا تھا کہ عابدہ کے سلسلے میں، میں کوئی دسک نہیں لینا چاہتا تھا حالانکہ جی تو میرا یہی چاہتا تھا کہ ابھی ممتاز خان کی موجودگی میں واقع عظیم الشان رہائش گاہ پر جا کے ہلے بول دوں... پھر جہ ہوا دیکھا جائے گا... لیکن یہ معاملہ جتنا نازک تھا اتنا ہی حساس بھی تھا۔ پھر خود میں بھی قانون کی نظروں میں ایک خطرناک مجرم تھا۔

”تم کیا کر رہے؟“ سرمد بابا نے میری بات سن کر پوچھتے ہوئے کہا۔

”میں وہی کروں گا جو میں اب تک کرتا آیا ہوں اور آپ لوگ نہیں کر سکتے۔“ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

”شہزادہ یہ معاملہ دیکھا نہیں ہے کہ تم لہذا کر متاڑ خان یا زہر کے پیچھے لپک پڑو۔ جبکہ خود تمہارے اپنے پیچھے پولیس کی ہوئی ہے۔ پہلے اپنے تحفظ کو یقینی بناؤ۔“ میں نے کہا۔

”میرے تحفظ کو دشمن نے اب غیر یقینی بنا دیا ہے۔ وہ سارے راستے بند کر رہے ہیں جن کی بنا پر میں انہیں قانونی شکنجے میں پھنسا چاہتا تھا، اس کا اندازہ وہ بھی لگا چکے تھے اس لیے انہوں نے یہ بڑا قدم اٹھایا ہے۔“

”اس لیے تمہیں سمجھنا ہی ہوں کہ... پہلے اپنے تحفظ کے بارے میں کوئی قدم اٹھانا چاہیے۔“ وہ بولی۔ ”میں پہلے تمہاری قبل از وقت گرفتاری ضمانت کروانے کی کوشش کرتی ہوں، مگر مسئلہ یہ ہے کہ تمہارا ہاتھ وارنٹ نکالا ہوا ہے۔ جس کے مطابق تمہیں سب سے پہلے اپنی از خود گرفتاری پیش کرنا ہوگی۔“

”گو یا آپ نے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میں ممتاز خان کی بات نہ مان سکتا چاہیے۔“ میرے لہجے میں لڑائی کی چھین چھی اُسردہ پایا ہوئے۔

”... تو کیا تم اس طرح ایک خطرناک مجرم کی صورت قانون سے بھانپ رہے ہو؟ مگر ایسا کب تک ہوگا۔ خاتم صاحبہ کا منظر وہ مجھے یاد آتا ہے۔ ممکن ہے ممتاز خان بعد میں عابدہ اور ریحان کو یہ خیریت پہنچانے پر رضامند ہو جائے۔“

”آپ کی خوش گمانی ہے بابا۔“ میں نے کہا۔ ”ممتاز خان کو اور کیا چاہیے۔ وہ اس وقت مجھ سے خوف زدہ ہے۔ میں اگر قانون کی گرفت میں چلا گیا تو اسے شل جانے کی۔ میں ایسے لوگوں کی بغض فطرت سے واقف ہوں۔ ایسے لوگ کہنے پر ورہوتے ہیں۔ اس کی چیر دہستیوں میں اضافہ ہی ہوگا۔ ابھی تو وہ چھپ کر ہمیں نقصان پہنچانے کے لیے کوشاں ہیں پھر کھل کر ہمارے سامنے آ جائیں گے۔ خدا نخواستہ وہ عابدہ اور ریحان کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ کون روکے گا انہیں ایسا ظلم کرنے سے؟ پولیس ہماری بات تسلیم کرے گی؟ ہرگز نہیں۔ وہ الٹا ممتاز خان کے تحفظ کے لیے ہی موجود ہوگی۔“

سرمد بابا نے میری بات پر اپنا سر خاموشی سے جھکا لیا تھا۔ سمجھتے تھے کہ ایسے حالات کا شیان سے زیادہ تجربہ رکھتا تھا۔ تاہم خانم شاہ مجھ سے قاطب ہو کے بولی۔

”تو پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“

”عابدہ اور ریحان کو دشمن کے چنگل سے چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔“ میں نے پورے حزم کے ساتھ کہا۔

خود ہی آسکتا ہوں۔“

”ہرگز نہیں۔ میں اپنا آدمی مولد کر رہی ہوں۔ کہاں ہوتی اس وقت لکھ کر مند لےجے میں ہوگی اور میں نے انہیں ایڈوکیٹ خانم شاہ کی رہائش گاہ کے پتے سے آگاہ کر دیا۔“

تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ایک کار مجھے لینے آن پہنچی۔ اس میں نین افرواد سوار تھے۔ کپیل دادا ان میں شامل تھا۔ اسے دیکھ کر میں چونکا کیونکہ بیگم صاحبہ عموماً ایسے امور کے لیے بھیجی جاتی تھیں خاص آدمی آگے نہیں کرتی تھیں۔ حتیٰ کہ اول خیر اور ارشد کو بھی نہیں، عام سے ہی لوگ بیگم انجام دیا کرتے تھے، اور کپیل دادا کا تو اول خیر سے پہلے نہر آتا تھا۔ جو بیگم صاحبہ کا مقرب خاص کار پر داز تھا۔ کچھ ان باتوں سے بھی مجھے بیگم صاحبہ کی نگاہوں میں اپنی اہمیت کا احساس کر کے... مجھ کی آنکھیں آہستہ آہستہ لگ جاتی تھیں، کچھ احساس مجھے بھی ہوتا تھا کہ یہ اہمیت... صرف ان کی نگاہوں تک ہی محدود نہیں تھی، شاید اس کا حلقہ دل کے کسی خفیہ گوشے سے بھی تھا، جو کچھ ہونے کے باوجود کسی جذبہ دل کا پتہ دیتا تھا۔ مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں تھا، اور حقیقت بھی یہی تھی کہ... یہ بات محسوس کرنے کے بعد سے میں بیگم صاحبہ سے کچھ کچھ سارے لگا تھا۔ کیونکہ میرے دل میں ہی نہیں، سانسوں اور خواہشوں تک میں صرف اور صرف عابدہ کی ہی صورت اور محبت بسی ہوئی تھی۔ مگر تقدیر کی جانے کسی طرف کاری تھی کہ میں جتنا ان سے دور ہونے یا رہنے کی کوشش کرتا تھا، یہ دو بار مجھے ان کے پاس لے جاتی۔ پھر جب میں پتہ دھیان دے کر سوچتا تو میں اپنے ہی خیال کی نفی بھی کرتا تھا۔ کیونکہ بیگم صاحبہ کو عابدہ کی حقیقت کا بھی علم تھا۔ اور پھر وہ خود بھی بڑھی لکھی اور سمجھدار خاتون تھیں۔ ان سے بہر حال مجھے کیا غامضانہ حرکت کی توقع نہ تھی۔

میں سرد بابا اور خانم شاہ کو خدا حافظ اور آسپے کونسل دے کر کپیل دادا کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

میں کار کی مٹی سیٹ پر بیٹھا تھا اور میرے برابر میں کپیل دادا کا ساتھی، جبکہ خود وہ ڈرائیور کے برابر والی نشست پر موجود تھا۔

بیگم صاحبہ کے آدمیوں میں کپیل دادا واحد آدمی تھا، جسے میں مانپند تھا۔ مگر اس کی مجال نہیں تھی کہ وہ میرے سامنے دم مارا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ مجھے لانے کے لیے کپیل دادا کو بیگم صاحبہ کا یہ فیصلہ کتنا ٹھیک اور ناقابل برداشت لگا ہوگا۔ مگر تم حکم ماربہ مذاجات سے مجبور

”کیونکہ ان دونوں کا صحیح سلامت دشمنوں کے چنگ سے بچ کر نکل جانا، دشمنوں کی موت کے مترادف ہوگا...“

ابھی انہوں نے ہمارے ہاتھ پاؤں گویا باندھ کر رکھ دیے تھے۔ مجھے بھی ان سے اسی طریقے سے ٹھنڈا ہوگا۔ یہی ایک راستہ میرے پاس باقی بچا ہے۔“

”تم اکیلے کیا کر لو گے؟“ خانم شاہ نے میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو اس پر اس نے ہرگز ہونے کے کہا۔

”ہاں! شہزاد کیا لکھ ہے۔ میں بھی اس کے ساتھ ہوں۔“

”یہ کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو تم لوگ۔“ معاصرہ بابا بدھے۔

”میں نے کہا کہ شہزاد بیٹا اکیلا ہے؟ ہم سب اس کے ساتھ ہیں۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں کوئی راستہ بچانی نہیں دے رہا۔“

”میرے پاس ایک راستہ ہے، بابا!“ میں نے اسرار بھرے لہجے میں کہا۔ ”بس آپ لوگ میری کامیابی کی دعا کریں۔ اور جو میں کرنے جا رہا ہوں... وہ خاصوشی کے ساتھ دیکھتے رہیں۔“ میری بات پر آسپے سمیت سرد بابا اور خانم شاہ مجھے یک ایک چونک کر دیکھنے لگے۔

میں نے اسی وقت... اپنا سٹیل فون نکالا اور بیگم صاحبہ کے سٹیل فون کا نمبر ملا یا۔ پہلی ہی رنگ فون پر... ان کی آواز ابھری تھی۔ ”ہیلو؟ شہزاد...؟“

”جی بیگم صاحبہ!“ میں نے ہلے سے کہا۔ ”میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ مجھے اتنی جلدی آپ کی خدمت کی ضرورت پڑ جائے گی۔“

”یا اللہ خیر... کیا ہوا... تم... تم... خیریت سے تو ہو... شہزاد؟“

ان کا اس قدر تشویش زدہ اور فکر مند ہونا میرے لیے ہمیشہ ہی اچھے کا باعث بنتا تھا مگر اس سوالیہ نشان کے بعد ایک بندگی تھی۔

”خیریت نہیں ہے بیگم صاحبہ!“ میں نے کہا اور پھر انہیں ممتاز خان کے فون سے آگاہ کر دیا۔ دوسری جانب سے بیگم صاحبہ کی ذہنی آواز ابھری۔

”او... اب وہ اس گھنٹا صبح پر اتر آیا ہے۔ گھنٹا انسان... ممتاز خان سے اس سے بھی زیادہ گھنٹا حرکتوں کی توقع رہی جاسکتی ہے۔ خیر... تم فکر نہ کرو... اب تو خدا کے لیے میری ایک بات مان لو۔ اپنے اتے پتے سے آگاہ کرو... میں اپنے آدمی تمہیں لینے کے لیے روانہ کر رہی ہوں۔ پھر مل جیٹ کر لکھ لکھ تیار کرتے ہیں، ٹھیک ہے؟“

”جی... بہتر... ہے۔“ میں نے کہا۔ ”دیکھ میں

ضرورت تھی۔ اپنا ہاتھ نیچے گرا لو۔۔۔ ہاتھ میرے بھی بندھے ہوئے نہیں ہیں۔"

"دادا سے تمہارے ہاتھ کرو مسٹر!" اس بار میرے ساتھ بیٹھے اسی کے سامنے نے سچا لہجہ میں کہا۔ "تیکم صاحب کے بعد ہم دادا کا احترام کرتے ہیں۔ تم بھی نہیں جانتے کہ دادا کی حیثیت تیکم صاحب کی نظروں میں کس قدر اہم ہے۔" مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ تم لوگوں کا معاملہ ہے کہ کون کسے کس کی حیثیت سے جانتا ہے۔ "میں نے بھی اس کے ٹھیکے چہرے کی طرف گھور کے کہا۔ "میں ٹاماسش بیٹھا تھا، تمہارے دادا کو ہی میرے ساتھ پہلے چوٹی کھانے کا شوق چرایا تھا۔"

"تیکم صاحب نے اگر تمہیں تھوڑی اہمیت دے دی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم۔۔۔" کیمیل دادا جیڑی طرح ہلکے گڑبڑاؤ اور مزید فریاد سے جھلکے بھی پورا نہ کر پایا تو میں نے اس پر ایک اور وار کیا۔

"میں تیکم صاحب کی اس ذرا نوازش کا ڈول سے ٹھک رہا ہوں۔ ان کی دوستی ہی میرے لیے بہت۔۔۔۔۔ فخر کی بات ہے۔" میں نے دانشور دوستی کا ذکر کیا تھا۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا تھا کہ میرے اس فخر کی کہنے سے کیمیل دادا کی جانے کون سی اذہری طرح ہلک جاتی گی۔ اور اس بار بھی ایسا ہی ہوا۔

"اب۔۔۔ دوستی! خوش فہمی ہے تمہاری۔" میرے انداز سے کے میں حقایق و تفحیک آمیز لہجہ میں بولا۔ "تیکم صاحب کسی کو اتنی اہمیت نہیں دیتی ہیں۔۔۔ وہ صرف اپنے وفاداروں کی تعداد کرتی ہیں اور میں۔۔۔"

"اچھی بات ہے۔" میں نے طنز یہ کہا۔ "اب تم سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ۔ ڈار ایڈور کا دھیان بار بار تمہاری طرف ہوتا ہے۔ مزک پر نریٹک بہت ہے۔" وہ کھلا کر سیدھے ہو کے بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم تیکم دلا بھتی چکے تھے۔ تیکم صاحب کو میں نے اپنا بے لگائی سے خطر پایا۔۔۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بے اختیار سسرادی تھیں۔ مجھے ان کی دلکش کشادہ آنکھوں اور خوبصورت پربہاد چہرے پر وہی تاثرات مسکوں ہوئے جو وہ شاید میرے لیے ہی مخصوص رکھتی تھیں۔ مگر مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

"امید نہیں تھی کہ تمہیں دوبارہ دیکھنا نصیب ہوگا مگر اب اپنی قسمت پر نازاں ہوں۔" ان کے لہجہ کی بے اختیارانی سے مجھے نکالتی سی محسوس ہونے لگی۔ انہوں نے اپنے

ہو کے چلا آیا تھا۔ تھوڑی دیر تک گاڑی میں خاموشی رہی۔ پھر اچانک ہی کیمیل دادا نے مجھ سے کہا۔

"تم آخر کس مٹی کے بنے ہوئے ہو؟ تم اپنے کسی معاملے میں تیکم صاحب کی اہمیت بھی نہیں دیتے ہو۔۔۔ مگر جب تمہاری اُرم پہ کوئی پاؤں رکھ سکے تو جھبا کر تیکم صاحب کے چہروں میں چھپنے لگتے ہو۔" کیمیل دادا کی آواز ہی نہیں الفاظ بھی طنز کے زہر میں تھے تیروں کی طرح میری ہانکوں میں کھب گئے تھے۔

صاف اندازہ ہوتا تھا کہ کیمیل دادا اندر سے میرے ساتھ کس قدر عناد و نفرت اور بغض رکھتے ہوئے تھا مگر کیوں؟ اس کے الفاظ سے میں تھکاتا تو کیا تھا مگر پھر بڑی مشکل سے اپنے اہل پہل قابو پاتے ہوئے کھڑی ہوئی تنہائی سے بولا۔ "مجھے نہ پہنے کسی کے چہروں میں چھپنے کی ضرورت تھی، نہ اب ہے۔۔۔ میں آزاد پیدا ہوا ہوں اور آزاد زندگی گزارنے کا قائل ہوں۔ گلے میں پتا ڈال کے جاں نثاری کے نام پر کسی کے سامنے ٹھہرنا دالے ہر اس آدمی کو بھی اپنے جیسا ہی سمجھتے ہیں، وہ صرف غلامی کرنا جانتے ہیں۔ دوستانہ جذبے کو بھی نہیں سمجھتے۔ میں تیکم صاحب کا کارکن یا کارپرداز نہیں ہوں۔ وہ مجھے اپنا دوست سمجھتی ہیں۔ اور مجھے خواہیگی۔ مجھے اس پر فخر ہے۔ یہ میرے لیے بڑا فائدہ ہے، جو شاید تمہیں حاصل نہیں اس لیے تم۔۔۔"

"ڈیٹا منہ بند کر لو۔۔۔ اب۔۔۔ وہ یکدم غراتی ہوئی آواز میں بولا۔ میرے کمراد سے خطاب نے اس کی آنکھ کے نیچے اوپر ڈالے تھے۔ وہ دانشور سمجھ کر ٹھیکے پچھلے سے بڑبڑایا۔

"یہ سارا قصور اس حرام بازار سے الٹی خیر کا ہے۔" "زبان سنہال کر بات نہ کرنا کیمیل دادا!" میں یکدم غصے میں آ گیا۔ "اول خیر مجھے بھائیوں سے بڑھ کر عزیز ہے، کوئی میرے سامنے اسے گالی دے گا تو میں یہ برداشت نہیں کروں گا۔" کیمیل دادا ہلکے اٹھا۔

"تم۔۔۔ تم۔۔۔" کیمیل دادا غضبناک لہجہ میں صرف اتنا ہی کہہ پا رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر اپنی انگلیاں سمجھ کر اس کا گھونسا بھی بٹالیا تھا۔ میں اس طرح اس کے غیظ و غضب کی پروا کیے بغیر میٹ کی پشت گاہ سے ٹیک لگائے آرام سے بیٹھا رہا اور بدستور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بولا۔

"بس۔۔۔ بس۔۔۔ دکا۔۔۔ دز یادہ غصے میں آنے کی

"آپ مجھے ان کے متوقع غنیہ ٹھکانوں کی تفصیل بتادیں۔ میں آج ہی کمر بستہ ہو جاتا ہوں۔" میں نے بے گنتی سے کہا۔

"کیونکہ جب تک عابدہ دشمنوں کی قید میں رہے گی۔ مجھ پر ایک ایک ٹپ ایک ایک لوہا بھاری ہوگا۔ میں سکون کی سانس تک نہیں لے پاؤں گا۔ میں ابھی حرکت میں آنا چاہتا ہوں۔"

"بہت محبت کرتے ہو تم۔۔۔ عابدہ سے۔" بیگم صاحبہ نے اچانک ہی بڑے عجیب لہجے میں میری طرف پہ غور کیٹھے ہوئے پوچھا۔

"جی بیگم صاحبہ! عابدہ ہی میری سب کچھ ہے۔ پہلی سانس میں ہوں تو۔۔۔ دوسری سانس عابدہ ہے میرے لیے۔ اس کی محبت میں تو محبت بھی بہت چھوٹا لفظ محسوس ہوتا ہے۔ وہ مستند ہے اور میں دیر پا ہوں۔ میرا سکون اس کی سمندر جھٹکا گہری محبت کی تہ ہے۔" میں نے گویا عابدہ کی محبت سے بے اختیار سرشار ہو کے کہا۔

دلکشانہ کمرے کے دم پہ خود پُر سکوت ماحول میں کسی کے بچنے سے سکاوی لینے کا گمان ہوا۔ دیکھا تو بیگم صاحبہ کی کشادہ آنکھوں میں کی اتری ہوئی تھی۔ ان کی پُرسکون نگاہیں کسی غیر سرئی نقطے پر آگئی ہوئی تھیں۔ پھر ان کے لہلہ لبوں پہ تھر تھراہٹ ابھری۔ وہ جیسے ماضی کے مہمانے خواہوں میں کھولی ہوئی کسی کیفیت میں ہو گئیں۔

"وہ بھی مجھے اسی طرح چاہتا تھا۔۔۔ دیوانہ دار۔۔۔"

ابراہیم دار۔۔۔

"نہیں۔۔۔ کوئی۔۔۔ بیگم صاحبہ!" میرے ہونٹوں سے بھی بے اختیار برآمد ہوا تھا۔ ایسے میں مجھے ان کا بیوقوفی مسکین چہرہ۔۔۔ کرب میں ڈوبا ہوا محسوس ہوا۔

وہ جیسے غم دورانی کے گرداب میں ابھر کر ہو گئیں۔

"مگ۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔" کہتے ہوئے انہوں نے اپنی ہادیک اور مہین لہڑھنی سے اپنی آنکھوں کے کجراوے گرتے پونچھ ڈالے۔

"میں تمہاری دلی اور ذہنی کیفیات سے واقف ہوں۔ شبہی۔۔۔ لیکن میں نہیں چاہتی تھی کہ تم باہر نکلو۔۔۔ پولیس تمہارے پیچھے لگا ہوئی ہے۔ تمہارے خلاف ڈائجسٹ وارنٹ لگا ہوا ہے۔ دشمنوں کی سازش کی تکمیل اس میں ہوگی کہ۔۔۔ تم خدا خواست کسی جعلی پولیس مقابلے میں مار دیے جاؤ۔۔۔ یہ کام میرے آدمی پہ ٹوپی اٹھام دے گا میں گے۔"

"آپ نے شاید میری بات پر غور نہیں کیا۔" میں نے فوراً ان کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھ سے ایک لمحہ بھی یوں

کارندوں کو باہر بھیج دیا تھا۔ ایک شاہانہ طرز کی نشست گاہ میں ہم دونوں اکیلے بیٹھے تھے۔ بیگم صاحبہ نے آج اپنی ڈریسنگ اور میک اپ پر خاص توجہ دے رکھی تھی، میک اپ اگرچہ انہوں نے بٹائی کیا تھا، مگر کچھ خاص قسم کے "ٹچ" اس طرح دیے ہوئے تھے۔ جو ان کے نکلتی حسن کو مزید پرکشش تاثر بخش رہے تھے۔

میں نے فوراً مطلب کی بات پر آتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"بیگم صاحبہ! میں عابدہ کا وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہوں۔ کچھ میں نہیں آتا کیا کروں؟ جی میں تو آتا ہے کہ اسی وقت اس کے تین مکان والے ٹھکانے پہ جا کر وہاں ہوتا بول کر اس کی گردن دیوبچ لوں۔۔۔ مگر پھر معاملے اور حالات کی نزاکت آڑے آ جاتی ہے۔"

"وہ کوئی چڑیا پالی کا بکڑ نہیں ہے کہ تم ابھی جا کر اس کی گردن دیوبچ لو گے شہزی۔" بیگم صاحبہ کو بھی سنجیدہ ہونا پڑا۔

"وہ اور اس کا باپ میرے انڈی دشمنوں میں سے تھا۔ اور میں ان کی جالوں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ وہ اپنے دشمنوں کو بے بس کر کے اس پر ایسے ہی لاوٹھے اور بزدلانہ چمکنڈے آڑھتے ہیں۔"

"آپ کی ان سے کیا دشمنی ہے بیگم صاحبہ؟" بے اختیار میں میرے منہ سے نکل گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے اس اچانک استہوار پردہ نہ صرف چوٹی نہیں بلکہ ان کے خوبو چہرے پہ کئی رنگ ست کر نکھر گئے تھے۔

"یہ کی کہانی ہے ابھر کبھی سہی۔" ایک گہری سی آہ خارج کرتے ہوئے ہو گئیں۔

میں نے بھی فوراً ہی کہا۔ "سورجی بیگم صاحبہ! اور ازبوی میں میرے منہ سے نکل گیا تھا۔ مجھے آپ کے ذاتی معاملات کو لچ کرنے کا حق بہر حال نہیں ہے۔"

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ اسکی بات نہیں ہے۔ وقت آنے پر میں بتا دوں گی۔۔۔ بلکہ۔۔۔ نہیں تو ضرور بتاؤں گی۔" ایک اگلی ان کا لہجہ اسرار بھرا ہو گیا۔

"عابدہ کے سلسلے میں آپ میری کیا مدد کر سکتی ہیں۔"

میں نے اس بار ان کی پہلو دور پہلو نہیں ہوئی شخصیت میں الجھنے کے بجائے فوراً موضوع بدلا۔

"ممتاز خان نے تمہیں دونوں کی سہلت دی ہے۔" وہ کچھ سوچتے کے انداز میں کہنے لگیں۔ "ان دونوں میں ہم اس کے چند غنیہ ٹھکانوں کی خبر نہیں گے۔ ناکالی کی صورت میں ممتاز خان پر ہاتھ ڈالنا پڑے گا۔"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

محکم خاص کیوں نہیں؟

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا نہیں جا رہا۔ اُن گت دس سے اور اندیشہ شک خیالات مجھے ہر لمبے سہولوں کی طرح ڈس رہے ہیں۔ میری جان دشمنوں کے قبضے میں ہے۔ اور میرا جسم مایہ ہے اب کی طرح پڑ پڑا رہا ہے۔

”مگر تمہاری اپنی ذات کئی تو کسی کے لیے زندگی کا درجہ رکھتی ہوگی۔ اس پر تم غور کیوں نہیں کرتے؟“ بیگم صاحبہ نے یکدم میری طرف دیکھ کر کہا۔ اور میں نے چند لمحے کو اُن کے چہرے کی طرف دیکھا تو مجھے لگا جیسے نورانی انہوں نے بات پلٹنے کی کوشش چاہی ہو، پولیس۔ ”کیا عادیہ کے لیے تمہاری ذات اہم نہیں؟ کیا وہ تمہیں زندہ دیکھنا نہیں چاہے گی، تم دونوں ہی تو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہو۔“ مجھے کوئی جواب نہ بن پڑا تو فیصلہ کن لہجہ میں بولا۔

”بیگم صاحبہ! آپ مجھ پر بس ایک احسان کرویں۔ مجھے معتز خان کے خفیہ ٹھکانوں کے سلسلے میں آگاہی دے دیں۔“

وہ ایک گہری سانس فادح کر کے بولیں۔ ”میں جانتی ہوں تم نچلے نہیں بیٹھ سکتے۔ میں کیمل راداسمیت کچھ آدمیوں کو تمہارے ساتھ بھیجے گا بندوبست کرتی ہوں۔“

کیمل راداس کے ذکر پر میری طبیعت گھڑنے لگی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اسے اور وہ مجھے سخت ناپسند تھا۔ ایک اول خیر میں تھا جس سے میری گاڑی چھٹی تھی مگر وہ بے چارہ خود صاحب فرمائش تھا۔ اس صورت میں مجھے اچانک ارشد کا خیال آیا مگر بیگم صاحبہ سے بھی میں نے اس کا ذکر کیا تو نہایت حیرت سے بولیں۔

”ارشد؟ حیرت سے نہیں کیمل راداس کی اہمیت کا شاید غم نہیں۔ میرے ساتھ جتنی ترک ان نے دشمنوں کو پہنچائی ہے میرے سب آدمیوں نے ان کی پہچانی ہوگی۔ کیمل راداس کو معمول آدمی مت سمجھو۔ یہاں میرے بعد اس کا نمبر آتا ہے۔ وہ بہت بہادر نڈر اور حاں نڈر آدمی ہے۔ ہمیں شاید اولیٰ خیر کی عادت پڑ گئی ہے۔ مگر اس کی حالت کا تو ہمیں علم ہی ہے۔ حالانکہ کب وہ بھی نہیں ہے۔ اس نے بھی میرے لیے کیمل راداس کی طرح بڑی قربانیاں دی ہیں۔ اور اپنی جان فطرے میں ڈالی لی۔ میرے پاس آدمیوں کی کوئی بڑی فوج نہیں ہے۔ مگر جتنے ہیں وہ سب میرے وفادار اور جاں فدا ہیں۔“

”جی ہاں بیگم صاحبہ! مجھے اس بات کا اندازہ ہے۔“ میں نے بولے سے کہا، ”دوبولیں۔“

”کیمل راداس بہتر طریقے سے یہ کام انجام دے

گا۔ کیونکہ میری طرح وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس سے محاذ پر متاثر کون کس طرح شکست دی جاسکتی ہے۔ اس سبب میں کیمل راداس کا کافی ہوگا۔“

”ٹھیک ہے بیگم صاحبہ۔ مجھے منظور ہے۔ تمہاری روہنگی کا بندوبست کریں۔“ میں نے فوراً کہا۔ ”کیا میں ادنیٰ خیر سے مل سکتا ہوں؟“

”ابھی نہیں۔ ڈاکٹروں نے اسے بے آرام کرنے سے منع کیا ہے۔ ایک مہینہ مکمل بندوبست کا مشورہ دیا ہے۔“ وہ صوفے سے اٹھ کر بولیں۔ ”میں تمہارے لیے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرتی ہوں۔“

میں ان سے کچھ کہتا چاہتا تھا مگر وہ اندرونی گوشے میں کھلنے والے دروازے کی طرف قدم بڑھا چکی تھیں۔ میں ایک گہری سانس خارج کر کے سوچا رہ گیا۔

بنا ۱۶/۱۶

رات اپنے نصف پہر میں داخل ہو چکی تھی جس کار میں ہم سوار تھے، اس میں میرے اور کیمل راداس کے علاوہ دو افراد تھے، جن میں ایک تو ارشد تھا جبکہ دوسرا یا اور خان تھا۔ کار وہی جا رہا تھا۔ کیمل راداس کے برابر وولی سیٹ پر براہمان تھا۔ کچھ غصی سببوں پر میں اور ارشد براہمان تھے۔ کار کے خفیہ خاتون میں اسلحہ موجود تھا، جبکہ میری اپنی جینز کی بیلٹ میں چپہ کی طرف اول خیر کا دیا ہوا آخر جنگ جرمین سائنس میگا رو تھا۔

بیگم والا سے روانہ ہونے سے کچھ دیر پہلے میں نے بیگم صاحبہ کے اہم پر تھوڑا بہت کھانا ہر ماہ کرنے کے بعد سے پہلے مکمل ذخیرہ کر کے نیا لباس زیب تن کر لیا تھا۔

ڈارک بلیو جینز کی وجہ سے میں بالکل نٹ تھا، پاؤں میں دامن میو اسپورٹس جوکر تھے، یہ سب زیب تن کرنے کے بعد جب میں کمرے کے قہر آدم آئینے کے سامنے کھڑے ہوئے اسے چھ نٹ سے ڈال لگتے لیے چوڑے وجود پر نظر ڈالی تو خود کو اس قدر سحرست ہوا، دیکھ کر خود بخود میری رنگوں میں جوش کی چنگاریاں گویا توانائی کی طرح دوڑتی محسوس ہونے لگیں۔

قدرت نے مجھے بنا بتایا کاڈ بوائے ٹائپ کا آدمی بنا دیا تھا۔ آج میں نے بہت غور سے اپنے فٹ فٹ وجود پر بھرپور نگاہ ڈالی تھی۔ میرے سر کے بال گھنے تھے اور میں سائڈ سے مانگ نکالتا تھا جس کے باعث بالوں کی ایک لٹ میری پیشانی میں دائیں آنکھ پر گری رہتی تھی۔ آدھی سے کچھ اوپر آستیں والی شرٹ سے میرا چوڑا فراخ سینہ۔ بازو کی

ہوئے اور دھواں اٹھ کر کہا پھر ہائیں جانب گاڑی سوار دی۔ "ویسے تم بہادر اور دلیر آدمی ہو۔"

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"راگنی چارڈ۔۔۔" اس نے بتایا۔

"راگنی چارڈ؟" میں سوائیہ انداز میں زیر لب بڑبڑایا۔

"نام سنا ہے کبھی؟"

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔ "کیا ممتاز خان کے کسی ٹھکانے کا نام ہے؟"

"کسی حد تک۔" وہ سامنے دنگل اسکرین کے پار ویران چمکتی سڑک پر نظریں گاڑتے ہوئے بولا۔

"میں سمجھا نہیں پا رہا۔" میں الجھ گیا۔

"وہاں ہم نے جتنی خان پر قابو پانا ہے ممتاز خان عورتیں اٹھوانے کا کام ہی سے جی کر رہا ہے۔"

"اب سمجھا۔" میں نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔ اور پوچھا۔ "ارشاد اور یاور خان کو تم نے کیا کام سونپا ہے؟"

"وہ دونوں نیوٹران میں واقع ممتاز خان کی رہائش گاہ کی نگرانی کریں گے۔ وہاں کسی بھی اہمیت کی مشکوک نقل و حرکت پر ہمیں خبر کرتے رہیں گے۔ وہ ضرورت پڑنے پر عملی قدم بھی اٹھا سکیں گے۔"

"جس میں یقین ہے کہ جتنی خان اس وقت اپنے راگنی چارڈ والے ڈسے پر موجود ہوگا؟"

"یقین تو ہے۔ نہ ملا تو وہاں موجود اس کے کسی ساتھی کی گردن رچ کر گھولائیں گے۔" اس نے کہا۔

"بوشیار!" کیبل واوا نے تھوڑے وقفے کے بعد کہا اور فوراً ہی ایک رہائشی کالونی کی طرف جانے والی ڈیڑھ سڑک کی جانب گاڑی موڑ لی۔ یہ سڑک قدرے خراب تھی، جا بجا گڑھے بنے ہوئے تھے۔ کار کو وقفے وقفے سے ہچکولے لگ رہے تھے۔ میں تاریکی میں آنکھیں پھاڑے گرد و پیش کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔

ایک جگہ کیبل واوا نے کار روک دی۔ اس نے آنکھیں سوچ آف کر دیں۔ کار کا الٹن بند ہوتے ہی گہرا سکوت طاری ہو گیا۔ اطراف میں کہیں جھینگروں کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔

کار کی ڈگی کے خفیہ خالے میں ایک ماڈر۔۔۔ اس کے میٹالینس رائلر رکھی ہے۔ "تم کیا لو گے؟"

اس نے کار میں بیٹھے بیٹھے سرگوشی میں میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

ابھری ہوئی پھلیوں کے منگھم میں خاصا پردہ نظر آتا تھا۔ رواںہ ہوتے وقت کیبل واوا نے میرے ساتھ موجودگی پر ناک بھروسہ چڑھائی تھی مگر منگھم صاف کے آگے میرے خلاف کچھ بولنے یا ان کے حکم پر معترض ہونے کی اس میں جرأت نہ تھی۔

کیبل واوا چالیس کے پیٹے میں تھا۔ سرگھٹا تھا۔ جسم میری طرح ہی کسرتی اور لمبا تھا۔ البتہ رنگ اس کا کالا تھا۔ ناک موٹی تھی، مجموعی طور پر وہ بھی تو انا جسم کا مالک تھا۔ ارشد کی جسمانی ساخت اولیٰ خیر تھی تھی، یعنی قد کا بلکا مگر جسم گینڈے کی طرح مضبوط اور گھٹل ہوا تھا۔ یاور البتہ چھریر سے جسم کا لمبے قد والا آدمی تھا۔ وہ کیبل واوا کا ہم عمر ہی تھا۔

کار مسان سڑک پر فرارے بھر رہی تھی، جبکہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ ہم کہاں جا رہے تھے۔

کار میں دھڑکتی ہوئی خاموشی طاری تھی۔ پہلے میں سمجھا تھا کہ کار کا رخ ممتاز خان کے نیوٹران والی رہائش گاہ کی طرف تھا، مگر جب وہ چڑا چڑگی سے دائیں جانب ٹوئوں چوک کی طرف مڑ گئی تو مجھے اندازہ ہوا کہ اور ٹھکانے پر جانے کا ان کا پروگرام ہے۔ مگر ٹوئوں چوک پر کیبل واوا نے یاد رکھنا کہ اس کا حکم دے ڈالا۔

اس نے ارشد اور یاور خان کو مجھے اتار دیا۔ پھر مجھے اگلی سیٹ پر آنے کا اشارہ کیا اور خود اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"تم دونوں سمجھ گئے ہونا انہی طرح؟" کیبل واوا نے ڈرائیونگ سیٹ کی کٹری سے ماہر کھڑے ارشد سے پوچھا اور یاور خان کی طرف دیکھ کر کہا۔ دونوں نے ذرا جبک کر۔۔۔ اپنے ہاتھ کے انگوٹھے کھڑے کر کے غصے میں اشارہ کیا جس کا مطلب تھا وہ سمجھ چکے ہیں۔ اس کے بعد کیبل واوا نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی۔

اب میں کیبل واوا کے ہمراہ تھا۔ اور میں نہیں جانتا تھا کہ اس کی منصوبہ بندی کیا تھی، وہ خاموشی سے کار چلا رہا تھا۔ پھر اس نے ایک سکرپٹ سلائی، اور میری جانب بھی پیکٹ بڑھایا مگر میں نے سکرپٹ پینے سے انکار کر دیا۔ میں ابھی اس سے کچھ پوچھنے والا ہی تھا کہ اس نے کہا۔ "مجھ سے ناراض تو نہیں ہو تم۔" البتہ دھیما تھا۔

"نہیں۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

"میری باتوں کا برا امتحان نہ زبان کا گرم ہوں مگر دل کا صاف ہوں۔" اس نے سکرپٹ کا ایک ٹکڑا لگاتے

راستہ صاف پا کر اس نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔

ہم دونوں عیا بے آواز اور دھیرے دھیرے میز صیباں چڑھتے ہوئے اوپر سرے پہنچے۔ وہاں ایک بند دروازہ تھا جس کے نیچے غلامین سے دو سنی پھوٹ رہی تھی اور کچھ آوازیں آرہی تھیں۔ یہ ایک سے زائد افراد کے قہقہوں کی آوازیں تھیں۔ بالکل موسیقی کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ کھیل دادا نے عقب میں ہاتھ گھڑا کر کے مجھے اپنے پیچھے عیا رکھنے کا اشارہ کیا تو میں وہیں ٹھہر گیا اس کے بعد اس نے دروازے کی ایک بھری سے اپنی آنکھ چپکا دی۔ چند لمحوں کے بعد دوسری طرف دیکھتا رہا پھر اپنا چہرہ دھڑک کر مجھ سے نہایت بالکل آواز میں بولا۔

اوپر آؤ۔ میں ایک کمرے اور اوپر بند دروازے کے پاس آگیا۔ میز صیباں میں اندھیرا تھا۔

"بھری سے آنکھ لگا کر دیکھ۔ مگر خود پہ تھو پائے رکھنا۔ ہم منزل سے بالکل قریب ہیں۔"

اس کے سر مبارک اور عجیب سے لکھنے والے جانے کیوں میرے تھری بے جھڑکتے دل کو جیسے منجھلی میں جھڑکایا۔ میں نے سسٹائی کنبھوں کے ساتھ بھری سے اپنی آنکھ لگا دی۔ اور پھر اگلے ہی لمحے میرا دروازہ چنگ رہ گیا۔ آتش افشاں کی حرمت دیکھنے لگا جو کسی بھی وقت پھٹنے کے قریب ہو۔ دوسری طرف کا منظر بالکل واضح تھا کھیل دادا نے بے خوف سے کہا تھا کہ منزل قریب ہے لیکن اس منزل کی میں نے کب توقع کی تھی مگر اس نے مجھ سے یہ کیوں کہا تھا کہ یہ منظر دیکھنے کے بعد خود پر قابو پائے رکھوں۔ اس کا اندازہ مجھے بھری سے دوسری جانب دیکھنے کے بعد ہی ہوا تھا۔ کھیل دادا نہیں جانتا تھا کہ یہ جگر پاشن منظر میرے لیے واقعی ہرگز برداشت ہی ثابت ہوگا۔ جس نے میرے اکڑ سے ہوئے وجود کی لہروں تک میں کھوٹا ہوا اور ڈاؤن پڑا تھا ہوں پھر میں خود پہ قابو نہ پا۔ یکا۔ جوش جنوں اور وحشت خوں رنگ جذبات سے مغلوب ہو کر میں نے ذرا عقب میں ہٹ کر زوردار ٹھوکر ماری۔ راست کے اس پہر سانسے میں دروازہ دھڑ سے کھلا تھا اور اندر جیسے رنگ میں بہک پڑ گیا تھا۔

خونی دھستوں کی خود غرضی اور پرانی بن جانے والے اینٹوں کی بے غرض محبت میں ہوا راض ہانپنے والے نوجوان کی سنسنی خیز سرگزشت کے مزید واقعات آئندہ ماہ

"میرے پاس بیگرو ہے۔ اور فاضل راکھ بھی ہیں۔ میرا خیال ہے کافی ہے۔ تم جو اختیار رکھنا چاہو رکھ لو۔"

میں نے مکی اس کے لکھ میں جواب دیا۔

"پاشن تو میرے پاس بھی ہے۔" دو چڑھوٹا لہجہ میں بولا۔ "کافی ہے۔ پلڑا اترو۔" کہتے ہوئے وہ اپنی طرف کا دروازہ کھولی کر نیچے اتر گیا۔ میں نے بھی اس کی تعہید کی۔

میں نے رہائشی مکانات کے بے شکم سے ہونے والی کھالی دے دے سچے۔ آسمان صاف اور روشن تھا۔ چاند شاید دور تک تھا مگر آسمان پر اند آئے والی سمندوں کی ہارات نے اور دھڑ کے ماحول کو کافی حد تک منور کر رکھا تھا۔

انار سے عقب میں میدان تھا۔ ایک جانب پھر اکھڑی تھی جس پر سے دھواں اٹھ رہا تھا شاید رات پڑنے پر کچھ پرائیڈل وغیرہ چمڑک کر آگ لگا دی جاتی تھی۔ جس کے دھوئیں سے پھوٹنے والی اسوئیاں میں سے میرا دم لگنے لگا۔

"آؤ۔" کھیل دادا نے کہا اور پھر آگے قدم بڑھا دیے۔ میں اس کے عقب میں اور پھر ساتھ ساتھ تیز قدموں چلتا ہوا ایک ٹنگ سی مکی میں داخل ہو گیا۔ آگے بڑھتی آگنی۔ سید سے ہاتھ والے نکات کے بالکل سامنے ایک سنگین پت کے قنط چوہا تھوٹا والا دروازہ دکھائی دیا۔ جو پتہ تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کھیل دادا بڑے دھڑلے سے ساتھ چھوٹے جھون کی کچھار کی طرف پیش قدمی کیے جا رہا تھا اور ہر قسم کی احتیاط کو بھی شاید اس نے بالائے طاقت رکھا ہوا تھا۔ یا پھر وہ حد سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہو رہا تھا۔

مکی ویران تھی۔ کھیل دادا کا رخ اسی چوہا پتہ والے دروازے کی طرف ہو گیا۔ میں نے دیکھا پتہ کے باہر کھڑی پڑ چکی ہوئی تھی۔ اور وہاں ایک بڑا بڑا لگا ہوا تھا۔

"کیا یہی جتنی خان کا مکان ہے؟" میں نے سرگوشی میں کھیل دادا سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"پر اس پر تو جالا ہے۔"

"اس پر ہمیشہ جالا ہی پڑا ہوتا ہے۔" کھیل دادا نے سرمراتی آواز میں کہا۔ پھر.... مجھے رکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود مختصر سے مکی قدم چلے گئے کرتا ہوا ہر پہ دروازے کے قریب پہنچا اور... اپنی جیب سے پاشی پاش کا کٹر لکڑی کرتا لے کر طر پتے سے کاٹ ڈالا۔ اور دروازے کی کھڑی آہستہ سے کھول کر تھوڑا سا دروازہ دوا کر کے اندر بھاگا۔

نوٹ ساز

عفتان آزاد



شہرت اور دولت کی چاہ انسان کی فطرت میں بنی ہوئی ہے۔ اس لیے وہ اس سے بہت دور اپنی اپنی بندھی زندگی میں مگن تھا لیکن ایک اتفاق اسے نئے موڑ پر لے آیا۔ اپنا خواہش، دولت اور شہرت کا فلک چھوٹا پہاڑ اُتر اچانک سامنے نظر آنے لگے تو چوٹی سرگرمی کی خانہ انسان پر منزل سے گزر جانے پر تیار ہو جاتا ہے۔ شہرت کے آسمان پر دی شفقندہ ستارہ بن کر چمکنے لگی جوت کوئی دل میں جگا دے تو کھلی آنکھوں سے، دن میں سمجھنے دیکھنے پر قدغن کون لگائے۔ ایک شہرت کے خوابوں میں کم تھا اور اور سے کو تعبیر کا انتظار تھا۔۔۔

چور کے دوست سہی کا رہا ہے قصہ... جرم کی کہانی میں اس کی کامیابی پر شہر آگ...

اسکول کا زمانہ ایک طرف... لیکن مجھے یاد نہیں کہ وہاں بھی کبھی کوئی ایسا مضمون لکھا ہو کہ جس پر پھر سے شاہان ملی ہو۔ لیکن پڑھنے والوں میں مزاج ہی نہیں تھا میرا۔ میرین کی حیثیت سے امریکی فوج میں شمولیت اختیار کی۔ ہش ادنی کے دور میں عراق پر حملوں میں شامل رہا اور پھر فوج سے ریٹائرمنٹ کے بعد اسکول میں فزیکل انسٹرکٹر کی ملازمت کر لی۔ پٹن اور تنکو اور گزر ہر کے لیے کافی رہی، اوپر سے بیوی کی تنخواہ بھی تھی۔ زندگی بھلی گزر

جاسوسی ڈائجسٹ : ستمبر ۲۰۱۲ء

دی ہے مگر اچانک مجھے کہانی لکھنے کا خیال آیا اور پھر جی جی چند ماہ میں ایک ناول لکھ ڈالا۔ یہ بات میری بیوی جی جی جی نہیں بلکہ پندرہ سال بچے کے لیے بھی حیران کن تھی۔

جیسے ہی میں نے مسودہ مکمل کیا، جی جی نے مسودہ دیکھا کہ کسی پبلشر کے پاس بھیجے سے پہلے اسے کسی پروفیشنل ایڈیٹر کو دکھا دوں تاکہ لیکن اسے کسے کہ آیا یہ اشاعت کے لیے مناسب ہے یا نہیں۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کے کئی دوست ایسے ہیں جو کہ میں ملو جیکے ہیں اور وہ شائع بھی ہو چکی ہیں لیکن پبلشر نے صوفی نے سے پہلے انہوں نے مسودہ ایڈٹ کرنے کے لیے بری ہارڈ کی خدمات حاصل کی تھیں۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے، پبلشر نے "مسودہ دیکھتے ہی اشاعت کے لیے منظور کر لیا۔ وہ پوری قوت سے یہ دلیل دے رہی تھی کہ مجھے بھی ویسا ہی کرنا چاہیے تاکہ مسودہ کتاب کی شکل پاسکے۔ جی جی کے مطابق بری ہارڈ بننا ایڈیٹر تھی۔

بری ہارڈ کی تعلیمی لیاقت تو کوئی خاص نہ تھی لیکن جب بطور اسٹینٹ ایجنٹ اسے کوئی خاص کامیابی نہ مل سکی تو وہ لکھنے پڑھنے کی طرف مائل ہوئی اور برسوں کی محنت سے اس نے اپنے اندر مسودوں کو جانچنے، ان کی اصلاح اور ایڈٹ کرنے کی صلاحیت پیدا کر لی۔ اب اس کی روزی مروٹی کا بڑی حد تک انحصار اسی پر تھا۔ سب سے پہلی سیلابی لہر کے سبب وہ اپنے فیشن میں بے حد کامیاب تھی۔

جی جی کی تمام تر لائق کے جواب میں، میں نے کہا: "خیر! ناول اچھا ہے۔" میں نے پرنٹ نکال کر صفحہ ۱۰۰۰ تک دے کر فائل میں لگا دیا۔ "ہو سکتا ہے۔" سر پر کھڑی جی جی یقین کرنے کو تیار نہ تھیں۔ "ایک مصنف کی دماغ اپنے مسودے کے بارے میں ہمیشہ ایسی ہی ہوتی ہے اور وہی بھی چاہیے، آخر وہ اس کی تخلیق ہے۔ تم ہی تھو کہ بھلا اچھا بچہ بھی کسی کو بد صورت دکھائی دے سکتا ہے؟"

"اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔" میں بھٹا کر رد کیا۔ مجھے لگ رہا تھا کہ وہ خواہ مخواہ مجھے کتر ثابت کرنے کے لیے ایسا کہہ رہی ہے۔ جب سے میں نے یہ ناول لکھنا شروع کیا تھا، وہ کئی بار یہ بات دہرائی تھی کہ ناول اور کہانیوں لکھنا عام آدمیوں کے لیے بات نہیں۔ اس کے لیے غیر معمولی دماغی صلاحیتیں اور کارڈینا۔ کئی بار وہ مجھے کمزور دماغ بھی قرار دے چکی تھی۔

"سلوو..." میں اسے نظر انداز کر کے بدستور اپنے کام میں مصروف رہا تو اس نے میری توجہ اپنی طرف مبذول

کرانے کی کامیاب کوشش کی۔ "عالیہ میٹوں میں میرے چند دوستوں کی کتابیں شائع ہوئی ہیں، ان سب کی ایڈیٹنگ بری نے ہی کی تھی۔"

"یہ خیر ہے یا اکتشاف! وہ بھی کام کرتی ہے، اس میں تو کمی بات کیا ہے۔" میں نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"خاص بات یہ ہے کہ ان سب کتابوں کو پبلشرز اور بک سٹورز نے قابو اسٹارڈ پیٹنگ دی ہے۔" یہ کہہ کر وہ لہجہ بھر کے لیے خاموش ہوئی اور مجھے غور سے دیکھا۔ "مطلب جاننے ہو اس کا پتا" اور پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر خود ہی کہنے لگی۔ "ابھی تمہیں دن سب باتوں کا کیا پتا، چلو میں ہی بتا دیتی ہوں۔ اس کا مطلب ہے... بیسٹ سٹورز۔"

اب وہ بھی نہیں رنج ہو رہا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ مصنفین کے بجائے بری ہارڈ کی اشاعت اور بہترین مرد و خاتون کا لہجہ دار قرار دینے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں نے بھی جوابی جملے کی گنجائی۔ "تم نے وہ خود پڑھی ہے؟"

"آپنا پڑھ لکھتے تھروں کی بات کر رہے ہو؟" انہوں نے سوال کر دیا۔

"نہیں... کتابوں کی۔" "تمہیں یہ جاننے کی ضرورت نہیں۔" اس نے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تو پھر تم کیسے جانتی ہو کہ وہ بڑی عمدہ کتابیں لکھا۔..."

یہ سنتے ہی اس نے بڑے بڑے دیدے گول کھمکائے۔ "مضوں باتوں میں وقت ضائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، مسودہ بری کو بھیج دو، تمہاری مدد کرے گی۔" وہ کمر پر دو لوں ہاتھ لگاتے ٹھکانا لہجے میں ہدایت دے رہی تھی۔ "جب دیکھو، وقت ضائع کرنے پر تھے بیٹھے رہتے ہو۔" وہ بڑبڑائی۔

میں سمجھ گیا کہ بری کے بغیر اگلا پڑاؤ پار کرنا ممکن نہیں۔ اس لیے میں نے مسودہ کمزور ہو سکتا ہے، اسے نظر ثانی کی اشد ضرورت ہے یا پھر ایڈیٹنگ کی ہلکائی لیے کہ میری بیوی کو کون سمجھائے کہ بری کو کچھ میں شامل کیے بغیر بھی مسودہ پبلشر کو بھیجا جاسکتا ہے لیکن کہاں جانا؟

اسی شام میں نے بری کی ایب سائنٹ وزٹ کی۔ ہزارنگ کے ویب ہوم پیج کے پائین جانب وہ تمام خدمات سلسلہ دار درج تھیں جن سے کوئی بھی مصنف استفادہ کر سکتا ہے لیکن مناسب فیس کی ادائیگی کے بعد ویب سائنٹ پر

نوٹ ساز

میں بھی ہر وقت ٹیچر بنی رہتی اور میں اس کی نظر میں شاید تیسری کلاس کا ایک ایسا ٹیچر تھا جسے ٹیچر کی توجہ ہر وقت دہرا رہتی ہے۔ اسی کا بکرا وہ میرے لیے مصیبت تھا۔

یہ ٹیچر ہے کہ مجھے لکھتے پڑھنے سے کوئی خاص شغف نہیں لیکن جب چند ماہ قبل ہائی اسکول کے دنوں کے ایک دوست ایڈم سے اتفاقی ملاقات ہوئی اور اس کے ذریعے دہراٹ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات اور اس کی موت کے بارے میں پتا چلا تو نہ جانے کیسے میرے دل میں تھوڑی سی جاگ اٹھی کہ اس حقیقت کو لکھنے کی صورت لکھا جائے۔

مختوں تک اس بارے میں سوچتا رہا، تمام تر حالات و واقعات کو ذہن میں ترچیب کے ساتھ ایک ٹکس دی اور پھر لکھنے میں تو لکھتا ہی چلا گیا۔

دہراٹ کوئی اچھا طالب علم نہ تھا۔ ہائی اسکول میں وہ ہمارے پرمست شرارتی لڑکوں کے گینگ کا سربراہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی ٹوٹ مار ایک طرف، اکثر ان دنوں ہم جیسے آوارہ مزین لڑکے یہ سب کچھ کر بیٹھتے تھے لیکن بڑے ہاریم نے عزت طلبہ محضوں کا انتخاب کیا اور اب سکول کی ٹیچر بننے لگی تھیں۔ اس بارے میں یہی کہنا دو خرم کی دنیا میں چلا گیا تھا۔ انجام اس کا بے وقت موت رہا مگر ایڈم سے پتا چلا کہ اسے کسی خرم کی نہیں مگر خرمی کی سزا ملی تھی۔ دراصل دیکھتے خرمی راہبٹ لسی دار ملا تو درجہ حاش کی محبوبہ کو دل دے بیٹھے تھے لیکن جب اس نے کرم فرمائی نہ کی تو موصوف نے فحش میں آکر لڑائی کو جگہ اُن کے اصل عاشق نے راہبٹ کو اڑا دیا۔ تھہر گئے ہوا۔ پولیس خوش کہ ایک مجرم ہوا گیا اور قاتل خوش کہ رقیب کو جانا سے ہاتھ دھونا پڑے، ساتھ ہی نئی محبوبہ کے لیے راستہ بھی صاف ہوا۔

میں نے جیسا کہ یہ کہانی سنائی تو اس نے حوصلہ افزائی کی اور یوں تک پہنچ دو ماہ کی محنت کے بعد میری اپنی رائے میں، ناول کی پبلشر کو بھیجے کے لیے تیار تھا۔

مسودہ بھیجے کئی روز گزر چکے تھے مگر اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ اگرچہ میں جینی سے ایسا بے یقینی چھپا رہا تھا لیکن مجھے یہ ہے کہ جیسے شدت سے جواب کا انتظار تھا۔ دن میں کئی کئی بار اسی میل چیک کرتا مگر جواب نہ ملا۔ آخر ہفتہ بھر بعد اس کی اسی میل ملی، وہ ملنا چاہتی تھی۔

برینی کا دفتر دو مہینے درجے کے مضائقہ قرار دیا گیا تھا۔ اس واقعہ ایک واقعہ کی علامت کے دوسرے طور پر تھا۔ اندر داخل ہوا تو حیران رہ گیا۔ دفتر ہی نہیں وہ تو خود... بھی اپنی ویب سائٹ کا ٹکس تھی۔ کمرے میں ہرزنگ کا

برینی کی بڑی سی تصویر نمایاں تھی جس کے پس منظر میں کتابیں نظر آرہی تھیں۔ ان میں وہ کتابیں نمایاں تھیں جو اس کی اپنی لکھی ہوئی تھیں، ساتھ میں دو بھی نظر آرہی تھیں جنہیں بقول ویب سائٹ، برینی نے ایڈٹ کیا اور وہ بیسٹ سِلر نہیں۔ ویب سائٹ پر موجود تفصیل سے لگا کہ اسے لکھنے کا جذبہ ہے اور وہ بہت تیزی سے لکھتی ہوئی۔

برینی کی لکھی کتابوں کے نام بھی بہت دلچسپ تھے۔ اس کی پہلے پبلش کی لکھی کتابوں میں 'بنارم فریج' کے اپنے خرابوں کا گھر خریدیے اور کوئی بھی ایک گھر خرید سکتا ہے شامل تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ ان دنوں کی یادگار ہیں جب وہ پراپرٹی کے بزنس میں تھی۔ برینی کے سوانحی خاکے میں وہی کئی تعلیمات پڑھ کر لگا کہ بعد میں برینی نے ادب کی طرف زیادہ توجہ دی تھی۔ اس کی حالیہ کتابوں میں 'نوتے روز' میں ناول مکمل کیجیے اور ادب ہر شخص مصنف بن سکتا ہے شامل تھیں۔ میرے خیال میں آخری کتاب دلچسپ ہوئی۔ اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے۔ جس نے بھی کوئی لکھنوی یا کہانی نہ لکھی وہ پہلا ناول لکھ چکا تھا۔

میں اعتراف کرتا ہوں کہ چینیٹک کی دنیا کے بارے میں میری معلومات صفر تھیں۔ مسودہ مکمل تھا لیکن اشاعت کے لیے پبلشر کو بھیجنے کے علاوہ اند کیا کچھ کرنا پڑتا ہے، اس بارے میں کچھ خاص نہیں جانتا تھا۔ جتنا کچھ جانتا تھا وہ یہ کہ پبلشر کے نام خوش آمد نہ خط لکھ کر مسودے کے ہمراہ بھیجے کے لیے، سب سے پہلے لفافے میں بند کر کے پوسٹ آفس جانا اور پھر ٹکٹ لگا کر پتہ پا کر پتہ پتہ لکھنا پڑتا ہے۔ کتاب کی اشاعت کے لیے یہی سب سے اہم کام ہے۔

برینی کی ویب سائٹ کے ہوم پیج پر سرنامک سے ایک لنک واضح تھا جس کے ذریعے برینی کی خدمات حاصل کرنے والے مسودے کو ایڈجسٹر کر کے اسے بھیج سکتے تھے، فیس دیکھنے کے بعد ہی اس پر نظر ثانی کی نہیں ملے ہوتی اور یوں برینی کی خدمات فیس ۱۱۱۱ روپیہ فی ماہ کی ضمانت کے ساتھ مصنف بن سکتا تھا۔ میں نے بھی وہی کئی ہدایات پر عمل عمل کیا۔ لنک کو کلک کیا اور مسودہ ایڈجسٹر کر کے بھیج دیا۔

یہ دیکھ کر جینی نے بھی سکون کی سانس لی۔ "اب مجھے یقین ہے کہ تم بھی ناول نگار کہلا سکو گے۔" "سب خاوت وہ دیدے تھماتے ہوئے ہوئی۔ دیکھو، تمہارا اُن کی دانست حرکت نہیں، وہ ایک اسکول ٹیچر کی اور کئی برس کے تجربے سے یہ صابحت خود یہ خود اس تک منتقل ہو چکی تھی۔ مجھے اس سے کوئی اور شکایت نہیں تھی ماسوائے اس کے کہ وہ گھر

"اوہ! ہر شے کے..." میں یہ سن کر چونک گیا اور قطع کاوی کی لیکن اس کے ہی لمحے مجھے اس گھٹلی کا احساس ہو گیا۔
"سودی... پلیز... آپ کیجیے۔"

"جی ہاں رنگ، انہی آگے چل کر آپ کی پہچان میں جاتے ہیں۔" اس نے مجھ پر نظر پڑا کر دوبارہ وہیں سے بات شروع کی جہاں سے سلسلہ نونا تھا۔ "اگر آپ اپنی کتابوں کو بیسٹ سیلرز دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر سرورقی، پکس ورق اور آپ پر ہائی گلی تصویروں کے رنگوں پر مکمل توجہ دیجیے۔ اس کے بعد میسجنگ ہو یا ٹوٹریا پھرائی سٹل اکاؤنٹ... ہر جگہ وہی رنگ استعمال کر رہے ہیں۔ چاہیں۔ تم نے دیکھا کہ میرے ہاں گہرے سبز اور آتش سرخ رنگ کا استعمال نمایاں اور غالب ہے۔ یہ رنگ سبزی پہچان میں چکے ہیں۔..."

پتھان بولتے ہوئے وہ سانس لینے لکھو بھر کے لیے رکی۔
"جی ہاں۔..." میں نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی زبان میں ہاں ملائی۔ اس دوران میں گہری نگاہوں سے دفتر کا جائزہ لے چکا تھا۔ گہرے کی تین دیواریں گہرے سبز جگہ ایک آتش سرخ رنگ کی گچی پائل اس کی دیواروں کی طرح جہاں میں نے تین تہائی سبز اور ایک تہائی سرخ رنگ کا استعمال واضح طور پر محسوس کیا تھا۔

"لیکن یہی بات سب سے پہلے..." ایک بار پھر مجھے کی باری آئی کی گئی۔ "سب سے پہلی ضرورت اس کتاب کی اشاعت ہے۔" یہ کہتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات ہی تبدیل ہو گئے تھے۔ اس نے کچھ دیر تک میرے چہرے کو بغور دیکھا۔ میں دلی قیاس میں ڈر رہا تھا کہ کہیں کوئی بری خبر نہ ہو۔ لگ بھگ ایک منٹ کی خاموشی کے بعد اس نے دوبارہ بولنا شروع کیا۔ "کہیں مجھے غلط نہ سمجھ لیا لیکن تمہارے مسودے پر کافی کام کرنے کی ضرورت ہے لیکن پھر بھی میں سمجھتی ہوں کہ تم میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور صرف ایک ناول ہی نہیں بلکہ ایک پوری سیریز بھی لکھ سکتے ہو مگر..." وہ بات مکمل کیے بنا خاموش ہو گئی۔
"مگر کیا..." میں چونک گیا۔

"جس میں میری مدد کی اشد ضرورت ہے۔" اس نے غصہ بھرا لہجہ میں جواب دیا۔ "اس کے بغیر کامیابی..." ایک بار پھر اس نے بات مکمل کیے بنا پھوڑ دی مگر میں سمجھ چکا تھا کہ اس کے وہ کیا کہنے والی تھی۔

"چائے پیس کے یا کافی مسٹر فیصلہ۔" وہ صوفے سے اٹھی۔

"فیصلہ؟" اس کے منہ سے لپکا ہوا نام سن کر میں

استعمال نہ کیا تھا۔ چمک دلو گہرے براؤن لہرے دار بالوں والی برقی کے ہاتھوں پر ہادی رنگ کی پالش تھی۔ گہرے سبز رنگ کے لباس میں لمبوس غروٹی چہرے والی برقی کی ناک پر پرتیس گول فریم کی عینک تھی۔

"رنگوں کا استعمال خوب ہے، مجھے یہ پسند آئے۔" دیواریں کی طرف اشارہ کر کے کہا تو اس کا چہرہ مکمل اٹھا۔ "یہ رنگ اپنی طرف تہاوری بھی توجہ کھینچتے ہیں یا نہیں ہے؟" میں ذرا بے لگنی پیدا کرنا چاہتا تھا۔

"یہ اہم نکتہ ہے۔" وہ مسکرائی۔ "اس پر پھر بات کریں گے، آئیے! اشریف رکھیے۔" اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ "ہم گھر شہ بننے زیادہ تر تمہارے بارے میں ہی باتیں کرتے رہے ہیں۔"

"میرے بارے میں..." یہ اعتراف کم از کم کسی انکشاف سے کم نہ تھا۔ "لیکن یہ تو میرا پہلا ناول، صاف نیچے میرا مطلب کہ مسودہ ہے۔ اس سے پہلے تو میں نے کبھی کچھ نہیں لکھا۔" مجھے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
میرے لیے کی ہچکچاہٹ صاف عیاں تھی۔

"لیکن اب تم ایک ناول نگار اور ایب ہو۔" وہ میری بات سن کر مسکراتے ہوئے بولی۔ "اب تمہیں اپنے آپ کو میرا مطلب ہے کہ اپنے کام کو پہنچنے کی ضرورت ہے۔ میرے بیچ کا بھی حصہ ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کچھ بھر توقف کیا۔ میری پوری توجہ اس پر مرکوز تھی۔ "تم نے اپنی دن شیٹ سے متعلق کچھ سوچا ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

یہ سنتے ہی میں کڑبڑا گیا۔ اس سے پہلے یہ لفظ کہیں نہیں سنا تھا۔ "یہ کیا شے ہے؟" میں نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔
"شیٹ... دن شیٹ۔" اس نے سمجھانے کی کوشش کی۔ "مطلب کہ مختصر سوانحی خاکہ۔" یہ کہہ کر اس نے میری طرف غور سے دیکھا۔

"مگر میں نے اب تک ایسا کوئی کام نہیں کیا کہ جس کی وجہ سے یہ لکھنے کی ضرورت پیش آئی۔" میں نے شرمندہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"خیر چھوڑو اسے، میں خود تیار کر لوں گی۔" میں نے مکمل سانس لی۔ "مگر یہ..."

وہ مسکرائی۔ "شکر ہے کی بات نہیں، میں تو میرا کام ہے۔" یہ کہہ کر اس نے چاروں طرف دائرہ نظر ڈالی۔

"ہم رنگوں کی بات کر لیتے ہیں۔ تم نے دیکھا، ہر شے کے رنگ ہوتے ہیں۔"

نوٹ سناؤ

پان کرنے کا ڈھنگ غائب ہے۔ ویسے یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں، میں جھیک کر دوں گی۔ لیکن ایک مفید مشورہ ضرور دوں گی۔۔۔

ہات آدھری چھوڑ کر وہ خاموش ہوئی تو میں نے جھس بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تمہیں مسودہ نہیں بلکہ اپنی خامیاں... یہ جتنے عیا میں چوبک گیا۔ اس نے بھی یہ بات بھانپ لی، فوراً مسکرائی۔" معاف کیجیے گا میری مراد تمہاری ذات نہیں بلکہ تحریر سے ہے۔

"اوہ..."

"ابھی بات یہ ہے کہ تم مجھ تک پہنچ گئے۔ یقیناً، میری خدمات تمہارے ناول کو شائع کرنا دے رہی ہیں۔"

میں نے احسان مند نظروں سے اسے دیکھا۔
"تو تم میری خدمات حاصل کر چکے۔" یہ کہتے ہوئے بریٹی نے مسودہ میز پر رکھ دیا۔ "تم مشہور کرائم اسٹوری رائٹر بننے کی صلاحیتوں سے پوری طرح بالافعال ہو چکی۔۔۔"

"اس کے لیے مجھے ہر حال میں تمہاری مدد کی ضرورت ہوگی۔" میں نے قطع لگا لی۔
"پاکل درست کہا، اب تم کچھ مجھے کہہ کر کرنے کی ضرورت ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔ "یہ تمہاری ایک اضافی خوبی ہے۔ اچھا ادیب دو ہوتا ہے جو ذہنوں کو پڑھ لے۔"

میں نے مسکرا کر تائید میں سر ہلایا۔ یہ اور بات کہ وہ جو نئی پڑھ رہی تھی، وہ کچھ خاص میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔
"ایک منٹ... وہ اٹھ کر شیف کی طرف گئی۔
لو بھر کے لیے میں جسم تصور سے خود کو مصروف ناول نگار کی حیثیت سے دیکھنے لگا۔ اخبارات میں بڑی بڑی تصاویر اور تمہرے، الٹی وی پر انٹرویو، ریڈیو والوں کا انٹرویو کے لیے فون۔ میں تصور کی آنکھ سے دیکھ رہا تھا کہ نوین جماعت میں پڑھنے والا میرا پنا گوگل کے سرچ انجن پر ٹیکسٹ آف انجیل لکھ رہا ہے۔ ویسے میں نے اپنے پہلے ناول کا نام انجیل کی داستان تجویز کیا تھا مگر چند لمحے پہلے بریٹی کے دیے گئے لقب نے میرے حوصلے اور عزائم دونوں کو ہی بہت باندھ کر رکھا تھا۔

"معاف کیجیے۔" بریٹی کی ٹھکھٹائی آواز سے میرا ہنسا ٹوٹ گیا۔ "لگتا ہے تم گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے۔" وہ میرے مقابل بیٹھ چکی تھی۔

"آپ کی باتوں پر غور کر رہا تھا۔"

"یہ تو بڑی اچھی علامت ہے۔ اس طرح ہم یکساں

مکڑ بڑا گیا۔

"میں سنٹر ٹیکسٹ۔" اس نے کافی پانے کے دوران میں مڑ کر مجھے دیکھا اور تعریفی لہجے میں کہا۔ "اب تم اچھے ہاتھوں میں ہو۔ مسودہ جتنے کے دوسرے ہی دن میں نے اس کا پرنٹ لے لیا تھا۔ دوبارہ پڑھا ہے اسے پوری توجہ کے ساتھ۔"

اس نے کافی کے گک میز پر رکھے اور سرخ دیوار کے پاس رکھے شیف کی طرف بڑھی۔ ایک فائل اٹھائی اور واپس میرے مقابل آکر بیٹھ گئی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس میں ضرور میرا مسودہ ہوگا۔ خیال درست نکلا۔ کچھ صفحات مڑے ہوئے تھے کہ جیسے اس نے کتابی لگا لی ہو۔ میرا اندازہ تھا کہ کم از کم تین سو صفحات ہوں گے۔

"سنٹر ٹیکسٹ، میں ایک ایماندار عورت ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے میرے چہرے پر نظریں گاڑیں۔ "جو ہوتا ہے وہ میں کہہ دیتی ہوں۔ کچھ دیکھو... اس نے چند مڑے صفحات پر انگلی رکھی۔ "یہ ناقابل مطالعہ ہیں۔"

"میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ان صفحات پر جو کچھ تحریر ہے، وہ پڑھا جاسکتا ہے لیکن اسے سمجھنا مشکل ہے۔ یہ خاصا عجیبہ طریقہ تحریر ہے۔ اس سے لگتا ہے کہ تمہارا ذہن دول میں جو کچھ تھا، وہ حلقے پر الٹ دیا گیا ہے اور اگلے صفحات سے اس کا رد بدلہ کھل پھلا اور بات کہنے کا ڈھنگ... اسی طرح کی کئی اور چیزیں ہیں میں سے غائب ہیں۔ یوں کہہ سکتے ہیں کہ تمہاری نگاہیں کئی استعمال نہیں ہوا۔" اس نے ایک اسکول بچہ کی طرح سمجھا شروع کیا۔ "تم جو بات کہنا چاہتے تھے وہ کچھ تو والی لیکن شاید ڈھنگ سے اپنی بات کا درجہ تک پہنچانے میں ناکام رہے ہو۔"

بریٹی سے اس ملاقات سے قس تک، شاہکار ناول لکھ لینے پر فخر کا جو دریا میرے اندر موجزن تھا، یکدم اس کا چرھا پانی اترنے لگا۔ اس کا تبصرہ سن کر میں خود کو شرمندہ محسوس کر رہا تھا۔ "ارے... آخر کچھ دیر کی خدمات بھری خاموشی کے بعد میں نے مختصر جواب دیا۔

"خیر ایسی بھی کچھ بات نہیں۔" اس نے میری شرمندگی بھانپ لی تھی، شاید اسی لیے حوصلہ افزائی کی۔ "اگر تمہیں اتنا زیادہ بھی برا نہیں۔ بھول میں جرم دہرا سے متعلق تمام ضروری لوازمات اور مریج مسالا موجود ہے، بس ذرا ترتیب، اسلوب، مکالمے اور بات کو کھل طریقے سے

شروع کرتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ کردار تمہاری کہانی کے موجود درون سے متعلق نہیں ہے۔ مگر اسے دہیٹ دیا اور آگے بڑھیں تو یہ کہانی میں ابہام پیدا کرے گا۔ قاری کو ابھین محسوس ہوگی۔ تمہارا سرائی رساں بھی کہانی سے کچھ زیادہ متعلق نہیں رہتا البتہ آدھر کہانی کے پلاٹ میں بالکل ایسا ہے۔ تمہارے سرائی رساں نے تو کہانی کو کسی اور دنیا میں پڑا دیا ہے۔

مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے ناول اینڈ کرنا ہے یا اس کا پوسٹ مارٹم۔ تہ جائے وہ کس طرح کی باتیں کر رہی تھی۔ میں نے تو یہ حاسادہ ناول لکھا جس کی کہانی بالکل جتنی بھی لیکن روپ لکھن کا دیا تھا اور بس لیکن ان محترمہ نے تو میرے چودہ برس مدفن کرنا شروع کر دیے تھے۔ اسی لیے جب وہ کئی بار لکھ کر چکی تو اکثر میں لپو پھینک لیا۔" میرا سرائی رساں

"ہاں... ایا کم۔ تمہارا سرائی رساں۔" اس نے حیرانی سے مجھے غور کیا۔ "تمہارا تعلق کردہ کردار ہے یہ۔" لگا کہ وہ مجھے یاد دہانی کر رہی ہے۔ شاید اس وقت وہ بھی جتنی کی طرح مجھے غائب و غایب سمجھ رہی ہوگی۔

"اوہ... میں نے پشیمانی کا اظہار کیا۔" وہ اصل میں کوئی سہ بند ہو یہ نہیں ہوں تھا۔

"کوئی بات نہیں تمہارے طرے کی بات ہے پھر ہاں ماؤ کے۔" اس نے خوش دلی سے اس طرح کہا جیسے میری کسی لطفی کو معاف کر رہی ہو۔ "ہاں تو سب سے پہلے ایا گو ہم اسی کی بات کر رہے تھے نا؟" اس نے تائیدی نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ "نہی رکھو کہ سب سے پہلے اسی نے سرائی لکھا تھا۔"

"کس چیز کا...؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایا گو نے ہی سب سے پہلے یہ سرائی لکھا تھا کہ حقیقت میں اسیو نامکس کے ہاتھوں قتل ہوئی ہے۔" لیکن قتل تو بدھیلو نے کیا تھا۔" میں نے ٹھکی بار اس کی رائے سے انکار کیا لیکن مننا تے ہوئے۔

"اٹھیلو کو تو ظاہر قاتل بتایا گیا۔" اس نے میرا اعتراض مسترد کر دیا۔ "ابن بات چھوڑو تمہارے قادیمن کچھ جاگیا کے کہ ہم ضیکہ رشتے پر آگے بڑھے ہیں۔" اتنا کہہ کر وہ رکی اور مجھے بغور دیکھا۔ "قادیمن بڑے ذہین ہوتے ہیں، اہل ہر میں کہانی کا جھول پڑ لیتے ہیں۔ ہاں تو بات کر رہے تھے اٹھیلو کی سب سے پہلے یہی دیکھ لو کہ اگر

سوتھ کے ساتھ آگے بڑھ سکتے ہیں۔" اس نے تقریبی انداز میں کہا۔ "ایک اور بات کہنا چاہوں گی۔" یہ کہہ کر کچھ بھر توقف کیا اور پھر پھر شروع۔ "میں سمجھتی ہوں کہ تمہارے کرداروں کو نہایت مضبوط ہونا چاہیے۔۔۔ اب تمہارے کردار ایا گو کو کوئی لے لو، غیر معمولی طور پر ذہین اور جالاک نظر آتا ہے۔" اس نے آنکھیں گول گول کھا کر مجھے دیکھا۔ "مجھے یقین ہے کہ جب تم اس کردار کو کھدہ سے ستے، تب اس نے یقیناً تمہیں بہت پریشان اور مصروف رکھا ہوگا۔" وہ تائید حاصل کرنے کے لیے خاموش ہو گئی۔

"اگر یہ کیوں کہ کہانی اور اس کے کرداروں کے بارے میں تمہیں علم غیب بھی آتا ہے تو یہ کہنا کچھ لفظ نہ ہو گا۔" میں نے کھنکھایا۔ "تم لڑکے کرتے ہو؟"

میرے لیے یہ سوال غیر متعلق اور اچانک تھا۔ میں چونک گیا اور پھر جلدی سے انکار میں سر ہلایا۔ "نہیں، البتہ کبھی کبھار بامنی وغیرہ میں..."

"سوشل ڈرنک لے لیتے ہو۔" اس نے مسکرا کر میری بات کاٹ کر جملہ خود مکمل کر دیا۔ "لیکن لکھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمہاری بہت ضرور چاہیں خاص طور پر کہانی کے پلاٹ پر سوچتے اور پھر لکھنے کے دور میں تمام مشہور ادیب ایسا کرتے ہیں۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔" میں نے بنا سوچے کچھ سرائی دیا مگر کچھ نہیں آیا کہنا سے مجھے ادیب بنانا ہے یا شرب کی لت لگوانی ہے۔

"لیکن ایک بات بڑی عجیب ہے۔" اس نے کچھ سوچنے کے بعد لب کشائی کی۔ "تم لڑکے نہیں کرتے لیکن یہ تمہارا ایا گو... وہ تو بہت پتہ والا ہے، اوپر سے وہ مختلف پرائز پر تحفہ و تعریف بھی کرتا ہے۔" وہ ذرا آگے کی طرف ہنسی اور میری آنکھوں میں جھانکا۔ "بڑی نکالی کی معلومات ایا تمہارے پاس ہیں۔" یہ کہہ کر وہ زور سے ہنس پڑی۔ اس کی ہنسی بہت دلکش تھی۔

"شاید میری جڑیں ناچ اچھی ہوگی۔" یہ کہہ کر میں زور سے ہنس پڑا۔ چند لمحوں تک کمرے میں ہم دونوں کے ہنسنے کی آوازیں گونجتی رہیں۔

"تو سب سے پہلی بات یہ ہے کہ... اتنا کہہ کر وہ کچھ سوچنے لگی۔ اس نے اب تک کی گفتگو میں کئی بار یہ لفظ استعمال کیا تھا۔ پہلے تو واقعی میں اس بات کو اصل معنوں میں سمجھا لیکن اب جان چکا تھا کہ یہ انہماک کا کام ہے سب سے پہلے۔" ہلو... سب سے پہلے تمہارے کردار ایا گو سے

نے ایک سلسلے پر اٹھ کر رکھی۔ "ہم بیاں سے شروع کریں گے۔"

میں نے ایک بار پھر سننا کر اعتراض اٹھایا۔ "لیکن بیاں کا تو شاید ہی..."

مگر اس نے قطع گلائی کی۔ "بالکل ٹھیک، کہانی میں اس کا کردار بہت مختصر ہے اور اسے مشتہ قرار دینا ناممکن ہے۔" یہ سن کر میں خوش ہوا کہ اس بار میرے اعتراض کے سامنے وہ اکتیا کر ڈالنے جا رہی ہے۔ کچھ توقف کے بعد وہ دوبارہ شروع ہوئی۔ "لیکن ذرا لمحہ سہرا کو سوچو۔ تمہاری کہانی میں بیاں کا گیسو کے ساتھ ہے اور تمہارا کردار ڈیڑھ سو سو کو پیار کرتا ہے بیاں کا کو نہیں۔ یقیناً ڈیڑھ سو سو اپنے احساسات کو چھپانے کی کوشش کرتی ہے اور وہ خود بھی۔ بہر حال وہ تمہارے کردار اور تخیل کے واسطے کام کرتی تھی لیکن میرا یقین کہہ دیا تھا جتنی کہ وہ کسی سے محبت کرتا ہے۔ اور میں یہ سب کچھ بھانپ لیتی ہیں۔ لہذا ہمارا سراغ رساں آیا گو درست سمت میں گیسو کی جانب بڑھتا ہے۔ اس کی نظر میں سب اچھا نہیں ہے۔ خیر، میرا کلمہ یہ ہے کہ بیاں کا اس سے پہلے گئی تھی اور اس نے اپنے مفاد میں سوچا کہ ڈیڑھ سو سو کا چٹا حائف کر دیا جائے۔"

یہ کہہ کر اس نے تپائی سے پانی کا گلاس اٹھایا اور غٹا ٹٹ لی گئی۔ یقیناً اٹلی بس تقریر کے بعد گلا تو سوکھ ہی رہا ہوگا۔ "میرے خیال میں تمہاری بات ٹھیک ہے۔" وہ اب میری طرف متوجہ تھی۔

"اوکے... اب ہم پھر تمہاری کہانی کو دیکھتے ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے مسودے کے کچھ صفحات پلٹے۔ "تمہارے ٹکسے کے مطابق اوتھیلو نے پہلے ڈیڑھ سو سو کو قتل کیا اور پھر خود کو گولی مار لی۔"

میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "جانتے ہو...؟" وہ مسکرائی۔ "تم نے ایسا کچھ سمجھا چھوڑا ہی نہیں، جسے ایا کو قتل کر سکتا۔ اب اگر کہانی یوں ہی آگے بڑھتی ہے تو ایا کو کا مضبوط کردار خواہواہ ابھام پیدا کرے گا، اس کے پاس کرنے کو تو کچھ ہے ہی نہیں۔ اسی لیے میں نے طے کیا کہ وہی سب کی نظروں میں مرکزی مشتہ قاتل ہے۔"

"میں بھی متفق ہوں، اور تخیل پر ہی شک کی اٹھ گئی تھی چاہے۔" یہ کہہ کر میں نے ہاتھ بدلا اور سوچا کہ یہ تو سب کچھ تدبیرا کرنے کے درپے ہے۔

"تو یہ ہے طاری کہانی کا صحابہ اب ہم دوسرے کی

اوتھیلو مرکزی مشکوک طرم تھا تو پھر اسی پر کہانی آگے بڑھے گی اور جب سراغ رساں نئی حقیقت سامنے لائے گا تو قاری چونک اٹھے گا۔ اسے چونکنا بھی چاہیے اور یہ کام ادیب سے زیادہ ناول ایڈٹ کر سنے والے کی ذمہ داری بنتی ہے۔"

"میں سمجھ گیا۔" لیکن میری بات کو وہ شاید کسی اور معنوں میں سمجھ گئی ہوگی۔ میں جان چکا تھا کہ وہ بہانے بہانے سے مجھ پر اپنی اہمیت و افادیت ظاہر کر رہی تھی کہ اگر میں ناول نگاروں اور ادیبوں کی فہرست میں شامل ہونا چاہتا ہوں تو اس کی خدمات میرے لیے کافی ضروری ہے۔

"ہاں تو بات یہ ہے کہ ہم ایا کو پر بحث کر رہے تھے۔" اس نے تگ و تگ کر ایک بار پھر پھر شروع کر دیا۔ "تم نے اپنی یہ کہانی پس منظر سے شروع کی ہے لہذا ڈیڑھ سو سو کو شروع ہی میں مرنا چاہیے کہانی کے آخر میں نہیں۔ اور پھر یہاں سے ایا کو تحقیقات شروع کرے کہ اسے کسی نے قتل کیا۔ اگر ڈیڑھ سو سو کو آخر میں ہی مرنا ہے تو پھر ایا کو کا کردار غیر متعلق ہے۔ وہ ہماری کہانی میں کیا کرتا پھرے گا یہ بات قاری کے دماغ کو الجھائے گی۔"

"لیکن میرے نزدیک اس کہانی میں ایا کو میری نہیں بلکہ ایک ولن ہے اور وہ بہت مقبول بھی ہے۔" یہ دوسرا موقع تھا کہ میں نے اس کی رائے سے اختلاف کرنے کی ہمت کی اور لکھتے ہوئے جس طرح ایا کو کا کردار آگے بڑھایا اور جیسا وہ میرے ذہن میں تھا اسے بیان کر دیا۔

"ایسا تم سوچ رہے ہو مگر یاد رکھو کہ ہم غلطیوں کو ٹھیک کر کے اسے شاہکار ناول کا درجہ دینے جا رہے ہیں۔" ایک بار پھر اس نے میرا اعتراض ایک جملے میں ہی مسترد کر دیا۔ "میرے نظر پانی شدہ مسودے میں، جیسا کہ پہلے بھی بتا چکی ہوں، ایا کو ایک سراغ رساں ہوگا۔" اس کا لہجہ اٹل تھا۔ "ایا کو بہت ذہین ہے لیکن اس کا کردار مزید مضبوط کرنے کے لیے ہم اب تک اس میں دو تہہ بنایا کر چکے ہیں۔"

مجھ نہیں آیا کہ وہ کس تہہ کی بات کر رہی ہے۔ میں نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"ڈیڑھ سو سو کو شروع میں ہی قتل ہونا ہے اور ایا کو سراغ رساں ہے، یہ ہو چکیں دو تہہ بنایاں۔" اتنا کہہ کر وہ زبکی اور میری طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی زبان پھر شروع ہو گئی۔ "اب ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ کس کے محرکات کیا ہو سکتے ہیں اور مشتہ قاتل کون ہوگا۔" یہ کہہ کر وہ اٹھ اٹھی اور شیلٹ کی طرف بڑھی۔ مسودہ اس کے ہاتھوں میں تھا۔ ورق پلٹتے ہوئے وہ واپس آئی۔ "ہاں... یہاں ہے وہ۔" اس

حرف آتے ہیں۔ "یہ پہلا موقع تھا وہ اپنی بات کہے بتا سکی
دوسرے کردار کی طرف بڑھ گئی تھی۔" اب بات ہے کہ بیوی
کی... اس نے مسودے کے صفحات پر نظر ڈال۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں مگر ایک بار
پھر میں اعتراض اٹھا چکا تھا۔ "یہ ایک معزز کردار ہے۔ میں
نہیں سمجھتی کہ اس میں وہ تبدیلی کی کوئی ضرورت ہوگی۔"

"ضرورت تو پیش آچکی۔" اس کا انداز ایسا تھا جیسے
حیرت انگیز انکشاف کرنے جا رہی ہو۔ "وجہ یہ کہ وہ بالکل نثر
میں بالکل فٹ مشق نہیں کرتی ہے۔ ایک نو وہ عدم حفظ کا شکار
ہے دوسرے یہ کہ اس کی ذہنی حیثیت کمزور ہے۔ پیٹ پالنے
کے لیے وہ ایک اسٹور پر پیلوراکا کاؤنٹ ملازم ہے۔ پھر ایک
نوجوانی کا اس سے ملے رہتا۔"

مجھے اس کی منطق سمجھ نہ آئی۔ "تو پھر..." میں سمجھ نہیں
سکتا تھا کہ وہ بول کوئی رنگ دینا چاہتی ہے۔ میرے نزدیک
وہ غلط فہمی اور نہ تھا مگر یہ اسے ہلکا سا لاک پٹانے کی کوشش
کر رہی تھی۔ کیسیو ایک معزز عورت تھی، اس پر کل کا شک
کر رہی تھی اور بیا نکا تو ویسے ہی ایک معمولی کردار تھا، اس
سے ناول شروع کر دیتا۔ لکھ بھر کو میری آنکھوں میں آنکھیں
کاچرہ ابھرا۔ اس کا مشورہ مان لیتے کی غلطی پر خود کو گولٹ
سمجھتی۔

بریتی نے مسودے پر سے نظر اٹھا کر گن آنکھوں سے
مجھے دیکھا۔ "ناول کا عنوان دجھا نہیں، اسے بھی بدلنا ہوگا
لیکن اس پر ہم بعد میں بات کریں گے۔ فی الحال کیسیو پر ہی
بحث کو آگے بڑھاتے ہیں۔ میرے خیال میں یلٹینٹ کے
ساتھ اسے جوڑ دینا ٹھیک نہیں ہے۔ خاموش ہو کر وہ کچھ سوچ
رہی تھی۔ "یہ لو، کیا بات ملتی ہے..." اس نے میری طرف
دیکھا۔ "کیسیو کی وجہ سے مجھے فرائیڈ سٹیمپ یاد آ گیا۔ کیا
قلعہ بیان کیا ہے اس نے کیسیو پر بالکل فٹ بیٹھتا ہے۔
فرائیڈ کے تناظر میں، میں یہ سمجھتی ہوں کہ کیسیو کو آشوبہ
ظہور پر ملازمت کے ہاتھ سے چنے جانے کا دوسرا حقیقی
ہے۔ اسی لیے وہ ذہنی دباؤ کا شکار بنی، جسے کم کر کے
لیے اس نے شراب نوشی شروع کر دی۔ کیسیو کو ذہنی تناؤ کا
شکار بنانے سے کہانی میں گہرائی پیدا ہوگی، قاری کی دلچسپی
بڑھے گی لیکن مجھے اس سے اختلاف ہے۔"

"وہ کس لیے..." میں نے نیم دلی سے پوچھا۔ ایسی
اس کے پیچھے سے بیزار ہوتا جا رہا تھا۔ وہ مجھ سے ہی نہیں
اب خود اپنے آپ سے اختلاف پر اتر آئی تھی۔
"میرا نکتہ یہ ہے کہ اس کیس میں کیسیو پر فیکٹ ملازم نظر

آتی ہے۔ بنیادی طور پر جب وہ شراب پیتی ہے تو ہوش و
حواس کھوٹ جاتی ہے اور ایسے میں اس کا رویہ شدید جاوہانہ
ہو جاتا ہے۔" یہ کہہ کر اس نے کچھ دیر توقف کیا۔ شاید اسے
میرے پوسٹے کا انکشاف تھا مگر مجھے خاموش دیکھ کر وہ دوبارہ
شروع ہو گئی۔ "ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جب کیسیو نے
ڈیسوٹا سے کہا کہ وہ اوتھیلو کو چھوڑ دے لیکن وہ نہ مانی اور
مشغول ہو کر حملہ کر دیا اور اس بے چاری کی جان لی۔" یہ
کہہ کر وہ پھر دلی اور میرے چہرے کو بخور دیکھا لیکن میں
چپکا بیٹھا رہا۔ "یہ اس لیے کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت وہ نشے
میں تھی اور اچھے برے کی تمیز بھلا بیٹھی تھی۔ ڈیسوٹا کے اذکار
پر وہ بھڑک اٹھی اور غصے میں حملہ کر دیا۔"

"بہت خوب..." میں نے سپاٹ لہجے میں غصہ دیا۔
"مسٹر یلٹینٹ..." اب تم ایک رائٹر کی طرح سوچتے
تھے ہو۔ میرا خیال ہے یہ تبدیلی تم میں مجھ سے ملنے کے بعد
آئی ہے۔" اس نے میری طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔
میں نے سب کچھ لکھ لکھ کر سنا ہے پر ہی انکشاف کر لیا۔
"ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ یہی وجہ ہے کہ ہمارا سراغ
دھماکا لگا گیا اسے مشق قرار دینے والا ہے۔" یہ کہہ کر اس
نے مجھے تھوڑا۔ "اب سمجھے کیسیو کو مفلوک قرار دینے کا جس
منظر۔"

ایک بار پھر میرا سر تائید میں ہلا۔ ویسے بھی اب میں
اپنی زبان کو زیادہ زحمت نہیں دینا چاہتا تھا۔ ابھی طرح کچھ
گویا تھا کہ یہاں تقریر کے لیے ایک ہی زبان کافی ہے اور
جب یہ زبان عورت کی ہے تو پھر محسوس کا تو کوئی سوال ہی
نہیں پیدا ہوتا۔

کچھ دیر تک مسودے پر نظر میں اٹھانے کے بعد بریتی
نے سر اٹھا دیا۔ "ڈیسوٹا نے جب اوتھیلو کو چھوڑنے سے
انکار کیا تو کیسیو نے اسے قتل کر دیا۔ جان لیوا حملہ کرنے کے
لیے یہی جواز کافی ہے۔ خاص کر اس وقت کہ جب وہ نشے کی
حالت میں ہوا اور دل کے اچھوتوں مجبور بھی تب ایسا سو فیصد
ممکن ہے۔ چونکہ یہ ممکن ہے تو ہم اس ناول میں بیٹھا اور
کیسیو کے بعد اب مزید دو مشقہ کردار پیدا کریں گے۔"

مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میری سیدھی سنائی کہانی کی
وہ کیا پھوڑی بنا رہی تھی۔ "خیر اب کس کی باری ہے؟"
"یہ ہے باری میں..."
"ڈیسوٹا کا باپ..." میں چونک گیا۔
"واہ..." وہ خوش ہو کر بولی۔ "اب یہی دیکھ لو کہ
بادشاہ کے نام پر تم خود کتنے حیران ہو گے تو پھر ذرا سوچو

Social Responsibility

کاری کو کتنی حیرانی ہوگی۔"

یہ تو میں ہی جانتا ہوں کہ اس پر مجھے حیرانی ہوئی تھی یا تکلیف مگر مہ سے کچھ چہ بولا، خاموشی سے اسے ہنستا رہا۔
"تو کیا اس نے اپنی جی کوئل کیا؟"

"نہیں... برائی کا لہجہ دو لوگ تھا۔ مگر اس کی ضرورت ہے کہ قاری اس امکان پر بھی غور کرے۔ بہر حال اوتھیلو کی وجہ سے اسے دکھ تو ملانا! اس نے میری طرف دیکھا۔" ذرا اس نکتے پر سوچو۔ پارٹین نے اسے اپنے گھر کے اندر داخل ہونے کی اجازت دی، اس پر اعتماد کیا لیکن پھر دیکھ لو اس نے کیا کیا۔ اس نے پورے گھر کو جنگ کا میدان بنایا۔ اس کے احترام کو دھوکا دیا۔ ڈیموہ اس کی پرستش کرتی تھی لیکن اس نے اسی کی جان لے لی۔ "یہ کہہ کر اس نے ابرو چڑھا کر مجھے دیکھا۔" اس کی جان لینے کے لیے پارٹین کے پاس یہ توازن کیا کم تھا؟ وہ سوال یہ لگا ہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ "اگر تم ڈیموہ کے باپ کی جگہ دوتے تو کیا ایسا نہ سوچتے؟"

"ہاں... میں نے تاہم میں سر ہلاتے ہوئے کہا شروع کیا۔" بظاہر تو کسی کی جان کے لیے یہ وجہ بہت کم نہیں۔

"اصل کے محرکات کو تھے بوڑھے جانتے تھے۔" اس نے پھر میری نفسیاتی سوچا ہونی کوئی نیا شروع کر دیا۔ "اوتھیلو نے ڈیموہ کی شادی اور سے اسے چاہت ہو راکھنے کی خاطر پارٹین کی شہرت اور تھیکہ بانی جو لگاؤ۔" اس نے غصہ کر مجھے دیکھا۔ "دو مختلف گھلوں کے درمیان شادی کے معاملے کو میں اب تو اور بھی لگا ہوں کہ وہ پیٹنے کی ضرورت پیش آئے گی لیکن اس کے بعد... وہ اس سے بچنے کو رہی۔" میرے یقین کر دیا کہ اوتھیلو کو قتل کرنے کے لیے پارٹین کے پاس محرکات کافی تھے۔ اور یہی بات قاری کو یقین دلائے گی کہ وہی قاتل ہو سکتا ہے... تو یہ بے گاہانی کہ ایک حیران کن موڑ۔ "یہ کہہ کر اس نے قاتل نہ لگاؤں سے مجھے ٹھوڑا۔" مسٹر شیشپیر ذرا سوچو، ان اہکانات پر سوچو۔ اس سے تمہارا ناول شامیکا اور اور بیسٹ بلرین چائے گا۔ تمہیں شہرت اور دولت ملے گی۔" وہ یہ باور کرانے کی پویش کر رہی تھی کہ ایلور ناول نگار میرے مستقبل کے واسطے اس کی اپنی کتنی زیادہ اہمیت ہے۔

مجھے کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا آؤں۔ میری کہانی تھی لیکن اب مجھے خود اپنے نفس پر رہی تھا، وہ اسے کیا ہے کیا جانتے جا رہی ہے۔ سچ کہوں تو اگر برائی اسے دوبارہ لکھتی تو خود

اسے سمجھنے کے لیے مجھے ایک عام قاری کی طرح اسے پڑھنا پڑھتا۔ شروع شروع میں تو کتا حد تک سیدھے سہاؤ بات کر رہی تھی۔ میں اس کی تراجم پر رضامند بھی تھا مگر اب... صورت حال اتنی عجیب ہو چکی کہ اگر اوتھیلو زندہ ہوتا تو اسے بھی اپنی زندگی میں پیش آنے والے حالات کو سمجھنے کی خاطر ناول پڑھنے کا سہارا لینا پڑتا۔

"اب ذرا آگے بڑھو۔" خاموشی کے ایک مختصر وقفہ کے بعد برائی کا سلسلہ کلام دوبارہ شروع ہوا۔ "پاس تو میں کہہ رہی تھی کہ وہ ڈر گئے تھے، سوچا سے بچا کر رہا تھا لیکن اس نے اسے مسترد کر دیا تھا۔ تمہیں یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ تمہارے کردار ڈیموہ میں یہ خاصیت تھی کہ مرد اس کی طرف کھینچے چلے آئے تھے لیکن یہ خود جس کی پرستش کرتی تھی، وہ اسے گھاس تک نہیں ڈالتا تھا۔"

میں نے سر ہلایا۔ "یہ وہاں رہا... ایسا تو نہ تھا۔"

"تمہیں گھاس لیکن ڈیموہ نے بھی قلمیت طبیعت پائی تھی۔"

اب تو مجھے بھی کچھ نہیں آ رہا تھا۔ میں نے سوال یہ لگا ہوں سے اسے سمجھتے ہوئے پوچھا۔ "پلیز... ذرا یہ تو واضح کر دو کہ حقیقت ڈیموہ کا قاتل کون ہے۔" یہ کہہ کر میں نے کھینچ رہائی اور سوچا، کاش! اس روز میں نے بی بی کا مشورہ سنجیدگی سے نہ لیا ہوتا۔ ڈیموہ میرا کردار تھا، اس کے قتل کا حقدار وہ اور قاتل میرے ذہن کی تخلیق اور حقیقی واقعات کو دھمکے بغیر برائی نے کتنی ہی اپنی لکھائی کہ اب میں بھی سوچ رہا تھا کہ اسے کس نے اور کیوں قتل کیا۔

"تو تم نہیں جانتے کہ قاتل کون ہے؟" اس نے حیرانی سے مجھے دیکھا۔ "یہ ہوتا ہے شاید اور جاسوسی ناول کے مصنف تک پھرا کر رہ گیا کہ قاتل کون ہے۔" یہ کہہ کر وہ مسرلا۔

"اب سمجھ کر میں کیا ہوں۔"

"میں سمجھتی ہوں کہ قاتل..."

"غلط... اس نے بات کھل نہ کرنے دی۔" پہلا

حالات وہ واقعات اور شہوتوں پر غور کرو۔"

"حالات وہ واقعات اٹھاتے...؟"

"ہاں ہاں... مسٹر شیشپیر ذرا ناول پڑھنا شروع کیجیے۔"

مجھے یقین ہے کہ اس پر ٹھوڑا سا غور کر کے تو بالکل اپنے آپ کو کوئی طرح معاملے کو دیکھنا شروع کر دوں گے۔ تصویر کے سادے ٹکڑے خود بہ خود بڑھنا شروع ہو جائیں گے اور مکمل تصویر سامنے آجائے گی، پس ذرا دھیان دو پوری توجہ کے ساتھ۔"

نوٹ سناؤ

میرا حق خصلہ نہیں۔ تم اس کردار کے خالق ہو، تم بھی سوچو کہ کس طرح اسے یہی سے چمکا دالا جائے۔"

"کیا یہ اتنا ہی ضروری ہے۔" اس نے سوال کیا۔

"تمہارے اگلے ناول میں ایسا کو ایک ستم زدہ سرورخ رساں کردار ہوگا جس کی یہی قاتل لگی اور اس بات نے اس کی پیشہ ورانہ نیک نامی کو سخت نقصان پہنچایا تھا۔ ٹیل میں وہ نفسیاتی سرخیٹ بن کر پاگل بن چکی تھی۔ یوں ٹیل کا پاگل خانہ اس کا مستقل گھر بن گیا۔ ایسا گو کو یہی کے بوجھ سے اور ہمیں ایسی ہی کے غیر اہم کردار سے نجات مل گئی۔" یہ کہہ کر اس نے خوشی سے تان دھائی۔ "یہ بالکل مناسب ہوگا۔۔۔ نہ تو یہ مسئلہ حل ہو گیا۔"

"یہ سب شکیک ہے لیکن میرا سوال وہی ہے کہ وہ ڈیسمونا کو قتل کیوں کرے گی؟ اس کا آخر کوئی ٹھوس جواز تو ہونا چاہیے۔"

برینڈا نے مسودے کے صفحات پلٹ کر کوکا ٹمرا ایک صفحہ کھولا اور اسے پڑھنے کے بعد میراٹھا یا۔ "اول تو ہم اسے قاتل نہیں کہہ رہے۔ ابھی تک وہ قتل کی مشتبہ غزم ہے لیکن پھر بھی ہمارے پاس ایک ٹھوس جواز ہے کہ وہ ڈیسمونا کا قاتل کیوں کر سکتی ہے۔"

"کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے۔" میں نے بڑی دقت سے یہ الفاظ ادا کیے۔

دو بدستور مسودے کے صفحات پلٹنے میں منہمک تھی۔ "ارے مل گیا، یہاں ہے۔" اس نے گردن اٹھا کر میری طرف دیکھا۔ "یہ وہ حصہ ہے جہاں تم نے لکھا کہ ایسا گو میری سے نفرت کرتا ہے۔ یہ بالکل ٹھیک لکھا، وہ سرورخ رساں ہے لیکن انسانی جذبول سے بالاتر ہرگز نہیں۔ ایک سرورخ رساں بھی انسان ہوتا ہے لیکن مشہور ہے کہ وہ جذبات سے غاری ہوتے ہیں مگر ہم ایسا گو کو ایک ایسے سرورخ رساں کی صورت پیش کر رہا ہے جو جذبات رکھتا ہے اور انھیں محسوس بھی کر سکتا ہے۔"

میں نے سر ہلا کر ہاں میں ہاں ملائی۔ "ایسا گو کی صورت سے نفرت کی وجہ موجود ہے اور یہ پہنچی کو خوب صورت مچا دے گی۔ ہم یہاں سے دیکھتے ہیں کہ جب ایسا گو خود کا قاتل کرتا ہے۔ ہم اس کی خود کشی کو مکالمے اور خیال میں تبدیل کر دیں گے۔۔۔ کہنا۔" اس نے تعریف طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

میں نے حسب سابق اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ایسا گو کو اپنی بھائی سے محبت ہوتی ہے لیکن اس پر یہ

اب یہ تو مجھے بھی یاد نہیں آ رہا تھا کہ کہانی میں دو مال کہاں ڈالا تھا لیکن جب وہ کہہ رہی ہے تو پھر میں نہ کہیں تو ضرور ہوگا۔ میں نے سوچنا شروع کر دیا۔ "تو یہ دو مال ہے جس سے پتا چلے گا کہ ڈیسمونا کو کس نے قتل کیا تھا؟" میں خود کھائی کر رہا تھا۔

"دیر ہی گز سسز ٹیلیس۔۔۔" میں نے سراٹھا کر خاموش ٹکا ہوں سے دیکھا۔ "اسی طرح خود کیجیے۔ مجھے یقین ہے آپ کو کہانی کا نیا سوز ملے گا۔ سوچو کہ ہمارے سراٹخ رساں ایسا گو کو دو مال کس نے دیا تھا؟" برینی نے استاد کی طرح میرے ذہن کی آزمائش لینا چاہی۔

"ہاں یاد آیا، ایسی۔۔۔" یہ کہہ کر میں نے لمحہ بھر سوچا "مگر اس کے پاس ڈیسمونا کو قتل کرنے کا کیا جواز تھا؟" "سوچو، یاد آ جائے گا۔" اس نے حوصلہ بڑھاتی نظروں سے مجھے دیکھا۔

"وہ ایسا گو۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ ہمارے سراٹخ رساں کی یہی تھی۔" "یہ بات بھی ٹھیک ہے۔"

میں نے اسات منہ نکالنا سے برینی کو اپنے دیکھا جیسے شکر یہ ادا کر رہا ہوں۔ "ٹیلیس ایسی ہی کے بارے میں جو نہیں یاد آیا، وہ تمہارا لکھا ہوا ہے۔"

"اب اس کے ہاتھوں نہ لٹنے کی باری ڈیسمونا کی ہے؟" میں نے دل میں کہا۔

"زرا خود کرو تو یہاں سے نہیں ایسا گو کے لیے ایسا نیا اور اچھوتا خیال ملے گا جو تمہارے اگلے ناول کا نایاب دوست ہو سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جتنی بھی دنیا میں ایسا گو کا کردار ناقص فراموش ٹھہرے گا۔۔۔ ایسا گو میرے۔"

"کہا۔۔۔ مجھے یہ اظہار خوش آمدید۔" "ٹیلیس بالکل ٹھیک سنا۔" وہ حسب عادت مسکرائی۔ "ٹیلیس سوچ کر کیا دیا گو جیسے ذہین و فطین کردار پر بھائی کا یہ جھڑا نا مناسب ہوگا؟"

"وہی ہے، یہ بوجھ کسی بھی مہر پر ادا نامناسب نہیں۔" میں بڑبڑایا۔

"کہیں۔۔۔ کیا کہا تم نے؟" "اسے چھوڑ دیا یہ بتاؤ کہ پھر۔۔۔"

"ہمیں ایسا گو کو یہی سے نجات دانا ہوگی۔" یہ کہہ کر وہ چھت کو گھورنے لگی۔ "کیا خیال ہے اسے جیل بھیج دیتے ہیں؟" اس نے رائے طلب نظروں سے دیکھا۔ "ویسے یہ

رازد کھتا ہے کہ وہ اوتھیلو کی محبت میں گرفتار ہے۔ یہ بات اس کے لیے جہترین جذباتی صدمے کا باعث بنتی ہے۔ اس طرح ہمارے مضبوط اور مستقل کردار کو قاری کی ہمدردی ملے گی۔ وجہ صاف ظاہر ہے پیوی کی بے وفائی۔ بات بالکل صاف ہے اوتھیلو اور ایملی کے تعلقات بہت زیادہ آگے بڑھ چکے تھے تو پھر جب اس نے کسی اور عورت میں دلچسپی لی تو ایملی میں حاسدانہ جذبات کا پیدا ہونا لازماً تھا۔ ایسے میں خواہ کوئی ہو عورت حسد کی آگ میں جل کر کچھ بھی کر سکتی ہے۔ یہاں یہی سچی سوچ ایملی کوڑھ سمونا کے قتل کا مشتبہ ظہراتی ہے۔

میں نے جو کچھ لکھا وہ اپنے دماغ اور حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر لکھا تھا لیکن وہ جو کہانی سن رہی تھی اپنی جگہ دلچسپ تھی لیکن یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں کہ اب کم از کم یہ وہ کہانی ہرگز نہ رہی جو میں نے لکھی تھی۔ ایک بات بس ہم ہے۔ میں نے پہلو بدلا۔

”کیا ایملی کے ساتھ یا گو کی ازدواجی زندگی اور اس کی پریشانیوں کا اس طرح تفصیل سے اظہار مناسب رہے گا؟“

”تم سیدھے سادے الفاظ میں اپنی بات کہو اور پھر پھر کر کہنے کی کوشش کر رہے ہو۔“ یہ سن کر لگا جیسے اسے میری بات بڑی لگی ہو۔ ”مثالیہ میں اپنی بات سمجھانے کا۔“ میرا بھی عقد رخت خواہا نہ تھا۔ ”ایک بات بتائیں۔ کیا جاسوی ہلال کے شوہن قد زمین کو الجھاؤ دار مکالے پریشان کر سکتے ہیں؟“

”بظہری نہیں، یہ تو جاسوسی ادب کا حصہ ہے۔“ میں نے بنا سوچے سمجھے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”مجیدہ بات اور کہانی کی بہت میں کھانا دو اور الگ الگ شے دینا۔ اگلی سچھ لو تو کوئی دلچسپ دور ہو جاتی ہیں۔ مکالے سیدھے سادے جبکہ پکیشن میں مجیدہ کی اور الجھاؤ ہونا چاہیے۔“

یہ بات میرے دل کو لگی۔ جیہ کر لیا کہ آئندہ گفتگو برابر راست اور سلیس الفاظ و انداز میں کر دوں گا۔ ”تم سے اتفاق کرتا ہوں۔“

یہ سن کر بریٹی نے میری سانس لی۔ ”بات سمجھ لو اور رکھ رہی ہے۔ ہمیں گفتگو کو قتل کے محرکات پر ہی مرکوز رکھنا چاہیے۔ تو ہم بات کر رہے تھے ایملی کی اور اب صاف ہو چکا کہ اس کا اوتھیلو کے ساتھ چکر چل رہا تھا۔ دونوں کے

کے تعلقات ٹھیک ٹھاک چل رہے تھے کہ اچانک ڈیسونا ان کے درمیان آگئی اور یہاں سے کہانی کو ایک نیا سوز مل گیا۔“

”نیا سوز...“ میں سن رہی تھی کہ میں نے بدایا۔ ”اوتھیلو جب اس کی طرف متوجہ ہوا تو ایملی رقا بہت کی آگ میں جل چکی تھی۔“ اس نے ڈھرایا۔ ”واقعی یہ کہانی کا چونکا دینے والا سوز تھا کم از کم میرے لیے۔ بریٹی نے میری سیدھی سادی کہانی میں اسے گھما کر اور پیچیدہ کیا یہاں پرے کر دی تھی کہ یہاں مجھے یہ بھی یاد رہا کہ اصل میں لکھا گیا تھا لیکن ایک اعتراف کرنا ضروری ہے۔ بریٹی نہیں شام تھی۔ وہ تحریر کو باریکٹ کی آنکھ سے دیکھتی تھی۔ اب مجھے یقینی پھر یاد آ رہی تھی۔ شاید وہ یہ کہنے میں حق بجانب تھی کہ اس نے جن کتاب کو بھی ایڈٹ کیا وہ اچھی فروخت ہوئی ہے۔“

”میرے خیال میں ہمیں یہ سوچنے اور مجھے تھکان دور کر سنے کے لیے کافی کی اشد ضرورت ہے۔“ اس نے میری طرف دیکھا۔

”جیسے...“ وہ کافی بنانے لگی تو میں سوچنے لگا۔ اب سب کچھ صاف ہو چکا تھا۔ اوتھیلو دلچسپ بندہ تھا۔ اس کا اپنا لڑکی بیوی ایملی کے ساتھ چکر تھا۔ بیچ میں اچانک ڈیسونا آگئی۔ وہ اس کی طرف کھینچا تو ایملی جل چکی تھی اور جہز رقا بہت میں اس نے اوتھیلو اور ایملی دونوں کو قتل کر دیا۔ سمجھا یہ گیا کہ ڈیسونا کسی اور سے پیار کرتی تھی۔ جب اس نے اوتھیلو کو گھاس شذائی تو اس نے کوئی مار کر پہلے اسے قتل کیا اور پھر خود کشی کر لی لیکن ایسا کو تو اوتھیلو کی جیب سے ایک رومال ملا۔ وہ پہچان گیا۔ کنارے پر چھوٹے گلاب والے سفید رومال ایملی کا تھا۔ ایملی گرفتار ہوئی اور جیل چلی گئی۔ مجھے یقین تھا کہ بریٹی کی دو گھنٹے طویل بحث کا لب قباب یہی تھا مگر ممکن ہے کہ میں بیچ میں سے کچھ ادھر ادھر کر گیا ہوں۔

”کیجیے...“ بریٹی نے میری محویت توڑی۔ دو کالی لے آئی تھی۔

”کیا سوچ رہے تھے؟“ اس نے گرامر کم کافی کا نمونہ بھرا۔

”جوستا، اسی پر غور کر کے کہانی کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔“ یہ کہہ کر میں نے لکھ بھرا سے گھبرا۔ ”یہ مجال کس طرح اوتھیلو تک پہنچا تھا؟“

”ایملی بہت عیار اور چالاک تھی۔“ اس نے مسکرا



جیسے جیسے تمہاری باتیں سننے آوے گا انہیں بڑی اور بڑے ڈاک شہر

دیا کو مسٹری میری۔

یہ سن کر تیرا جی میں خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہا تھا۔
"مسٹر شیکسپیر... تمہارا مستقبل میرے ہاتھوں میں
ہے اور محفوظ بھی۔ یہ میری پیش گوئی ہے کہ تمہارا شمار امریکا
کے صوبہ ڈول کے جاسوسی ڈول نگاروں میں ہوگا۔" یہ کہہ کر
اس نے چند لمحوں کے لیے توقف کیا۔ "مگر پہلی بات یہ ہے
کہ..."

"پہلی بات... میں چونکا۔ کافی دیر بعد اس نے اغا
تھیکہ کام دہرایا تھا۔
"جی ہاں... "تقسیم ڈول نگار بننے سے پہلے تمہیں اس
بے میلے ڈول کو ایڈٹ کرنے کا معاہدہ اور میری فیس لدا کرنی
ہوگی۔"

"او کے... کتنی ہوگی یہ فیس؟"
"تین ہزار ڈالرز ایک ماہ میں ڈال کر کھنڈ۔"
میں خاموش رہا۔
"کیا یہ وقت زیادہ ہے؟" اس نے سوالیہ نظروں سے
گھورا۔

"جیسے تو..."
پھر کہوں آگے بڑھ رہے ہو؟

کر مجھے دیکھا۔ "کہانی تمہیں اس طرح پوری سمجھ نہیں آئے
گی جب تک میرا ایڈٹ کیا مسودہ نہیں پڑھ لو گے۔ اس
لیے دماغ کو زیادہ مت تھکاؤ۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" میں نے مسکرا کر اس کی
ادبیت کا اعتراف کیا۔ "ویسے کمال کیا کہی ہے؟"
"ہوسکتا ہے۔" اس نے بے اعتنائی سے جواب دیا۔
"ابھی تو کہانی ٹل رہی ہے۔ ہم انجام تک نہیں پہنچے کہ سب
کچھ صاف صاف دکھائی دے سکے۔"

"ہوو... میں نے ہونٹ سکڑے۔ جو کچھ سوچا، وہ
سب ملوث ثابت ہوا۔
"اسی ہی دھمکی طرح اب تک ایک مشہور مضمون ہے
لیکن ایک بات طے ہو چکی کہ میں دیا کو اس سے نجات
دلانی ہوگی اس لیے اسی کا مستقبل پہلے جیل اور پھر پانگل
خانہ طے ہو چکا۔"

مجبور عادت میرا سر بھر چلا۔
"تو کیا تمہیں کہانی سمجھ نہیں آئی؟" اس نے سوالیہ
نگاہوں سے گھورا۔

پہلے میں مسکرایا اور پھر اٹکچکا۔ "ہوئے کہا۔" انکی بات
نہیں مگر...

"جب تک تم تفصیل سے ایڈٹ شدہ مسودہ نہیں پڑھ
لیتے تب تک سمجھ بھی نہیں سکو گے۔" اس نے ٹانھا لٹکا ہوا
سے ایک بار پھر اپنا دعویٰ دہرایا۔ "جاسوسی ادب کی کہانی
شان ہے کہ غور سے پڑھتے جتنا کھٹا کھٹا لفظ کہانی کو نیا
موڑ دیتا ہے۔"

"یہ تمہارا اب جان چکا ہوا۔"
"کوئی بات نہیں۔" اس کے لہجے سے لگ رہا تھا جیسے
سامنے ایک مصنف نہیں شام گزرتا بیٹھا ہے۔ "انسان کو سیکھنے
کے عمل سے بدستور گزر رہنا چاہیے۔ یہی کامیابی کی
نشانی ہے۔"
میں مسکرایا تو اسے ہر شے۔

"خیر اس بات کو اب بھی یاد رہے دیتے ہیں، میرا خیال
ہے کہ تمہارے سر کھپانے کا کوئی قاعدہ نہیں، میں سمجھ چکی
ہوں کہ کیا کرنا ہوگا۔"

"میں بھی کچھ چکا ہوں بہت اچھی طرح..."
"بس ایک بار اسے مکمل کرنے دو پھر دیکھنا کہ یہ تمہیں
کہاں سے کہاں پہنچا دے گا۔" اس نے تعریفی نظروں سے
مجھے دیکھا۔ "یہ ایک ڈول نہیں بلکہ ایک میریز ہوگی..."

"تین ہزار ڈالرز۔"

"اوہ۔۔۔" یہ کہہ کر وہ تھوڑا سا آگے بھگی۔ "ایک شاندار ناول نگار کی حیثیت سے تاریخ میں زندہ رہنے اور ادب کو اپنا گویا زندہ وجود دیکر وہ اپنے کی یہ قیمت کچھ بھی نہیں۔"

"مگر پھر بھی۔۔۔"

"سوچو۔"

"کافی کام ختم ہونے تک تمہارے پاس وقت ہے۔ کچھ دیر بعد میرے ایک اور کلائنٹ کے آنے کا وقت ہے۔" اس نے غصے پر نظر ڈالی۔ بریڈ کے لیے کی رکھائی صلیب محسوس ہو رہی تھی۔

میں نے مگ اٹھایا۔ بات تین ہزار دسپے کی نہیں، میرے پاس ہونے کی تھی۔ کافی پیسے کے دوران میں سوچتا رہا اور آخر آئینہ ڈال گیا۔ یہ تین ہزار بھی اونیٹو سے ہی ملیں گے۔ "ٹھیک ہے۔ آپ معاہدے کی کاپی لے آئیں۔" میں نے کافی ختم ہونے سے پہلے ہی اعلان رضا مندی کر دیا۔

"ویری گڈ۔۔۔" یہ سنتے ہی اس کے چہرے پر چمک آئی۔ وہ آگے اور چند منٹ بعد میں معاہدے پر دستخط کر رہا تھا۔ "رقم ایڈوانس میں ملے گی لیکن کل شام تک۔" جیہا نے دستخط کے بعد کاپی اس کی جانب بڑھائی۔

"اب یہ زیادہ اہم بات نہیں رہی۔" یہ کہہ کر اس نے معاہدے پر نظر ڈالی۔ "معاہدے کی زد سے تم نے ایک ماہ میں ناواں مکمل ہونے تک نہیں ادا کی تو یہ ناول کسی اور کے نام سے بھی چھپ سکتا ہے مگر تمہارے نام سے ہرگز نہیں۔" اس نے مجھے خبردار کیا۔

"اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" یہ کہہ کر میں اٹھا۔ "اب میں چلتا ہوں۔"

گھر پہنچ کر جینی کو سب کچھ تفصیل سے بتایا لیکن نہیں والی بات گول کر گیا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ بے چاری خواہ مخواہ پریشان ہو جائے گی۔ اسے تو ابھی طرح علم ہے کہ معاہدے میں اتنی رقم نہیں لیکن میں مطمئن تھا۔ مجھے پتا تھا کہ اونیٹو کے سٹھائے ہنر اور اس کے دکھائے راستے پر چل کر اتنی رقم کا بندوبست کرنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔

دوسرے دن ہفتہ وار تعطیل تھی۔ میں جانتا تھا کہ سٹیج کو شاہجک مال، اور ریسٹورانوں پر ہی نہیں راستوں پر بھی بہت بھیل بھاڑ ہوتی ہے لیکن پھر بھی میں ایک بجے کے قریب گھر سے نکلا۔ مجھے اسے لی ایم تک جانا تھا، بریڈ کی لیس کا

بندوبست کرنے کے لیے۔ دعا کر رہا تھا کہ کسی ایک مشین سے ہی مطلوب رقم مل جائے۔ کچھ زیادہ بھی مل جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، بس کم نہ ہو ورنہ دوسری مشین کو ڈھونڈنے کی خواری اٹھانا پڑے گی۔

میں سڑک سے گزرا، راستے میں کئی چمک اور ان کے اسے لی ایم نظر آئے لیکن نیویارک کی سڑکوں پر اسے لی ایم سے بے فائدہ کچھ زیادہ محفوظ۔۔۔ کام نہیں۔ میں نے شہر کے مرکز میں واقع برائنڈ ملہوسات کے مشہور پلازا کا رخ کیا۔ جس شاہجک پلازا میں داخل ہو رہا تھا یہاں ایک ایک لباس کی کم سے کم قیمت بھی کئی ہزار ڈالرز تک ہو سکتی تھی۔ مجھے کافی کی طلب ہو رہی تھی۔ سب سے پہلے گراؤنڈ فلور پر واقع ریسٹوران کا رخ کیا۔ یہ کاؤنٹر تھا۔ خاص میں بھیل بھاڑ تھی۔

کلب جینوینا کھانے اور بلک کاپی پینے کے بعد ساری سسٹنڈی اودھ ہو چکی تھی۔ ہونڈرڈ کا جائزہ لیتے ہوئے برقی زینے کی طرف بڑھا، میرے آگے ایک ادھیڑ عمر کا جوڑا تھا۔ پیچم کے ہاتھوں میں بڑے بڑے تھیلے اور شوہر کی پٹنوں کی پگلی جیب سے بھانک پھولا پرس بتا رہا تھا کہ ان کے پاس خریدنے کے لیے جیسا بہت مگر کرنے کو کچھ خاص کام ہیں اوگ۔ مجھے یقین سے اسے لی ایم نظر آ گیا تھا۔ عینا کے بڑھاتا۔ وہ میاں بیوی بھی برابر کی دکانوں پر طائرانہ نظریں ڈالتے ہوئے مجھ سے ایک قدم آگے چل رہے تھے۔ اچانک برابر کی ایک دکان سے بے لگروں کا ٹول اس طرح باہر نکلا کہ بڑے میاں خود کو سنبھالتے سنبھالتے لوہڑا اٹھے لیکن میں نے فوراً سہارا دیا۔ وہ ٹرنے سے توجک گئے مگر مجھے جلدی تھی۔ ان کا شکریہ سننے سے پہلے ہی میں خریداروں کے جھوم میں آگے بڑھ چکا تھا۔

پچھو دیر بعد میں پارکنگ سے کار نکال کر واپس جا رہا تھا۔ تھوڑا آگے جا کر گاڑی روکی اور جیکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر پرس نکالا۔ "شکر خدا کا" میرے منہ سے نکلا۔ جینی ہی مشین سے اچھا مال ہاتھ لگ گیا تھا۔ پوزے کے پھولے پرس سے ساڑھے چھ ہزار ڈالرز لٹکے تھے۔ "تھینک یو رابرٹ اونیٹو۔۔۔" میں نے مرحوم دوست کو قصور میں لا کر شکر پیادہ کیا۔ ہائی اسکول کی آوارہ گردیوں کے دوران ہی اس نے یہ ان مجھے سکھایا تھا۔ وہ نکار کو اسے لی ایم کہتا تھا۔ میں نے پانچ سو ڈالرز لگ کر کے جیب میں ڈالے اور بریڈ کے کوثر کی طرف بل دیا، میں اسے اگلے ناول کے مگن تین ہزار ڈالرز پیش کرنا چاہتا تھا۔

ہر یز کے انٹرویو کی بہت لمبی تو میں ابھٹن میں پڑ گیا کہ پرویز سے میں کیا اسٹوری بڑا کر سکوں گا۔ بہر حال میں دانا ہو گیا۔

ہر یز کی عمر لگ بھگ تیس سال تھی۔ اس کے شانے چڑھے، بال سیاہ اور سخت تھے۔ چروے سکونی اور سپاٹ تھا... میں نے اس کی شکل سے کوئی اچھا تاثر نہیں لیا۔ تاہم میں نے اپنے ہنرات ظاہر کرنے کی غلطی نہیں کی۔ وہ چورے انٹرویو کے دوران صرف ایک مرتبہ مسکرایا تھا۔ کیوں؟ میں اسے کل کرتا ہوں۔

اس کی آنکھوں میں بھی کوئی تاثر نہ تھا۔ جب میں نے اپنا تعارف لرایا تو پرویز نے عدم چٹکی کے ساتھ سر ہلایا۔

میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور پندرہ منٹ کی قید کے بیان کیا۔ وہ ہوا۔ "میں پولیس کو بتا چکا ہوں۔ مجھے کچھ نہیں بتا سوائے اس کے جو میں نے سنا۔ میں اس وقت ایک کلومیٹر کے فاصلے پر بروست ریٹورنٹ میں تھا۔"

"تم نے کیا سنا؟"

"انٹریئر نے شمس نورات کی راجہ کلہ نری کے بارے میں دیا اور میں سنا ہے کہ وہ بے گھر تھی۔ بروست چھوڑ چکی تھی۔ پولیس تصدیق کر چکی ہے۔"

"تم انٹریئر کے بارے میں سنا؟"

"میں پولیس کو بتا چکا ہوں کہ اس رات میں سونے کے لیے لیٹ گیا تھا لیکن نیند آنے کے باعث میں کچھ سے بیدار ہو گیا۔ گری بہت تھی۔ بروست پر میں نے صرف پتوں پائی تھی۔"

"جس میں کیوں کچھ لیا؟" میں نے پوچھا۔

"میں کیا جانوں؟ یہاں ہر چیز چھوڑ ہے۔ کالیں رکنے انہوں پکڑا گیا۔" اس نے ہنسی سے جواب دیا۔

"تم کام کی کرتے ہو؟" میں نے اگلا سوال کیا۔

"اسٹیٹ اسٹیشن چاہتا ہوں۔"

"انٹریئر تمہارا نیا کرایہ دار تھا؟"

"نہیں، وہ سالی ہو گئے۔" وہ بولا۔

"میرا خیال ہے کہ تم اسے خوب جانتے ہو گے؟"

"ظاہر ہے۔"

"کیسا آدمی ہے؟"

"ٹھیک ہی تھا..."

میں پسپا ہوا۔ یوں لگا کہ وہ آگے کچھ بولنے لگا لیکن وہ چپ رہا۔

"کیا غصہ رہا؟ جھگڑا تھا؟" باآ خر میں نے سوال کیا۔

"نہیں۔" اس نے پھر مختصر جواب دیا۔

"وہ دونوں لاؤنس تھے پھر وہ منزل کی کین ضرورت تھی؟"

"ہاں، شروع میں، میں نے پوچھا تھا۔ انٹریئر نے بتایا کہ اس کا بھائی کینیڈا سے اپنی شہریت کے ساتھ آنے والا ہے۔"

"پھر؟"

"ایک مہینے بعد کچھ لوگ آئے تو تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ بھائی کی شکل تھی... کون تھے؟ کہاں آئے تھے؟"

"مطلب یہ کہ تم ان سے نہیں ملے؟"

"نہیں۔"

"وہ کب تک رہے؟"

"بوجھنے۔"

"انھارہ جیسے دوست انٹریئر اور شمس کیلئے رہے ہیں؟"

"ہاں۔" مجھے اس کی مختصر بیانی سے مایوسی ہو رہی تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے کہ انٹریئر نے اچانک اپنی بیوی کو قتل کر دیا؟"

"پتا نہیں۔"

مجھے غصہ محسوس ہوا تاہم میں انٹریئر پر اس سولت کرتا رہا۔

اسٹیٹ اسٹیشن والے کال فون اور مرہم شناس ہوتے ہیں۔ میں نے انٹریئر بدلتا اور کوئی منفی لفظ استعمال نہیں کیا۔

"جس میں کچھ نہ کچھ آئینہ یا ہونا چاہیے؟"

وہ خاموش رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ خاموشی کی دیوار میں

کریک آگیا ہے۔ میں نے فوراً سگریٹ سلگائی اور ایک اس کی

جانب بڑھا دی۔

"پتے ہو؟ میرا مطلب ہے سگریٹ؟" میں نے جان بوجھ

کر ڈر معنی سوال کیا اور دوستانہ انداز میں مسکرایا۔ مجھے اس کی بے

تاثر آنکھوں میں تبدیلی نظر آئی۔

"پتے ہو؟ کیا مطلب تھا تمہارا؟" اس نے سگریٹ لے لی۔

میں نے کٹے کر دو اس پھٹ کی جانب پھینکا اور بولا۔

"میں تو کبھی کبھی جھگڑا کرتا ہوں۔" میں اسے نرم کرنے کے لیے پہ

لو پہنچا کر بتا رہا۔

"انٹریئر انہوں کے لیے اور بھی بہت آزمائشیں ہیں۔" باآ خر

وہ بولا۔

"اور بھی... مطلب؟"

"نہیں رہے۔" اس نے رہے ہوئے دو کٹے لیے۔

میں فوراً رگ کر بولا۔ "اوہ۔ تو کیوں کی بات کر رہے

ہو؟" اس نے دھماکہ بھری ہنسی کو کیا حرج ہے۔ "میں نے جھوٹ

بولی۔" اور تم؟

"میں ٹھیک کہتے ہوں۔" وہ کھٹک شروع ہوا۔

"انٹریئر تو ظاہر ہے کہ انٹریئر نے پچھلے سے کوئی منصوبہ بندی

نہیں کی تھی۔ کوئی فوری بات تھی جس پر اس نے اشتعال میں آ کر

اپنی بیوی کو قتل کر دیا۔"

"تمہاری آدمی بات ٹھیک ہے۔" وہ بولا۔

"میں سمجھا نہیں۔" میں نے انھیں دکھایا۔
"منصوبہ بندی نہیں تھی، یہ بات ٹھیک ہے۔" وہ اچانک
چپ ہو گیا۔

"تو غلط کیسے؟" میں نے گلا پیچ رہی۔ یہ نازک سوز تھا۔
براہِ راست اسے دیکھنا قاش ٹھٹھکی ہوئی۔ میں نے پچھے دیکھتے
ہوئے سرسری اداکار اختیار کیا۔

"یہ کام اسے ایک مہینے پہلے کر دینا چاہیے تھا۔"
میں نے بمشکل خود کو اس کی طرف دیکھنے سے باز رکھا۔ "میرا
اندازہ ٹھیک تھا، تم لوگ جس کے ساتھ ڈیلنگ دیکھتے ہو، اس کے
بارے میں بھرپور معلومات دیکھتے ہو۔ اظہر تو تمہارا بھائی بار تھا۔
سب جانتے ہیں کہ قاشی اعتراف جرم کر چکا ہے۔ تمہیں کوئی خطرہ
نہیں ہے۔ اگر تمہیں کوئی پریشانی ہے تو وہ یہ ہو سکتی ہے کہ تمہارے
غیر تمہارا کاروبار محتار ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے، میرا یہ اندازہ صحیح
ہے، کیوں؟"

"ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے اعتراف کیا۔
"تمہاری بات سے مجھے ایسا لگا کہ اس کی جہی کے کردار کا
کوئی مسئلہ تھا؟" میں نے سگریٹ کا کش لیا۔
"تمہارا مشورہ ہی ہے، شک ہے... سادگی پابندیاں، غور تو
پر اوروں کو بھی کرتا ہوں۔"

"یعنی، اظہر بھی؟" میں نے غور سے پوچھا۔
"اور کیا وہ خود تو ابھر اُھر مارتا پھرتا تھا، یہی تو اکیلا
چھوڑ کر توجہ کو دے رہا تھا؟" میں نے گئی... ہم سب اسے
نی ہوتے ہیں۔"

"کہتے تو ٹھیک ہو۔" میں نے اس کو اکسایا۔ بات چل نکلی
تھی۔ مجھے اپنی کامیابی پر سرور کا احساس ملا۔
"یہی تو غلام نہیں ہوئی، کیا تم سمجھتے ہو کہ شادی شدہ مرد کو
تم قین چھریں لگا کر دیتے رہو گے تو وہ تمہارے ساتھ ڈینگ نہیں
کرے گی۔ خوش رہے گی اور تم سوچ سیکھ کر تے پھر دے۔ یہی تو
تمہارا ساتھ چاہیے اسے بھی تمہاری توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔"
"بالکل، بالکل... شکر ہے کہ میں شادی شدہ نہیں ہوں۔"
میں بولا۔ "لیکن اظہر کو پتا کیسے چلا؟ تم نے تو ٹھیک بتایا تھا؟" میں
نے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے اس نے اندازہ لگا لیا تھا۔"
"ایک مہینہ پہلے؟"
"شاید اس سے کچھ پہلے۔"
"لیکن تم نے کہا تھا کہ یہ کام ایک مہینے پہلے ہونا چاہیے تھا؟"
"ایک مہینے پہلے اس نے کوشش کی تھی۔ میرا شادی نہیں کیجے تم۔"
"ہاں میں نہیں سمجھا تھا۔"

"اظہر نے ایک مہینے پہلے شمس کو چھری سے ختم کرنے کی
کوشش کی تھی لیکن میں وقت پر کوئی اس کے گھر کے دروازے پر
کھڑی ہوا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی ملے والا تھا... دوسری مرتبہ
اس نے گلا گھونٹنے کی کوشش کی تو شمس کی ہڈیوں پر آگئی۔ اس کا کھلا
آنا چاہتا تھا وہاں... میں نے اسے بولے دیا۔ اس موقع پر کوئی
سوال کرنا حماقت تھی۔"

"اس وقت اس نے ہمارا کامیابی کی اور اپنے ارادے سے
پچھے ہٹ گیا۔"

"تو شمس نے پولیس یا کسی اور کی مدد طلب نہیں کی اس سے تو
اظہر کی چھٹی ناکائی کے بعد ہی کچھ کرنا چاہیے تھا۔" میں نے قصداً
یہ نہیں پوچھا کہ اسے یہ سب کیسے پتا چلا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ
بدگ کر پڑی سے نہ اتر جائے لیکن وہ پہلی طرح کھل گیا تھا۔
ظاہر ہے کہ اس نے تو نہیں کیا تھا۔
"شمس نے کوشش کی تھی۔"

"پولیس؟"
"نہیں، لیکن اس نے مجھ سے مدد مانگی تھی۔" میں شانے میں
آگیا۔ اور میں بولتا ہوں۔

"میں نے اسے تسلی دی اور وعدہ کیا کہ کچھ کرنا ہوں وہ اس
رات بھی آئی تھی کچھ لگا رہا تھا۔" میں نے گلا گھونٹنے سے باز رہا۔
"کچھ تو کیڑی لڑی ہو گی۔"

"ایک مہینے سے تمہارے علم میں تھا اور تم نے کچھ نہیں کیا حتیٰ
کہ وہ رات واپس آئی رات بھی تم نکل گئے۔" میں بولے بغیر نہ رہا۔
"اس میں غلطی تھا۔" اس نے جھڑے شانے اچکائے۔

"سمجھا، تم پولیس کو بتاتے اور دیکھتا تا یا شمس بھی چپ رہتی
تو بعد ازاں وہ اس کے ساتھ تمہیں بھی ختم کر دیتا۔"

"ٹھیک سمجھ۔ نہ میں اظہر سے بات کر سکتا تھا۔ پولیس کو
میں کیا بتاتا، وہ اس میرے گلے پڑ جاتی۔ اب دیکھتی ہو کہ اس
نے اعتراف جرم کر لیا اور ان گزشتوں نے مجھے خواہ مخواہ اٹھا لیا۔"
"لیکن یہ ایک انسانی جان کا معاملہ تھا۔ میرا خیال ہے کہ کسی
وہ کسی طرح تم اسے بچا سکتے تھے۔"

وہ چپ رہا۔ میں بھی خاموش رہا۔ کچھ سکوت طاری رہا۔
میں نے جھین تھا۔ میں نے دوسری سگریٹ سلا کر اسے دی۔ اس
نے گہرا کش لیا پھر آہستہ سے بولا۔

"غصے کے علاوہ دوسری وجہ بھی تھی۔" وہ پہلی مرتبہ
مسکرایا۔ میں نے بھی بے لکھی سے اسے دیکھا۔

"کون سی دوسری وجہ؟"
اس نے ایک آنکھ پائی اور بولا۔ "یہ میں شمس سے آگیا تھا۔"

ایک معصوم بچہ خواہاں وادرات... ہائیکس مال است... ایسا ہی ہے کہ کیا تکیف دہ ستر...

منظر: اپنی عمر اس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔
 غلے لیے قد اور قد سے کسرتی جسم کا مالک تھا۔ اس کی
 عمر چونتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اس کی شخصیت میں سب
 سے زیادہ حادہ گن پیدا اس کی چھری سپاہ آکھیں اور
 منظر ابھرتی تھی۔ وہ ایک بین الاقوامی بھٹی کے پاکستانی مینیجر
 میں فٹنس فیلڈ تھا اور اپنے کام کا مہر سردانا جاتا تھا۔ فریڈ کو
 پتہ آسانی خوب صورت قرار دیا جاسکتا تھا۔ جوں تو اس کا
 چہرہ چمکاؤ کی آہستہ کی حیثیت کے مانند تھا اور نہ ہی آنکھیں
 سمندروں کی طرح چھری تھیں اس کی منہ کی رنگت و سرخی
 آنکھیں اور غنوں پر بکھرے گہرے بھورے بالوں کے
 درمیان چمکتا چہرہ بالکل صبر میں ہی کسی کے بھی دل کو جیت لینے
 کا ہنر جانتا تھا۔ اس وقت اس پیر سے پردہ کو اور آلفیہ کے
 اثرات نمایاں تھے مگر اس آوازی نے بھی اس کے حسن میں
 اضافہ سا کر دیا تھا۔

یہ ان کی شادی کی پانچویں سالگرہ تھی۔
وہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش تھے۔ لوگ
ان کی محبت کی مثالیں دیتے غریبی جانتا تھا کہ آج اس وقت
سب ٹھیک نہیں تھا۔
یہ جگہ بہترین تھی۔ اس بارگ میں کیسیٹف ان دونوں

یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سمندر یا اداشت بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔
مارچ کے موسم میں اس قدر ٹھنڈ اور برف باری کی حالت کو
رہایت تھی اور سچی تھی۔
وہ دونوں گرم کپڑوں، شیل اور سمندر کے بازو میں
ان کی قربت کے بارے میں دیکھ رہے تھے۔
پہلوں پر پھیلائے ہوئے تھے۔
ہنگوئیں پر محیط تھا جب سنا جا رہی تھی، پچھلوں اور دور تھیں تو ان
کی اصل حالت میں رہنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ شہروں
کے شور و شغب سے نکال آئے ہوئے افراد کو فطرت کے
ساتھ وقت گزارنے اور کیسے تک کے مواقع فراہم کیے
جاتے تھے۔ یوں تو یہاں شوقین افراد کی کافی آمد و رفت
رہتی تھی مگر اس برف باری اور ٹھنڈ کی وجہ سے ان لوگوں میں
لوٹ نظر آ رہے تھے۔

ایچانک بستر پر دیکھے تو باطنی فون کا الارم بج اٹھا۔ اس آواز کو سن کر بطن کے ہونٹوں پر ستر بہت آگئی۔ وہ اپنی ہانگ سے کھڑا ہوا اور فریج کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھنے لگا۔ "اپنی اینڈوسکوپک بیوی! وعدہ کرو کہ تم میری زندگی کے آخری دن تک میرے ساتھ رہو گی۔" فریج جو بیا



میکپ کے دائیں جانب تھوڑے سے فاصلے پر دوپٹا تھا۔ پانی کا بہاؤ غالباً تیز تھا، اس لیے اس کی سہمت پانی بہنے کی آواز کو محسوس کر رہی تھی۔

"قدرت بھی کیا کمال کے کرشمے دکھاتی ہے۔" اس نے سوچا۔ پانی کی یہ آواز اس وقت اس کے لیے سکون کا باعث ثابت ہو رہی تھی۔ علی نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا۔ اچانک ایک اور آواز نے اس کی توجہ منجھائی۔ آواز آہستہ بڑھتی جا رہی تھی جیسے کوئی تیزی سے ان کے میکپ کی طرف آ رہا ہو۔ اس بار یہ آواز اتنی تیز تھی کہ فریج بھی چونک کر کھڑی ہو گئی۔

"اوہ میرے خدا، وہ بلی یہ دیکھ نہ ہو۔ تمہیں یاد ہے پچھلی بار قریب کے دیہات کی عورت نے بھی یہ بتایا تھا۔" وہ خاصی ڈر گئی تھی۔

"پتا نہیں، دیکھتے ہیں۔ تم ڈر مت، اول تو یہ مشکل ہے اور اگر ایسا ہوا بھی تو میں ہوں نا، میں اسے ڈرا کر بھاگ دوں گا۔"

"ارے، خیر وہ اتنی ہرگز ڈر نہیں جاؤ گے۔" وہ ہڑبڑا کر بولی۔ "تم کوئی ریکھوں کے کدھے دار تو ہو نہیں سکتی

کا شوق تھا۔ سرد مگر خوب صورت رات، گہرے اندھیرے میں چمکتا چاند، سب کچھ دیکھا ہی تھا جو کسی اور رات ان کے لیے ناممکن رہتا۔ مگر اب اس کی توجہ دونوں ایسا کھڑی مایوسی کے حصار میں تھی۔ وہ فریج کے دروازے کی طرح محسوس کر سکتا تھا اس لیے خود کو سنبھال کر اسے کھڑے سے بچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ فریج کی مسلسل خاموشی اسے تکلیف دے رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں چھپا ہوا اسے خوف زدہ کر رہا تھا۔

"خود کو سنبھالو فریج۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ تکلیف بہت ہے مگر بیش ایسا نہیں رہے گا۔ اللہ ہمارے درد کو جانتا ہے وہ ضرور اس کا امداد کرے گا۔" اس نے نرمی سے اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

فریج نے جواب میں خاموشی سے اپنا سر اس کے کندھے پر رکھ دیا۔ وہ اس کے گالوں پر بہتے آنسوؤں کو ہانپ کر دیکھے محسوس کر سکتا تھا۔ خود کہ فریج کو بارہ بارہ پادہ کر رہا تھا وہ خود اس کے لیے بھی کم تکلیف دہ نہیں تھا مگر اسے فریج کے لیے سب کچھ بھولنا تھا یا کم از کم بھولنے کی کوشش ضرور کرنی تھی۔

علی نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی۔ ان کے

"ہلیز مجھ سے مت ڈرو، مت دو۔" علی نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"رکو ہلی۔" فریج بھی ہانپتی کا ہینٹا وہاں آ پہنچی۔

"ارے فریج... تمہیں اتنی بھاگ دوڑ نہیں کرنا چاہیے تھی۔" علی نے مڑ کر اسے گھورا۔ "تم اپنی حالت جانتی ہو۔"

"ہاں، ہاں، تم رکو تو... مجھے اس سے بات کرنے دو۔"

اس نے گویا علی کی بات سنی ہی نہیں اور آگے بڑھ کر

بچے کو گود میں اٹھالیا۔ شروع میں اس نے ہانڈ ہانڈ ہر

بارے، خود کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کی مگر پھر وہ فریج

سے لپٹ گیا۔ اس نے اس کے کندھے پر اپنا چھوٹا سا سر

رکھ دیا، اب وہ بے آواز رو رہا تھا۔ اسے مجھے بعد غصا میں

اس کی تھی کیا اس کی تو تھی۔ فریج نے اسے اپنی چادر میں چھپا

لیا۔ پھر اس نے علی کی جانب دیکھا۔ جو اب اس نے کندھے

اچکا دیے، اسے بائیں کندھے پر آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے اور

کیوں ہے؟ وہ لڑکا بہت چھوٹا تھا شاید تین یا چار سال کا۔۔۔

اور بہت گندمی حالت میں تھا۔ اس کے بال، کان سب میل

سے بھرے ہوئے تھے۔ جلد اپنی رنگت بھول چکی تھی۔ اس

نے آبی تخت سردی میں لباس کے نام پر صرف ایک پرانا

.... یا جامہ اور علی کی جرسی پہنی ہوئی تھی۔

"تم کیا سوچ رہی ہو؟" علی نے فریج سے پوچھا۔

"اب ہم کیا کریں؟"

علی نے میری نظروں سے چادروں جانب دیکھا۔

اسے اسیدگی کہ ابھی یا محمد میر میں اس کے پریشان والدین

بچے کو ڈھونڈتے نظر آئیں گے مگر وہاں دور دور تک خاموشی،

آسمان، درختوں اور سفید برف کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"ہنو وہاں چلتے ہیں۔" اس نے فریج کے کندھے

پر بازو رکھتے ہوئے کہا۔ "تم تھک جاؤ گی۔ ادا اسے مجھے

دے دو۔۔۔ کیوں نا پھر تم میری گود میں آؤ گے؟" وہ اسے

دیکھ کر مسکرایا مگر پھر اس کی گود میں آنے کے لیے ہالٹ تیار

نہیں تھا۔ درحقیقت وہ فریج سے الگ ہونے کے لیے ہی

تیار نہیں تھا۔

"کوئی بات نہیں علی۔" وہ بولی۔ "میں نہیں ٹھکوں گی

مگر ہم یہیں پہلے آپ پہلے آپ کرتے رہے تو جہ ضرور

جاؤں گی۔"

ٹینٹ کی طرف آتے ہوئے وہ بچے سے بات کرنے

کی کوشش کرتی رہی مگر وہ ہر سوال کے جواب میں یا تو

خاموش رہا یا بار بار۔

"معاف گناہ ہے۔" ٹینٹ میں پہنچ کر فریج بولی۔

وہ تمہاری بات ماننے کے پابند ہیں۔" سبھی کسی دیکھ کا سامنا

علی نے اس سے ٹکل درحقیقت سبھی کسی دیکھ کا سامنا

نہیں کیا تھا مگر اس نے سن رکھا تھا کہ دیکھ شور شرابے سے ڈر

کر بھاگ جاتے ہیں۔

"بھانگو۔" وہ باہر نکل کر حق کے مل چلا یا۔ "کون

ہے یہاں جھانڑیوں میں؟" ٹھکرا ہوا۔

"علی ہلیز۔" فریج بھی اسے دوکتے دوکتے باہر

آگئی۔

"کوئی نہیں ہے ذرا پوک عورت۔" علی مسکرا کر پیچھے

مڑا مگر اسے ہی لمحے وہ دونوں ساکت رہ گئے۔

وہ سامنے کے درخت کے پیچھے سے باہر نکلا اور تیزی

سے علی کی جانب دوڑا، درمیان میں غالباً اس کا فیٹل بدل

گیا اور وہ اس کے پیچھے سے ہاتھ کی جانب بھاگنے لگا۔

وہ دونوں ہٹا ہٹا کھڑے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان

کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے تھے اگر اس کی جگہ

برجگھ یا ہانگی لگی ہوتی تو وہ شاید اسے حیرت زدہ نہیں ہوتے۔

"وہ خدا یا ایسا تو کوئی بہت چھوٹا ہے بچہ ہے۔" فریج

کے منہ سے الفاظ سرگوشی کے انداز میں برآمد ہوئے۔ وہ

واقعی ایک ننھا سا بچہ تھا جو بہت زیادہ خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔

ڈر کے مارے وہ اندھا دھند بھاگنا چاہ رہا تھا۔ آگے بڑھنا

اور وہ پتھروں سے ٹکرائے گا۔

"رکو۔" علی چلا یا اور اس کے پیچھے بھاگا۔ "ایک

منٹ دکو۔۔۔ میری بات سنو۔" مگر کتنا تو ایک طرف اس کی

رفتہ میں اتنا اضافہ ہو گیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے کوئی

نبوت دیکھ لیا ہو۔

"رکو بیٹا، میں تمہیں ڈرا نہیں چاہتا، ہلیز دکو۔" علی

نے ہانپتی سانسوں کے درمیان کہا۔ وہ اسے نظروں سے

اوجھل نہیں ہونے دینا چاہ رہا تھا اور اس کے لیے اسے بھی

بہت تیز بھاگنا پڑ رہا تھا۔

بالآخر ایک بھاری بھر کم درخت نے ہی اس دوڑ

بھاگ کو ختم کیا۔ لڑکے نے بھاگتے بھاگتے مڑ کر دیکھا۔ وہ

شاید اندازہ کرنا چاہ رہا تھا کہ اس کے پیچھے آنے والا اس

کے کتنے قریب ہے اور انجانے میں درخت سے ٹکرا کر

باقاعدہ نقصان میں آ رہا تھا۔۔۔ وہ اچھلا اور پھر زمین پر چٹ

ہو گیا۔ دونوں میں ہی وہ وہاں دھڑک کر بیٹھ گیا مگر اس بار وہ

کھڑا نہیں ہوا تھا۔ اس کے بجائے اس نے پیٹھے پیٹھے روتا

شروع کر دیا، وہ اس قدر رشوت اور بے سافلی سے رو رہا تھا

کہ علی کی آنکھیں بھی بھرا آئیں۔

☆☆☆

عامر اپنی جگہ جھکا کھڑا تھا۔
قدموں کی دھمک اسے یہ سمجھانے کے لیے کافی تھی
کہ فیاض اور جی آ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ غصے میں ہے
اور اس غصے کا نشانہ وہی بنے گا۔ اس کے چہرے پر یقیناً
وہی تاثرات ہوں جن سے اسے نفرت تھی۔ وہ بہر حال اتنا
احسن و گدھا ہو رہے تھے کہ ہرگز نہیں تھا جتنا اس کا بھائی اسے
سمجھتا تھا۔

”ٹھیک ہے اس سے بڑی فطرتی ہوئی ہے۔“ اس نے
سوچا اور اسی وجہ سے وہ خوش لڑکا بھاگنے میں کامیاب ہو گیا
ہے۔ ظاہر ہے کہ اب فیاض کو تو بگڑنا ہی ہے، فیاض بچپن
سے ہی خسر رہا تھا اس لیے سب اس سے ڈرتے تھے لہذا اس
سے دور ہی رہتے تھے مگر وہ تو اس کا چھوٹا بھائی تھا۔ صرف
وہی تھا جس سے فیاض محبت کرتا تھا۔ وہ ضمانیت سے مسکرایا
مگر وہ اسے ہونٹ اور ہاتھ بھی کہتا تھا۔ اس کے ہر وقت
مسکراتے رہنے سے تو وہ بھی بھکی بے انتہا چڑچاتا تھا۔
”اب تم کس دنیا میں کھوئے ہوئے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں
کے“ فیاض کی ضمانت پر وہ اس کی طرف پلٹا۔ ”تم سن
رہے ہو نا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔“

عامر نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔
”جسمیں یقیناً ہے کہ وہ بھانگ کر ہی طرف آیا تھا؟“
”ہاں۔“ وہ مسکرایا۔

”اس پر رے ملاتے میں یہ ایک ہی خیر لگا ہوا ہے،
ہو نہ ہو وہ اس کے اندر ہی ہو گا۔ اب میری بات فور سے
سنو۔“ وہ اس کی طرف گھودتے ہوئے بولا۔ ”تم اب نہیں
دکو گے۔“ فیاض حکیمہ انداز میں بولی۔ ”سمجھ گئے نا۔۔۔ میں
اس معاملے کو دیکھتا ہوں۔ تم یہاں سے ہر چیز پر نظر رکھنا۔“
عامر کی گردن اس کے ہر لفظ کے ساتھ میکانیکی انداز میں اوپر
سے نیچے حرکت کر رہی تھی۔

☆☆☆

آخر وہ سامنے آ گیا۔
”کون ہو تم؟ کیا چاہیے تمہیں؟ یہاں تارے ٹینٹ
کے پاس کیا کر رہے ہو؟“ علی نے چونکے انداز میں پوچھا۔
”میں۔۔۔ اپنے بیٹے کو ڈھونڈ رہا ہوں، کیونکہ آپ نے
اسے دیکھا ہے؟“ اس سے پہلے کہ علی کچھ کہہ پاتا اس کی
کمروری اور سخت آواز سن کر ٹینٹ میں موجود بچے نے رونا
شروع کر دیا تھا۔ اس بار اس کے ہاتھ اڑ میں خوف نمایاں تھا۔
”لگتا ہے کہ آپ نے اسے ڈھونڈ لیا ہے بہت

”آخر یہاں یہ کیا بچہ کیا کر رہا تھا وہ بھی ایسے نامناسب
لباس میں؟ پھر اس کی حالت تو دیکھو، یہ میل میں چیکٹ
ہو رہا ہے اور یہ ایک دور کی میل تو ہرگز نہیں ہے۔“
”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ علی بھی بھی سوچ رہا تھا۔
”اب فی الحال تو تم اسے اپنے سلیپنگ بیگ میں ملا لو پھر
اس کے ساتھ رہو۔ یہ حد سے زیادہ ڈرا ہوا ہے۔“
”اور پھر۔۔۔؟“

”دیکھتے ہیں، صبح تک شاید کوئی اسے ڈھونڈتا ہوا
آ جائے ورنہ اسے انتظامیہ کے حوالے کر دیں گے۔۔۔ ٹھیک
ہے نا؟ میں کچھ اور پانی گرم کرنے کے لیے رکھتا ہوں۔ گرم
چائیکٹ لوگی؟“ اس کے لیے بھی بتاتا ہوں۔“
فریحہ کے سر ہلانے پر وہ کیلن اٹھا کر باہر آ گیا۔ اسے
الاد پر لگتی دھاڑ پر لگا کر اس نے الاد میں کچھ اور لگڑیاں ڈالیں۔
اس سارے معاملے نے اسے حیرت زدہ کر دیا تھا۔
بھلا ایک کم سن بچہ اس اندھیری سردرات میں لٹن جنگلوں،
پھاڑوں میں کیوں دوڑتا پھر رہا تھا اگر وہ گمشدہ تھا تو کوئی
اسے تلاش کیوں نہیں کر رہا تھا؟

اچانک اسے چمیری سی آگئی۔ ایک عجیب سے
احساس نے اسے بے چین کر دیا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے
اسے کوئی دیکھ رہا ہو۔ پھر کیپ کے بائیں جانب ہونے
والی عجیب سی سرسراہٹ نے اسے متوجہ کیا۔ اس نے خود
سے اس طرف دیکھا وہاں بھانپ کوئی نہیں تھا۔ پھر ایک اور
آہٹ سنائی دی۔ وہ جو کچھ بھی تھا، جو کوئی بھی تھا، بہت
احتیاط سے آگے بڑھ رہا تھا۔ علی نے الاد میں سے ایک
قد رے چوڑی کٹڑی اٹھالی اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ٹینٹ کے
دروازے کے پاس آ کر اس نے کچھ سننے کی کوشش کی۔
”علی۔“ فریحہ اسے دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ ”کیا ہوا
ہے؟“

”شش۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ تم اب بالکل خاموش رہنا۔“
دوسرے گوشے میں بولا اور پھر دیکھنے لگا۔ ایک بار پھر بچوں کی
سرسراہٹ اور قدموں کی آہٹ ابھری اور پھر خاموشی
طاہری ہو گئی۔

”ہیلو۔۔۔!“ علی نے زور سے پکارا۔ رات کی
خاموشی میں اس کی آواز گونج رہی تھی۔ ”کون ہے
یہاں؟“ وہ کٹڑی کو منہ بولی سے پکڑے تار کی میں دیکھنے کی
کوشش کر رہا تھا۔ وہاں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا مگر اس کی چھٹی
حسن مسلسل سرخ شکل دے رہی تھی۔ خطرہ تھا اور بہت
قریب تھا۔

خوب، میرا نام یاد رکھنا ہے۔" فیاض علی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

"جہاں ہو وہیں کھڑے رہو۔" علی نگڑی پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے بولا۔

اسے یہ زنجی ہانکے پسند نہیں آیا تھا۔ اس کا قد چھ فٹ سے لگتا ہوا تھا۔ چہرہ پر اسے زخموں کے نشانات سے داغ دار تھا اور اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ دھونس دھولے اور ہدمعاشی کا عادی تھا۔

"اگر وہ تمہارا بیٹا ہے تو تم کیسے ہو گیا؟"

"ہوئی گاڑی خراب ہو گئی تھی، میں انجن کو دیکھنے اترتا تھا وہاں آیا تو مستوم ہوا کہ صاحب زادے غائب ہو گئے۔"

علی اسے دیکھتا رہا، اس کا چہرہ، بالکل انداز اور رویہ کسی بھی طرح ایک ایسے باپ کا نہیں تھا جس کو بیٹا ایک دیر ان اور سردرات میں کھو گیا ہو۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ بہت بول رہا ہے۔

"مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں ہے اگر وہ تمہارا بیٹا ہے تو تم مطمئن رہو وہ محفوظ ہے، تم کل اسے پولیس اسٹیشن سے لے جا سکتے ہو۔" وہ اسے چند لمحوں تک نظروں سے گھورنے کے بعد بولا۔

"اتفاق کیا ہے؟" وہ زبردستی انداز میں بولا اور پھر ذرا مائی طور پر اس نے جیسے ہاتھ ہاتھ لگا کر اس کے ہاتھ میں بڑا سا، پورا اور تھوڑے سا کارڈ اس کی کی طرف تھا۔

"کہاں ہے وہ... اسے پتہ نہیں ہے۔" وہ غرایا۔ "وہ تمہارا بیٹا ہے یا نہیں؟"

"... یہ کیا ہے؟ کیا تم پاگل ہو گئے ہو؟" علی خوف زدہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہو نہیں مگر ہو بھی سکتا ہوں۔" وہ ریوڑوڑ والے ہاتھ تھکلاتے ہوئے غرایا اور اس کی طرف بڑھا۔

علی نے انظر ادنیٰ طور پر ایک قدم پیچھے بنایا۔ انجینی کے اوڑھے یقیناً خطرناک تھے۔ اس کے دماغ نے فوری فیصلہ لیا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑی نگڑی کو کھینچ کر اس کے ہاتھ پر دے مارا۔ اس اچانک وار نے انجینی کو بھولایا۔ غائب! اس کوئی سے اس تیزی کی امید نہیں تھی۔ نگڑی کی چوٹ سے ریوڑوڑ اس کے ہاتھ سے اچھل کر جھال دیوں کی طرف جا گرا۔ وہ چیخا ہوا اڑکھڑایا اور پھر علی کی طرف بڑھا۔ علی اس کے سر پر دار کرنا چاہ رہا تھا مگر اس بار وہ اس کے لیے تیار تھا۔ وہ قدم سے جھکا اور اس نے اپنا سر علی کے پیٹ میں

دے مارا۔ ایک لمحے کو علی کو یوں لگا جیسے اس کی سانس رکت گئی ہو، درد کی شدید لہر نے اسے زمین پر دے مارا۔ اسے کچھ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ کھڑے ہونے کی کوشش میں وہ دوبارہ گر گیا۔ انجینی اس سے نسبت کر پستول تلاش کر رہا تھا۔

وہ یقیناً اسے لہریں کو اور شاید اس بچے کو بھی مار دے گا، اس نے سوچا۔ اسے اس کو ہر قیمت پر روکنا ہو گا مگر اس کے پاس ایسا کچھ نہیں تھا جس سے وہ اس کا ہتھ بڑھ کر پاتا۔

اچانک اس کے ذہن میں اسٹے ہوئے پانی کا خیال آیا۔ "اؤپر لنگھی بڑی کتلی پانی سے بھری ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے اڑکھڑایا اور کتلی کو لے کر مڑنے لگا والا تھا کہ انجینی کی سرور آواز نے اسے ساکت ہونے پر مجبور کر دیا۔

"بہت ہو گیا۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ پہلی گولی تم کہاں کھانچا پسند کرو گے؟"

جواب میں علی مڑا اور کھولتا ہوا پانی اس کے چہرے کی جانب اچھال دیا۔

"... پانی اس کے چہرے گردن اور سینے میں آگ لگ گیا۔" مگر علی میں۔ "وہ تکلیف سے ناچتا ہوا کسی سائلر کی طرح چلا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ آنکھیں بھی کھولی نہیں پارہا تھا۔

علی گوریوڑوڑ کی طرح ہی جواب میں اس کے ہاتھ میں رہا ہوا تھا۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا... تو کیا خود کو مرا ہوا سمجھ۔" وہ چلاتے ہوئے اس کی طرف آ رہا تھا۔ علی نے خود کو بچاتے ہوئے اس کے پستول والے ہاتھ پر جھپٹا مارا مگر پستول پر اس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ اس کوشش کے نتیجے میں وہ دونوں تھک کر اس میں محکم تھا ہوتے ہوئے زمین پر جا گرے تھے۔ علی نے اس کے پستول والے ہاتھ کو برلی طرح جکڑ رکھا تھا ساتھ ہی وہ اس کی گردن دبانے کی کوشش بھی کر رہا تھا۔ فیاض جو تک کی طرح علی سے لپٹا ہوا تھا۔ اس نے علی کے بالوں کو اپنی منگی میں جکڑ رکھا تھا اور اس کا سر زمین پر... مارنے کی پوری کوشش کر رہا تھا۔ علی کا شمار اچھے بھلے طاقتور لوگوں میں ہوتا تھا مگر جلن کی شدید تکلیف کے باوجود وہ علی پر بھاری پڑ رہا تھا۔

اپنے سر کو اس کی گرفت سے نکالتے ہوئے علی نے اس کی گردن پر کھڑا ہاتھ رسید کیا، علی ہوئی جلد پر گئے وانی چوٹ نے اسے تڑپا دیا اور پستول علی کے ہاتھ میں آ گیا۔

"بس اب سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔" علی اس کے سینے پر ریوڑوڑ رکھتے ہوئے بولا۔

بلو جیبت

ہے کون؟ اس نے سوچا۔ کوئی شناختی کارڈ، لائسنس یا کچھ تو ہو گا اس کی جیب میں۔ اس نے اس کی جیب سے ہٹا نکالا۔
"کیا کر رہے ہو علی؟" اس نے فریج آگئی تھی۔
"میں اس کی شناختی سے رہا ہوں، کچھ پتا تو چلے کہ یہ ہے کون؟"

"مگر تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے؟ ڈراموں میں دکھاتے ہیں، تاکہ لاش کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔"

"ایک منٹ فریج۔" وہ بٹھا کھولتے ہوئے بولا۔ اس میں ایک سرویس کارڈ موجود تھا۔ علی نے اسے ہار نکالا اور پھر ساکت سا رو گیا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔

"کیا ہوا؟" فریج نے پوچھا۔

"یہ... یہ پولیس اسپیکر تھا... وہ میرے خدا... فریج... میں نے ایک پولیس واسے کو مار دیا ہے۔"

خوف، دہشت اور پریشانی کی تیز لہر اس کے وجود کو جھلی ہوئی کر گئی۔

"مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ سیلف ڈینس ہر صورت میں سیلف ڈینس ہے۔"

"یہ تم اور میں جانتے ہیں۔ فوراً اسے دوسروں اور پولیس والوں کی نظر سے دیکھو۔ ایک پولیس والا ایک گمشدہ بچے کی تلاش میں یہاں آیا۔ وہ بچہ جس پر ہمارا کوئی حق نہیں تھا۔ وہ دھڑے پاس تھا اور ہم نے اسے دینے سے انکار کر دیا۔ اس نے ڈرانے کے لیے ہسٹول نکالا اور میں نے اسے مار دیا۔ اس میں سیلف ڈینس کیس نظر آئے گا۔" علی نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"علی، وہ گولی چلانے والا تھا۔" فریج بولی۔

"مگر اس نے گولی چلائی تو نہیں تھی؟" وہ بولا۔

"سب گزربز ہو گئی فریج! اب ہمارے پاس صرف ایک ہی راستہ ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تمام کر لڑتی ہوئی آواز میں بولا۔ "میں یہاں سے فوراً غائب ہونا چاہتا ہوں، ایسے جیسے ہم یہاں تھے ہی نہیں، ہمیں جانا ہو گا، سب کچھ لے کر... سب کچھ یعنی ہر چیز، ہمارا یہاں کوئی سراغ نہیں ملنا چاہیے۔" "تم مجھے ڈرا رہے ہو علی۔" فریج، وہاں سے ہٹ کر بولی۔ "اڑنے کی بات ہے۔ میں نے ایک پولیس واسے کو مار دیا ہے۔ کون سمجھتا ہے اور کون غلط... یہ تو ہم میں ثابت ہوتا ہے اگر موقع ملے تو۔" اس کے لہجے میں موجود سراسیمگی نے فریج کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس نے بچے کو درخت کے سہارے بٹھایا اور تیزی سے تمام چیزیں کیٹنے

"میں تجھے چھوڑ دی گا نہیں۔" وہ خوف زدہ ہوئے بغیر بولا۔ "نہیں... نہیں گاڑوں گا تجھے۔" اس نے ریور اور کو علی کی جانب موڑنے کی کوشش کی۔ اس کی آنکھوں میں وحشیانہ چمک تھی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک ہی بچے گا پھر... پارک کی خاموش فضا گڑبگڑ کے زبرداد رہا کے سے گونج اٹھی۔

☆ ☆ ☆

علی پھٹی پھٹی نگاہوں سے زمین پر پڑے اجنبی کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا خون اور گرد کی جگہ گولہ لگن کر چکا تھا۔ علی کا چورا جسم کانپ رہا تھا۔

"علی... علی تم ٹھیک ہو؟" فریج کی آواز نے اسے چونکایا۔ دھڑکے کی آواز کے ساتھ ہی وہ خیمے سے نکل آئی۔ اس کے قریب پہنچ کر اس نے بچے کو نیچا اتارا اور دوڑ کر علی سے لپٹ گئی۔ علی ہاتھ دکانپ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب ہو چکا ہے۔ آدھے کھٹے پیلے وہ ایک کاسٹے کی نیاری کر رہا تھا اور اب اس کے ہاتھوں ایک بیٹے جیسے انسان کا خون ہو چکا تھا۔

"تم... میں نے اسے مار ڈالا۔" وہ خوف زدہ انداز میں بولی۔

"نہیں... تم نے کچھ غلط نہیں کیا ہے۔ سنبھالو خود کو۔ وہ تمہیں مارنا چاہتا تھا۔ شاید مجھے بھی اور میں نے بچے کو بھی اہم سے تمہیں جانیں بچائی ہیں، تم میرے ہیرو ہو۔" وہ کئی دنوں بعد اس طرح کھل کر مسکرائی تھی۔

"مگر یہ... مت دیکھو اس کی بظاہر... اب ہمیں کیا کرنا ہے؟ یہ سوچو۔"

"ہمیں فوراً یہاں سے نکل جانا ہے ہو سکتا ہے کہ اس کے اور ساتھی ہوں۔"

"اس وقت گاڑی تک پیدل جانا خطرناک نہیں ہو گا؟"

"نہیں، یہاں رکنا زیادہ خطرناک ہے پھر ہمیں پولیس کو خبر بھی تو کرنی ہے۔ سامان ہم بعد میں دن میں آ کر لے جائیں گے... یہاں خطرہ ہے، پس نکل چلو۔"

"ٹھیک ہے، میں گرم کپڑے لٹھا لیتی ہوں۔" فریج اندر جاتے ہوئے بولی۔ وہ ٹکڑا اب بھی اس کی گود میں چڑھا ہوا تھا۔

علی اب غور پر کاہ پا چکا تھا۔ فریج کے جانے کے بعد وہ لاش کے قریب جا پہنچا۔ آخر یہ تو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ

گئی۔ علی اس دوران فیسے کو نہ کر کے ہاتھ پکا تھا اور اپنی طاقتور مارج سے زمین کا جائزہ لے رہا تھا۔ فریجہ کام کے ساتھ ساتھ اسے دیکھتی جا رہی تھی۔ اسے علی کے اس فیصلے کے پیچھے کوئی جواز نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس طرح بھاگ کر تودہ خود کو مزید مشتہ بنا رہے تھے مگر اس وقت علی کو کچھ بھی سمجھنا ناممکن تھا۔ اسے امید تھی کہ یہاں سے نکلنے کے بعد وہ اس کی بات سمجھ پائے گا۔

آدھے گھنٹے میں وہ وہاں سے نکلنے کے لیے تیار تھے۔ ان کے بیک بیکس ان کی پشت پر تھے۔

”میں اسے اٹھا لیتا ہوں۔ تم اس بوجھ کے ساتھ اسے سنبھال نہیں سکو گی۔“ علی نے جھک کر بچے کو گود میں اٹھاتے ہوئے کہا۔

”ہم تین کھٹے میں گھر پہنچ جائیں گے اس سب سے اور اس لاش سے دور۔“ وہ جیب سے مارج نکالتے ہوئے بولا۔ مارج کے ساتھ ہی اس کی جیب سے ایک چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا بھی نکل کر زمین پر جا گر ا تھا۔

”جنو...“ فریجہ اس کا بازو تھام کر بولی اور وہ دونوں تیزی سے بارنگ لبریا کی طرف چل دیے۔ اس بات سے علی ناظم کہ فیاض کی لاش، اس کے قریب زمین پر ہوا کے روش پر لہراتے اس کاغذ کے ٹکڑے کے علاوہ کوئی اور بھی تھا جو انہیں دکھ رہا تھا۔

☆☆☆

عامر وہاں اس درخت کے پاس چھپا ہوا تھا جہاں فیاض اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ اس نے ان دونوں کو لڑنے اور پھر فیاض کو زمین پر گرتے دیکھا تھا۔ ان کے بعد وہ مرد اور عورت سب کچھ سمیٹ کر وہاں سے غائب ہو گئے تھے اب وہاں صرف اندھیرا تھا۔

جب انہیں وہاں سے گئے کافی دیر ہو گئی تو وہ آگے بڑھا۔ فیاض نے اسے آگے آنے سے منع کیا تھا مگر اب وہاں پپ چاپ کھڑا ہوا اس کی برداشت سے باہر تھا۔ وہ دوڑتا ہوا زمین پر پڑے فیاض کی طرف لپکا۔

”فیاض... فیاض اٹھو۔“ اس نے اسے جھنجھوڑا۔ مگر وہ بالکل خاموش تھا۔ عامر کو اس کی موت کا یقین آنے میں کئی لمحوں لگ گئے۔ فیاض اس طرح مر بھی سکتا ہے یہ تو اس نے بھی سوچا ہی نہیں تھا پھر اسے کافر کا وہ دھماکا یاد آیا۔ اس شخص نے فیاض کو مار ڈالا۔ اس شخص نے بچے کی وجہ سے... وہ بچہ ہی اس سارے نساو کی جڑ تھا۔ جب سے فیاض اسے الایا

تھا ان کی زندگی جہنم بن گئی تھی۔ ہر وقت اس کی ریں میں نے عامر کو پاگل کر دیا تھا۔ اس کی نگرانی کرتے کرتے جھک کر ہاتھ دیا۔ اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ کل بھاگا۔ یہ اس کی غلطی تھی۔ اس نے جھک کر فیاض کے چہرے کو دیکھنے کی کوشش کی۔ اگر وہ جاگتا رہتا تو نہ وہ بچہ بھاگ پاتا اور نہ یہ سب کچھ ہوتا۔

”ہا ہے...!“ وہ رو پڑا۔ ”میں نے اپنے بھائی کو مار ڈالا۔“ وہ زمین پر سر رکھتے بے آواز رہا۔۔۔ رہا تھا۔ اچانک اسے اپنے سر پر کسی چیز کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بالوں پر پھیرا۔ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا تھا۔ نہ جانے اس پر کیا لکھا تھا۔ عامر نے اسے اپنی جینٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ وہ جھک کر پپ سے فیاض کو دیکھتا رہا پھر بھاگتا ہوا دونوں کے پیچھے گم ہو گیا۔

☆☆☆

مینی مینجری سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ وہ اس جگہ سے جس قدر جلد ممکن ہو دور چلے جانا چاہتا تھا مگر اس سب کو اس سے کھینچ کر پیچک دیتا اس کے بس میں نہیں تھا اگر وہ پکڑا گیا تو کیا ہو گا؟ پولیس، عدالت، لوگ، میڈیا۔ کیا وہ سب حقیقت کو اس کی نظر سے دیکھ پائیں گے؟

”میں بے گناہ ہوں کی ادارہ۔“ تصور کی آنکھ سے اس نے خود کو عدالت کے کھمبے میں گڑ گڑاتے دیکھا۔

”بے گناہ لوگ اس طرح کسی کو مار کر بھاگ نہیں سکتے اور وہ بھی ایک پولیس واسے کو۔“ جج کی سر آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ ”آپ کو سچ بولنا چاہیے تھا۔“ بات تو ٹھیک تھی مگر سب سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے یہ اس نے بھی سن رکھا تھا مگر عدالت ثبوت آگتی ہے اور شواہد پر فیصلہ کرتی ہے اور یہاں سب کچھ اس کے خلاف تھا۔ اچانک اس کی نظر فیول سٹیر پر پڑی۔ بیٹروں ختم ہونے کے قریب تھا اس نے مایوسی سے اسٹیرنگ پر ہاتھ مارا اور چاروں طرف دیکھا۔ اس کے اندازے کے مطابق پانچ منٹ کی ڈرائیو پر ایک پپ موجود تھا۔

پپ پر پہنچ کر اس نے غارتاؤں سے اپنا کریڈٹ کارڈ نکالا پھر ایک خیال نے اسے روک لیا۔ کریڈٹ کارڈ کے استعمال کا مطلب یہاں ایسی شامت چھوڑ جانا تھا۔ اس نے کارڈ واپس ڈالتے ہوئے دانت کا جائزہ لیا۔

”سرکٹے گاڑیوں اور کیا ادائیگی آپ کی پیش میں کریں گے؟“ پپ پر موجود اینڈرنٹ نے اسے گم سمجھ کر پوچھا۔

”ہاں۔“

کے آنسو پونے والے کوئی نہیں تھا۔

ابتدائی چند ماہ میں ہی خود فرضی کے چہرے پر لگا محبت کا طبع اتر گیا تھا۔ شادی پر اور بعد میں اماں سے خنے والی رقوم رحمان کی دلچسپی کا اصل مرکز تھی۔ اسے جسے کی لت تھی اور وہ ہر وہاں خٹکوں سے پسانا لگا تا کہ اس کے بعد اس کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ مگر سے خنے والا پیسا۔۔۔ صدف کے زیورات اور پھر ابائی کے اتھل کے بعد ورثے میں ملنے والے مکان کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم سب کی سب اس کی اس امید کی نذر ہو گئی۔ شادی کے سال بعد خرم کی پیدائش تک حالات پھر بھی بہتر نہ تھے مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا جوڑ توڑ سے پہنچی رقم ختم ہوتی چلی گئی۔ رحمان کوئی کام کرنا نہیں تھا۔ بالآخر ایک دن ختم خرم کو چھوڑ کر اسے ملازمت کرنی پڑی اور اب جبکہ وہ سارے تین سال کا ای تھا وہ پھر امید سے ہوئی۔ خوشی کے یہ لمحات اس کے لیے خوف اور نیک بڑا سوالیہ نشان بنے ہوئے تھے۔ وہ دوسرے بچوں کی دیکھ بھال کیسے کرے گی؟ یہ سوچ اسے اکثر آدھی رات کو بگاڑتی تھی۔ رحمان سے اسے مدد ملے اور وہ بھی خوش نہیں تھی۔ یہی بہت تھا کہ وہ دونوں میں گھنہ برک جا یا کرتا تھا۔

سکھتے تھے ہی وہ اپنی چھوٹی سی گاڑی لیلیوں کے گیت کے اندر لے آئی۔ صرف یہ پرانی گاڑی ہی ایک ایسا چیز تھی جو اب اس کی ملکیت تھی اور اس کی زندگی میں تھوڑی بہت آسانی کی وجہ بھی۔۔۔ پیاس کے ابائی کی نکالی تھی اور وہ رحمان کو بتا چکی تھی کہ وہ اسے کسی قیمت پر فروخت نہیں کرے گی۔

چند لمحوں بعد وہ تیسری منزل پر پہنچے اپنے فلیٹ کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس وقت عمو رحمان گھر پر نہیں ہوتا تھا۔ اس نے اپنی پانی سے دروازہ کھولا۔ اندر کھینچے ہی اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔ رحمان سامنے صوفے پر گرا پڑا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ الٹ کر بیٹھ گیا۔ صدف کو تیزی سے کچھ غلط ہونے کے احساس نے گھبرا دیا تھا۔

”کیا ہوا ہے؟“ وہ جھپٹ پڑ کر پوچھتے ہوئے رحمان کی طرف بڑھی۔ اس نے جواب میں سر اٹھا کر صدف کو دیکھا اس کے چہرے پر چوٹوں کے نشان تھے، ایک آنکھ سوج رہی تھی اور اس کے نیچے سیاہ دائرہ بنا ہوا تھا۔ جیسے کسی نے اسے زوردار گھونسا سید کیا ہو۔

”رحمان۔۔۔ ہوا کیا ہے؟“ وہ ایک قدم آگے بڑھی پھر ساکت ہو گئی۔ ”خرم۔“

”تو پھر آپ کو پہلے اندر اسٹور پر ادائیگی کرنا ہو گی۔“ وہ ادب سے بولا۔

”اد کے۔“ وہ اسٹور ابھی خاصی مٹی مارکیٹ غائب کی جگہ تھی جہاں ضرورت کی اکثر چیزیں دستیاب تھیں۔ گاؤں پر بچوں کے ہیکرز کے ٹیکٹ اوپر ہی رکھے تھے۔ علی نے بغیر سوچے سمجھے ایک ٹیکٹ اٹھالیا۔ ادائیگی کر کے وہ گاڑی میں جا بیٹھا۔ پمپ کے دوسری جانب، بے فون موجود تھا۔ وہ چند لمحوں سے دیکھتا رہا پھر گاڑی سے اتر گیا۔ وہاں پارک میں بہر حال ایک لاش موجود تھی۔ وہ خود کو بچانا چاہتا تھا۔ یہ درست تھا مگر اسے اس کی اطلاع تو کرنی ہی چاہیے۔ وہ صحت کر کے فون کی طرف بڑھ رہا تھا۔

☆☆☆

مکھان آبادی کے درمیان موجود پرانے لیلیوں کی عمارت کے سامنے پہنچ کر صدف رحمان نے بچاؤ ہار بلند اللہ کا شکر ادا کیا۔ وہ آخر کار گھر پہنچ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں مسہر معلول غیند سے بوجھل تھیں اور جسم درد سے چور چور ہو رہا تھا۔

ٹھہر مارکیٹ کی آٹھ گھنٹے کی سخت ملازمت اور پھر اس کے بعد دو بڑے دفاتر کی صفائی اور بھاری بھنگ کا کام اب اس کی ہرداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اگرچہ سب سے زیادہ سال سے کر رہی تھی مگر اب جبکہ وہ پھر ماں بننے والی تھی اسے پہلے سے زیادہ نیند اور آرام کی ضرورت تھی جو اس کی زندگی میں نہیں تھا۔

مگر یہ زندگی اس نے خود ہی تو چنی تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اسے یاد تھا کہ اماں اور ابائی نے اسے رحمان کے متعلق کتنا متنبہ کیا تھا۔ باقی تو اس کے سخت خلاف تھے۔

”یہ شخص تمہارے قابل نہیں ہے صدف۔۔۔ تمہارے ابائی درست کہہ رہے ہیں اسے بھول جاؤ۔“ اماں نے اسے آخری لمحوں تک سمجھایا تھا مگر ان دنوں وہ رحمان کے عشق میں ہندھی ہو رہی تھی۔۔۔ بالآخر اس کی ضد سے مجبور ہو کر ابائی اور اماں نے ایک چھوٹی سی تقریب میں ان دونوں کی شادی کرادی۔ اس کے بعد ابائی اپنے عہد کے مطابق اس سے لا تعلق ہو گئے۔ ہاں اماں اس سے کتنی رشتیں اور ضرورت کے مطابق بدو بھی کرتی رہیں۔ اس کی شادی کے چند ماہ بعد ہی والدہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ ابائی بھی سال ختم ہونے سے قبل ہی ان کے پیچھے چل پڑے۔ دونوں بھائی پہلے ہی ملک سے باہر تھے اور اس کی ضد سے شدید ناراض بھی ابویں اب اس

خرم کے خیال نے اسے بالکل حواس باختہ کر دیا تھا۔ وہ اس وقت عوامی بندروں میں زمین پر موجود میٹرز پر سو رہا ہوتا تھا۔ صدف بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ میٹرز خالی تھا۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔

"خرم... خرم... وہ جھپٹی ہوئی دوبارہ باہر آگئی۔
"رہبان، خرم کہاں ہے؟" پریشانی اور خوف سے وہ کانپ رہی تھی۔ "اسے کیا ہوا ہے؟ میٹرز مجھے بتاؤ کدے کدے نہیں ہوا ہے۔"

"اسے کچھ نہیں ہو رہا ہے۔ فی الحال میرا خیال ہے۔"
ایک ایک لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے منہ سے نکلتا رہا تھا۔
"ہوا کیا ہے؟ کہاں ہے وہ؟" بولتے کیوں نہیں۔ "وہ زور سے چیخا۔

"وہ... وہ اسے لے گئے ہیں۔" رحمان بالآخر بولا۔
"کون لے گیا ہے؟" اللغات گویا بھڑکی خرم صدف کے دل میں اتر گئے تھے۔

"دو آدمی۔" اس نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ کراست صاحب کے لیے کام کرتے ہیں۔"

ابنا ایک صدف کیوں لگا جیسے وہ دوسری سانس نہیں لے پائے گی۔ "آخر ساری دنیا کے بچوں کو چھوڑ کر اسے کراست ہیٹ کویر سے ہی بچنے کی ضرورت کیوں پڑی؟"
"مم... مجھے نہیں معلوم۔" وہ ہکا بکا۔

"بھوٹ مست ہو لو۔" وہ غرائی۔ پھر وہ کھپکھپاتی ہوئی اپنے بچک کی طرف بڑھی۔ اس میں اپنی کی بھولی سی افسوس موجود تھی۔ ان کے انتقال کے بعد سے وہ اس کی مبارکی میں بڑی تھیں۔ اس نے ایک دن رحمان کو اسے ہاتھ میں لیتے دیکھا تھا تب ہی سے اس نے غور سے اسے ہم پر اسے اپنے بیگ میں رکھ کر شروع کر دیا تھا۔ جس نے بیگ سے بھل نکالی اور رحمان پر تان لی۔ "یہ میرے بچے کا معاملہ ہے رحمان۔"

"ارے ارے... صدف ہوش میں آؤ، اوکے، میں بتاتا ہوں۔ مجھے اس کے کچھ پیسے دیئے ہیں۔"

"تم نے اس فحشات فروش، بدنام زمانہ غڈ سے قرض لے لیا؟" اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ "کیا سوچ کر؟"
"نہیں، میں نے اس سے پسا چھینا لیا۔ اصل میں، میں پچھلے ماہ جوئے میں مار گیا تھا۔ مجھے جس کے پیسے دیئے ہیں وہ اس کا آدمی ہے اب وہ اپنی رقم مانگ رہا ہے، اس نے ضمانت کے طور پر خرم کو اٹھوایا ہے۔"

"کتنی رقم؟" خرم صدف کے وجود میں لاوے کے مانند کھول رہا تھا۔

"تس لاکھ دوپے... اور اس پر ایک ماہ کا سود بھی ہے۔"
صدف کے کان ساگیں ساگیں کر رہے تھے۔ اس سے کھڑا تک نہیں ہوا جا رہا تھا۔ وہ بالآخر جھپٹ گئی پھر اس نے جھلسا دینے والی لگا ہوں سے رحمان کو دیکھا۔

"مجھے میرا بچہ واپس چاہیے، میں نہیں جانتی کیسے؟"
وہ غرائی۔

"انہوں نے مجھے بھی کہا ہے۔ تم ہی بتاؤ میں کیا کروں؟"
صدف کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ وہ ہسٹول میں موجود ساری گولیاں اس کے سینے میں اتار دے مگر وہ بمشکل خود پر قابو پا کر کھڑی ہوئی اور پھر فون کی طرف بڑھی۔

"تم کیا کر رہی ہو؟" اسے لبوں اٹھاتے دیکھ کر اس کی طرف لگا۔

"میں پولیس فون کر رہی ہوں۔"
"نہیں! اسے نہیں کہہ سکتی۔"

"میں کر رہی ہوں، تم جیل جاؤ یا وہ تمہیں مار دیں مجھے اس سے مطالبہ نہیں، مجھے میرا بچہ واپس چاہیے۔"

"مسئلہ میرا نہیں ہے۔" وہ اس کے ہاتھ سے فون چیننے لگے بولا۔ "انہوں نے کہا ہے کہ اگر ہم نے پولیس فون کیا تو وہ اسے مار ڈالیں گے۔"

صدف کے گھٹنے کانپ رہے تھے۔ اس لیے سینے اور پیٹ میں آگ کی لگ رہی تھی۔ اس کا پیار بیٹا آؤ، ہو چکا تھا اور وہ لوگ استہلا کی عالم تھے۔

"پھر ہم کیا کریں گے؟" اس نے فونے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"انہوں نے مجھے ایک بیخ کی مہلت دی ہے تب تک وہ اسے زندہ رکھیں گے۔ ہمیں ان کی رقم لوٹانی ہے ورنہ وہ اسے مار ڈالیں گے۔" رحمان سفاکی سے بولا۔
"پھر...؟"

"میں کوشش کر رہا ہوں، اس دوران ہمیں خاموش رہنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اتنی بڑی رقم میں راتوں رات نہیں لاسکتا۔"

"مگر ڈرا سکتے ہو۔" وہ پھٹ پڑی۔ "مجھے میرا بچہ چاہیے جلد سے جلد۔"

"وہ میرا بھی بچہ ہے۔" وہ قہر سے بے پروائی سے حرا۔ اس کے انداز نے صدف کے فیسے کو گویا ماچس دکھائی۔ وہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس نے رحمان کو جھنجھوڑا ڈالا۔

"تمہیں اگر یہ معلوم ہے تو اس کے ساتھ آنے والی دسے داریوں کا احساس کیوں نہیں ہے۔ آج تک تم نے

اس کے لیے کیا کیا؟ اور اب... وہ تمہارے گناہوں کی سزا بھگت رہا ہے۔ میں تمہیں جان سے مار ڈالوں گی... اگر میرے بچے کو کچھ بھی ہوا۔ یاد رکھنا۔"

"بگو اس مت کرو۔" وہ اسے دھکا دے کر بولا۔ "یہ سب تمہاری منحویت کا نتیجہ ہے۔"

اس دھکے نے صدف کو لڑکھڑایا تھا مگر اس نے رحمان کا گریبان پھر بھی نہیں چھوڑا۔ وہ چند لمحے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے گھورتی رہی پھر اس نے اس کا گلا چھوڑ دیا۔ اس کی نگاہیں جھنجھکیاں کھینچ کر رہی تھیں کہ جو اس نے کہا ہے وہ کر سکتی ہے۔

رحمان تیزی سے فحیت سے باہر نکل گیا۔ صدف وہیں جمی دور دراز سے کودتی رہی تھی۔ آنسو اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

گھر اب کچھ ہی دور رہ گیا تھا۔

علی خاموشی سے ذرا نیچے میں مصروف تھا۔ وہ بچہ فریدی کی گود میں سر رکھے آرام سے سو رہا تھا جبکہ وہ کھڑکی کے باہر تیزی سے دوڑتے مناظر پر نظر میں جمائے سچوں میں گم تھی۔

وہ جانتی تھی کہ علی بہت پریشان ہے جو کچھ ہوا۔ بہت برا ہوا تھا مگر وہ اس پر سے ٹکل کر آئے۔ وال خوشی کے لیے بہت خوش تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کا اسد لوٹ آیا ہو۔

اسد کا خیال اس کے دل کو کاٹا ہوا گز رہا تھا۔ علی سے شادی اس کے لیے قدرت کا سب سے بڑا تحفہ تھا۔ وہ دونوں بہت خوش تھے۔ ابتدائی شہنشاہوں میں دو بچوں کو عیدائش سے پہلے کھودینے کے دکھ کے باوجود وہ دل سے مسکرائی تھی۔ مگر اسد کے جانے سے زندگی گویا کھو گئی تھی۔ منا تھا کہ وہ وقت کے ساتھ منہ دل چڑھ جاتے ہیں۔ مگر اس کے جانے کا دکھ محب کے کپے رگوں کا بنا تھا جو دھندلا ہو کر نہیں رہے رہا تھا۔

اس کی میز بیکل ہسٹری کی وجہ سے اس بار حتی الامکان احتیاطی تدابیر کی گئی تھیں۔ ہر دفعے ڈاکٹر کا وزٹ دیا میں موجود مہار سے نیٹ، غذائی احتیاطیں، مکمل آرام... سب کچھ بالکل ٹھیک چارہا تھا۔ وہ بالآخر ماں بننے والی تھی۔ ڈاکٹر کے مطابق آنے والا مہمان لڑکا تھا۔ انہوں نے اس کا نام بھی سوچ لیا تھا۔ اسد علی کے والد کا نام تھا اور اس نے یہی نام اپنے بیٹے کو دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس

بار حیات

کا کمر اٹھایا گیا تھا۔ مگر پھر آخری دلوں میں وہ ہو گیا۔ جو وہ اپنے بدترین خواب میں بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کا بیٹا جسے اس نے دیکھا تنگ نہیں تھا مگر اسے دنیا میں سب سے زیادہ پیارا تھا، اچانک چل بسا تھا۔ اپنی ڈاکٹر کا وہ جملہ وہ کبھی بھول نہیں سکتی تھی جس نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ غالباً کھیتے کھیتے دیشا سے چلا گیا۔ یہ دکھ کسی بڑے مکان کے بچے کی طرح اس پر گرا تھا جس نے اس کی روح تک کو ہلایا تھا۔ وہ اس بوجھ کے نیچے دب کر بلاک ہو چکی ہوئی آگر علی اس کے ساتھ نہیں ہوتا۔ علی دکھ کی بندگی سے اسے زندگی کی روشنی کی طرف بمشکل واپس لایا تھا۔

اس نے محبت سے اپنے شوہر کی جانب دیکھا اور پھر طرہیت سے آنکھیں بند کر لیں۔ آدھے پونے گھنٹے بعد ان کی گاڑی گھر کی طرف مڑی تب وہ گہری نیند میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں اپنے بچے کے سر پر جمیں اور وہ خواب میں اسد کو اپنے ساتھ دیکھ رہی تھی۔ اپنی گود میں لیٹا۔ جہاں وہ اسے پوپائے ڈی سکرین کی کہانی سن رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بچہ سون کی فرط شامی کی بھی بہر طور تعریف کرنی چاہیے۔ اتنی سخت سردی میں بھی سون سے گھر بیٹھنے کے بجائے اس دور دراز پارک میں پہنچ کر بندے ہرانا آسان کام بہر حال نہیں ہے۔" چیف اسپیکر عمران گاڑی سے اترتے ہوئے بولا۔

"اگر آپ مان جاتے تو آپ کو بجلی کا پٹر کے ذریعے جائے دھروات پر اتارا جاسکتا تھا۔" اسی کے اسسٹنٹ نے گہری سانس لیٹے ہوئے کہا۔ "میں بھی اتنی زرا نیچے سے نچا جاتا۔"

"وہاں خراب ہے تمہارا... متبادل راستے ہوں تو اس کی ضرورت کیا ہے؟"

"متبادل راستے کا مطلب کافی لمبا پیدل چلنا ہے اور وہ بھی اس سردی میں۔"

"لوہر سے گر کر ایک منٹ میں مزید اوپر پہنچنے سے یہی بہتر ہے۔" وہ اسے ٹھوکر بولا۔ وہ کل صبح ہی اپنی چابیوں سے واپس آیا تھا اور آتے ہی یہ اتنا دسر پر آ پڑی تھی۔ ایک گنہام کال کے مطابق پارک میں ایک ناش موجود تھی۔ چونکہ اس پارک کا علاقہ مرکزی اسپتال اور پولیس دونوں کے دائرہ کار میں آتا تھا اس لیے اسپتال کی طرف سے اسپیکر عمران کو بلوایا گیا تھا۔

"ہاں کون کون موجود ہے؟"

"پولیس کی طرف سے اسپیکر فریدی، پارک انتظامیہ

عجیب بات یہ ہے کہ نشانہ بالکل قریب اور بہت نیچے سے لگایا گیا ہے۔ "فریدی بولا۔
"یعنی یہاں اس وقت یہ دو ہزار موجود تھے۔"
عمران نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ..." فریدی نے بولنا شروع کیا۔
مگر عمران نے اسے خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔
مراٹے کو تھا جو اس کی توجہ کھینچ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے ٹھہرا ہوا اور کچھ قدموں کے قاصطے پر موجود درختوں کے قریب پہنچا جہاں بچے اور شہنشاہ کچھ اس طرح وٹائی گئی تھیں جیسے وہاں سے کوئی یہاں کا منظر دیکھتا رہا ہو۔ عمران وہاں پہنچ کر زمین پر بیٹھ گیا مگر اسے زیادہ تر وہی ضرورت نہیں پڑی۔ وہاں زمین پر پتھروں کے کچھ نشانے موجود تھے۔

"یہ دیکھو..." یہ نشانہ بہت واضح اور گہرے ہیں جیسے کوئی کالی وید یہاں کھڑا رہا ہو۔ "وہ بولا۔ "میں اس کے نشانے درکار ہوں۔ اس کے علاوہ ہر منکوک نشان کا پرچہ ہونا ضروری ہے، تم کیا کہہ رہے تھے؟"

"میں نہیں ایک عجیب چیز دکھانا چاہ رہا ہوں، یہ سورماخ دیکھ رہے ہو۔ اب تصور کرو کہ یہاں ایک خیمہ بندھا تھا۔ ہم نے چاروں سورماخ دیکھ لیے ہیں۔ یہاں کل رات ایک کیمپ تھا اور انہوں نے یہاں سے جاتے ہوئے سب کچھ مٹانے کی کوشش کی ہے جی کہ راکھ کو بھی گھیرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ ایک عجیب بات ہے۔" اسپنسر فریدی بولا۔

"بالکل اور دوسری عجیب بات یہ کہ یہاں قاتل اور مقتول کے علاوہ بھی ایک شخص موجود تھا جو اس ساری کارروائی کو خاموشی سے دیکھتا رہا تھا۔ یقیناً وہ خوف زدہ ہو گیا ہو گا مگر ہمارے لیے اس کا ملنا انتہائی ضروری ہے۔"
عمران بولا۔

وہ غور سے ارد گرد دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ چالاک سے چالاک مجرم بھی نہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی سراخ چھوڑ ہی دیتا ہے جو بعد میں اس کی گردن کا بھڑکا ہوا جاتا ہے اور اسے بھی اسی معمول سے سراخ کی تلاش تھی۔

☆☆☆

ایک دم اللہ کریمہ کیا۔
نہ جانے وہ کتنی دیر سو پایا تھا۔ ایک لمحے کو تو اسے یوں لگا جیسے جو کچھ ہو چکا ہے شاید وہ سب خواب تھا مگر اگلے لمحے اس کے ذہن نے اس خیال کی تردید کی کہ جو کچھ ہوا تھا وہ حقیقت تھی، تکلیف وہ مگر اپنی جگہ مضبوطی سے جھی حقیقت اور اسے اس کا سامنا کرنا تھا۔

کی جانب سے ان کی اسپنسر خاتون اور محلے کے لوگ۔
"یعنی پورا شہر جمع ہے۔" وہ ہونٹ سکڑ کر بولا۔ اسپنسر فریدی کے ساتھ وہ پہلے بھی کئی کیس کر چکا تھا۔ تیس بیسٹس سال کے اس سراخ و سماں میں پاراسا بھرا تھا۔ عمران اسے خاصا پسند کرتا تھا مگر اس کے ساتھ کام کرنا ایک بڑے چیلنج سے کم نہیں تھا۔ شاید اس کی وجہ خود اس کی بڑھتی ہوئی عمر بھی تھی مگر وہ اسے تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھا۔

پارک کے پارنگ ایریا میں عی اس کی ملاقات وہاں کی اسپنسر خاتون سے ہو گئی تھی۔ نو ذیہ اور میز عمر کی قدر سے فریب خاتون تھی اور برسوں سے پارک میں ملازمت کر رہی تھی۔

عمران اسے ضروری ہدایات دینے کے بعد جائے واردات کی طرف نکل گیا۔ وہاں واقعی کافی لوگ موجود تھے۔ فریدی اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکا۔ وہ کسرتی جسم کا فخر بنو جو ان تھا۔ اس کا تھچہ فٹ سے لٹکا ہوا تھا۔ کمرن نوٹی اس کا شوق تھا اور وہ دیرینہ ملک سے خاص تعلیم حاصل کر کے آیا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر خوشی ہوئی۔" وہ اسپنسر عمران سے مصافحہ کرتے ہوئے بولا۔ "تمہوڑے سے موٹے ہو گئے ہو اور شاید دو چار برس میں گھٹے بھی ہو جائے گے۔"
"مٹی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے فریدی یہاں نہ؟"
عمران مسکرایا۔ اس کی عمر چالیس کا ہند ہے مگر کچل گئی مگر اس کے باوجود روٹ فٹ تھا۔ تھچہ فٹ سے لٹکا ہوا تھا۔ مگر اس کے وقار نے جس قدر سے بھاڑی بھرم نظر آتا تھا۔
"اور کیا کیا ظہور میں آیا اتنی بڑھ چکی؟"

"آؤ... پہلے اس کا سواکے کر لو۔" فریدی اس کی جانب ریز کے بچے خصوصاً جو بچے بڑھاتے ہوئے بولا۔
محلے کے تمام افراد نے یہ جوتے پہنے ہوئے تھے۔ اس کا مقصد پتھروں کے نشانے کو بچانا تھا۔

"موت کا وقت سوا بارہ سے ایک کے درمیان کا ہے تقریباً۔"

وہ اتنی دیر میں لاش کے قریب پہنچ گئے تھے۔ وہ اپنے ہی خون کے تالاب میں پینٹ کے شے پڑا تھا۔ خون بھی اب جم کر ادوی رنگت اختیار کر گیا تھا۔
"یہ پولیس والا ہے اس کے پاس سے اس کا آئی ڈی کارڈ ملے گا۔"

"اور اس کا سرورس رہا اور؟"
"وہ گم ہے۔ شاید اس سے ہی اسے مارا گیا ہے۔"

بارجیت

"مگر بلیں اسے اخوات ارادے سکتی ہے۔"

"مجھے نہیں پتا... میں یہ سب سننا ہی نہیں چاہتی۔"

پلیز ملی اسے میرے پاس رہنے دو۔" اس کے چہرے پر امید اور ناامیدی ایک ساتھ جگمگا رہے تھے۔ وہ اسے بہت آس سے دیکھ رہی تھی۔ علی کے ہونٹ کھپکا کر رہ گئے۔

"ٹھیک ہے ہم انکار کرتے ہیں مگر یہ ہمیشہ کے لیے نہیں ہے اگر ضرورت پڑی تو ہمیں اسے واپس کرنا ہوگا۔"

وہ بالآخر ہولا۔

"ابھی تو یہ میرے ساتھ رہ سکتا ہے نا؟"

"ہاں۔" علی کے جواب کے ساتھ علی وہ بلی سی چلی اور کراس سے لپٹ گئی۔ اس کے ہونٹ آنکھیں، چہرہ سب مسکرا رہے تھے۔ علی کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔ اس کے کمرے سے نکلے تو وہ پھر مجبوراً بھاگنے لگی۔

علی باہر حیران میں جا کر گاڑی کا ایک بار جائزہ لے لیتا چاہ رہا تھا۔ اس نے اپنی جیکٹ ہٹائی اور باہر نکل گیا۔ موسم میں کافی ٹھنڈی تھی اس نے اپنے ہاتھ جیکٹ کی جیبوں میں ڈال لیے۔ بالکل ایک خیال کوئی کے مانند اس کے ذہن میں اتر گیا۔

اس نے جیکٹ کی دائیں جیب کو ٹٹولا پھر اس میں موجود چیزوں کو باہر نکال کر الٹ ڈالا پھر بائیں جیب کو ٹٹولا۔ بائیں جیب میں اس کی شکرچی۔ اس کے سینے میں درد کی جھپٹی ہوئی ٹیس حرکت کرنے لگی۔... کچھنگ پرمت اس کی جیب سے غائب تھا۔

☆☆☆

ساڑھے گیارہ بجے تک جائے واردات غائب قسم کے فرانک ماہرین سے بھر گئی تھی۔ علاقے کے چپے چپے کامیاب کیا جا رہا تھا۔ عمران اور فریدی بان کے ساتھ مصروف تھے۔

"تمہاری ملاقات آ رہی ہے۔" فریدی نے پارک الحارچ نوزیہ کو آتے دیکھ کر عمران سے کہا۔

"یہ ملاقات نہیں چھاپا ہے، مگر سے دو بار یہ اپنے آدمیوں اور گارڈوں کی واپسی کا مطالبہ فرما چکی ہیں۔"

"پھر تو تمہارا اللہ ہی حافظ ہے۔ میں چلتا ہوں۔"

"تو کو بارہم جانتے ہونا کہ دنیا کی کوئی عورت میرے حسن و جمال کی تاب نہیں لاسکتی بس اسی طرح مختلف بہانے ڈھونڈتی ہیں بات کرنے کے۔" عمران کا لڑھک کر رہے ہوئے ہولا۔

"تم لی الجھل اس کہیں میں میرے پاس ہو میں تم سے اختلاف رائے کی ہمت تو نہیں کر سکتا مگر میں تمہیں یہ یاد

وہ کہنے سے باہر آ گیا۔ فریدی یقیناً بھی تک ہے لی روم میں ہی تھی۔ اسد کے جانے کے بعد بھی اس کا کمر اسی طرح بجا ہوا تھا۔ فریدی کسی چیز کو وہاں سے ہٹانے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اور اب رات سے وہ اس بچے کے ساتھ وہیں تھی۔ علی دیر سے دیر سے چلتا کمرے تک پہنچا، بچہ جھولے میں سو رہا تھا اور فریدی اس کے قریب بیٹھی اسے جھونکا دے رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ مسکرائی۔

"یہ کتنا پیارا لگ رہا ہے۔" علی نے اس کے اشارے پر بچے کی طرف دیکھا۔ میل کھیل کے باوجود ابھی وہ بچہ بہت خوب صورت تھا۔

"نہ جانے اس کے ماں باپ کس حال میں ہوں گے۔" علی نے سوچا۔

"کیلیہ جاگنا ہی نہیں؟"

"نہیں، بہت تھکا ہوا ہے۔" فریدی سے بولی۔ علی نے بہت عرصے بعد اسے اتنا مطمئن دیکھا تھا مگر اس کے اس اطمینان سے اسے ڈر بھی محسوس ہوا تھا۔

"فری... ہمیں کچھ بات کرنی چاہیے۔"

"ابھی نہیں۔" وہ بھی سمجھ رہی تھی۔

"نہیں ابھی... وہ اس کے قریب آ کر ہولا۔" ہم اس کا کیا کریں گے؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" اس نے حیران ہو کر علی کو دیکھا۔

"یہ ہمارا نہیں ہے، ہمیں اسے اس کے والدین یا انتظامیہ کو ملانا ہوگا فری۔"

"نہیں، انہوں نے پہلے اس کا کون سا خیال رکھا ہے؟"

اس کی آواز میں اتنی تلخی تھی کہ علی کو اپنی ہر ہڈی کی ہڈی میں سرسراہٹ سی محسوس ہونے لگی۔ وہ کوئی کھلونا یا بلی کا بچہ نہیں ہے فری... ہم اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے حتیٰ کہ اس کا نام۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے ہم اس کا نام رکھ دیتے ہیں۔"

علی نے بے بسی سے اپنی آنکھیں بند کیں پھر اسے وہی باتوں سے بکڑتے ہوئے ہولا۔ "فریدی پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"مجھے کی کوشش تم کر رہی۔ میں نے تمہارے کندھے پر سر رکھ کر اللہ سے اسد کو مانگا تھا اور اگلے پانچ منٹ میں یہ میرے سامنے تھا۔ اللہ نے اسے میری دعاؤں کے جواب میں بھیجا ہے اور غلط یا سچ اب یہ صرف میرا ہے۔" وہ دائمی پردانت بھا کر بولی۔

دلا نا پانچ لڑکیاں سمجھتا ہوں کہ عموماً حسن و غیرہ کے الفاظ عورتوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ "فریدی سناٹ سے بولا۔
 "میں جلد ہی آپ کے بندوں کو فارغ کروا دیتا ہوں۔" وہ فریدی کو نظر انداز کرتے ہوئے فون پر یہی طرف بڑھا۔

"میں اس لیے نہیں آئی۔" وہ مسکرائی۔ "یہ پانچ سو رجسٹریشن کارڈز ہیں جو یہاں آنے والوں کو ایڈمٹ کیے جاتے ہیں۔ دو ہاتھ میں پکڑاؤ یا عمران کی غریب بڑھاتے ہوئے بولی۔ "میں نے اسے اس میں صرف تین درجن کے قریب گھبران یہاں آئے اور ان میں سے بھی زیادہ سے زیادہ پندرہ سے تیس لوگ اس علاقے میں کیمپنگ کے لیے آئے ہیں۔"
 "گڈ! یہ بولی ناکام کی بات۔" عمران اس کے ہاتھ سے کارڈز لیتے ہوئے بولا۔ "اس سے تفتیش کے کام میں بہت آسانی ہوگی۔"

"مگر میں یہ بتاؤں کہ ہر کوئی رجسٹریشن کارڈ اور کیمپنگ پرمٹ لینے کے جھیلے میں نہیں جاتا، بہت سے...
 لوگ موت پاتے ہیں سسٹم کو دھوکا دے کر بھی کام چلا لیتے ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں اور خصماً وہ لوگ جنہیں آپ غارت گردی سے روکتی ہو چکے ہیں۔ انہیں شراعت سے بے دخل کر دیا اور اسے چلتے دوڑے دیتے رہا۔"
 "اگر تم فارغ ہو گئے ہو تو یہاں بھی تمہارے بچے کے لیے کیمپ ہے۔" فریدی کی آواز پر وہ مزید فریدی ایک نوجوان جوڑے کے ساتھ پیچھے اٹھ اٹھا۔ "ان دونوں کے پاس کچھ معلومات ہیں۔"

"ہم نے راستہ گم کرنا شروع کر دیا۔" اس کی سواہر نظروں کے جواب میں سر دھونے کی بنا شروع کر دیا۔
 "کیسی آوازیں آتی ہیں؟"

"ان آوازوں کو میں سمجھ نہیں پایا تھا۔ دراصل وہ کسی بچے کے رونے کی آواز تھی۔" وہ ہنسنے لگا۔
 "اس کے ساتھ کسی مرد کی آواز بھی تھی۔"

"آپ اس وقت ان سے کتنے قاصدے پر تھے؟"
 "غالباً سو ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر۔"

"اوکے۔" عمران اپنے ماتھے پر انگل مارتے ہوئے بولا۔ "بچے رات کے اسی وقت وہیں کیا گم ہوا تھا اور کسی بچے کے رونے کا گویا چلنے سے کیا متعلق ہو سکتا ہے؟" پھر وہ مزید وہاں لو جان جوڑے سے بولا۔

"آپ لوگ یہاں کب آئے تھے؟"

"کل رات۔"

"آپ نے یہاں جائے واردات پر کوئی کیمپ لگا دیکھا تھا؟"

"ہاں۔" عورت بولی۔ "یہاں ایک کیمپ تھا۔۔۔ مجھے یاد آیا اس کے باہر ایک پھولوں والا گنڈا لٹک رہا تھا اور مجھے یقین ہے کہ وہاں ایک عورت بھی موجود تھی۔"

"عورت؟" عمران بڑبڑایا پھر اس نے سوال پر کوئی نمبر دیا۔ "فون یہ صاحبہ! صرف ایک سوال پوچھنا ہے آپ نے جو پندرہ تیس لوگ ہمارے لیے شارٹ لسٹ کیے تھے ان میں کتنے میاں بیوی یعنی کپل تھے؟ کیا یہ معلوم ہو سکتا ہے؟"

"جیہ۔۔۔ فون یہ نے فون جواب دیا۔
 "بہت خوب اور شکر ہے۔" وہ فون بند کرتے ہوئے بولا۔

"فریدی! انہار کی ابتدائی تحقیقات کے لیے راستہ بن گیا ہے اور آپ دونوں کیا نہیں اپنی کیمپنگ کی جگہ دکھانا پسند کریں گے؟"

عمران اور فریدی نے ان دونوں کو ضرورت پر مٹی کی پراہیت کر کے جلد ہی فارغ کر دیا تھا۔

"تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے؟" فریدی نے عمران کو مسلسل خاموشی پا کر پوچھا۔

"یہ کتنی انتہائی حد تک ہے فریدی۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "میرا خیال ہے کہ ہمیں یہاں سے ایک بار پھر اس علاقے کو چھاننا چاہیے اور دوسری بات جو مجھے لگنک رہی ہے وہ یہ ہے کہ مرنے والے پولیس افسر کی تلاش اب تک شروع کیوں نہیں ہوئی؟" کیا تمہارے پاس کوئی اطلاع ہے؟"

"نہیں مگر ہم نے متعلقہ تھانے سے معلومات مانگی ہیں۔"

"ہوں۔ پھر یہاں سے ہٹا کر رہتے ہیں، ان دونوں نے ہمیں سے آوازیں بنی نہیں۔"

تیس منٹ کی چھان بین کیمپ کے بعد جب وہ واپس ہو کر لوٹنے کا سوچ رہے تھے فریدی کی نگاہ اس پر پڑی۔ جنگل کے اندر بکھرے اور گندگی کا ڈھیر سے بنا ہوا تھا۔ نہ جانے یہ اس کی چھٹی کس بھی یا تریبیت کا اثر... اسے وہ ڈھیر کچھ عجیب لگا۔ عمران خاموشی سے اسے جائزہ لیتا دیکھتا رہا۔ اسے فریدی کے کام کے انداز سے انکشاف ہو سکتا تھا مگر اس کی باریک نظر اور چھٹی جس کا وہ قائل تھا۔ اچانک اسے

PAKSOCIETY

"تمہارا کیا خیال ہے فریدی... وہ مرنے سے پہلے
یہاں بند تھا؟" عمران اس کی خون کال ختم ہونے کے بعد
بولتا۔ اس کا ذہن تیزی سے ہل رہا تھا۔
"ہو سکتا ہے مگر پھر وہ یہاں سے بھاگ کر وہاں کیسے
پہنچا۔ میرا مطلب ہے کہ حملہ آوروں نے اسے یہاں کیوں
نہیں مار ڈالا؟"
"شاید وہ کامیاب نہ ہو سکے ہوں۔" عمران نے لقمہ
دیا۔

"تو پھر ہمیں یہاں گولی کے نشان یا آواز کے شواہد
ملنے چاہئیں۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"
"میرا خیال یہ ہے کہ ہم اب تک غلط درخت کو ٹھونک رہے
ہیں۔ ہم نے یہ سوچا رکھا ہے کہ مرنے والا میرا تھا اور
قاتل وہ تھا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ حقیقت اس کے الٹ ہو۔
یہ گڑھا مسئلہ نے ان کیسپ والوں کو بھڑانے کے لیے تیار کیا
ہو اور جب انہیں اپنے بچکا تو انہوں نے مزاحمت کی جس میں
وہ مارا گیا۔"

"ہو سکتا ہے مگر پھر یہاں کس کے چلانے کی آوازیں
سنائی گئیں؟" فریدی نے پوچھا۔
"ہاں، کوئی گڑی ہے جو ابھی ضدی نظروں سے
اوجھل ہے مگر یہ یقینی طور پر آ رہا ہے کہ کیسپ میں موجود فرد یا
افراد نے خود کو بچانے کے لیے گولی چلائی اور پھر فرار ہو
گئے۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اور یہاں کون چتا رہا تھا؟
ان دو سوالوں کے جواب ہمیں منول پر ملے جائیں گے۔"
عمران نے جواب دیا۔

☆☆☆

"میڈم... اس سے زیادہ قیمت ہم تو نہیں دے
سکتے۔" شودرم والا خشک لہجہ میں بولا۔
"مگر صرف ڈیڑھ لاکھ... اس کی کنڈیشن بہت اچھی
ہے اور آپ نے خود شروع میں کہا تھا کہ ایسی گاڑی تین سو
تین لاکھ تک مل جائے گی۔" صوف نے کہا۔
"اس کے لیے بہترین طریقہ یہ ہے کہ یا تو آپ
گاڑی یہاں کھڑی کر دیں، اس قیمت ملے تک انتظار کریں یا
کسی جائے دانے کو لے لیں۔ فوری طور پر تو یہی مل سکتا
ہے۔" اس کے انداز میں رکھائی گئی۔
صوف خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ غالباً
اس کی مجبوری سمجھ چکا تھا اور ان کے کاروبار میں سودا مجبوری
کافی ہوتا ہے۔ اس نے گہری سانس لی اور سر جھکا لیا۔

☆☆☆

فریدی ڈونسا ہوا نظر آیا۔ وہ بجلی کی تیزی سے لپکا اور اس کا
بازو تھام لیا۔

"میاں افضل بچ کر رہا ہے تو کچھ دیکھ کر گرتا ہے،
یہ تم بچکرے کے ڈھیر پر مگر کراسلاف کا نام کیوں بدنام
کر رہے ہو؟"

"یہ دیکھو... یہاں کچھ ہے۔" وہ اس کے چہلے کو نظر
انداز کرتا ہوا بولا۔ اس کے انداز میں وہ بے جوش نے عمران
کو اس کی طرف توجہ دینے پر مجبور کر دیا تھا۔

فریدی تیزی سے پھرا ہٹا رہا تھا۔ اس کے نیچے لکڑی
کے تختے لگے تھے۔ تختہ ہٹاتے ہی وہ دونوں حیران رہ
گئے۔ وہ بیضوی شکل میں چار پانچ فٹ چوڑا اور آٹھ فٹ
لمبا گڑھا تھا۔ اس کی گہرائی سات فٹ کے قریب تھی۔ اس
کے دونوں جانب مٹی اور گندگی اور ہلکے پتلی ہوئی تھیں۔
"یہ قبر لگ رہی ہے۔" عمران نے اختیار بولا۔

"اس میں بچوں کے دودھ پینے کی بوتلیں وغیرہ بھی
موجود ہے۔" فریدی بولا۔ "کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے اس
سوکھے دودھ اور اس سب کو کوئی یہاں اس گندگی میں اس
اہتمام سے کیوں دفن کرے گا؟"

"مگر میری سمجھ میں کچھ کچھ آ رہا ہے۔" عمران سوچتے
ہوئے بولا۔ "یوں لگ رہا ہے کہ کسی نے کسی کو یہاں چھپا کر
رکھا تھا۔"

"اس طرح... اس گندگی میں؟ مگر کیوں؟"
"مخفی سوالات کے جواب تو تلاش کرنے میں
ہمیں۔"

"یہ خاصا خال خال طریقہ ہے۔" فریدی جھنجھکی
لے کر بولا۔ "مٹی مٹنے کو ہلاتا ہوں تاکہ یہاں سے تمام
شواہد اکٹھے کیے جاسکیں۔"

"ہاں... دیسے لوگ فلموں سے بہت کچھ سیکھ رہے
ہیں۔ خصوصاً جرائم پیشہ افراد... انہیں ملین لوگوں کے فٹپرن
آئینہ یازدہت میں مل جاتے ہیں۔"

فریدی اس دوران گڑھے کی دوسری جانب سے کوزا
بٹار ہاتھ دے ہاں ایک لمبا پائپ موجود تھا۔

"یہ لو... یہ پورا نظام ہاتھ دے بٹا گیا ہے کہ اندر
موجود شخص اس پائپ کے ذریعے سانس بھی لے پائے۔"
وہ بولا۔ "ان کا وہی نشان سنیں... شکار کو اندر بند کر کے اوپر
سے تختے لگا دیے جائیں تاکہ کسی کو اس سب کی خبر بھی نہ ہو
اور زندہ دفن ہونے والا اس وقت تک زندہ بھی رہے جب
تک وہ چاہیں۔"

بارجیت

مکلی ہے پور نہیں جگانا نہیں چاہ رہا۔۔۔ کچھ چیزیں خرید لی
ہیں۔۔۔ بھوڑی دیر لگے گی۔"

فریح سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھی۔ اسے غلی کی لکر
تھی۔ وہ ضرورت سے زیادہ پریشان تھا۔ اس نے سوچا پھر
خود ہی اپنی کچ کی۔ پریشانی کی بات تو تھی ہی مگر اس نے
نے اس کے لیے ہر چیز کا مطلب بدل دیا تھا۔
نہاڑو کروہ بدل ہی گیا تھا۔ سیاہ پاؤں میں جگمگاتا
گورہ مصحوم چہرہ فریح کے دل کو چھو گیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے اس کی ناک کو وہ
انگلیوں سے چلاتے ہوئے پوچھا۔

جواب میں ایک شریک کے سوا کچھ نہیں تھا۔
"ٹھیک ہے پھر میں تمہارا نام رکھ رہی ہوں، تم
میرے اسد ہو۔۔۔ ٹھیک۔۔۔ کیا نام ہے تمہارا؟" اس نے
پوچھا۔

"اسد" دوبارہ پوچھتے پر اس نے اپنا نام دہرایا تو وہ
خوش سے ہنسی ہوئی۔

"اور تمہارے ابو کو تم مجھے کیا کہو گے؟"
"نہیں۔۔۔ شریک۔۔۔ ٹھیک۔۔۔"

"مجا۔۔۔ تم مجھے ہی کہو گے۔" وہ سرشار ہو کر بولی۔
☆ ☆ ☆

صدف کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

اس لاکھ کا ہندو اس کے ذہن میں تاج رہا تھا۔ اس
کے لیے اس کا مطلب خرم تھا۔ اس کا ننھا سا بچہ۔۔۔ جو نہ
جانے کہاں اور کس حال میں تھا۔۔۔ زندہ بھی تھا یا نہیں۔۔۔
اس کی آنکھیں پھٹک گئیں۔ وہ پانگوں کی طرح سڑک پر
آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کے پس میں ڈیڑھ لاکھ
روپے موجود تھے۔ وہ یہ رقم رحمان کے حوالے نہیں کرنا
چاہتی تھی اس پر اسے اعتماد نہیں تھا۔ یوں بھی وہ کل شام سے
واپس نہیں آیا تھا۔ پھر وہ کیا کرے؟ یہ سوال مسلسل اس کے
ذہن میں گونج رہا تھا۔ اگر وہ کراست بیگ سے غور لے۔
اسے یہ روپے دے دے تو شاید وہ اسے کچھ اور مہلت دے
دے۔ شاید وہ خرم کو واپس کر دے یا مگر کم از کم اسے اس
سے ملا دے۔ وہ جتنا سوچ رہی تھی اسے یہ ٹھیک لگ رہا تھا۔
وہ جانتی تھی کہ کراست بیگ بظاہر ایک ہوٹل چلاتا ہے اس کا
اصل واحدہ جوئے کے الے چلاتا، غشیات فروشی اور
بد معاشی کے دوسرے کام تھے۔ وہ شیر کے حوال ملاتے
میں رہائش پذیر تھا۔

صدف اس کے ہوٹل نہیں جانا چاہتی تھی۔ وہیں سے

فریح ہڑا کر چاکی تھی۔ اس کے کانوں میں کسی کے
رونے کی آواز گونج رہی تھی۔ اس نے جھولے کی طرف
دیکھا۔ وہ بچہ فینڈ میں سسکیاں لے رہا تھا اس کے گال
آنسوؤں سے تر تھے۔

فریح کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ تیزی سے جھولے کے
پاس آئی اور اسے گود میں سیٹ لیا۔ وہ چھلے کسسا یا پھر
آنکھیں کھول دیں۔ جاگنے کے بعد بھی اس کا رونا جاری
تھا۔ چند لمحوں تک وہ فریح کی گود سے نکلنے کی کوشش کرتا رہا
پھر آہستہ آہستہ پڑھکون ہو کر اس سے لپٹ گیا۔ وہ اب بھی
سسکیاں لے رہا تھا۔

"مجھے کس معلوم چٹا کہ تم پر کیا مگزی ہے مگر اب
بب تک میں تمہارے ساتھ ہوں کوئی نہیں ختم ہوا کس ہانچا
سکتا۔" وہ اسے چمکنے ہوئے بولی۔

تھوڑی دیر میں وہ تار مل ہو گیا۔ اور اب اس کی توجہ
جھولے میں موجود رنگارنگ گٹھنیوں کی طرف مبذول ہو گئی
تھی۔ وہ بڑکی یہ گٹھنیاں دبانے سے پہنچ گئیں۔

"سب سے پہلے تمہیں نہانا ہے۔" فریح مسکراتے
ہوئے بولی۔

"نہیں۔" وہ سر ہلا کر بولی۔ یہ پہلا لفظ تھا جو اس کے
ہونٹوں سے نکلا تھا۔

"کیوں بھی اتنی بدبو آ رہی ہے۔" فریح نے اسے
چھیڑا۔

"نہیں نہیں۔" وہ کمرے سے نکل کر بھاگا۔ پہلے تو
فریح ڈر گئی کہ شاید وہ بچہ لپکا ہے مگر جب دروازے کے پاس
پہنچ کر اس نے مز کر اسے دیکھا تو اس کے چہرے پر موجود
مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ سب ٹھیک ہے۔

"والہرا آؤ بد معاش۔" وہ بھی زور سے ہنسی۔
"میرے پاس کریم والے بسکٹ ہیں۔ کیا میں انہیں اکیلے
کھا لوں؟"

"نہیں۔۔۔" وہ ہنستا ہوا لوٹ آیا۔
فریح نے اسے چار بسکٹ دیے جو فوراً ہی قابض
ہو گئے تھے۔

"ارے۔۔۔ اچھا یہ تمہیں اور لو اور ابھی کے لیے
بس۔"

"تمہیں پہلے نہا دھو کر صاف ہونا ہے۔۔۔" وہ سر ہلاتا
ہوا بسکٹ کھا رہا تھا۔۔۔ چلو اب باتو رام میں۔۔۔" فریح
کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے علی کا لوٹ ملا۔

"فریح۔۔۔ میں مارکیٹ سے آ رہا ہوں بہت بے

اس کے گھر کا چارو ملنے کا وقت ملے میں رہا مجھے لگ گئے۔
دوپہر سے کچھ پہلے وہ اس کے خوب صورتی سے سجے ہوئے
میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔

کرامت بیگ بھاری جسامت کا لمبا چوڑا آدمی تھا۔
چہرے اور چپے سے وہ کوئی سیدھا سادہ پادری لگتا تھا مگر وہ
استہلاکی سفاک طبیعت کا انسان تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسے
دھندے کے حوالے سے شہر کے ایک بڑے علاقے پر اس
کا کنٹرول تھا۔

"کیوں ملتا ہے تمہیں مجھ سے؟" وہ اس کا سر سے ہر
تک جا کر ویٹھے کے بعد بولا۔

"آپ جانتے ہیں... میرا بیٹا آپ کے پاس
ہے؟" وہ ہنسنے لگی۔

"ہوں... رمضان کا بیٹا... تم جانتی ہو میں نے تمہیں
دست کیوں دیا...؟"

"نہیں... آپ کی مہربانی ہے۔"

"نہیں مہربانی نہیں۔ میں نے سن رکھا تھا کہ رحمان کو
بڑی زبردست ہوی ملی ہے۔ سوچا دیکھ لیجئے... وہ
کمیونٹی سے مسکرایا۔"

صدف اس کی نگہیں دیکھ رہی تھی۔ شاید کوئی اور جگہ
یا کسی اور وقت وہ اس کے سامنے ہوتا تو وہ اسے بہتر جواب
دے پاتی مگر ہر وقت وہ صرف ایک ہاں تھی۔

"میں کچھ پیسے لائی ہوں۔" اس نے پرس سے رقم
 نکال کر اس کی جانب بڑھائی... "ہاں بھی دے دوں گی
پلیز میرا بچہ مجھے واپس کر دیجیے۔"

کرامت بیگ کے ہاتھ اسے پکچھے کھڑے لڑکے
نے رقم ملنی اور بولا۔ "ڈیڑھ لاکھ..."

"صرف ڈیڑھ لاکھ... کرامت بیگ بولا۔

"کیا تم جانتی ہو کہ تمہارا وہ کھنڈہ ہر میرے دس لاکھ

کا دین دار ہے۔ سو داس کے علاوہ ہے اور تم یہ لائی ہو؟"

"میں پانی رقم کے لیے کوشش کر رہی ہوں۔" صدف

رد پڑی۔ "مگر میرے پاس پیسے نہیں تھا۔"

"دیکھو بی بی۔" کرامت بیگ اس کی آنکھوں میں

دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمہیں رقم کا بندوبست کرنا ہوگا۔

کاروبار میں کوئی رعایت نہیں۔ تم چیک لولو... چوری کرو

کچھ بھی کرو، مجھے میرے پیسے چاہیے۔ میں اس کو صرف

ایک لختے تک رکھوں گا اس کے بعد کیا ہوگا یہ تم جانتی ہو؟"

وہ غرایا۔

"نہیں نہیں... پلیز ایسا مت کریں۔" وہ گڑگڑایا

"اور تمہیں معلوم ہوگا کہ پولیس کے پاس جانے کی
صورت میں کیا ہو سکتا ہے؟"

صدف نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تم اس کی لاش بھی نہیں دیکھ پاؤ گی۔" وہ سچا کی

سے بولا۔ "اور ساتھ خود کشی بھی مرنا پڑے گا... سمجھ گئی؟"

۲۴

☆ ☆ ☆

مٹی اس وقت عالیہ شمس الدین کے دفتر میں بیٹھا تھا۔

عالیہ کا شمار شہر کے چند ممتاز رکن میں ہوتا تھا وہ مٹی کی اسکول

فیلو رہی تھی اور اب بھی ان کی دوستی برقرار تھی۔ اپنی اپنی

مسئروقیات کی وجہ سے وہ کم ہی مل پاتے تھے مگر ایک

دوسرے سے باہر شمس ضرور تھے۔

"دیکھا ہوا ہے مٹی! تم استہلاکی پریشان لگ رہے ہو؟"

کافی متکبرانہ لہجے میں بولیں بے پوچھا۔

"میں واقعی بڑی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"

"کیا ہوا ہے... جلدی اور صاف الفاظ میں بتاؤ۔"

عالیہ نے کچھ لوگوں کو کچھ پر کسی بھی وقت انہو اور شاہد شمس

کا الزام لگ سکتا ہے۔

"تم مذاق کر رہے ہو؟" عالیہ نے تعجب سے اس

دیکھ کر بولی۔ "مجھے پوری تعینیت پہنچاؤ جس۔"

"اب میں کیا کروں... وہ بچہ گھر میں فریج کے پاس

ہے۔" مٹی پورا واقعہ بتانے کے بعد بولا۔ "اور تم اس کی

حالت جانتی ہو اس کے علاوہ اگر میں اسے سامنے لاتا ہوں

تو مجھے اس گنہگار کا اعتراف بھی کرنا پڑے گا... میں

کیا کروں؟"

"اولاً... وہ کافی دیر خاموش رہی تھی۔" یہ بتاؤ

کہ جب یہ سب ہو رہا تھا کیا تمہیں ڈر تھا کہ وہ تمہیں یا فریج کو

مار دے گا؟"

"ڈر نہیں تعین تھا۔ وہ ہنسنا یقیناً مار داتا۔"

"اس نے تم پر پہلے حملہ کیا تھا...؟"

"ہاں... مٹی کو جواب دینے میں لکڑ لگا گیا تھا۔

"اور تمہارے پاس خود کو بچانے کے لیے اسے

مارنے کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا؟"

"ہاں... مٹی بولا۔

"طبیق ہے... ہر شخص کو اپنے دفاع کا حق حاصل

ہے... اس پستول کا تم نے کیا کیا؟"

"میں نے اسے راستے میں دریا میں پھینک دیا۔"

"یعنی اب مسئلہ تب ہوگا جب لوگ اس لاش کو

بدرستی

آدم کا مطلب ضروری کام ہی ہو سکتا تھا۔ وسم سے نظر اٹھنے کے بعد فیروز خاموشی سے باہر نکل گیا تھا۔

"اوہ کے تانیہ اب لانے کی کو کچھ کام ہے۔" وہ اس کے سر پر پیاد کرتے ہوئے بولا۔

"تو ہمارے کھینے کا وقت ہے۔" وہ لنگھ کر بولی۔

"مگر ابھی مجھے کچھ کام ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اندر آ جائیں فیروز چاہو، یہ سب آپ

کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" وہ پردہ اٹھا کر اُسی جیسے اس نے چور بکڑ لیا ہوا اور پھر باہر بھاگ گئی۔

"کیا ہوا ہے؟" تانیہ کے جانے کے بعد وسم نے پوچھا۔

"ایک عورت آئی ہے فوراً آپ سے ملنا چاہتی ہے۔"

کئی سے زندگی اور موت کا سوال ہے۔"

"کون ہے؟" وسم کی پیشانی سلوٹوں سے ہمرکئی۔

"ایمانا محمد صدق رحمان بتا رہی ہے۔"

"مگر میں اس نام کی کسی عورت کو نہیں جانتا۔"

"اس نے کہا ہے کہ اس کا نام پہلے صدق اشرف تھا اور آپ اسے جانتے ہیں۔" فیروز بولا۔

"اگر وہ جھوٹ بول رہی ہے تو میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔"

"صدق اشرف۔" وسم عبداللہ کا گلاس اٹھانے کے لیے بڑھنے والا ہاتھ راستے میں ساکت ہو گیا۔

"وہ یہاں کیوں آئی ہے۔" اس نے سوچا۔ وسم کے والد اور صدق کے والد آپس میں دور پر سے کے رشتے دار تھے۔ حیثیت اور سبب کے واضح فرق کی وجہ سے خاص ملنا

جلنا بھی نہیں تھا۔ ایک تقریب میں وسم کے والد نے اسے دیکھا تھا اور اپنے بچے کے لیے پسند کر لیا تھا۔ وسم اس روز

مکمل بار اپنے والد کے ساتھ ان کے گھر گیا تھا۔ ان کا خیال

تھا کہ وہ لوگ ایک مالدار خاندان سے آنے والے ہوتے پر

انتہائی خوش ہوں گے مگر ہوا اس کے برعکس۔ صدق کے والد نے ان کے ذریعہ معاش کو ناجائز کہہ کر رشتے کو ٹھکرا دیا

تھا۔ اس کے بعد سے ان کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا اور آج وہ اس کے دروازے پر کھڑی تھی۔

"بلاؤ اسے! الحمد للہ۔" وہ چند لمحے بعد بولا۔

چند سیکنڈ بعد وہ اس کے سامنے آرام دہ صوفے پر بیٹھی تھی۔ سلام دعا کے بعد وہ دونوں خاموشی سے ایک

دوسرے کو دیکھتے رہے پھر وسم نے سکوت کی چادر کو توڑا۔

"میرا خیال ہے کہ تمہیں مجھ سے کوئی کام تھا؟"

"میرا... میرا بیٹا اغوا ہو گیا ہے۔" وہ ہنسنے لگی۔

دریخت کر رہی تھی۔ "وہ پوچھنے پوچھنے رک گئی۔

علی کے چہرے کے بدلنے کا اثرات نے اس کی توجہ

اپنی جانب کھینچ لی۔ "کیا ہوا؟"

"ایک مسئلہ ہے۔" وہ بولا۔ "ہمارا کیمپنگ پر مش

کہیں کر گیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ وہیں لاش کے آس پاس

مرا ہوگا۔"

"اس پر تمہارا نام چسب موجود ہوگا؟"

"ہاں، اسی لیے میں تمہارے پاس آیا ہوں۔ مجھے

ڈر ہے کہ پولیس کی بھی وقت اٹھلا یاں لے کر آتی ہوگی۔"

علی بے چارگی سے بولا۔

"اگک خدا... بہر حال پریشان مسئلہ اس لاش کے

دریافت ہونے تک۔"

"وہ دریافت ہو چکی ہوگی، میں نے رات کو پولیس کو

گمان مال کر دی تھی۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے تھے؟" علی اسے گھور کر بولی۔

"سو رہی... مجھے اس وقت کیا سمجھ لگا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ وہیں نہ گرا ہو... باب تک کوئی آیا

تو نہیں تاہم خود کو سنبھالو... یہ یاد رکھو کہ تارل تفتیش میں

بھی وہ وہاں آنے والوں کو شامل کر سکتے ہیں اس لیے کسی کی

آدم پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یعنی اگر پولیس آئے تو مجھے نہیں فون کرنے کی

ضرورت نہیں؟"

"اس وقت تک جب تک وہ جسمیں غرم نہ سمجھ لیں۔"

علی نے سر ہلایا مگر اس کی آنکھیں پتاری تھیں۔ کچھ کہ وہ

مطمئن نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

وسم عبداللہ اپنی معمول کی ورزش کے بعد پھلوں کے

رس سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ورزش اور موسیقی اس کے

پسندیدہ شوق تھے۔ وہ چالو بھانے کا بہر تھا اس کا یہ شوق

اس کی ازدلی بنی تانیہ میں بھی آیا تھا۔ بارہ سالہ تانیہ اس کی

زندگی تھی۔ اس وقت وہ اس کے لیے چالو بھاری تھی۔

"تو درست! دھن ممل ہونے پر اس نے اسے دل

مکول کر دیا۔" تم روز بروز بہتر ہوتی جا رہی ہو۔ مجھے

ڈر ہے کہ تم مجھے ہرانا شروع نہ کر دو۔" وہ مسنوی لہجے کا

مظاہرہ کرتے ہوئے بولا۔

"ادہ ڈیڈی۔" تانیہ اس سے آکر لپٹ گئی۔ اسی

وقت وسم کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا یہ فیروز

تھا اس کا سب سے قابل بھروسا آدمی۔ اس وقت اس کی

یہ دیکھ کر توقع کے خلاف تھا۔ "کیسے؟"
 "میرے شوہر رحمان نے کراچی سے کچھ
 روپے لیے تھے۔ آپ جانتے ہیں اس کو... ہے نا؟"
 "شاید۔" وہم عبد اللہ کی اطلاع میں ہوا۔
 صدف نے اسے ساری تفصیل بتادی۔

"مجھے مدد کی ضرورت ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تم
 نشانات کا کاروبار کرتے ہو، تم اس سے منٹ کچھ ہو لیگز۔"
 اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔
 "ٹھیک ہے تم کیا توقع کرتی ہو کہ وہ اپنی رقم بھول
 جائے...؟"

"نہیں، مجھے بس میرا بچہ واپس چاہیے۔"
 "صدف! میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرنا چاہتا تھا مگر
 تمہاری حالت دیکھ کر میں کچھ کرنا ضرور ہوں۔ تمہارے
 شوہر نے بہت غلط کام کیا ہے۔ کراچی میں جالود سے کم
 نہیں ہے کیا وہ انکا نہیں جانتا تھا؟ بہر حال میں کوشش کرتا
 ہوں۔"

"تم... تم جو چاہو گے میں کروں گی... جو بھی..."
 ان الفاظ کو کہتے ہوئے اس کی نظریں جھک گئیں۔
 "وقت گزر کر وہ اب نہیں آتا، میں تمہارے بچے کے
 لیے یہ کام کروں گا مگر میں تمہارے شوہر کی حفاظت کے لیے
 کچھ نہیں کر سکتوں گا۔ سمجھ رہی ہو نا؟"
 "ہاں، اس نے جو کیا ہے وہ مجھے گناہ ہے میرا خرم
 واپس چاہیے۔"

وہ جواب میں صرف سسترا یا تھا۔
 "جی جی..."
 "تمہیں یقین ہے کہ وہ تیسرے نشانات کی بجائے
 ہی ہیں؟" چیف انسپکٹر نے قیورٹ کو تیسری بار دیکھتے
 ہوئے فرانک اسپنٹسٹ پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں سیرا، کسی بچے کے قدموں کے نشانات ہیں
 یا پھر کسی بڑے نے کوئی خاص جوتا پہن رکھا ہو تو کچھ نہیں کہا
 جاسکتا۔ میں اس گڑھے اور اس کے ارد گرد سے صرف تین
 افراد کے نشانات ملے ہیں جو محتول اور دوسرے اس شخص
 کے جو جھانڈیوں میں کھڑا ہو کر کھتا رہا تھا کہ نشانات سے
 فٹ لگتے ہیں۔ اس بچے کے پیروں کے نشانات جانے داردارت
 اور ارد گرد سے بھی ملے ہیں۔"

"آخر محتول پولیس والا اس گڑھے کے پاس کہا
 کر رہا ہوگا؟" عمران ہوا۔

"وہ تو اللہ ہی جانتے مگر یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ

مرنے والا پولیس انسپکٹر نہیں تھا۔" فریدی نے دفتر میں قدم
 رکھتے ہوئے دھماکا کیا۔

"اور تم پر یہ راز کس طرح انشا ہوا؟"
 "میں اس نام والے اصل انسپکٹر سے مل کر آ رہا
 ہوں۔ اس کا کارڈ تین تھنے پہلے چوری ہو گیا تھا۔"

"زبردست... یہ کہانی میں نوٹس آگیا ہے۔"
 عمران میز پر طبلہ بجاتے ہوئے ہوا۔ "اب منظر یہ ہے کہ
 وہاں ایک شخص قتل تھا جو پولیس کا جعلی کارڈ لے کر پولیس
 پولیس کھیل رہا تھا۔ پردہ ہمارے ٹکٹ مشتہ افراد کی لسٹ
 میں سے نکلا؟ کون کون اس رات پارک کے اس جیسے کے
 قریب موجود تھا؟"

"تجربہ کار نہیں سزا اللہ جانے دھروات پر جو وہ
 مزید افراد یا مرد و عورت کے پیروں کے نشانات ملے ہیں
 ویسے ہی نشانات پارکنگ ایریا میں بھی ملے ہیں اور جس گاڑی
 کے تاڑوں کے ساتھ وہ نشانات ختم ہو رہے تھے وہ کوئی مٹی
 کی جھڑیا چھوٹی چپ ہوگئی ہے۔"

"ایک منٹ۔" فریدی کی کیفیت ہوا۔ "تم نے ابھی کہا
 کہ پولی چپ... یہ میرے پاس ان بچہ جڑوں کی آمد و رفت
 کی لسٹ ہے جو میڈم فور نے دی تھی اس کے مطابق ان
 میں صرف ایک جڑا مٹی کی جھڑیا میں آیا تھا۔ یہ اس علی احمد
 دورق ہے اور اس کا پتا بھی موجود ہے۔" وہ جوٹیلے انداز میں
 ہوا۔ "میں کسی کو ان کی طرف بھیجنا ہوں۔"

"نہیں۔ میں خود ان سے ملنا چاہتا ہوں۔" عمران
 ہوا۔

"میں بھی ساتھ چل سکتا ہوں؟" فریدی نے پوچھا۔
 "نہیں، تم یہاں سب کچھ سننا اور... بھائی بابا کہ لازم
 ہے ان کے ساتھ رہے پاسان محل لیکن ابھی ابھی اسے تنہا بھی
 چھوڑ دے۔" وہ گنگنا تا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

صدف اس معروف شاہراہ پر پیدل چلی جا رہی تھی۔
 اسے ابھی ابھی یاد آیا تھا کہ وہ سپر مارکیٹ فون کرنا بھی بھول
 گئی ہے۔ اسے آج دو شفتوں میں کام کرنا تھا۔ یہی حال
 اسے اس کا جواب دینا پڑے گا۔

آخر وہ کس کس چیز کا کب تک کس کس کو جواب دیتی
 رہے گی؟ اس نے سوچا، وہ چلتے چلتے تھک گئی تھی۔ وہ جہاں
 کھڑی تھی وہیں ایک فیر گلی ٹوڑا ریٹائرمنٹ اور ویک موجود
 تھا۔

ریٹائرمنٹ کی دیوار میں شیٹ کی تھیں۔ اندر بے شمار

سیر کو

سو اسیر

"دیکھو میرا کیا حال ہے۔ ساڑی ہے تو اس میں بار بار نہیں ہے، سرٹی ہے تو پاؤں نہیں ہے، دیکھا ہے تو کاہل نہیں ہے۔" بیوی نے اپنے شوہر کے سامنے لپٹا کھڑا دیا۔
"جیکم تم ٹھیک کتنی ہو، میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔۔۔ شل جیب ہے تو دوسرا نہیں ہے۔" شوہر نے بڑی مصویت سے کہا۔

سیجا

ہسپتال میں ایک مریض نے اپنی بلا کی دل کش نرس کے جانے کے بعد ڈاکٹر سے کہا: "بہت ہی اچھی نرس ہے۔ اس کے ہاتھ کے ایک لمبے سے ہی میرا بیمار کانور ہو گیا۔" ڈاکٹر نے جواب دیا: "ہمیں پتا ہے پر آدمے کے آخر تک اس کے تھپڑ کی صف آواز آئی گی۔"

ایک شوہر

ایک شوہر نے اپنی بیوی کو تیز کار چلانے سے باز رکھنے کی خاطر کہا: "دیکھو جیکم، اگر تم کار تیز چلاؤ گی تو ایکسٹنٹ ضرور ہو جائے گا۔ حادثے کے بعد اخبار میں خبر مجھے گی پھر اخبار والے تمہاری عمر بھی صحیح صحیح چھاپ دیں گے۔"

بیوی نے شوہر کو قہر آلود نظروں سے دیکھا اور کار آہستہ کر لی۔

پان اور...

پروفیسر صاحب بہت جلدی میں تھے۔ جیکم بولیں کہ پانی تو کھاتے جاوے۔ وہ وردانے سے پلٹ آئے اور پانی لے کر پھر جلدی سے جانے لگے۔
"جیکم نے پھر آواز دی۔" ارے اپنے جوتے تو۔۔۔۔۔
"جی جلدی میں ہوں وہ آکر کھالوں گا۔" پروفیسر نے بغیر کے کہا۔

فاطمہ شاہین۔۔۔۔۔ سلام آباد

لوگ موجود تھے۔ جس کے پاس دوسرا تھا جو اپنے بچوں کے لیے خوشیاں خریدنے کی سکت رکھتے تھے۔ سب کے ساتھ چھوٹے بڑے بچے موجود تھے۔ وہ سب کتنے خوش اور مطمئن نظر آ رہے تھے اور وہ۔۔۔ اسے تو دل سے مسکراتے بھی شاید سالوں گزر چکے تھے۔ اور اس کا بچہ۔۔۔ کیا وہ ایک بڑی ماں لگی؟ نہیں۔۔۔ اس کا دل جھنجھٹا تھا۔ اگر اسے ذرا بھی اندازہ ہوتا کہ کبھی اس طرح ہو سکتا ہے تو وہ یقیناً اپنے بچے کے لیے کچھ نہ کچھ کرتی۔

مگر سب وہ کیا کر رہی ہے؟ اس کی سانس رکتے لی۔ میں نے اپنے بچے کی حفاظت کا کام مٹیات فروشوں پر چھوڑ دیا ہے؟ کیا میں پاگل ہو گئی ہوں؟ وہ اسے آپ سے باتیں کر رہی تھی۔ غم میرا بڑا ہے وسم عہد اللہ کا نہیں۔۔۔ وہ میری دانتے داری ہے۔

"پھر وہ کیا کرے؟" ہے یہی سوال بن کر اس کی کنپٹیوں سے گرا رہی تھی۔

"کرامت بیگ کو تو صرف دیکھا جائے اس نے کہا تو تھا بیگ لولو۔۔۔ چوری کر۔" ایک خیال اس کے ذہن سے گزرا۔

کیا یہ ممکن ہے؟ کیا وہ کر سکتی ہے؟ کیا یہ اتنا آسان ہے؟ مگر اتنے لوگ کرتے تو ہیں۔ پھر اسے تو صرف ساڑھے آٹھ لاکھ لار چائیں، بیٹکوں میں تو کروڑوں روپے ہوتے ہیں، وہ سوچے جا رہی تھی۔ وہ بعد میں ان کا ایک ایک روپیہ ادا کر دے گی۔ میں دیکھ بار۔۔۔ اس کا بیٹا اس کے پاس آ جائے۔

وہ کسی سرزدہ شخص کی طرح بیگ میں داخل ہو گئی۔ وہاں سب کچھ معمول کے مطابق چل رہا تھا۔ کاؤنٹر میں سے ایک پر ایک جوان عورت وہ بیگ کے ساتھ کھڑی تھی۔ دوسرا کاؤنٹر خالی تھا۔ صدف نے اس کا انتخاب کیا۔ وہاں ایک ہال پوائنٹ موجود تھا۔ صدف نے کانڈ کی تلاش میں پرس میں ہاتھ مارا۔۔۔ وہاں بجلی کے تل کے سوا اور کوئی کانڈ نہیں تھا۔ اس نے تل سے ایک سادہ گھڑا اچھا اور اس پر جلدی جلدی دو جھٹے لکھے۔

"سارے پیسے ایک تھیلے میں ڈال کر مجھے دے دو۔۔۔ شوہر مت کرنا اور نہ ہی اللہ تمہارا میرے پاس ہتھول ہے۔"

"مئی فرمائیے۔" کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون اسے دیکھ کر مسکرائی۔ "آپ ٹھیک ہیں؟" وہ اسے پیلا پڑتے دیکھ کر تشویش سے بولی۔

فریح اس طرح بھیرتا ہے کبھی کبھی نہیں جاتی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں سر تھاے صوفے پر گر گیا۔
 یکلفت جیب میں بچے والی گھنٹی گویا کسی گولی کی طرح اسے لگی تھی۔

"نہی یہ میں ہوں۔" فریح کی آواز سن کر اس کے سر سے بھاری بوجھ اتر گیا تھا۔ "تم گھر آ گئے؟"
 "میں تو آ گیا ہوں تم کہاں غائب ہو؟"
 "میں اسد کے ساتھ باہر ہوں۔" وہ فہمی۔
 "اسد؟"

"ہاں۔" وہ ایک لمحے کی خاموشی کے بعد بولی۔
 "میں نے اسے یہ ملامت لایا ہے۔"
 "نہی کہاں؟" وہ خود پر قابو رکھتے ہوئے بولا۔

"تم شاید بنگلہ ہاؤس میں ہیں۔"
 "تم پاگل ہو گئی ہو؟ اسے اس نے نہی ہوا مگر کسی نے دیکھ لیا تو؟"

"یہاں ہمارا گولی جانے والا نہیں ہے اور ہم دونوں بہت محنت کر رہے ہیں۔ ہم ایک گھنٹے میں گھر آ جائیں گے تم پریشان مت ہونا۔ ان الفاظ کے ساتھ فون بند ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

اسپینر حشر قدرے لمبوس سے اپنے سامنے ٹھہر
 صدف رحمان کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ لہجے کے مانند سفید ہو
 رہا تھا۔ سر پر بیڑا تاج بندھی ہوئی تھی۔ اس کے لئے ہاتھ میں
 زمین پر موجود لوہے کی کسی چیز سے ایک بڑا نمٹ لگا تھا۔ اس
 نے ہوش میں آتے ہی اپنے بچے کے بارے میں پوچھا تھا۔
 ڈاکٹر کے مطابق بچہ محفوظ تھا۔ یہ جان کر وہ خاموش ہو گئی تھی
 اور کئی گھنٹے گزرنے کے باوجود کچھ نہیں بولی تھی۔ "سز
 رحمان اگر آپ کچھ بولیں گی ہی نہیں تو ہم حقیقت تک کیسے
 پہنچیں گے۔ آپ کو اسی حال میں بینک لوٹنے کا خیال کیسے
 آیا؟ کیا آپ بتانا پسند کریں گی؟" اس نے نرمی سے
 پوچھا۔ جواب میں وہ اسی طرح زمین پر نظریں گاڑے بیٹھی
 رہی۔

"کیا آپ میری طرف دیکھنا پسند کریں گی؟"
 صدف نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔
 "آپ کے سر پر خاص چوٹ لگی ہے کیا یہ ہمارے
 آدمیوں میں سے کسی کی حرکت ہے؟"
 "اس سے کوئی فرق پڑتا ہے؟" وہ بولی۔
 "ہاں، کیونکہ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ میرا اسٹاف
 اس طرح کسی پر ہاتھ اٹھائے۔" وہ بولا۔

"ہاں۔۔۔" صدف بمشکل بولی اور کاغذ اس کی طرف
 بڑھا رہا۔

وہ ایک لمحے اس کو دیکھتی رہی پھر کاغذ پر نظریں جمادیں۔ اس کا توجہ گول فوراً سامنے آیا تھا۔

"او۔۔۔ میرے خدا۔" وہ دونوں ہاتھ چہرے پر
 رکھ کر بولی۔ "مجھے مت مارنا۔۔۔ جو چاہیے لے لو۔" اس کے
 گھبرانے پر اس کے ساتھ بیٹھے دوسرے السر نے پلٹ کر
 ان دونوں کو دیکھا اور جیسے سب کچھ دیکھ گیا۔
 "او۔۔۔ یہاں سے دو۔۔۔ دو۔۔۔" وہ گھبرا کر بولا۔

ان دونوں کی آوازوں نے بچوں والی عودت کو متوجہ
 کر لیا اور پھر پیچھے ایک بڑا دروازہ کھل گیا۔
 "بینک میں ڈاکو کھس آئے ہیں۔"

اسی چیخ نے دیگر افراد کے ساتھ ساتھ صدف کو بھی
 جیسے بیدار کر دیا تھا۔

وہ کیا کرنے جا رہی تھی اس نے سوچا اور تیزی سے
 پیچھے ہٹ گئی۔ بینک میں گریڈ پمپلی ہوئی تھی۔ وہ اس کا حصہ
 بن کر شاید وہاں سے نکل جائے، اس نے سوچا مگر وہ
 دروازے سے دور ہی تھی جب اس نے بچوں والی عودت کی
 آواز سنی۔

"وہ۔۔۔ دروازے کے پاس۔۔۔" وہ بھاگی جاتی
 ہے۔" اس نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر اسی وقت گاڑا
 اس تک پہنچ گیا۔ اس نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ صدف
 شیشے کا دروازہ کھول چکی تھی۔ گاڑا اس سے ٹکرا کر گر گیا۔ وہ
 تیزی سے باہر نکل مگر اسی وقت ڈبلی سڑک پر ایک موٹر
 سائیکل گزر رہی تھی۔ صدف اس کی تیلی ٹریٹ کا صرف رنگ
 دیکھ پالی تھی۔ اگرچہ اس کی رفتار قدرے کم تھی مگر صدف اس
 سے ٹکرا کر سڑک پر گر گئی تھی بے ہوش ہو گئی۔ ہوش کے
 آخری لمحوں میں اس نے اپنے ہاتھوں سے خون نکلنے
 دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر فرم کا نام تھا اور اس کا ذہن سیاہ
 اندھیروں میں ڈوبتے ہوئے تھی اسے اپنے بچے کی
 تصویریں دکھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

نہی گھر میں داخل ہوا تو وہاں مکمل خاموشی نے اس کا
 استقبال کیا۔

"فریح۔" اس نے آواز دی مگر اس کی آواز
 وہ دونوں سے ٹکرا کر وہاں آ گئی۔ چند لمحوں میں وہ پورا گھر
 چھان چکا تھا وہ کبھی بھی نہیں تھی اور نہ ہی وہ بچہ تھا۔ محل کے
 پیرکانہ رہے تھے۔ اس کا دل دوسروں سے بھر گیا۔۔۔

"سینے میں محسوس کیا ہے ویسے میں سوئر سائیکل سے
گھرا کر گئی تھی۔"

"آپ کیل چاہتی ہیں؟"

"نہیں... میں کچھ کہنا نہیں چاہتی۔"

"کہنا تو پڑے گا ورنہ لکھنے کی کوشش کے جرم میں
کئی سال کی سزا معمولی بات ہے۔ دیکھو میں چاہتا ہوں کہ
ہم اس معاملے کو جلد اور خوش اسلوبی سے فٹا دیں۔ جو تم نے
کیا ہے اور جو ہم جانتے ہیں تم نے کیا ہے تمہیں اس کا
اعتراف کرنا ہوگا۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہیں کم سزا
ملے۔" وہ اس عورت کے لیے ہمدردی کے جذبات کو دبا
نہیں پار رہا تھا۔

"اور اگر جو میں نے کیا اس کی میرے پاس کوئی وجہ
موجود ہو تو کیا اس سے کوئی فرق پڑے گا؟" صدف کی لہجوں
کی خاموشی کے بعد بولی۔

"پڑ سکتا ہے اگر تم سچ بولو... میں سچ کہوں تو تمہیں
دیکھ کر مجھے یکنگاہ ہے کہ اس سب کے پیچھے ایک کہانی ہے۔
تم ایک پڑھی لکھی، خوب صورت اور اچھے خاندان کی عورت
ہو۔ میں سچا سوچ رہا تھا کہ اس عورت نے آخر اپنی زندگی
برباد کرنے کی یہ کوشش کیوں کی ہے؟" وہ بولا۔ "آخر آج
ایسا کیا ہوا تھا کہ تم نے بینک لوشے کا فیصلہ کر لیا۔"

"میں...": صدف نے پورنا شروع کیا ہی تھا کہ اسے
کرامت بیگ کے تعلق یاد آ گئے۔ وہ پولیس کو سب کچھ بتا
کر خرم کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی تھی اس نے دوبارہ
منہ بند کر لیا۔

"کیا ہو؟" جعفر نے پوچھا۔

"مجھے کچھ وقت چاہیے۔ لیکن مجھے تجھ کو اذیت دے
دینا۔" وہ بولی۔

"ٹھیک ہے میں تمہارا انتظار کرتا ہوں۔" وہ کھڑے
ہوتے ہوئے بولا۔

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اس کا سخت دل پھٹکا ہوا
کسی مجرم کے لیے نرمی محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

"وہ کیا سمجھتا ہے خود کو... میں وسیم عبداللہ کو ملیہ میٹ
کر دوں گا۔" کرامت بیگ قہقہے میں چٹکھاڑا۔ اس کی ناک
سے غولن دس رہا تھا۔ ہونٹ کا دایاں حصہ پھٹا ہوا تھا اور
بائیں گال پر نلی پڑے ہوئے تھے۔ "وہ میرے گھر میں
لکس کو میرے ہی آدمیوں کے سامنے مجھ پر ہاتھ اٹھائے گا
اور مجھ پر حکم چلائے گا... وہ ایسا نہیں کر سکتا۔"

محروہ ایسا کر چکا تھا۔ وسیم عبداللہ ایک گھٹنا پہلے
کرامت بیگ کے گھرا آیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے درجن
بھروسہ دار تھے مگر صرف اس کا نائب فیروز ہی اس کے ساتھ
اندروں آیا تھا۔ اس نے آتے ہی کرامت بیگ کے سر پر
آٹھ جھک رہا اور لگاؤ کی تھی۔

"تم بہت بڑے احقر ہو کرامت۔" وسیم عبداللہ
اطمینان سے اس کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔ "نہ
صرف احقر بلکہ بیکار اور فضول انسان ہو، کیا تمہیں ذرا سا
بھی اندازہ ہے کہ ہماری اتنی کامیابی کی وجہ کیا ہے؟ تم
روزانہ دونوں ہاتھ سے دولت سمیٹ رہے ہو کیونکہ وسیم
عبداللہ تمہاری پشت پر کھڑا ہے، کوئی تمہیں ہاتھ لگانے کی
ہمت بھی نہیں کر سکتا۔ لوگ مجھ سے لڑتے ہیں مگر انہیں یہ بھی
معلوم ہے کہ میں کسی کو بجا وجہ نقصان نہیں پہنچاتا۔ ہمارے
کاروبار کے کچھ طے شدہ اصول ہیں جن پر عمل کرنا لازم
ہے۔ جانتے ہو نام پہلے سے یہ سب؟"

کرامت بیگ نے اس بار بھی سر ہلایا۔ وہ کچھ کہنا چاہا
رہا تھا مگر فیروز نے اسے اس کا موقع نہیں دیا۔

"شاہنشاہ! اب تم خود سوچو کہ جب لوگ یہ جانیں گے
کہ میرے ساتھ کام کرنے والا ایک الوداعی پنچا دو تین سال
کے بچے کو نشانہ بنا رہا ہے تو میری عزت میں کتنا اضافہ ہوگا؟
کیا تمہارے خیال میں ہمارے درجہ اس کے بعد ہمارے
لیے کچھ کر سکیں گے؟"

کرامت بیگ خاموش رہا۔

"لہذا اب تم فون اٹھاؤ اور اپنے غمخواروں کو حکم دو کہ وہ
اس سچے کو آج رات اس کے گھر پہنچا دیں۔"

"آج رات نہیں ہو سکے گا... وہ یہاں سے کالی دور
ہے۔" اس بار وہ بولا تھا۔

"کہاں ہے وہ؟"

"پہاڑوں پر سینے ایک بارک میں، میں نہیں چاہتا
تھا کہ اگر اسے مارنا پڑے تو اس کی لاش یہاں سے برآمد
ہو۔"

وسیم عبداللہ ایک لمحے اسے طے سے دیکھا رہا۔ پھر
اس کا ہاتھ کرامت بیگ کے منہ پر پڑا تھا وہ سنبھلا بھی نہیں
تھا کہ اس نے اس کی ناک پر گھونسا مارا اور کھڑا ہو گیا۔

"تمہارے پاس اٹھارہ گھنٹے ہیں کل صبح وہ اپنی ماں
کے پاس ہونا چاہیے اور اس کے جسم پر ایک نشان بھی ہوا
کرامت تو تمہارے ساتھ بہت برا ہوگا۔ یہ میں تم سے کہہ
رہا ہوں۔" اس نے کہہ کر پھر جس طرح وہ آئے تھے اسی

"ہاں، اس کا صرف ایک بھائی ہے جو ذہنی طور پر تھوڑا است ہے۔ یہی اس کی دیکھ بھال کرتا تھا۔"

"اس کے بھائی کا کوئی ریکارڈ؟"

"نہیں، اس کا نام عامر دانا ہے اس کے علاوہ اس کے بارے میں کوئی معلومات موجود نہیں ہیں۔"

"ہوں۔" فریدی سوچ میں پڑ گیا۔ "ہو سکتا ہے کہ جہاز یوں میں موجود بیروں کے نشانات اسی عامر کے ہوں۔"

"مگر کوئی اس طرح اپنے بھائی کو مرنا دیکھ سکتا ہے؟"

"یہی تو معلوم کرنا ہے اور کچھ؟"

"ہاں۔۔۔ فون ریکارڈ سے اس پے فون کا پتا چل گیا ہے جہاں سے وہ گناہم کال آئی تھی۔ وہاں اسٹور پر موجود ہینڈراج کے مطابق رات وہاں ایک ہی اجنبی آیا تھا اس نے بیئر دل کے ساتھ پیپر ڈھیرے سے تھے۔"

"کیا؟" وہ چونک اٹھا۔ "اس نے ادائیگی کس طرح کی تھی مگر پتہ کارڈ ہے؟"

"نہیں... فقط ادائیگی کی تھی۔"

"اور... اس معاملے کو دیکھنا پڑے گا... کیوں نہ پہلے اس عامر دانا سے مل لیا جائے؟" وہ اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

☆ ☆ ☆

سویاٹل فون کی ٹھنکی مسلسل بج رہی تھی۔

عامر دور بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ فیاض کا فون تھا اور اس نے عامر کو اسے ہاتھ لگانے سے سخت منع کیا ہوا تھا۔ اب وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے فون اٹھانا چاہیے یا نہیں۔

اس کے ہاتھ میں کاغذ کا وہی ٹکڑا تھا جو اسے اس رات فیاض کی لاش کے پاس سے ملا تھا۔ اس پر ان دونوں مہیاں بیوی کا نام پتا لکھا ہوا تھا جو اس رات فیاض کو مار کر اس بچے کو اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

اب اسے دو باتوں کا فیصلہ کرنا تھا ایک تو یہ کہ وہ ان دونوں کا کیا کرے اور دوسرا یہ کہ وہ فیاض کا فون اٹھائے یا نہیں۔ ٹھنکی کی مسلسل بجتی آواز اس کے دماغ میں کسی جاہری قہقہے کی طرح اس نے فون اٹھالیا۔

"کہاں مر گئے تھے تم...؟" دوسری طرف کسی نے زور سے پوچھا۔

"کی..."

"تم کون ہو؟" فیاض نے کہاں ہے؟"

"میں فیاض کا بھائی ہوں۔ وہ مر چکا ہے۔"

تیزی سے اہل چلے گئے تھے۔

کراست بنگ کا نائب لوٹی اس وقت بھی وہاں موجود تھا۔ ان کے جانے کے بعد اس نے ہی کراست کو سنبھالا تھا۔

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے فونی اب اس کا وقت ختم ہو گیا ہے۔" کراست غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ "کیا کہتے ہو تم؟"

"اس سے ہم سب بھی ختم ہو سکتے ہیں باس۔" فونی دھیرے سے بولا۔ "پہ اس طرح اچانک نہیں ہو سکتا۔ ہم کو اس کے لیے تیاری کر لی پڑے گی۔"

"میں یہ سب نہیں سوچنا چاہتا جس سے ختم کر دینا چاہتا ہوں اور اگر ہم نے فوری طور پر کوئی قدم نہیں اٹھایا تو اٹھارہ گھنٹوں بعد وہ ہمیں ختم کر دے گا۔"

"یعنی آپ اس بچے کو واپس نہیں کریں گے؟" فونی نے پوچھا۔

"نہیں کر سکتا... کیونکہ وہ کتے کا بچہ نہیں غائب ہو گیا ہے۔" فونی جواب میں دہشت زدہ نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اور اس کی ماں... وہ خاموش نہیں بیٹھے گی۔"

"اسے بھی مرنا ہوگا اور اس کی بیٹی رحمان کو بھی۔"

"اسے قتل... باس اپنی پس ہٹیں کو دیکھ لے گی۔"

"ذرا رست، کچھ نہیں ہوگا۔" کراست بولا۔

"ہمارے بیٹے کا اب یہی راستہ ہے۔ بچے کو دبی ڈھونڈ کر مارے گا جس کو ہم نے اس کی ذلت دہانی دی تھی۔" وہ سفاکی سے بولا۔ "نہیں ان مہیاں یہی تو ختم کرنا ہے اور میں دیکھنا کہ ان لوگوں کا جس کے بعد اس شہر پر اپنی حکومت ہوگی۔ ہمیں یہ کام رات دس بجے سے پہلے ختم کر لینا ہے۔"

"وہ حشیانہ بھانگی سے بولا۔

فونی غصے سے سانس لے کر اسے دیکھتا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"کیا تمہیں یقین ہے؟" فریدی نے اسے ایسی آئی

بیتوب کی طرف دیکھا۔

"جی سر! اس کی شناخت ہو گئی ہے، یہ فیاض دانا ہے سر... یہ کئی بار جیل یا تار کر چکا تھا۔ چھوٹے سونے جرائم میں ملوث تھا ایک بار اس پر قتل کا الزام بھی لگا تھا مگر ناقابل ثبوت اور اس کے بھائی کی وجہ سے جج نے اسے چھوڑ دیا۔"

"بھائی کی وجہ سے؟" فریدی اپنی چائے کو بالکل بھول گیا تھا۔

”جیسے اصل میں باہر جانا ہے۔“ علی گاڑی کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

”مگر میرے پاس کچھ سوال باقی ہیں۔“

”پوچھیے۔“ وہ بظاہر بہت اعتماد سے بات کر رہا تھا

مگر اس کے رویے میں چھپا خوف اس کی آنکھوں سے عیاں

تھا۔ ”ویسے میں آپ سے زیادہ بات نہیں کرنا چاہتا۔“

”مسٹر علی شاید آپ بات کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں، ہم

جب کوئی سوال پوچھنا چاہتے ہیں تو پوچھ کر ہی رہتے ہیں

خصوصاً اس وقت جب وہ کسی نکل کا معاملہ ہو، میں آپ کو

اپنے دفتر بلا کر پوری رات سوال جواب کر سکتا ہوں۔۔۔

ویسے آپ کی گاڑی اچھی ہے۔ شاید آپ ایک نئے بچے کے

باپ ہیں۔“ اس نے گاڑی کی بچھلی نشست پر رکھے پیمبر

کے ٹیکٹ کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں۔۔۔ اصل میں کچھ دنوں پہلے ہی میرا مردہ بیٹا

پیدا ہوا ہے۔“ علی کی آواز بھرا گئی۔

”اوہ آئی ایم سوڈی۔۔۔ بھر میں چلتا ہوں۔ ویسے علی

صاحب! آپ کی گاڑی کے تار بھی بالکل اس گاڑی کے

تاروں کے، بالکل وہی جس کو ہم ڈھونڈ رہے ہیں۔“ عمران

دیکھ رہا تھا کہ اس کے الفاظ ٹھیک لگانے پر کتنے تھے۔

☆ ☆ ☆

علی اس کے چالنے علی گھر میں تھس گیا تھا۔ اس کے

بیرکانپ رہے تھے، آنکھوں کے آگے ستارے سے تاج

رہے تھے۔ دروازہ اندر سے بند کر کے وہ چند لمحے گہری

گہری سانسیں لیتا رہا پھر صوفے پر جا گرا۔

سب کچھ ختم ہوتا نظر آ رہا تھا۔ شاید چند گھنٹوں میں

ساری دنیا سب کچھ جان جائے گی۔ اس نے عالم تصور میں

حالاتوں پر دوسروں پر لٹے جلیقہ والوں کا تسلسلہ کرتے دیکھا۔

کیا اس سے فطرتی ہوئی تھی۔ اسے اس المیہ کو سب کچھ

تجک بٹا دینا چاہیے تھا۔ کم سے کم وہ اس کی بات کو سن تو لیتا

بعد میں نہ جانے کوئی اس کی بات سنے گا بھی یا نہیں؟

اس نے جیب سے فون نکالا اور مالیہ نمس الدین کا

نمبر لایا۔

”یہاں ایک چیف انسپکٹر آ رہا تھا، مجھے لگا ہے وہ سب

جان گیا ہے۔“ اس نے رابطہ لئے علی کہا۔

”دیکھو علی! سب سے پہلے خود کو سنبھالو۔ وہ کیا جان

گیا ہے یا وہ کیا سوچتا ہے اصل بات صرف یہ ہے کہ وہ کیا

گاہت کر سکتا ہے ہم مجھے پوری بات بتاؤ۔“

علی نے ساری گفتگو دہرائی۔

”اوہ۔۔۔ چھوٹا سا مان ملتا؟“

”مجھے کسی سامان کے بارے میں نہیں معلوم۔“

”میں اس بچے کی بات کر رہا ہوں جو فیاض کے پاس

تھا، اسی کا کچھ پتا چلا؟“

”ہاں۔۔۔ میں جانتا ہوں وہ کہاں ہے۔“ وہ ہاتھ

میں پکڑے کاغذ کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”تمہیں معلوم ہے؟ کیا تم اسے اس جگہ لائے ہو

جہاں اسے رکھا گیا تھا۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو میں تمہیں

فیاض کی جگہ کام پر رکھ لوں گا۔“

”کیجیے۔۔۔ میں یہ کروں گا۔ میں کر سکتا ہوں۔“ وہ

مسکرایا۔

”اوسے بھر یہ کام جلد از جلد کرو۔“ اس کے بعد کال

کٹ گئی۔

حاضر نے اب اس کاغذ کو غور سے دیکھا اسے جلد از

جلد اس سچے پر پہنچنا تھا۔

☆ ☆ ☆

عمران غور سے علی کو دیکھ رہا تھا ہوں لگ رہا تھا جیسے وہ

اس کے ذہن کو گریز رہا ہو۔ وہ انتہائی عیار اور شاطر مجرموں

سے بیکڑوں ہار تھیش کر چکا تھا یہ اس کا روز کا کام تھا۔ لوگ

اسے ”بھرموں کا اسپیئر“ کہتے تھے مگر علی کو دیکھ کر اس کے

ذہن میں سرخ تو کیا بلی ہی بھی نہیں جلتی تھی۔

”میں چیف انسپکٹر عمران ہوں۔“ وہ اپنے کارڈ اس کی

طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

”ٹھیک ہے۔ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔“

علی اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”میں ایک نکل کی تحقیق کر رہا ہوں۔“ عمران بولا۔

”مجھے آپ کی آمد کی امید تھی۔“ علی بالآخر بولا۔

”وہ کیوں؟“ عمران نے ایک بار دہرایا اسے دیکھا۔

”میں اور میری بھئی وانگڈ لائف پارک گئے تھے۔

بعد میں، میں نے وہاں ہونے والے نکل کے بارے میں

سنا۔۔۔ اسی لیے میرا خیال تھا کہ وہاں جو جو گیا تھا اسے تحقیق

میں لایا جائے گا۔“ وہ سادگی سے بولا۔

”بھرم۔۔۔ آپ نے وہاں کچھ سنا یا دیکھا؟“ عمران

نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ بہت سردی تھی اور اندھیرا بھی۔۔۔ اسی

لیے ہم جلد لوٹ آئے تھے۔“

”سردی سے یاد آیا۔ آج کافی ٹھنڈ ہے کیوں نہ ہم

اندھیر چل کر نہ گھس۔“ عمران نے اسے دیکھا۔

"یعنی انہیں وہ برست نہیں ملا ہے اگر وہ اس کے ہاتھ لگ جاتا تو شاید تم گرفتار ہو چکے ہوتے جہاں تک ہاتھوں والی بات ہے تو اس قسم کی تمام گازیوں کے لئے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔"

"تو اب ہم کیا کریں؟"

"انتظار... اس وقت ہم صرف یہی کر سکتے ہیں۔"

اس نے اس بچے کو نہیں دیکھا؟

"نہیں فریج اسے باہر لے کر گئی ہے۔"

"باہر... کیا وہ پاگل ہو گئی ہے؟"

"ہاں۔" علی نے گہری سانس لی۔ "ٹی ایل الی وہ واقعی پاگل ہو گئی ہے اور میں یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں کہ میں کیا کروں؟"

☆ ☆ ☆

اسکوائر عریض واپسی کے سفر پر روانہ ہوا ہی تھا کہ موہاں کی ٹنٹی بچی۔ اسکرین پر فریدی کا نمبر دیکھ کر اس نے سبھی بھاگی۔

"تم میرے بھیرے کچھ دیر بھی نہیں رہ سکتے یہ میں سمجھ گیا ہوں۔" اس نے فون اٹھا کر کہا۔

"تمہاری اسی سمجھ داری کا تو میں پرستار ہوں۔" فریدی بولا۔ "ٹی ایل الی بھگت بازی کے بجائے میری بات غور سے منو... اس لاش کی شناخت ہو گئی ہے۔ وہ ایک ہسٹری شیلر ہے اس کا نام فیاض رانا ہے۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ پانک سے کچھ فاصلے پر موجود گھبے میں رہتا تھا میں اس کے بھائی عامر سے ملے جا رہا ہوں۔"

"اوہ... ہزار؟"

"اور یہ کہ گناہ کاں جن چپ کے کرپ سے ٹی مٹی تھیں اس کے انچارج نے فون کر کے والے شخص کا جو طریقہ بتایا ہے وہ اس ٹی کے ذریعہ ایک لائسنس والی تصویر سے متا جلتا ہے۔"

"اس نے اسلند سے کچھ خریدا تھا؟" عمران کو خيال آیا۔

"ہاں بیٹروں کے علاوہ بچوں کے ہیمپرز کا پیکٹ۔"

☆ ☆ ☆

تایہ کسی شہزادی کی طرح سفید مرسیڈیز سے اتری تھی۔ اس کے پیچھے وسیم عبداللہ اور اس کی بیوی تھی۔ فیروز کا چہرہ ہاتھ تھا۔

آج تایہ کے اسکول کا سالانہ ٹکشن تھا۔ ان کے لیے یہ تقریب اس لیے بھی خاص تھی کہ تایہ نے پانک پر ایک دشمن بنانے والی تھی۔

وسیم عبداللہ اور اس کے ساتھ آنے والوں کے لیے خصوصی نشستیں موجود تھیں۔ تایہ ایک اسٹیج چلی گئی۔ کچھ دیر بعد دست و عریض اسٹیج پر لگی کر سیدوں پر پر قدم کرنے والے بچے ٹھٹھا شروع ہو گئے۔

"تایہ اب تک نظر نہیں آ رہی۔" وسیم عبداللہ

دیر سے بولا۔

"یہ شروع واسلے بچے ہیں اس کی باری تھوڑی دیر میں آئے گی، پریشان مت ہوں۔" اس کی بیوی نے جواب دیا۔

تین اسی وقت کالے سوٹ میں ٹیڈس ایک شخص ہال میں داخل ہوا۔ اس کا دھانہ بھاری مونچھوں میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھوں میں دستا نے ہنسنے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

رمان کافی دیر سے صوف کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ اس کی مائیکٹ شاپ پر بھی لوٹ کر چکا تھا مگر وہ آج کام پر بھی نہیں پہنچ گئی۔

"جی جی کیا کرتی پھر رہی ہے۔ اس طرح چھٹیاں کر سبکی تو گزرا وہ کیسے ہو گا؟" وہ بڑبڑایا۔

اسے سخت ہلک جھک رہی تھی۔ اس نے ہاتھ باہر سے کچھ کھانے کا فیصلہ کیا۔ بلڈنگ سے نکل کر وہ بچا تھی موجود چھوٹی سڑک کی طرف مڑا ہی تھا کہ اسے کچھ عجیب سا شخص ہوا۔ اس نے سر جھکا مگر اگلے ہی قدم پر وہ لڑکھڑا کر رو گیا۔

"اسے کیا ہو رہا ہے؟" اس نے سوچا۔ اچانک اسے پھر بندھنا لگا اس بار اسے یوں لگا تھا جیسے اس کی پیٹھ میں آگ کا شعلہ اتر گیا ہو۔ اب بات اس کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ اسے کوئی لگی تھی۔

اس کی سانس رکت رہی تھی۔ وہ زمین پر جا گر۔ وہ چٹخا چادر ہاتھ گھراس کے پیٹے پر پڑا جو بھاری ہوتا ہوا ہاتھ۔ وہ زمین پر سانس پڑا سیاہ آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے سے ستارے غائب ہوتے جا رہے تھے۔

اس سے ایک جاک دور ایک زیر تعمیر عمارت کی تیسری منزل پر کھڑے ٹونی نے رائل کو سمیٹا۔ یہ کام آسانی سے ہو گیا تھا۔ مٹی مسئلہ اس عورت کا تھا جو کہیں نہیں مل رہی تھی۔ اس قیسے کو قسم کرنے کے لیے اس کا خاتمہ ضروری تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ سڑک پر گھریں بجائے کھڑکی میں کھڑا تھا۔ جیسے ہی فریج کی گاڑی اندر آتی نظر آتی وہ اوروازے کی طرف پکا۔

دانتوں کے درد، مسوڑھوں سے
نخون آنا، ٹھنڈا گرم لگنا اور
دیگر تکالیف کے لیے

10 پیرا بلیم
10 احل

MEDICAL

Dr. Atta-ur-Rohman
Dental Surgeon

مریض کا بہرہ روست ڈاکٹر پیر

ڈاکٹر کا بہرہ روست 25 سال سے ڈینٹل کلینک

فریحہ اور وہ بچپن کے چھپا کر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں ڈیڑھ سو سال تک تھے۔
 "اورہ علی... تم نے مجھے ڈرا دیا...." فریحہ اسے دروازے میں کھڑا دیکھ کر چونک گئی۔
 "سوری۔" وہ بولا۔

"علی آج میں نے اور اسد نے بہت الجھائے کیا۔ اسد وہ بیکٹھو، اس میں وہ شیرانیٹی بیڑ ہے۔" وہ اس قدر خوش تھی کہ علی کے لیے کچھ بولنا مشکل ہو گیا تھا۔
 "فریحہ آج ابھنسی کا اسپنر آیا تھا۔" پانا خروہ بولا۔
 "کیوں؟" اس نے بے پروائی سے پوچھا۔
 "اس کا تم نہیں جانتیں؟" اس نے اسے گھورا۔
 "بہن یہ باتیں بعد میں بھی کر سکتے ہیں فی الحال میں اپنے بیٹے کو اس کے خفے دکھا رہی ہوں۔" وہ بولی۔ "ویسے بھی اسد کے سامنے یہ باتیں کرنا ٹھیک نہیں ہے۔"
 "خدا کے لیے ہوش میں آؤ فریحہ۔" وہ اس کے کندھے پر کھڑک بولا۔ "وہ اسد نہیں ہے نہ ہی وہ تمہارا بیٹا ہے، اسد مر چکا ہے۔"

اس کے چلانے پر پھر وہ فریحہ سے لپٹ گیا تھا۔
 "یہ تم نے کیا کیا؟ تم مجھے اور میرے بیٹے کو الگ کرنا چاہتے ہو، علی یہ میرا ہے اور میری زندگی میں کوئی اس سے مجھے دور نہیں کر سکتا۔" وہ دیرانی سے بولی۔
 "علی اس کی حالت دیکھ کر ٹھہرا گیا۔
 "ٹھیک ہے سوری، مجھے خیال تھا چاہیے تھا۔"
 "تم اسد کو مجھ سے نہیں چھینو گے۔" وہ دیرانی کو بڑھاتے ہوئے کہتی تھی۔
 "نہیں۔" وہ ہنسنے لگی۔

حالات اس کے خلاف ہیں، جس سے کل نہ ہانے کی ہونے والا تھا۔ وہ اس موجود وقت کو اپنے اور فریحہ کے لیے یادگار بنا لینا چاہتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر فریحہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ تھا اسد اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔
 "اسد یہ پاپا ہیں... بولو پاپا۔"
 "پاپا۔" اس کی جی جی دواؤں کو اس کا دل بھرا آیا۔

حوالات کا دواؤں کو کھولنے والی خاتون پولیس انسٹر کے چہرے کو دیکھ کر ہی صدف کا دل الجھل سا پڑا تھا۔ اس نے دروازہ کھول کر صدف کو بلایا تھا۔
 "کیا... کیا ہوا ہے؟" اس نے پوچھا۔
 "اسپینر جعفر تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔" وہ بولی۔

حوالات سے اسپینر کے دفتر تک کا سفر اس کے لیے میلوں کا سفر بن گیا تھا۔ اس کا ذہن دوسروں کی تصویریں دکھا رہا تھا۔
 "نہیں غرم کو کچھ ہر نہ گیا ہو۔ وہ سوچے جا رہی تھی۔
 "کمرے میں اسپینر جعفر اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات نے صدف کو مزید خوف زدہ کر دیا تھا۔
 "اس نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر خود بھی بیٹھ گیا۔
 "مجھے نہیں معلوم کہ میں تمہیں یہ کیسے بتاؤں۔" اس نے کہا شروع کیا۔ صدف کی آنکھیں اور دل آنسوؤں سے بھر گیا تھا۔ وہ صرف ایک دعا کر رہی تھی، غرم ٹھیک ہو، اسے کچھ نہ ہوا ہو۔

"تمہارے شوہر کو کسی نے قتل کر دیا ہے؟" بالآخر اسپینر بولا۔ "کوئی اس کی جانک میں تھا۔ اسے دو گولیاں ماری گئی تھیں اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔"
 "کیں اور وہ کیسے اور جیسے اور کسی اور وقت میں شاید یہ خبر انتہائی تکلیف دہ ہوئی مگر اس وقت صدف نے اس خبر کو سن کر اطمینان کی سانس لی تھی۔
 "غرم زبردست سلامت تھا اسے کچھ نہیں ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆
 اس عظیم الشان ہال میں تالیاں ہی تالیاں گونج رہی تھیں۔ جانی کی موسیقی نے سال باندھ دیا تھا اور اسے آج کی عات کے سینٹ پر قارمر کا اعزاز دیا گیا تھا۔ وسم عبداللہ خوشی سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس سے کافی نشستوں پیچھے سیاہ سوٹ میں خیروں کراست بیگ بھی زور شور سے تالیاں بجا رہا تھا۔
 وہ پوری تیزی سے آیا تھا۔ اس کی دونوں ہاتھوں میں دو تاقیوں ریوالور موجود تھے۔ اسے پس و رست موقع کا انتظار تھا۔

کچھ دیر میں آتی ہو کر اس فتم ہو گیا تھا۔ اسٹیج پر سونہرے لٹکے ایک ایک کر کے بیک اسٹیج کی طرف جا رہے تھے۔ وسم عبداللہ دھیر دھیر اسی طرف گئے تھے۔
 کراست بیگ آہستہ آہستہ کھسکا ہوا اسٹیج کی طرف بڑھا پھر جیسے کسی کو تلاش کرتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ اسٹیج سے ماحول کو بڑے دور میں بڑھتے ہوئے وہ ایک اور ہال تھا کمرے میں پہنچا۔ وسم عبداللہ اس کی بیٹی، فیروزہ اور کافی بچے وہاں موجود تھے۔

"مجھے تم پر فخر ہے تابیہ... میری شہزادی۔" وہ اسے پیاد کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

کراست کا ہاتھ اس کے دیرالور پر جم گیا مگر اس سے پہلے کہ وہ اسے باہر لائے وسم عبداللہ کے سامنے آ گیا

"کون اور تم؟" کرامت اس کے جواب میں خاموش رہا۔

"جواب دو۔" وہ فرمایا۔

کرامت نے ریج اور لال کر اس پر فائر کر دیا تھا۔ اس دھماکے نے کمرے میں قحط و پکار اور بھاگ دوڑ کا طوفان کھڑا کر دیا تھا۔

"غیر ذرا اب بھی وسیم عبداللہ کے سامنے بھاگتا تھا۔ وسیم عبداللہ نے نیچے جھکتے ہوئے تانیہ کو چھپا لیا تھا۔ کرامت مسلسل گولیاں چلا رہا تھا۔ تیسرے فائر پر ہالہ خیر فیروز نیچے جا کر۔ اس کا ریج اور جیب میں ہی رہ گیا تھا۔

وسیم عبداللہ کے سامنے مقابلے یا تانیہ کو بچانے کا راستہ تھا۔ وہ اسے چھوڑ نہیں سکتا تھا اس لیے اس کے پیٹ میں آگ سی لگ گئی۔ حملہ آور اب اس کے سر پر کھڑا تھا۔ اس نے تانیہ کو اس کی پناہ گاہ سے باہر کھیٹ لیا اور اپنا چہرہ اس کے قریب لا کر بولا۔

"وسیم عبداللہ تم جانتے ہو نا کہ میں کون ہوں؟" اس نے مونچھیں اتارتے ہوئے پوچھا۔

وسیم عبداللہ نے گردن ہلائی۔ وہ اسے پہچان گیا تھا وہ کرامت جیک تھا۔

"کرامت...؟" وہ بے شکل بولا۔ "جانب کو گھومو۔" اس بار وہ گولی چلنے کی آواز بھی نہیں سن پایا تھا کیونکہ گولی اس کے چہرے پر چلی گئی۔

☆☆☆

صدف حضار سچوں میں ابھی ہوئی تھی۔ رحمان کا قتل اس کے لیے سوال بنا ہوا تھا۔ اگر کرامت جیک نے اسے مارا تھا تو کیا اس کا بیٹا نہیں آگیا ہے یا نہیں... وہ جاننا چاہتی تھی۔

وہ اسپیکٹر جعفر کے کمرے میں ہی تھی۔ اس نے اسے کمرے کے لیے وہاں اکیلے رہنے دیا تھا تاکہ وہ اپنے دکھ پر قابو پائے۔

"سواری مس صدف..." وہ اندر دھکیلتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارا لیان کل لے پاؤں گا۔"

"تخیر تو ہے اسپیکٹر؟" وہ بے اختیار پوچھ پٹھی۔ "ہاں... ڈان وسیم عبداللہ اور اس کا نائب فیروز ایک ساتھ مارے گئے ہیں۔"

"نہو... میرے خد..." اس کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ "وہ میرے بچے کو بھی مار دیں گے۔" وہ زور سے

"کون...؟" صدف کون تمہارے بچے کو مار ڈالے گا؟ اسپیکٹر جعفر نے اس کی طرف دیکھا۔

"کرامت جیک... اس نے ہی وسیم عبداللہ کو مارا ہے۔"

"تم یہ کیسے جانتی ہو؟" جعفر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب مجھے پوری بات بتاؤ۔"

☆☆☆

عامر اپنی گاڑی میں کاغذ پر لکھے سچے کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ فیاض کی جگہ ہاس کے لیے کام کرنا ایک ایسا خواب تھا جو وہ برسوں سے دیکھ رہا تھا اور اب اس لڑکے کو واپس لا کر وہ یہ خواب پورا کر سکتا تھا۔ اس مکان تک پہنچنے میں اب اس چار منٹ بھی بھر سکتے تھے اور اس کے بعد ان دونوں سے قسمت کر بھی بلا کو واپس لا سکتا تھا۔

میرزا ابھی ابھی دفتر پہنچا تھا جہاں فریدی و خبروں کے ساتھ اس کا منتظر تھا۔ عامر مانا کی تلاش کا پروجیکٹ ناکامی کا شکار ہو گیا تھا کیونکہ وہ اپنے گھر بلکہ علاقے تک نہیں پہنچ سکا تھا۔

"اس کا ہاتھ لگنا ضروری ہے اگر وہ قاتل نہیں ہے جب بھی عینی شاہد ضرور ہے۔" عمرانی کرسی پر گرتے ہوئے بولا۔ "اور دوسری خبر کیا ہے؟ وہ بھی ساحل ڈالو۔"

"وہ یہ ہے۔" فریدی ایک صفحہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ رپورٹ ابھی ابھی آئی ہے کہ شیر کے گھبان ملاتے سے ایک بچہ دونوں پہلے انخوا ادا ہے اس کا باپ نقیات کے چکر میں تھا اور جمائم پیشہ افراد کے ہاتھوں مارا گیا۔ ماں بیگم کونستے کی کوشش میں پکڑی گئی ہے اور اس سب کو بد معاشوں کے بادشاہ وسیم عبداللہ کی موت سے جوڑا جا رہا ہے۔ اب یہ سوچنا تمہارا کام ہے کہ پارک والا قتل اس کا حصہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟"

"سوچنا پڑے گا۔" وہ بولا۔ "اب مجھے اس ٹیلی کی ضرورت ہے، اسے یہاں لے جانا پڑے گا۔ اسٹور ڈالنے سے اس کی شناخت کرائی ہوگی۔ اس کے ہمپرز ٹریڈ نے کی تحقیقات سے علی اس بچے کی تلاش کا معاملہ حل ہو گا۔"

☆☆☆

علی بستر پر سیدھا لیٹا ہوا تھا۔ خبر اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ فریدی اور اسٹور دونوں گہری نیند سو رہے تھے۔ ذہن پر موجود سوچوں اور پریشانوں کے دباؤ سے ہٹ کر اس وقت ایک عجیب احساس اسے سونے نہیں دے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

محکم خاص کیوں نہیں؟

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنگ نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

اسے دیکھ کر بے حد خوف زدہ انداز میں ہو پری میز پر جھکا کھڑا تھا۔

"مجھے صبر یہ بچ چاہیے۔" وہ عورت کو تکیوں میں کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"وہ میرا بیٹا ہے۔" فریجہ پلٹ کر اس پر دوبارہ حملہ آور ہوئی تھی۔ اس بار اس کے ناخن اس کے چہرے کو دھیں بنا گئے تھے۔

عامر اس الزما سے ٹھہرا گیا اس نے اسے دھکا دیا۔ وہ نرکھڑا کر سامنے کھڑے اسد سے ٹکرائی۔ اس ٹکر نے اس کا توازن بگاڑ دیا۔ فریجہ زور سے چلائی تھی۔

اس کی چیخیں علی کو ہوش میں لائی، وہ تیزی سے میز پر کے قریب پہنچا اور اس نے اسد کو ہٹ کر سنبھال لیا۔

"تین اس کو گولی مار دوں گا۔" عامر فریجہ کے سر پر پستول رکھتے ہوئے بولا۔

فریجہ نے "علی پکارا۔"

"بھریجہ بچہ مجھے دے دو۔ میں تم دونوں کو پھونک دوں گا۔"

"وہ میرا بچہ ہے۔" فریجہ چیتی۔

"میں صرف تین ہٹک گئوں گا پھر میں تم دونوں کو مار کر بھریجہ اسے لے جاؤں گا۔" وہ قہقہے انداز میں بولا۔

"ٹھیک ہے۔" اس کی گنتی شروع ہوتے ہی علی نے کہا۔

"تم یہ جیسا کر سکتے علی۔" فریجہ چیتی۔ علی نے اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔ اس دوران عامر بچے کو تکیوں میں کر کے باہر نکل گیا۔ وہ اس کی گود میں پھنسا لیا اور ہاتھ دھو رہا تھا۔

"یہ تم نے کیا کر دیا ہے؟" اس کے جانے کے بعد فریجہ مین پرڈ ہو گئی۔ "تم نے مجھے مارا الاہی۔"

"مجھنے کی کوشش کرو اور کھڑی ہو جاؤ۔" علی بولا۔

"کیا مجھنے کی کوشش کروں۔"

"میں اس کے پیچھے جاتا ہے۔ اس وقت وہ مجھوری تھی وہ ہمیں مار کر اسد کو لے جاتا اب ہم اسے راستے میں پکڑیں گے۔ انھو فریجہ دو جا رہا ہے۔" علی کے الفاظ نے فریجہ میں گویائی جان ڈال دی تھی۔

چند لمحوں میں سنی سمیر دھڑک پر تھی۔

اسپینر مران، فریجہ کے ساتھ سب سے اگلی گاڑی میں تھا۔ تین گاڑیوں کا یہ اسکواڈ علی کی گرفتاری کے لیے روانہ ہوا تھا۔ ان کے مکان کے سامنے پہنچ کر گاڑیاں روک

رہا تھا۔ یہ کسی خطرے کا سگنل تھا یا صرف پریشانی کا شاخسانہ مگر اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اپنے گھر میں کسی کی آواز سنائی دے رہی ہو۔ وہ بالآخر اللہ بیٹھا۔ کئی لمحوں کی توجہ کے باوجود جب کچھ سنائی نہ دیا تو وہ بھاریست کیا۔

انگلے لیسے وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا تھا۔ اس بار وہ جسم کھا سکتا تھا کہ یہ غلط نہیں تھی۔ نیچے کوئی درد اور کھل کر بند ہوا تھا۔

وہ لٹھ کر بیٹھ گیا۔ قدموں کی چاپ اب کچن کی طرف جا رہی تھی۔

"فریجہ... انھو..." وہ اسے ہلا کر بولا۔ "شش... آواز مت کرنا... نیچے کوئی گھسا ادا ہے۔"

"کیا؟" وہ ہلکا کر اٹھی۔

"میں فوراً گھر سے باہر لگتا ہے۔" اس کا بازو دوڑ رہا تھا۔ اگر وہ میز میوں سے اتر پائیں تو پچھلے دروازے سے نکال جا سکتا تھا۔

"جلد ہی کرو۔" فریجہ نے اسد کو گود میں اٹھایا اور وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆ ☆ ☆

عامر آسانی سے گھر میں داخل ہو گیا تھا اب اسے اس کے کی تلاش تھی۔ اتنے دروازوں میں سے کس کے پیچھے ہو ہو سکتا ہے۔ وہ یہی کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک وہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ ادنیٰ ایک دوسرے کو دیکھ کر اچانک اچھلے تھے۔ عامر کے ہاتھ میں ریفلاور تھا اس نے سوپے بچے بغیر اسے اٹھایا اور نرکھڑا دیا۔

علی اجنبی کے بازو کو پکڑ کر پیچھے کودا تھا اور اس کی یہ ترکیب ہی اس کی جان بچا لی تھی مگر کونے کی وجہ سے وہ نئی میز پر نیچے آگرا تھا۔ اسے بالکل لگ رہا تھا جیسے اس کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہوں۔ فریجہ اور اسد اس کے نیچے تھے۔ اجنبی ان کی طرف بڑھا مگر علی نے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔

"فریجہ بھاگو، یہاں سے دور نکل جاؤ۔" وہ چیخا۔

عامر اسے خود سے دور کرنے کے لیے اس کے جسم پر لائنیں مار رہا تھا، نہ جانے اسے اب ریفلاور کے استعمال کا خیال کیوں نہیں آیا تھا۔ علی پہلے ہی لگنے والی چوٹوں سے بے حال تھا۔ اس کی ٹھوکروں نے چند لمحوں میں اس کی گرفت کو کمزور کر دیا۔ عامر اسے دھکا دے کر آگے بڑھ گیا۔ اسے وہ دونوں میز میوں پر نظر آ گئے تھے۔ اس نے لپک کر عورت کے بال پکڑ لیے۔ وہ پلٹ کر اسے کئے مار رہی تھی۔ اسد

لکھا ہے کہ یہ کہانی جہاں سے شروع ہوئی تھی وہیں ختم ہو گئی۔"

☆☆☆

عامر مانا بچے کو لے کر طے شدہ جگہ پر پہنچ گیا تھا۔ اب اسے باس کا انتظار تھا۔ اسد اس پار سے دقت میں پہنچ نہیں بولا تھا۔ اس کی ٹھنی آنکھیں خوف سے بھری ہوئی تھیں مگر وہ عامر کی جیب میں خاموشی سے دبکا بیٹھا تھا۔ عامر کے ہونٹوں پر بار بار فنی آ رہی تھی۔ وہ لڑا فنی کی جگہ لینے والا تھا۔ اس کا وہ چہرہ لون بھی اب اس کا ہو گیا تھا۔

وہ گاڑی کا انجن بند کر کے بیٹھ گیا۔ باس آنے ہی والا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد اسے کو لوگ ہو پر چڑھتے نظر آئے اور پھر فانی والے چھلٹا فون بجا۔

"کہاں ہو تم؟" باس کی آواز سن کر وہ مسکرایا۔

"میں اس دیکھ رہا ہوں تم لوگوں کو۔"

"ہاں آ جاؤ اور بیٹے کو بھی لے آؤ۔"

"تمہیک ہے۔" فانی نے جواب دیا اور بیٹے کو گود میں اٹھا کر باہر نکل آیا۔

"گاڑی اسے مجھے دے دو۔" درشت چہرے والا بولا۔

"مجھے کام مل گیا ہے نا۔" وہ بیٹے کو اس کی گود میں دیتے ہوئے بولا۔

"ہاں کام بھی اور انجام بھی۔" وہ مسکرایا۔

"انجام بھی۔۔۔ باس یہ تو بہت اچھا ہے۔"

"تم جتنے بہت ہو۔" باس مڑتے ہوئے بولا۔ "جتنے جتنے مرنا سنا ہے کہ صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے۔" یہ کہتے ہوئے وہ رکا۔ عامر نے ایک جگہ سا پلکا دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔

وہ دونوں بچے کو لے کر چند قدم آگے بڑھے ہی تھے کہ کسی طاقتور باریج کی بردش نے انہیں مائع کر دیا۔

"رک جاؤ۔"

"کون ہو تم۔۔۔ کیوں روکا ہے میں؟" وہ لپٹ کر بولا۔ "ساٹنے آؤ۔"

"میں اس بچے کا باپ ہوں جسے تم لوٹ کا مال سمجھ کر لے جا رہے ہو اگر اب تم کوئی کھانا نہیں چاہتے تو پھوڑ دو اسے۔"

"اور اگر میں اسے ہی گولی مار دوں؟" وہ کیسی بھی سے

بولا۔

گئیں۔ عمران فریدی کے ہمراہ باہر آیا تھا۔

"علی دروازہ کھولو۔" اس نے زوردار دھک دیا اور کھنی بجانے کے بعد آواز دی۔ جب چند لمحوں تک کوئی جواب نہیں آیا تو پھر کھنی بھاگی۔ جواب میں اس بار بھی صرف خاموشی تھی۔

الیکٹر عمران نے پلٹ کر ساتھ آنے والے آفسرز کی طرف دیکھا اور اشارہ کیا چند لمحوں میں دروازہ کھل گیا۔ جوانوں نے چند لمحوں میں ابتدائی تلاشی کر لی مگر گھر میں کوئی نہیں تھا۔

"تو وہ فرار ہو گئے۔" الیکٹر عمران کہا۔ "آخر یہ کہیں کہاں جا کر رہ گئے؟"

"سر پہلے یہ دیکھ لیں۔" ایک کاٹنیل نے کہا۔ تمام ٹیمیں اس پر مرکوز ہو گئی تھیں۔

وہاں کوئی کا سودا رخ موجود تھا اور صاف نظر آ رہا تھا کہ اس جگہ خوب ہاتھ پائی ہوئی ہے۔ سیرجیوں کی ریٹنگ لوٹی ہوئی تھی۔ زمین پر خون پڑا تھا اور کمرے میں بچے کے کھلونے بکھرے ہوئے تھے۔

"سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہذا مشتبہ ملزم کہیں خود نکلا تو نہیں ہے؟" عمران اچانک بولا۔ "یوں لگتا ہے کہ کوئی یہاں داخل ہوا، مزاحمت کا سامنا ہوا مگر وہ ان دونوں یا تینوں کو لے جانے میں کامیاب ہو گیا۔"

"وہ انہیں کہاں لے جاسکتا ہے؟"

"یہ کروڑ روپے کا سوال ہے۔" عمران بولا۔ اسی لمحے اس کے فون کی گھنٹی بجی۔

دوسری طرف فون پر یہ تھی۔

"تمہارا پسندیدہ سمیگر یہاں لوٹ آیا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی۔ "مجھے ابھی ابھی گارڈز سے معلوم ہوا ہے کہ وہ سمیگر سمیگر داندرا داخل ہوئی ہے۔ میں نے سوچا شاید تمہیں اس سے کچھ مدد ملے۔"

"مدد ہمیں مدد۔" وہ چپکا۔ "یوں سمجھو کہ تم نے کروڑ روپے کا چیک پلٹ جیت لیا۔ کیا ہماری آمد تک کوئی ان پر نظر رکھ سکتا ہے؟"

"ہاں یہ میں نے کرنا ہی ہے۔"

"اس پر تو وہ شعر پڑھنا چاہیے کہ خودی کو کر بلند اتلا۔۔۔ تمہیں شاید یہ نہیں تھا، میری یادداشت اس معاملے میں کمزور ہے ہم بس وہاں پہنچ رہے ہیں۔" وہ لون بند کرتے ہوئے بولا۔

"کم از کم حکام کا پتال کیا ہے میں پارک جانا ہوں گا۔"

"کوشش کر کے دیکھ لو... ماد نہیں سکو گے۔" پیچھے سے آنے والی آواز نے انہیں کسی حد تک حواسِ باختم کر دیا تھا۔

"پارک کے سارے گارڈز چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں، میں ان کا انچارج ہوں۔ تم ہمارے نکلنے پر ہجوم کسی بھی لئے تمہیں گولی مار سکتے ہیں۔" وہ اعلان کرنے کے بعد اذیتیں بڑھانے لگا۔

اسی وقت ایک عجیب بات ہوئی۔ کب سے کم ہم اسد گویا جاگ اٹھا تھا۔ اس نے درشت چہرے والے کی کلائی کو اپنے دانتوں میں چبایا تھا۔

"اوریج۔" وہ اسے دھکا دے کر پلٹا۔ اسد زمین پر گرتے ہی اٹھا تھا اور پیچھے کی طرف بھاگا۔ درشت چہرے والے نے پستول دھکا دیا اور فائر کر دیا۔ اس فائر کے بعد کئی فائر ہوئے تھے۔

☆☆☆

"یعنی ہمارے آنے تک ساری کہانی ختم بھی ہو گئی۔" اسپیکر عمران نے اسپتال کے کوریدور میں کھڑی صوفیہ جہیں گھور رہا۔ "پہلے تو مجھے اتنے بڑے پارک کی خاتون شیکر پر ہی اعتراض تھا اب یہ تو سراسر ہمارے کاموں میں ناگاہک اڑانا ہوا، کیوں فریدی؟" فریدی جواب نہیں سکرایا۔

وہ اسپتال میں فریدی کا بیان لیتے آئے تھے۔ پہلا فائر ہوتے ہی وہ اسد کو بھانسنے کے لیے تھکی تھی جس کی وجہ سے اس کے کندھے پر گولی لگی تھی۔

دلوں حملہ آور ہوئے اور سب سے بڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

☆☆☆

مجھے دو دن بہت ہنگامہ لگا رہا تھا۔ اسد کے صدف کے بیان اور دیگر شواہد کی روشنی میں کراچی کی گرفتاری کی کوشش کی گئی تھی جس میں شدید مزاحمت کے بعد بالآخر وہ پولیس کی گولی سے ہلاک ہو گیا تھا۔ صدف کی کہانی سن کر چٹک تے اپنا کیس دلائل لے لیا تھا اور جج سے انسانی حدود کی بنیاد پر اس کی رہائی کی درخواست کی تھی۔

وہ خرم کو دلائل پا کر حد سے زیادہ خوش تھی۔ اسے فریدی اور علی کے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا تھا۔ اس کی رہائی بھی اور مالی اعزاز بھی ہوئی تھی۔ وہ بیان دینے حاضر ہوئی تھی اور جج نے حوالیہ دیا اور اس کی حالت کے پیش نظر

اسے رہا کر دیا تھا۔ وہ وہاں سے سیدھی اسپتال گئی تھی۔ فریدی اب خاصی بہتر تھی مگر اسد کے جانے کا خوف اسے بے حال کیسے ہوئے تھا۔ صدف کو دیکھ کر اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔

"مگنی... ایک آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ یہ گویا زندگی کا باوا تھا۔ اس نے بے یقینی سے مڑ کر دیکھا۔ اس کا اسد اس کے بستر کے قریب کھڑا تھا۔

"تمہاری مگنی وہ ہے بیٹا۔" وہ اسے افسردگی سے دیکھ کر بولی۔

"نہیں۔" او شہرت سے ہنسا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" صدف اس کا ہاتھ تھام کر بولی۔ "میں نے اسے جنم دیا ہے مگر اس کی جان آپ نے بچائی ہے۔ آج سے آپ اس کی مگنی ہیں اور یہ آپ کا اسد... وہی تھا... تو میں اس سے مل بھی سکتی ہوں۔ ملے دین گی نا اس کو اپنی خانہ سے۔"

فریدی بکثرت اٹھ کر بیٹھ گئی، اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"تم کچھ کہہ رہی ہو؟ دوبارہ کہو۔"

"میں صرف کہہ نہیں رہی۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا کاغذ اس کے پہلے ہاتھوں میں رکھ دیا۔ "میں نے نگہ دیا ہے آج سے یہ آپ کا قانونی بیٹا ہے۔"

"اور تم اس کی نہیں سیر کر رہی ہو... اس کو بھی تو پتا چلے کہ زندہ آخر ہوتی کیا ہے۔" علی مسکراتے ہوئے بولا۔

"سب کو سب کچھ پتا رہا ہے۔ کیا اس دوبار میں میرے لیے بھی کچھ ہے؟" اسپیکر جنرل نے جو صدف کو یہاں لایا تھا انتہائی مہارت سے پوچھا۔

"آپ کو کیا چاہیے؟" علی نے اسے گھورا۔ "اور اگر کچھ چاہیے بھی جو مجھے کچھ آ رہا ہے تو اس کے لیے آپ کو یہاں وہاں نہیں بڑے بھائی صاحب یعنی مجھ سے رابطہ کرنا چاہیے۔" وہ مسکرا کر بولا۔ جس کے بعد کمرے میں ایک زوردار قہقہہ گونجنا۔

"بھل بھائی ان کا تو سب ہو گیا۔ امارا کیا... ایک اور کیا کیس، رت جگا اور وہی جو شعر کہا ہے شاعر نے کہا ہے طاغور لاہوتی اس رند سے موت انجی مگر شاید وہ اس موقع کے لیے تو نہیں کہا۔" اسپیکر عمران فریدی کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ وہ جواب میں اسے ہنسنے لگا۔

==



سروہق کی دوسری کہانی *

نیش زور

سریم کے حنان

پتھر ملی زمین پر اُترنا... ناہموار بشمو اور گوار زمین پر تپو کریں
کہانے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے قصص آرمانا حضرات مندوں کا کام
ہے... سرزمین سندھ کے سسستاق و کنتھ پنہاری فلسفوں
سے شروع ہونے والا لالچ و خود غرضی کا کھیل... معصوم
لوگوں کی ازمیں اپنے مقصد کے حصول کے لیے کسی جانے والی
سنگین و خطرناک کوششوں کی دلچسپ کہانی...

عید اور ماہ آزادی کا تحفہ... سروہق کی دوسری کہانی

شاہ نور اپنے کمر کے احاطے کے ساتھ لگا بیٹھا تھا۔ اس
کا باپ بانور ایک طبر لگی کے ساتھ پھاڑوں پر گیا ہوا تھا۔ وہ گائیڈ کا
کام کرتا تھا۔ اس دن نے بھی اکثر غیر ملکی آتے رہتے تھے اور ان کو
اپنی جگہوں پر جانے کے لیے گائیڈز کی ضرورت پڑتی تھی۔ بانور کم
عمری سے ان پھاڑوں میں کھوتا پھر تاہم باپ اس کا باپ چہ داتا تھا۔ وہ
اسے بھی ساتھ لے جاتا مگر بانور کو جانور چرانے سے زیادہ پھاڑوں
اور وہاں پائی جانے والی چیزوں سے دلچسپی تھی۔

شاہ نور تقریباً اٹھارہ سال کی خوش رو اور مضبوط لیکن چھری سے
جسم کا ٹوکھا تھا۔ اس کی چستی اور چٹائی اس کے وجود سے چمکتی تھی۔
بانور کی طرح وہ بھی کم عمری سے پھاڑوں پر جانے لگا تھا۔ اب وہ اس
بہر ہو گیا تھا کہ علاقے کے چپے چپے سے واقفیت رکھتا تھا۔ اسے معلوم تھا
کہ کون سی چیز کہاں سے ملتی ہے؟ ان پھاڑوں میں بڑی بوٹیاں ملتی
تھیں۔ معمولی قسم کے جانور لیکن لاتعداد قسم کے سانپ اور بگھو پائے
جاتے تھے۔ بانور نے اسے سب سے پہلے ان کے بارے میں بتایا
تھا۔ یہ سب بے حد زہریلے تھے اور ان سے ہوشیار رہنا لازمی تھا۔

جاسوسی ڈائجسٹ - 357 - اگست 2014ء

پانور خود جاہل تھا مگر اس نے شاہ نور کو آنکھوں تک پہنچایا تھا کیونکہ ان کے علاقے میں اسکول ہیں۔ لیکن تنگ تھا۔ ان کا گاؤں زیادہ بڑا نہیں تھا، مشکل سے سو سو گھروں پر مشتمل تھا اور زیادہ تر افراد جانور پالتے تھے۔ سارے سال ان جانوروں کو پانچے کے بعد بڑی عید پر کراچی یا سندھ کی منڈیوں میں لے جاتے تھے جہاں ان کے اچھے دام مل جاتے تھے۔

"شاہ نور۔" اندر سے ماں نے آواز دی۔ "تیرا باپ چلا گیا ہے اب پانی کو بھر کر لا۔"

ان کے گاؤں میں پانی بھرنے کی ذمہ داری عورتوں کی تھی اور وہ مینوں دور سے بھی پانی لاتی تھیں مگر شاہ نور کی ماں کے پاؤں میں پیدائشی لنگ تھا، وہ وزن اٹھا کر نہیں چل سکتی تھی اس لیے پانی لانے کا کام وہ یا پانور کرتے تھے۔ شاہ نور اپنی جگہ سے اٹھا اور اندر جا کر اس نے دو تین اٹھائے۔ میں میں لیٹرز کے دو کین ان کی چوبیس گھنٹے کی ضرورت کے لیے کافی تھے۔ شاہ نور کو نہیں تنگ آیا تو وہاں سیلنگ ہوا تھا۔ ویسے تو پانی کا کنواں انہی جگہ تھی جہاں تنگ سے شام تک روٹی ہوتی تھی۔ عورتیں کپڑے دھونے اور پانی بھرنے آتی تھیں اور ان کے ساتھ بچے بھی چلے آتے تھے۔ مرنے آتے تھے جہاں کی آدمیوں کی بھی نہیں تھی۔

اس وقت روٹی کی وجہ گاؤں کی عورتیں اور بچے نہیں تھے بلکہ دو عدد بڑی سیپ لٹا گاؤں میں اور کنوئیں کے گرد پائے جاملے والے بچے ان کے گرد جمع تھے۔ شاہ نور جانتا تھا تنگ سے بھی پھاڑوں پر جانے والی کوئی پارٹی تھی۔ ان کا گاؤں تقریباً آخری پڑاؤ تھا اس کے بعد چیلوں رود تنگ کوئی آبادی نہیں تھی۔ ایک گاڑی کے ساتھ ایک سوٹ پوش شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کے بالی سلیپ سے بے ہوش تھے اور وہ بے نیازی سے سگار پھا رہا تھا۔ چہرے سے دو مقامی ہی لنگر ہاتھ۔ اس کے ساتھ یار کھڑا ہوا تھا، اس کا نام تو یاد تھا مگر وہ یاد کے نام سے مشہور تھا۔ سرخی مائل رگت، سرخ بالوں، گول آنکھوں اور کھڑی ناک والا یار بصورت سے ہی عیار لگتا تھا اور وہ واقعتاً ایسا ہی تھا۔ گاؤں میں بہت کم لوگ ایسے تھے جو اسے پسند کرتے تھے۔ وہ بچوں کو جھڑک کر گاڑیوں سے دور رہنے کو کہتا تھا مگر اس نے شاہ نور کو دیکھا تو آواز دی۔ مگر شاہ نور اس کی بکاؤ نظر انداز کر کے کنوئیں تک آیا جہاں رانی کنوئیں کی دبی کھینچ رہی تھی۔ کڑی کا ڈول خاصا اونٹنی تھا اور جب وہ زور لگاتی تو اس کا نازک بدن کمان کی طرح جھک جاتا

تھا۔ سفید رنگت سرخ ہونٹ تھی۔ شاہ نور کو دیکھ کر وہ مزید سرخ ہو گئی۔ شاہ نور نے آہستہ سے کہا۔

"جلدی کر، مجھے بھی پانی لینا ہے۔"

"مجھے تو کوئی جلدی نہیں ہے۔" وہ شرارت سے بولی۔ "ماں کو کپڑے دھونے کے لیے پانی چاہیے۔"

"تب پہلے مجھے دے دو۔"

"واہ! اتنی محنت سے لگا رہا ہے اور تجھے دے دوں۔"

رانی نے اور پھر آئے فوراً ڈول پکڑ کر کھینچا۔

"ہو سکتا ہے بھی تو میرے لیے پانی بھرے۔" شاہ نور نے کہا تو رانی بوکھا گئی، اس نے اس پاس دیکھا اور پھر دانت ہیں کر بولی۔

"تو مردا ہے گا مجھے، کسی نے من لیا تو..."

"کوئی کچھ نہ کر تو دیکھے۔" شاہ نور مسکریا۔ رانی نے جلدی سے ڈول اپنی بالی میں خالی کیا اور اسے گھورتے ہوئے چلی گئی۔ رانی درمیانے قد کی خوب صورت اور صحت مند لڑکی تھی۔ اس کے گہرے بھورے رنگ کے بال اوڑھنی میں کھلے ہوئے تھے۔ رانی کا باپ کمال پانور کا دوست تھا اور ان کا ادا وہ تھا کہ اپنی دوستی گورہتے داری میں بدل لیتیں۔ ان کے اس ادا سے کو شاہ نور اور رانی نے دل میں بہ لیا تھا۔ شاید وہی سال ان کی شادی ہو چکی۔ رانی سولہ سال کی تھی یعنی اس سے دو سال چھوٹی تھی اور غلام طور سے اتنی عمر میں یہاں لڑکیاں بیچنے جاتی تھیں۔ بعض تو مانگیں بھی بن جاتی تھیں۔ کمال جانور چرات تھا اور اس کا ادا وہ تھا کہ اس بار بڑی عید کے بعد وہ رانی کو رخصت کر دے گا۔ یہ شرط کہ اس کے جانور اچھی قیمت پر بک گئے۔ پانور نے اس سے کہا کہ وہ بالکل ٹھیک کرے۔ وہ رانی کو صرف ایک جوڑے میں لے جائے گا مگر کمال متعلق نہیں تھا اس نے کہا۔

"یارنی تیری میری ہے، پر ادنیٰ کو تو مت دکھانا ہو؟"

ہے نا۔

"تب خراج کر کر لیں گے۔ ہمارے لیے تو گھری بات ہوگی۔"

کمال دوست کی بات پر خوش تھا مگر اس نے کہا۔

"اچھا پہلے مجھے کوشش کر لینے دے اور ہمارے کوئی سے کئی تپے ہیں، تیرے گھر شاہ نور ہے اور میرے گھر بس رانی ہے۔ ہمارا سب امی کا تو ہے۔"

شاہ نور کے علم میں یہ سب تھا۔ وہ رانی سے محبت کرتا تھا مگر اس نے بھی اس کا بچھا کرنے یا اس سے بے

پانچ دن لگ سکتے تھے یعنی ابھی اسے آنے میں تین دن تھے۔ گھر آکر پانی گھڑوں اور دوسری چیزوں میں بھرے ہوئے شاہ نور نے ماں کو یارو کی منگھٹس کے بارے میں بتایا۔ وہ گھر مند ہو گئی۔

"یارو اچھا آدمی نہیں ہے، ایسے آدمی سے دور رہنا چاہیے۔"

"پر ماں کام تو دوسرے بندے کے لیے کر رہا ہے، میں نے اسے دیکھا ہے، وہ دھیس والا بندہ لگ رہا ہے، ابھی تو ایک دن کے ہزار روپے دے رہا ہے۔"

اس کی ماں شہزادی بھی ایک دن کے ہزار روپے من کر حیران رہ گئی تھی۔ "ایسا کیا کام ہے جو دو ہزار روپے دے رہا ہے؟"

"تم اجالتہ دو تو میں لاپتہ ہو چکی ہوں؟"

"یارو سے؟"

"نہیں ابھی سے صاحب سے۔" شاہ نور نے اعتراف سے کہا۔

"میں پالت کر بیٹا ہوں۔"

شہزادی چکی پائی۔ "ہاں تو گھر میں نہیں تھا اور اگر شاہ نور

میں چھڑ جائے تو وہاں کی کڑوا جاتی۔ شہزادی کی چودہ سال کی عمر

تھی شاہ نور کی بیوی تھی اور پندرہ سال کی عمر میں وہ شاہ نور کو باغ

ایسے لگتی تھی۔ اس لحاظ سے اس کی عمر تیس سے نو یا دو تیس

تھی اور وہ جوان ہی تھی۔ پھر خوش فہم بھی تھی۔ اس لیے

اسے اکیلے رہتے ہوئے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ شاہ نور نے

ماں کا یہ خوف محسوس کر لیا۔ اس نے کہا۔ "چھوڑ دو،

میں بات نہیں کر رہا۔"

"نہیں تو بات کر لے۔" شہزادی نے کہا۔ "اگر تو چلا

کہا تو میں سکینہ کے پاس دو لوں گی۔"

سکینہ شہزادی کی بہن تھی اور وہ بھی گاؤں میں رہتی

تھی۔ شاہ نور خوش ہو گیا۔ اس کا دل بھی نہیں جا رہا تھا کہ

اکتا اچھا موقع چھوڑے۔ ادنیٰ تو یہاں کام کی کہاں ملتا تھا

اور ملتا تو ایک دن کے ہزار روپے کون دیتا۔ وہ سکینہ سمیت

بھر کو نہیں کی طرف آیا۔ اس وقت تک وہاں دش کم ہو گیا

تھا۔ عورتیں باہر والوں کو دیکھ کر اپنے کپڑے اور نئے

سمیٹ کر جا چکی تھیں۔ البتہ دلوں کا زینہ وہیں موجود

تھیں۔ ان پر مٹا سا سا بان لدا ہوا تھا۔ ڈرائیور ایک طرف

بیٹھے ہوئے ایک ہی سکرین سے باہر کی دیکھ کر لگا رہے

تھے اور ایک طرف چھتری تھے یز کے گرد گریبون پر موٹ

پوش صاحب کے ساتھ ایک لڑکی بھی چلتی تھی۔ ان کے

سامنے میا بے جوس کے گلاس رکھے تھے اور یہ دو مژدب یہ

ہاں بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ہاں اتفاق سے

سامنا ہو جاتا تو وہ آپس میں بات کر لیتے تھے۔ جیسے اس

وقت کی تھی۔ جب تک رانی جا کر عورتوں کے جھرمٹ میں

نہیں چھپ گئی تب تک شاہ نور کی نظر میں اس کا تعاقب

کرتی رہیں۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر ذول کو بھی

میں اچرہ شروع کر دیا۔ اسی لمحے اسے خود یک کسی کی

موجودگی کا احساس ہوا۔ یہ یاد تھا جو سبق خیر انداز میں

مسکرا رہا تھا۔ شاہ نور کو اگر کوئی شخص برا لگتا تھا تو وہ یارو

تھا۔ اس نے سنا تھا کہ وہ رانی کا طالب گھر تھا مگر کمال نے

اسے انکار کر دیا تھا۔ اس کا سوا خراب ہو گیا اور وہ اسے

نظر انداز کر کے ڈول بیٹھے لگا۔ یارو سنہ کچھ دیر بعد خود

کہا۔ "کب تک اس طرح ملو گے، اسے جلدی سے گھر

لے جاؤ ایسا نہ ہو۔"

"کیں بولا؟" شاہ نور کا ہاتھ رک گیا۔ "آگے بولیں؟"

"کچھ نہیں اور تم تو ناراض ہو گئے۔" یارو دکاوی

سے بولا۔ "میں کہہ رہا ہوں کہ ابھر صاحب آیا ہے، برا ایسا

ہے اس کے پاس۔"

"جیسا ہے تو میں کیا کر دوں؟"

"اے بندہ چاہیے اوپر جانے کے لیے۔" یارو

قریب آیا اور اپنی گول آنکھیں نکال کر راز و راز انداز میں

بولا۔ "اسے کچھ فاسم پینے چاہیے۔"

شاہ نور نے مضویہ انداز میں کہا۔ "غالب ہے ابھر آئے

والے اچھے اور وہ دن تو لیجئے نہیں آئیں گے۔"

"صاحب کو اپنا گائیڈ چاہیے، میں نے حیرانگی سوچا

ہے کام کرنا تو آ جاتا۔"

"ابھی مشکل ہے ہانا کیا ہوا ہے اور میں گھر چھوڑ کر

نہیں جا سکتا۔"

"سوچ لے جیسا بہت اچھا دے رہا ہے، ایک دن

کے ہزار روپے دے گا۔"

شاہ نور حیران ہوا۔ ان کو عام طور سے ایک دن کے

چار روپے ملتے تھے۔ ہانو کو پانچ سو بھی مل جاتے تھے مگر

ہزار روپے ایک دن کے آج تک شاید ہی کسی نے کمانے

ہوں مگر اس نے یارو کو جواب نہیں دیا۔ اپنے کہیں بھرے

اور گھر آ گیا۔ گاؤں کے آخر میں ان کا گھر چھوٹا مگر صاف

سترا تھا۔ ہانو رو دوں بیٹھے کیا تھا۔ غیر ملکی گور صاحب تھا اور

اس کے ساتھ ایک مقامی بھی تھا۔ اسے وہ اپنے ساتھ شہر سے

لایا تھا۔ ہانو نے جانے سے پہلے بتا دیا تھا کہ وہ کیرتھر پکھن

پارک سے لاپہ جارہے تھے اور ان کی انتہی میں چاہ

کر صاحب کے پیچھے کھڑا تھا۔ ٹرکی جدید فیشن کے لباس میں تھی اس نے اسٹین فٹ جینز کے ساتھ اوپر مردانہ انداز کی شرٹ پہنتی تھی۔

نقوش معمولی سے ذرا بہت کر رہے۔ سرخی بالکل رنجت اور بہت باریک کمان جیسی بھروں کے تیز آنکھیں تھیں۔ ماتھے کے ساتھ نکلنے والی ستواں ہاک نیچے آکر کسی قدر پھیل رہی تھی۔ ہونٹ باریک تھے مگر انہیں لب اسٹک کی مدد سے قابل دید کر لیا گیا تھا۔ وہ قبولی صورت تھی اور اپنے چلنے کی وجہ سے زیادہ دلکش بن گئی تھی۔ اس کی وجہ سے شاہ نور آگے جاتے ہوئے بھونکا۔ یارو نے اسے دیکھ لیا۔ وہ تیزی سے اس کے پاس آیا۔

"کیا بات ہے، ادھر کیوں آیا ہے؟"

"مجھے صاحب سے بات کرنی ہے۔" شاہ نور نے اشارہ کیا۔

"صاحب سے کوئی بات نہیں کر سکا۔" یارو ہلے ہوئے، لہجے میں یو۔ "جو بات کرنی ہے مجھ سے کر۔" شاہ نور کو خصر آنے لگا۔ "تجھ سے کیوں کروں تو خود نوکر ہے میں مالک سے کیوں نہ بات کروں۔"

"جاہل۔" یارو نے حکارت سے کہا اور ذرا نیوڑوں کو اشارہ کیا وہ اٹھ کر اس کے پاس چلے آئے لیکن اس سے پہلے کہ وہ یارو کے اشارے پر کوئی کارروائی کرتے۔ اس کا سوت پوش آوی تے ہاتھ اٹھ کر یارو کو اشارہ کیا اور وہ ٹھنچا چلا گیا۔ اس نے کان لگا کر قسم سن اور پھر پٹ کر شاہ نور کو آگے آنے کا اشارہ کیا۔ اس سے پہلے شاہ نور نے دیکھ لیا تھا کہ لڑکی نے صاحب سے ہتھ کھینچا اور اس کے بعد ہی اس نے یارو کو بلا یا تھا۔ سوت پوش نے شاہ نور کا جائزہ لیا۔

"ہم کیا ہے تمہارا؟"

"شاہ نور صاحب۔" اس نے جواب دیا۔

"یارو بتا رہا ہے کہ تم گانڈ کا کام کرتے ہو اور ان پھاڑوں سے یارو سے میں اچھی خراج جانتے ہو؟"

"نہی صاحب۔" اس نے اس بات پر مختصر جواب دیا۔

"میں ایک ایسے گانڈ کی ضرورت ہے۔"

"میں کام کروں گا صاحب۔" شاہ نور نے کہا اور یارو کی طرف اشارہ کیا۔ "پر اس سے میرا کوئی لینا دینا نہیں ہوگا۔"

یارو کا منہ بڑ گیا اور آدی کے ہاتھ پر ٹھکنیں آئیں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے یہاں موجود ہر آدمی اسی کا ماتحت ہوگا۔"

"تب مجھے منظور نہیں ہے صاحب۔" شاہ نور نے انکار میں سر ہٹا دیا اور پٹ کر جانے لگا تھا کہ لڑکی نے اسے روکا۔

"ایک منٹ شاہ نور۔"

وہ ہکا۔ اس دوران میں لڑکی آگے جھک کر صاحب سے کچھ کہہ رہی تھی پھر اس نے سر ہٹا کر منظوری دلی اور لڑکی خوش ہو گئی۔ اس نے شاہ نور سے کہا۔ "تم میرے لیے کام کرو گے، یارو سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ اب منظور ہے نا؟"

شاہ نور نے سر ہٹا دیا۔ "نہی، ہم صاحب۔"

"میرا نام سجاد ہے۔" لڑکی نے اسے آگاہ کیا۔

"میں کل صبح سویرے روانہ ہوا ہے۔" صاحب نے کہا۔ "کم سے کم ایک ہفتے کا رپ ہے، ورنہ یارو دن بھی ٹک سکتے ہیں۔"

شاہ نور بھونکا پھر اس نے پوچھا۔ "صاحب جانا کہاں ہے اور مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"نہی سیاہ بڑے پتھروں کی تلاش ہے۔"

شاہ نور بھونکا۔ پتھرا کچھ عرصے میں سیاہ پتھروں کا تذکرہ بہت ہونے لگا تھا۔ اس کے گاؤں میں بھی کئی بار چائیں لگی تھیں اور دوستی لوگوں کو ساتھ لے کر سیاہ پتھروں کی تلاش میں لگی تھیں مگر ان کو خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ بہت مشکل سے انہیں ہتھ پھوٹے تھے اور وہ بھی چھوٹے سا ٹکڑے۔ شاہ نور کو ایک بار بانور نے بتایا کہ شہروں میں یہ پتھر بہت مہنگے جگ رہتے تھے۔ لاکھوں میں جا رہے تھے مگر اسے یقین نہیں آیا۔ فیکٹ ہے سیاہ پتھر بہت قیمتی سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس کا زہر بعض دواؤں میں استعمال ہوتا ہے اور ایک پتھر بڑوں میں بکتا تھا۔ مگر انہوں نے ان بات شاہ نور کو ختم نہیں ہوئی تھی۔ اب صاحب نے کہا تو اسے باپ کی بات یاد آئی اور اس نے کہا۔ "صاحب آپ مالک ہو مگر میں سے آئے ہو لیکن یہاں سیاہ پتھر بہت کم اور بہت مشکل سے ملتا ہے۔"

"ہم یہاں کوشش کرنے آئے ہیں۔" صاحب نے

مرد لہجے میں کہا۔ "کوشش میں کامیابی اور ناکامی دونوں ہوتی ہے اس لیے تم فکر مت کرو۔"

شاہ نور کو فکر کرنے کی کیا ضرورت تھی، وہ تو خوش تھا کہ تم

سے کم مسرت ہزار کی آمدنی کا امکان ہو گیا تھا اور وہ ملتا تھا کہ

ان سے زیادہ غنی دل مل جاتی۔ اس نے پانی کے کین بھرے

اور واپس چلا گیا۔ سجاد اسے دیکھ رہی تھی۔ یارو اب ان سے

کچھ دور تھا۔ سجاد نے آہستہ سے کہا۔ "یہ لڑکا مجھے اچھا لگا ہے۔"

آدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ "نہیں تو

پر خوش شکار مرد اچھا لگتا ہے۔ کچھ عرصے پہلے تک میں بھی

شاہ نور نے ماں کو بتایا کہ ایک مقامی صاحب بڑے سیاہ بچھوڑوں کی تلاش کے لیے اسے لے جا رہا ہے تو وہ ٹکر مند ہو گئی۔ اس نے کہا۔ "خیر اب! جس کے ساتھ گیا ہے وہ بھی اسے اسی لیے لے گیا ہے اور تجھے معلوم ہے حیرے بابا کو ایک جگہ کا علم ہے جہاں بڑے سیاہ بچھوڑے ملتے ہیں۔ پر وہاں جانا بہت دشوار کام ہے۔"

شاہ نور حیران ہوا۔ "بابا کسی ایسی جگہ سے واقف ہے۔"

"تو بھول رہا ہے وہ تجھے بھی لے جا چکا ہے، تجھے نئے کے سروائی چوٹی یاد ہے۔"

اب شاہ نور کو یاد آ گیا۔ وہ چار سال پہلے بانور کے ساتھ گیا تھا۔ پھر پھر کا اوپری سلسلہ تھا یہاں تیر ہوا نے ایک چوٹی کو تلاش کیا۔ اس کی شکل دسے وی تھی جیسے کوئی کتا بند اوپر کر کے گھڑا ہو۔ بانور نے اسے بتایا تھا کہ اس چوٹی کی طرف جانا بہت مشکل اور خطرناک تھا۔ اس وقت اس نے شاہ نور کو کچن بتایا تھا کہ اس طرف جانا کیوں خطرناک تھا۔ شاہ نور نے ماں سے کہا۔ "اس کا مطلب ہے بابا کبھی آکر ایک ایک بات بتاتا ہے۔"

"خیر تے نیے بتاتا ہے۔" ماں بولی۔ "اس کا کہنا ہے اگر تے سے کچھ ہو گیا تو میں تجھے یہ سب بتاؤں۔ ہماری تو روٹی روٹی ہی سے ہوتی ہے۔"

شاہ نور رونق میں پڑ گیا۔ اگر یہ صاحب اسی طرف ہا رہا تھا تو اس کا مطلب تھا اسے کسی طرح سے نکتے کے سروائی چوٹی کا پتا چس گیا تھا۔ بانور کے مطابق بڑے سیاہ بچھوڑی طرف ملتے تھے۔ اس نے رات کو ہی ماں کو اپنی خانہ کے گھر پہنچا دیا تھا۔ البتہ اس کے لیے پانچ کا بند و بست کرنا تھا۔ وہ سچ سویرے کین لے کر نکلا تھا پر پہنچا تو وہاں رانی موجود تھی۔ وہ اسی کا ہتھیار رکھ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی وہ سامنے آگئی۔ شاہ نور اسے دیکھ کر چونکا۔ "رانی تو اس وقت اکیلی ہے؟"

"میں تجھ سے بات کرنے آئی ہوں۔" وہ بولی۔

"ایسی کیا بات کرے گی؟"

"شاہ نور تو اس عورت کے ساتھ جا رہا ہے؟" رانی نے سوال کیا تو وہ چونکا۔

"تو ہم صاحب کی بات کر رہی ہے۔"

"ہاں جی۔ تو کال ان لوگوں سے بات کر رہا تھا تو میں

سحر نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ "جھید مت بھولا کہ تم میری وجہ سے اس مقام پر ہو۔"

جھید کے چہرے کا رنگ بدلا مگر پھر اس نے کچھ کہا نہیں اور اشارے سے یاد کو بلا کر کیپ لگانے کا حکم دیا۔ فوراً ہی گاڑیوں پر لدے ٹھپے اور دوسرا سامان اتارا جانے لگا۔ ڈرائیوروں کے ساتھ ایک باورچی تھا جو ان کے لیے کھانا پکاتا۔ سورج ڈوبنے سے پہلے کچھ کھانے کی چیزیں پر مشتمل ایک چھوٹا سا کیپ لگ گیا۔ اور باورچی رات کا کھانا بنانے کی تیاری کرنے لگا۔ کھانا انہوں نے جلدی کھا لیا تھا۔ یہاں کھلی جگہ سونا مناسب نہیں تھا اس لیے جھید اور سحر کے لیے دو الگ الگ ٹیبلے تھے۔ یاد اپنے گھر چلا گیا تھا۔ ملازمین کے لیے ایک ٹیبلہ تھا مگر ان میں سے ایک جاگ کر پھرا دیا۔ رات بھر باری باری سب جاگ کر پھرا دیتے۔ صبح پانچ بجے کے قریب جھید کی آنکھ کھلی تو اس نے محسوس کیا کہ کار ٹیبلے میں نہیں تھی۔ اس نے اپنے ٹیبلے کی طرف بھولی اور پھر دیکھا۔ سحر وہاں ٹیبلے میں نہیں تھی۔ اس کے جوتے بھی غائب تھے۔ وہ باورچی کی تھی حالانکہ یاد نے صبح کہا تھا کہ رات کے وقت یہاں باورچی نکلا جائے کیونکہ سناپ کثرت سے نکلتے تھے اور وہ بہت زبردیے تھے۔ جھید نے گہری سانس لی۔ بچھوڑے سوچتا ہوا پھر اس نے اپنے ٹیبلے کی طرف بد کر لی ابھی صبح ہوئے تھے۔

سحر رات کی تاریکی میں ایک نرونگ ٹیبلے تک گئی تھی۔ اس کے پاس ہارنگ اور پانی کی بوتلی تھی۔ نیلا ان کے کیپ سے کوئی سوگنڈو تھا۔ وہ ان کی کام سے تکی تھی وہ سحر کی تاریکی میں ہی ہو سکتا تھا۔ اس نے فل لائٹ بوتلی نکال رکھی تھی اور بہت احتیاط سے قدم اٹھا رہی تھی۔ اس کے پاؤں پر جب اس کا جوتا سناپ پر آ گیا تب اسے علم ہوا تھا۔ اس نے جوتا دایس نکلیں اٹھا یا اور تاریکی کی روشنی نیچے ڈالی۔ جوتا سناپ کے جسم کے وسط میں تھا اور اس نے محسوس کر اسے ڈسنے کی کوشش کی تھی اور اب بھی لیدر شوز سے چمنا ہوا تھا مگر ان کے دانت سخت چڑے ٹکڑے تھے۔ صحت سے قاصر تھے۔ خلاف توقع وہ خوفزدہ ہونے کے بجائے مسکرائی۔ سفید اور سرخ رنگ کا یہ سناپ خاصا بڑا تھا۔ اس کی لمبائی ٹم سے کم بھی چار فٹ تھی اور اسی لحاظ سے یہ نہ ہر بلا بھی ڈوسکتا تھا۔ سحر نے اچانک تاریکی اس کے سر پر مادی اور سناپ پھر آ گیا۔ وہ بے دم ہو کر ڈھیلا پڑا تو سحر نے ہاتھ سے اس کی گردن پکڑ لی۔ وہ اسے اسی طرح اپنے ٹیبلے کی طرف ایک قہقہے میں ڈال کر

یہاں اپنی شکوہوں کے ساتھ پانی لینے آئی تھی۔ شاہ نور وہ عورت تھی بہت عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
یہ تو شاہ نور، نے بھی محسوس کیا تھا مگر ہنس نے زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ اس نے رانی کو سنی دی۔ "کوئی عورت جیسے مٹی کی عجیب لکڑوں سے کیوں نہ دیکھے یہ بڑا جھٹکس ہکاڑا ملتی ہے۔"

مگر رانی رد ہوتی تھی۔ "شاہ نور تو مرد ہے عورتوں کے چلن نہیں جانتا، مجھے ڈر لگ رہا ہے تو اس کے ساتھ دور دینا ہے میں چاہا ہے۔"

"رانی میں اس کے ساتھ اس کے لیے نہیں چاہا۔" شاہ نور نے اسے سمجھا دیا۔ "میرے ساتھ چلے لوگ اور بھی ہیں۔" رانی کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے اچانک شاہ نور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "شاہ نور میری قسم کھاتا تو اس کے چال میں نہیں آئے گا۔"

"اگر میری قسم کھانے سے ہوسکتی ہے تو میں کھا لیتا ہوں۔" رانی اصل قسم تو راجت ہے جو میں صرف تجھ سے کرتا ہوں اور تیرنی جو کہ میرے ادا میں ہے اس کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔"

رانی کی کسی قدر تسلی ہوئی اور وہ مسکرا دی۔ شاہ نور کو ان لوگوں کے جیسے بہت تیز بادشاہ کے بعد بچا کنبہ لگی ہوئی ہے۔ نکل آئی ہو۔ جب بادشاہ نے مشرق سے رانکا آؤ تو وہ یہاں تک گئے۔ رانی جلدی سے چلی گئی اور شاہ نور اسے جانتے ہوئے ایستادہ۔ اسے علم تھا کہ کب کی طرف سے وہ آگیا۔ اس نے ان لوگوں کو دیکھ کر ہی نہیں اور ان کی گھوڑوں میں عجیب سی چمک تھی۔ رانی انھوں سے دیکھ کر ہنسی کو شاہ نور نے میرنی سانس لی۔ اب وہ اپنے باپ کے بارے میں سوچ رہا تھا آخر اس نے اسے کیوں نہیں بنایا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟

وہاں ہوا

بانور چور نے قہر اور بھر پور جسم کا بھانسنے آؤں تھا۔ آگے وہ ان لوگوں کو دیکھ کر اپنی راستوں پر پوئی آرام سے چل رہا تھا جیسے اپنے گاؤں کی گھوڑوں میں بچ رہا ہو۔ اس نے ذرا پیچھے اوچھل کر مفید نام الیک ہنریک تھا۔ اس کا تعلق جرمنی سے تھا۔ اس کے آؤں نے بانور سے راجہ کیا اور اسے انکھی میں کا لگا دیا۔ مائیکل میں ایک ٹریک تھا اور اس نے بانور کے ساتھ کئی سال پہلے کیرتھر کے پورے رینگن کی ٹریک کی تھی۔ اسے صرف بانور اور ایک بچہ کے ساتھ سفر کرتا رہا تھا۔ ایک مہینے تک ساتھ رہنے کے

بعد بانور اور مائیکل میں بہت اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ مائیکل کو اردو آتی تھی اور سندھی اسے بانور نے سیکھ لی تھی۔ آؤں ہوں بعد مائیکل کے آؤں سے الیک ہنریک نے اس سے راجہ کیا تھا۔ بانور رہا نہیں ہو گیا۔ اس نے شروع میں نہیں بتایا تھا کہ اسے فرکا مہمند لیا ہے لیکن رانی سے الیک رات پہلے اس نے بانور کو بتایا۔ "مجھے سیاہ بچھوڑوں کی مثال ہے۔"

بانور نے محسوس کیا کہ الیک اچھا آدمی ہے۔ وہ مہذب اور خاموشی بلع شخص تھا۔ جب انہوں نے فرکا لٹا، لیا تو وہ بانور سے کھل کر رہتا تھا۔ بانور کا غلہ تھا اور دوسرا فرد کچل دوسرے کاموں کے لیے تھا۔ مگر کئی رات الیک اور بانور آؤں کے پاس بیٹھے تھے۔ کچل مرنے چاہتا تھا۔ الیک کی قدر اور کھتا تھا۔ بانور نے پوچھا۔ "صاحب سیاہ پتھر کا لیا کر ہے؟"

"قسم نہ کیجئے مرنے کا۔ یہ ہے نا۔" "بانا صاحب، مرنے کا کتہہ ہے جس کو لگ جائے وہ پتا نہیں چلتا۔"

الیک نے سر ہلایا۔ "بہت سے لوگ مرنے جاتے ہیں۔ پتھر جاتے ہیں، اس کے مارت پر بہت دیا لگتا ہے۔ اب اس کی ایک تہی دواؤں ہے جس سے آؤں کے پتے کو اداں بند کیا ہے۔ سیاہ پتھر کا غیر تہی دوا کے لیے چاہیے۔"

بانور نے سر ہلایا۔ "یہ تو اچھا ہے صاحب کہ یہ دوا چاہیے اور ہمارے مرنے میں جس کو کیرتھر ہو وہ انہی سر جاتا ہے اور کیرتھر کا کوئی مارت نہیں ہے۔"

الیک نے کہا۔ "میں سنا تھا اس ہوں اور کیرتھر کے مارت کے لیے دوا بنانے کا کوشش کر رہا ہوں۔ پتھر دلوں تحقیق سن رہا تھا کہ برصغیر میں پائے جانے والے سیاہ بڑے پتھر کے زہر میں ایسی خاص بات ہے جو کیرتھر کے مرنے کو ختم کر سکتی ہے۔"

بانور نے سر ہلایا۔ "اسی لیے زہر سے اتنا لوگ آ رہا ہے۔"

الیک ہانکا۔ "تم جانتے ہو نا۔" "بہت صاحب، میں نے سنا ہے اور کیرتھر کے ساتھ مرنے زہر میں بھی زہر کا لوٹ آیا ہوا ہے وہ مرنے لوگ کے مارتوں کو سیاہ بچھوڑا کر رہا ہے۔" الیک نے نفرت سے کہا۔ "اب سب مٹی میں پتھر کیوں

ڈرائیو کرتا تھا۔ بانو اس کے ساتھ بیٹھا سے گا نیز کرتا تھا۔ جب وہ اگلی صبح روانہ ہوئے تو بانو کو شاہ نور کا خیال آیا اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اسے ساتھ لے کر نہیں آیا۔ وہ شاہ نور کو اس خطرناک جگہ نہیں لے جاؤ چاہتا تھا اس لیے اس نے شاہ نور کو بچھوڑ دیا۔ جگہ کے بارے میں بڑا بھی نہیں تھا۔ الہیہ اپنی بیٹی شہزادی کو بتا رہا تھا۔ وہاں کے قریب وہ گتے کے سرائی پر لی کے پاس پہنچ گئے۔ جہاں تک چپ چا سکی انہوں نے چپ پر سفر کیا۔ ایک جگہ چپ کو راستہ قائم ہو گیا اور بانو نے پیچے اترتے ہوئے کہا۔ "صاحب پھر سے پیدل جانا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے، میں اور تم بچھوڑ گئے۔ چل یہاں چپ اور سامان کے ساتھ رہے گا۔"

ان کی ضرورت کا سامان انہوں نے بیگ میں بیک تھا۔ انہوں نے بیگ اپنے پیٹھ پر لادے اور پیدل اوپر کی طرف بڑھنے لگے۔ ایک گتے چپ اور سامان کی حفاظت کے لیے چلے ہوئے چھوڑ دیا تھا۔ گتے کے سرواڑی چوٹی بہت اونچی اور درختوں کی گھیر اس تک جانے کا راستہ بہت دشوار تھا۔ بالآخر آگے تھا اور راستہ ٹانگ کر رہ گیا تھا۔ ایک ان کے پیچھے چل رہا تھا۔ پھر ایک طریق کھائی ان کی راہ میں حائل ہو گئی۔ اب انہیں پہلے اسے عبور کرنا تھا۔

ہو ہوا

سارے حیرت سے شاہ نور کی طرف دیکھا۔ "تم ایسے ہی چلو گے؟"

شاہ نور سادہ شلوار قمیض میں تھا اور ان کے ہاتھوں میں دو شوز تھے۔ چم سامان ایک بھونے سے بیگ میں تھا۔ "جی مہر صاحب، ایسے ہی چلے گا۔"

"تم پینٹ شرٹ نہیں پہنتے؟" سارے کے قریب چلے آئی۔ سب مہوش اس نے بہت ہنسٹ اور جسم کو غما یاں کرنے والا لباس پہن ہوا تھا۔ شاہ نور کو گھبراہٹ سی ہوئی مگر اس نے اعتدال کاواٹن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

"نہیں مہر صاحب... مجھے ایسا نہیں اچھا لگتا ہے۔"

"مگر تم پینٹ شرٹ پہن لو اور یہ رداں صاف کر لو تو کوئی تمہیں گاؤں کا لڑکا نہیں مانے گا۔" اس نے بے تکلفی سے شاہ نور کے رخسار پر ہاتھ بھیرا۔ وہ خیموں کے چھپے ہوئے تھے۔ ان کا ستان گاڑیوں پر ڈوبا ہوا تھا۔ اس بار شاہ نور ہنسٹ گیا۔

"مہر صاحب، میں سناؤں رکھوا دوں۔"

کے لوگ ہیں، وہ دوا بنا کر منہ مانگے دواں پہنچا چاہتے ہیں۔ ان کے پاس پیسا ہے اور یہ بعد میں اس سے زیادہ دیکھا لیں گے جتنا ابھی لگا رہے ہیں۔"

"صاحب آپ بھی تو رونا ہونے کے لیے پھر چاہتے ہو۔"

"ہاں لیکن میرا مقصد نفع نہ تھا نہیں، انسانوں کی خدمت کرنا ہے۔" ایک نے الاؤ کو کھڑکی سے کر دیتے ہوئے کہا۔ وہ میں ہزار خست کی بندی پرستے اور یہاں گرما میں لگی رات خاصی سرد ہو جاتی تھی۔ "دوسرے میں یہاں سے ڈھیر سارے کچھ نہیں لے جاؤ چاہتا، مجھے صرف ایک اچھا جوڑا چاہیے۔ میں اسے لے جا کر خود اس کی پرورش کروں گا اور پھر ان کی نسل سے ان کا ذریعہ حاصل کروں گا۔ ایک دو بچھوڑوں کے ذریعہ سے کام نہیں چلے گا اس کے لیے بہت سے کچھ چاہئیں اور وہ صرف پال کر ہی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔"

"صاحب ابھی آپ نے مجھ سے برا بھلا کیا؟"

"ہاں تم نے مانگیں کو بنایا تھا کہ تم کسی جگہ سے واقف ہو جہاں سیاہ بچھوڑ جڑی تھوڑی مقدار میں دستیاب ہیں۔"

"جانتا ہوں صاحب پر وہاں جانا بہت مشکل ہے اور خطرناک بھی ہے، اور پھر کچھ بہت زیادہ ہے اور مکی بھی آپ کو ڈنک مار سکتا ہے۔ ایک بار اس آدمی کو ڈنک مارنے سے خود صاحب وہاں پندرہ منٹ میں ختم ہو جاتا ہے۔"

ایک حیران ہوا۔ "انارز ہر یا ہوتا ہے۔ میں نے افریقا میں پائے جانے والے زرد بچھوڑ کو لکھا ہے، اس کا ذریعہ خطرناک ہے۔ گتے کو لکھی جاتا ہے۔"

"دوہر کے کچھ کا کاٹنا نہیں چاہتا صاحب۔" بانو نے کسی قدر نفرت سے کہا۔ "صاحب کچھ اور ویرانے میں ہوتا ہے۔ آبادی سے دور رہتا ہے اس لیے بہت کم کسی کو ڈنک مارتا ہے۔"

"تم مجھے ان جگہ لے جاؤ گے جہاں بچھوڑ ملتا ہے؟"

"کیوں نہیں صاحب۔" بانو نے جواب دیا اور کھڑا ہو گیا۔ "آپ اچھا کام کر رہا ہے تو آپ کا ساتھ دے گا۔"

ایک خوش ہو گیا اور وہ بھی کھڑا ہو گیا۔ "ٹھیک ہے جیت چلیں گے۔"

"آپ سہاؤ صاحب میں جاگ رہا ہوں۔ جب میں سوئے لگوں گا تو کل کو جاؤں گا۔"

وہ ایک لینڈ کروزر میں سفر کر رہے تھے۔ ایک خود

"چھوڑو، اس کام کے لیے یہ لوگ ہیں۔" او بولی۔
 "تم صرف میرے ساتھ رہو گے۔"

شاہ نور کو یاد آیا اسے اس لیے مانعہ لیا گیا تھا اور یاد دہانی کا بہت برا منہ پانچر صاحب لوگ فیصلہ کر چکے تھے اس لیے وہ ہم لوگوں کو مار سکتا تھا البتہ جب اس کا شاہ نور سے سامن ہو تو وہ اسے کیڑ تو نظر آئے سے دیکھتا۔ شاہ نور کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سارا اس پر اتنی مہربان کیوں ہے۔ وہ رانی کا اندیشہ دانتے کو تیار نہیں تھا۔ وہ حقیقت پسند لڑکا تھا۔ اسے معلوم تھا وہ ایک مسئولی دیہاتی ہے۔ وہ غریب ہے اور سارا نہ صرف بہت دولت مند بلکہ بہت مائثر بھی تھی۔ وہ صاف اور دہلکتی تھی لیکن اس کے لیے سے بھی بھیگتا تھا کہ اور وہ اس کی اصل زبان نہیں ہے۔ اس کے نقوش اور بے باکی جو اصل میں اس کی عظمت تھی اور بھی، مقامی رعایا سے تیل نہیں کھاتی تھی۔ مگر اب سارا اس کے قریب تھی اور جس طرف اس سے بات کر رہی تھی، اس سے رانی کا خدشہ درست ہی ثابت ہوتا دکھائی دے رہا تھا مگر اب بھی شاہ نور سمجھنے سے تیار تھا کہ سارا اس کے قریب کیوں آ رہی تھی۔

"سارا۔" جمشید کی آواز آئی تو وہ جلدی سے شاہ نور سے دور ہوئی اور اس نے سنوں کا سانس لینا۔ اسی لمحے جمشید نمودار ہوا اور اس نے چھپتی نظروں سے پہلے شاہ نور اور پھر سارا کو دیکھا مگر سارا اس سے بالکل بے پروا نظر آئی۔ اس نے پوچھا "سلامان پیک ہو گیا؟"

"ہاں، اب رواتہ ہوتا ہے۔ اگر تم فلاں کو ڈالتی ہو تو؟" جمشید نے پہلی خبر انکار میں کہا کہ سارا کا رنگ سرخ ہو گیا مگر اس نے یہ کہہ کر ہنس دیا۔ "جمشید حسب معمولی سوٹ میں تھا مگر ایک موسم کا سا گرمی ہو چلا تھا۔ مگر پانچ دیر بعد وہ گاڑی میں سوار ہوئے تو اس کا مایوسی آن تھا۔ یہ ٹیکڑی اور ملے تھوڑی دکان کی طور وکیل زرا تھی جو ایسے ہی راستوں کے لیے صورتوں تھی۔ البتہ جس گاڑی میں شاہ نور وہاں سے ملازموں کے ساتھ تھا وہ ایسے ہی تھکی مگر اس کا ایسے ہی آن نہیں تھا۔ یہ فو، انیس ڈرا تھی مگر بہت ٹیکڑی نہیں تھی۔ شاہ نور کے علاوہ اس میں ڈرائیور، ڈور بی، ڈار اور ایک تواری اور تھا۔ اس کا تعلق اسی خاندان سے تھا مگر وہ ان کے گاڑی کا نہیں تھا، اسے یاد دہانی تھا۔ یاد آگے ڈرائیور کے ساتھ تھا۔ گیارہ ان کے قافلے میں نکل آئے انراو تھے۔ دوسری گاڑی میں ڈرائیور کے ساتھ صرف جمشید اور سارا تھے۔ پیمانہ میں داخل ہونے کے بعد کہ زمین کی رفتار سست ہو

گئی اور وہ ہموار پتھر پے راستوں پر اچھٹے کودنے لگی تھیں۔ پیدل کے مقابلے میں گاڑی میں یہ راستے زیادہ ازیت ناک تھے۔ کیونکہ جسم ایک لمبے کے لیے بھی سائیکس نہیں ہو رہا تھا۔

دو پہر کے قریب وہ ایک چشمے کے پاس دسے جہاں مویشی چرانے والے اپنے جانوروں کو پانی پلانے آتے تھے مگر اس وقت وہاں کوئی نہیں تھا۔ جمشید نے دیکھ کر کوچہ کوچہ کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے ایک صاف ستھری جگہ تلاش کر کے وہاں چھتری گاؤں لی۔ سارے میز لینڈ ایکپ کا منظر بہت خوب صورت تھا ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی وسیع و عریض تصویر جادوی مٹی ہو جسے جمشید اور سارا کے لیے کوچہ کوچہ کی ٹیبل ٹوپی گئی اور انہیں روٹی پر کباب رکھ کر پکا دیے گئے۔ کباب بارہ بیانیہ شلے تھے تھیں مٹی کے تھے۔ شاہ نور ایک پتھر پر بیٹھا تھا۔ پیمانہ تری اس کے گاؤں کے مقابلے میں کم تھی اس لیے وہ نقوش سارا روٹی کباب کھا کر اس نے تالاب سے پانی پیا۔ شاہ نور پانی کا پانی وہ ساتھ لے گئے ایک گھنٹے بعد وہ دوبارہ روانہ ہو گئے۔ جانے سے پہلے سارا نے ان کی طرف اشارہ کیا اور اس نے اشارے سے شاہ نور کو ایک طرف دیا۔ اس پر وہ اسے "مٹی کی نظر تو ہے" سے متنبہ ہو گئے۔ شاہ نور انہیں نظر انداز کرتا ہوا سارا کی طرف بڑھا۔ وہ ایک دور بین لیے اور اپنی کمر کھان بنانے کو سنے شامل مغرب کی طرف ہوتا دیکھ رہی تھی۔

"مٹی نیم صاحب؟"

"شاہ نور اور سارا کو؟" سارا نے اسے اپنے پاس بلایا اور دو روٹیں اس کے ہاتھ میں دیاں۔ "دو روٹیں کھو میرے ہاتھ کی سیدھ ہیں۔"

ہاتھ کی سیدھ اس کی آنکھوں کے سامنے کودنے سے لیے وہ اس کے آگے قریب آگئی کہ شاہ نور اس کے دل کا عکس دیکھ سکیں گے۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "کیا وہ کھو؟"

"اور پیمانہ جس کا اوپنی حصہ۔" سارا نے اٹھائے گئے ہیں، نظر آ رہا ہے۔"

شاہ نور، جو سمجھ رہا تھا کہ وہ اسے منظر دکھانے کے بہانے اس کے قریب آئی تھی، ایک نکتہ اس کا جسم سر ہانہ گیا۔ شاہ نور اور بین سے گتے کے سر وانی پیمانہ صاف دکھائی دے رہی تھی مگر چارو اب بھی کوئی تیس چھتیس نہیں کے فاصلے پر تھے۔ سارا نے اسے بلایا تو وہ چونکا اور جلدی سے ہٹا۔ "مٹی نیم صاحب، نظر آ رہی ہے۔"

فیصل آباد

یو جہ کہ الفاظ اس طرح بگاڑ کر بول رہے تھے کہ ڈرامہ نویس اگر کسی قدر انگریزی سمجھتا بھی ہو تو اسے ہانکے سمجھ نہ آئے۔ جشید نے سر ہلایا۔ "میں تو کام پر توجہ دے رہا ہوں لیکن تمہاری توجہ اس لڑکے کی طرف کچھ زیادہ ہی ہے۔"

"ہاں ہے لیکن اس کی وجہ ہے اور جلد تم جان جاؤ گے کہ میں اس پر کیوں اتنی توجہ دے رہی ہوں۔"

جشید بھی سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے برہنہ میں رکھی ایش ٹرے میں سنا رہا تھا کہ رکھ دیا "جب تم نے اس سے گتے کے سروالی پھاڑی کا ذکر کیا تو اس کا رد عمل کیا تھا؟"

"دو پیپ ہو گیا تھا۔ چہرے سے تو پتہ نہیں چلا لیکن اس کا ردیہ بدل گیا تھا۔"

جشید نے سر ہلایا۔ "اور جب تم نے اسے وہاں لے جانے کو کہا تو؟"

"اس نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ مشکل کا ذکر کیا مگر مزاحمت نہیں کی اور اب تم دیکھ رہے ہو کہ وہ پوری کوشش کر رہا ہے کہ یہ رات تک وہاں پہنچا دے۔"

جشید مسکراتے لگا۔ "میں نے سوچ لیا ہے، اس بار کا خیالی کے بعد میں ملگا ہو کر شفٹ ہو جاؤں گا۔"

"تمہاری مرضی ہوگی۔" سجاد نے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

جشید اس کے قریب سرکا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم ساتھ..."

"وہ بات فتم ہو چکی ہے۔" سجاد نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "اب ہم صرف ایک پارا ختم ہیں۔"

جشید پیچھے ہو گیا۔ اس کے چہرے پر تارکی سی چھا گئی۔ اس کے بعد گاڑی کے اندر خاموشی چھا گئی بس انہیں کے گنگناہنے کی آواز تھی۔

مڑا ہوا ہوا

بانور نے اس گہری کھائی میں جھانکا جس کے کنارے انہوں نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ بہت عجیب سا اور تیرہ ڈھانچوں والا علاقہ تھا۔ ڈھانچے نہ صرف گہری بلکہ بہت ترچھی تھیں، ان کی سطح ساخت ہوا سے ترش چٹانوں پر مشتمل تھی۔ یہ اتنی ہموار تھیں کہ ان پر قدم بھانے تک کی جگہ نہیں تھی۔ یہ شکل انہیں ایک کسی قدر ہموار جگہ ملی اور وہاں انہوں نے اپنا کیمپ لگا لیا۔ ایک کے لیے اس کا مخصوص ٹیمپ تھا۔ جبکہ بانور کھلے میں رات گزارتا۔ یہاں رات ہوتے ہی فطری ہو گئی تھی۔ اس پاس ٹکڑی نہیں تھی مگر وہ راستے سے ٹکڑی نہ لیتے تو انہیں یہاں ڈالا جلائے کے لیے

"میں آج شام تک وہاں جانا ہے۔" سجاد ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی۔ اس نے شاہ نور سے دور مین لے لی۔

"مشکل ہے میم صاحب راستہ بہت مشکل ہو رہا ہے۔" سجاد نے کہا۔ "یوں سمجھ لیں پھاڑی جتنی دور ہے اس سے تین گنا زیادہ سفر کرنا ہو گا تب ہم وہاں پہنچ سکیں گے۔"

"میں آج ہی پہنچنا ہے۔" سجاد نے پھر فیصلہ کن انداز میں کہا۔ "جس میں اسی لیے ساتھ لیا ہے کہ تم ہماری رہنمائی کرو۔"

شاہ نور کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے سر ہلایا۔ "میں پوری کوشش کروں گا میم صاحب۔"

"جس میں کرنا ہو گا۔" سجاد نے پھر زور دے کر کہا۔

"میم صاحب ہمارے علاقے میں ایک کہادت ہے کہ آدھی زمین میں بچ لگا کر اسے پانی دے سکا ہے لیکن بچ سے پیدا نکالنا اور پر والے کا کام ہے۔" شاہ نور نے کہا اور اپنی گاڑی کی طرف پلٹ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ اس دشوار ترین لینڈ اسکیپ میں سفر کر رہے تھے، اس بار شاہ نور والی گاڑی آگے تھی اور وہ ڈرائیور کو بتا رہا تھا کہ اسے کس راستے سے گزرنے ہے۔ بعض جگہوں پر اسے رگ کر اور کسی بلند جگہ چڑھ کر آگے راستہ دیکھنا پڑتا تھا۔ اس نے سجاد کا دیا ہوا نقشہ قبول کر لیا تھا مگر ساتھ ہی وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اس نے کتنے

کے سروالی پھاڑی کا ذکر کیا کیوں کیا؟ سفر کے آغاز میں بانور اور اس کے ساتھی نے سجاد کے حوالے سے فطریہ گفتگو کی تھی لیکن شاہ نور نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بھی چپ ہو گئے تھے۔ دوسری طرف جشید اور سجاد پیچھے رہ کر اس کی کارکردگی دیکھ رہے تھے۔ جشید نے مسکرا کر کہا۔

"تم نے اسے اچھا کتنا پایا ہے۔"

جشید حسب معمول بگاڑتلی میں مصروف تھا۔ وہ کشادہ لب و لہجہ پر آرام سے لیٹ کر بیٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے سیٹ بیلٹس باندھ رکھی تھیں اور دانتے آرام سے نہ بیٹھے ہوئے۔ سجاد کا چہرہ سپاٹ تھا۔ اس نے کہا۔ "یہ بہت اچھا نرنگا ہے۔"

"ہاں کیونکہ وہ تمہارے قبیلہ میں نہیں آ رہا۔"

جشید کی بات پر سجاد نے ناگواری سے کہا۔ "خدا کے لیے کیا تم کوئی اور بات سوچ یا کر نہیں سکتے۔ ہم ایک مشن پر ہیں اور ہمارے سامنے توجہ کام پر ہونی چاہیے۔ میں جو کر رہی ہوں اسی لیے کر رہی ہوں اسی میں ہم دونوں کا فائدہ ہے۔"

وہ دونوں انگریزی میں بات کر رہے تھے اور جان

جسوس ڈائجسٹ

کھڑی نہ ملتی۔ کھانا گرم کرنے اور چائے کافی کے لیے ان کے پاس ایک چھوٹا آئل اسٹووت تھا۔ بانور نے خیمے سے ہٹ کر آگ لگا دی۔ یہاں ہوا تیز تھی اور امکان تھا کہ چنگاریاں اڑ کر شے پر نہ جا گریں۔ ایک نے ہوا اور ٹھنڈی رکھتے ہوئے بانور سے کہا۔

"رات کو کھین لے کر سونا۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔" بانور نے بے پردائی سے کہا۔ "میں مادی ہوں، ادھر آگ کے پاس دواؤں کا تو سردی نہیں بکتی۔"

ایک کی طرح میں تھا۔ کھانے کے بعد وہ چائے نوشی کرتے ہوئے غیر متعلقہ باتیں کرتے رہے پھر ایک نے آہستہ سے بانور سے کہا: "تمہیں یقین ہے بڑے۔ یاد پھر نہیں میں نے؟"

"صاحب یقین سے کیا کہہ سکتا ہے۔" بانور نے اپنی پھوٹی سی داڑھی اٹھائی۔ "اس جگہ کا مجھے میرے باپ نے بتایا تھا۔ وہ ادھر آیا تھا، اس کی ایک بھیڑ کو سیاہ بچھو نے ذلت مارا۔ اسی کا زہر ایسا تھا کہ بھیڑ کا زہر اتنی م پانی کی طرف پھیل کر رہ گیا صرف ڈھانچہ رہ گیا۔ صاحب بہت دلیرانہ تھے۔"

ایک بھی اسی قدر خونرو ہو گیا۔ "بھیر، وہی تھا؟"

"نہیں صاحب، وہ جو کہتے تھے کہ میرے بچھو اس جگہ دوسری طرف ہوتا ہے، ادھر نہیں آتا۔"

"ادھر کہاں نہیں آتا؟"

"مجھے وہ بھیر صاحب کاغذ لکے گا تو ایک چیز دکھائے گا۔"

چاند تقریباً آدھے چھٹے بعد لگا اور مزید آدھے گھنٹے بعد اس کی روشنی میں یہ پورا علاقہ روشنی اور سایوں سے بھر گیا تھا۔ بلند فی سے یہ منظر بہت عجیب لگ رہا تھا۔ بانور نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "ادھر بھیر صاحب۔"

چاند فی میں نہایت ایک چٹان پر ایک عجیب سا چھپکلا سانپ اور منہ سے کھیر کی نما جانور نظر آ رہا۔ یہ مشکل سے فٹ بھر کا تھا۔ ایک مضطرب ہو گیا۔ "یہ کیا ہے؟"

"صاحب اسے ادھر مانتھو کہتے ہیں، بہت قیام ہے۔ یہ جب بچھو کا جانی دشمن ہے، وہ نظر آ جائے تو اسے مار سے بھیر نہیں چھوڑا جیسے لہو سانپ کا دشمن ہوتا ہے۔ ایسے یہ بچھو کا دشمن ہوتا ہے۔"

"چھو است لکے نہیں مارا؟"

"مارتا ہے صاحب، کبھی تبھی لڑائی میں یہ بھی مارا جاتا ہے پر اکثر بچھو کو مرہ پڑتا ہے۔ یہ بچھو سے لڑائی کا ماہر ہے۔ یہ پہاڑی کے اس طرف ہے اس لیے ادھر سے بچھو اس طرف نہیں آتا ہے۔"

غالباً ایک کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ معمولی سا جانور ایسے بچھوؤں کا خاتمہ کر دے گا ہے جو ایک بھیڑ کو ذلت مار دے پانی بن کر بہہ جاتا ہے۔ اچانک ہی چٹان پر آرام سے بیٹھا جانور چونکا اور پھر آتی تیز سے حرکت میں آیا کہ یقین کر رہا مشکل ہو گیا کہ وہ آتی پھرتی سے حرکت کر سکتا ہے۔ اس نے چٹانوں سے چھانگ لگتے ہوئے ہر کار خ کیا۔ بانور مضطرب انداز میں پوچھا: "صاحب اسے بچھو کا بوا گیا ہے صرف بچھو کا ناظر۔ اس طرح سے حرکت کر سکتا ہے۔ آدھیر سے ساہ۔"

انہوں نے ناہوشی میں اور تیزی سے اس طرف بڑھ کر جانور کے پیر میں آگے اوپر جانے کے لیے غامبی کو شل کر دیا۔ یہ تو تھوڑے دیر میں نہیں چھانگ لگتے تھے کہ جب وہ اس چٹان تک پہنچے تو بانور اپنا کام کر چکا تھا۔ ایک خاصے بڑے سانپ کا بچھو اس نے دونوں اگلے پیر میں لٹکے، ہار کھینچا اور اب اسے کٹر نعرہ گھار رہا تھا اس نے ڈنک اور پینے کی آگ کے چھینک چکا تھا۔ ایک نے اسطرحی لکے میں کہا: "میرے خدا اس نے اتنا بچھو مار دیا۔"

بانور نے آہستہ سے کہا: "صاحب اسے کیا چاہا ہے؟ لکے چھیننے سے تو مارنے اور پھر کھانے سے مطلب ہے۔ آپ اسے بچھو کے بدلے ساری دنیا کا دھتورے ورتب بھی اس کے لیے بے کار ہے۔"

"ایک خود پر قابو پا رہا تھا۔" نم لھیک کہہ رہے ہو۔ پھر وہ چونکا۔ "لیکن تم نے تو کہا تھا کہ بچھو اس طرف نہیں آتے؟"

"صاحب کیا کہہ سکتا ہے، کبھی اسے بہک کر آ گیا ہوگا۔ ایسے ادھر ایک آدھ ہی آتا ہے اور وہ اسی طرح مارا جاتا ہے، ادھر مانگ بہت ہے بچھو ان سے ہی نہیں سکتا۔"

وہ واپس آئے اور ایک سونے کے لیے خیمے میں جا گیا۔ اس کا نیم ہر قسم کے کیڑوں کوزوں اور پھوسے جانوروں سے محفوظ تھا، اس میں باریک ترین کیڑے بھی نہیں ٹھہر سکتے تھے۔ اس لیے وہ بے فکر تھا بہت بانور کھلے میں چھٹی غیر محفوظ تھا۔ وہ صرب ہوشیار ہی رہ سکتا تھا۔ رات کے ادھر سے پھر بانور نے آدھے پاس خود کو پادری میں لپیٹا

نہیں... آج تم نے تقریباً پیدل بھی اتنا ہی حاصل ملے کیا ہے۔"

"میں مسم صاحبؔ یہ ہمارا کام ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ پہاڑی یہاں سے کتنی دور ہو گی؟" جمشید نے دور کتے کے سرداری پہاڑی کے چوٹے کی طرف اشارہ کیا۔

"صاحب اگر اس کے دامن تک چلے جاتے تو پھر پیدل ایک دن کا سفر ہے، اب پہلے اس کے دامن تک جانا ہو گا۔ گاڑی اور پیدل دونوں صورتوں میں ایک ڈیڑھ گھنٹے سفر کرنا پڑے گا۔"

"کیا یہاں کوئی اور پارٹی بھی آئی ہے؟" سمار نے اچانک پوچھا تو شاہ نور ہنسنے لگا تھا پھر اس نے جلدی سے کہا۔

"ہو سکتا ہے صاحبؔ، ابھر لوگ آتا رہتا ہے کبھی بھی شکاری بھی آ جاتا ہے جنگلی کھداری کے لیے۔"

"ہم جس کے لئے کس پھووس کے شکاری کی بات کر رہے ہیں۔" جمشید نے سر دھجے میں کہا۔ "یاد رہتا تھا کہ اگر آپ بھی کسی غیر ملکی کے ساتھ ادھر آیا ہے؟"

"ہاں لیکن وہ اس طرف نہیں آیا ہے اور پھووس کے لئے نہیں آیا ہے۔"

"تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" سمار نے کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ اصل میں پھووس کی تلاش میں ادھر آیا ہو۔"

"مجھے بابا نے جو بتایا تھا، وہ میں بتا رہا ہوں۔" شاہ نور نے سادگی سے کہا۔ "دونوں اسے پر غور دیکھ رہے تھے مگر اس کے چہرے سے اندازہ نہیں کر سکے تھے۔"

"ہو سکتا ہے تمہارے باپ نے تم کو بتایا ہو؟"

"صاحب میں تو جانتا ہوں آپ کو بتا دیا، اب آپ کو مجھ سے کوئی شکایت ہو تو پڑے۔"

سمار جلدی سے بولی۔ "نہیں... نہیں کوئی شکایت نہیں ہے۔ تم جاؤ آرام کرو اور کھاؤ۔"

شاہ نور کے جانے کے بعد وہ دونوں چائے اور دوسری چیزیں لینے لگے۔ سمار نے آہستہ سے کہا۔ "تم کچھ زیادہ ہی تیزی رکھ رہے ہو۔"

"تیزی رکھانی پڑے گی، ہم اس علاقے کے پاس ہیں اور اگر دیر ہوئی تو موقع ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

"نہیں بھلے گا۔" سمار نے اصرار سے کہا۔ "لیکن ہمیں ہر صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

"بہر حال، میں نے یاد سے کہہ دیا ہے وہ جو

☆ ☆ ☆

شاہ نور کا ٹھکانہ سے برا حال تھا۔ کوئی دور دراز جگہ اس نے گاڑی سے اتر کر کسی بلند جگہ چڑھ کر راستہ دیکھا تھا۔ غلط راستہ اختیار کرنے کا مطلب تھا کہ سفر طویل ہو گا اور وقت زیادہ لگے گا اس لیے وہ اسی وقت آگے بڑھتا جب اسے راستے کا ٹھکانہ ہو جاتا۔ شام جب سورج ڈوبنے کو تھا تو وہ کتے کے سرداری پہاڑی سے کچھ ہی دور ہو گئے تھے۔ شاہ نور خوش تھا کہ اس نے سمار کا شیخ پورا کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ رات ہونے کے باوجود وہ پہاڑی کے نیچے والی اعلیٰ تک تو پہنچ سکتے۔ چوٹی ابھی بہت دور تھی اور وہاں تک جانے کے لیے پورے ایک دن کا پیدل سفر تھا۔ مگر اچانک جمشید نے سفر روک دیا اور اس نے ہمیں پڑاؤ لگائے کا حکم دیا۔ شاہ نور ان کے پاس چلا آیا۔ "صاحب اب تو تھوڑا سفر ہو گیا ہے رات میں بھی ادھر ڈھان تک پہنچ جائے گا۔ اس سے آگے پیدل جاسکتا ہے۔"

"ہم نہیں رات گزاریں گے۔" جمشید نے خشک لہجہ میں کہا۔

"جیسا صاحب کی مرضی۔" شاہ نور نے کہا اور وہ اپنی پلٹ گیا۔ یاد اور اس کا سامی سامان اتر رہے تھے۔

دراستہ گزریوں کا حائر اور ان کا تیل پانی چیک کر رہے تھے۔ ان کے پاس دونوں گاڑیوں کے لیے خاصا اچھا ٹھکانہ تھا اور وہ پراسانی واپس کر آتی تھیں۔ لیکن تے اپنا ٹھکانہ جایا اور رات کے کھانے کی تیاری میں لگ گیا، ان کے پاس تازہ خوردہ کے علاوہ کچھ اور بھی تھیں۔

لیاض نے ٹن سے تیرہ نکال کر کتنے کے لیے چڑھایا تو اس دیرانے میں اس کی خوشبو پھیل گئی۔ وقت تیزی کے لیے اس نے پہلے چائے کے ساتھ بکٹ پیش کیے کیونکہ سب کا بھوک سے پر امال تھا۔ شاہ نور کچھ دیر بیٹھا ہاتھ دھو کر پیسے کے پاس آیا۔ "میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں؟"

وہ خوش ہو گیا۔ "ہاں تم چیزیں پہنچاؤ، میں اٹھتا ہوں تو ادھر ہانڈی میں مسئلہ ہوتا ہے۔"

شاہ نور اس کی ہدایت کے مطابق دوسروں کو کھانے پینے کی چیزیں مہیا کرنے لگا۔ گرمی سے بچنے کے لیے وہ راستے میں انرجائیں پیتے رہے۔ یہاں بھی آتے ہی لیاض نے انرجائیں کا بڑا سا جگ بنا کر سب کو دیا اور وہ تازہ دم ہو گئے۔ شاہ نور نے ٹرے میں چائے اور ریفریش منٹ کا سامان جمشید اور سمار کے سامنے رکھا۔ سمار بولی۔ "تم تھکے

آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے صاحب۔" بانور نے کہا اور سچ چمکی کی طرح چادروں ہاتھوں پاؤں سے اس ڈھلان پر چڑھنے لگا۔ انیک جہاں کھڑا تھا وہاں سے یہ ڈھلان بہت خطرناک لگ رہی تھی مگر بانور جس طرح چارہا تھا اس سے واضح تھا کہ یہ قائلہ گزر رہے۔ پھر بھی انیک خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھا۔ بانور نے یہ سائیکل ڈھلان عبور کی اور اب وہ کتے کے سردالی چوٹی کے پھلے بیٹھے تھا۔ وہاں اس نے انیک مناسب جگہ کیل ٹھونک کر اس سے رہی ہانڈی اور اس کا لچھا پیچہ اچھالی دیا۔ انیک نے رہی ہانڈی کمر کی پلٹ کے کلب سے منسلک کی اور اوپر چڑھنے لگا۔ وہی کیل ہڈ سے وہ زیادہ آسانی سے اوپر پہنچ گیا۔ مگر چوٹی کے دوسری طرف جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہاں بہت چٹانیں و صندیلوں سے بھنے والے اس کے رخسار سے نے چوٹی کو تلاش کر یہ شکل تو دیکھ گئی ساتھ ہی اسے بانگل ہوا اور چکنا کر دیا تھا۔ یہاں بارش بہت کم ہوتی تھی اس لیے چٹانیں ٹوٹ پھوٹ سے مملوہ تھیں۔ جب انیک نے سائیکل درست کر کے آس پاس دیکھا تو درخت انیک کا قلم بن گئے منظر دکھائی دیا۔ ایک آسٹریلین اسٹیمپ انیسٹس ہر رنگ لہاؤں تھا اور رنگوں کی لہریں تھیں جو پھیل رہی تھیں۔ ان میں کبھی کبھی چھوٹے پر سبز رنگ نمایاں تھا۔ یہ سبز تھا باقی قزم رنگ چٹانوں کے تھے۔

"میرے خدا کا حکم خوب صورت ہے۔" انیک نے کہا۔

"صاحب! اللہ کا دیا بہت خوب صورت ہے۔ یہ تو ہم ہے جو اسے بد صورت کرتا ہے۔" بانور نے وہی مینتے ہوئے کیا۔ "اب چلو صاحب وقت گزر رہا ہے۔"

انیت کی کمی نے انیک کو فکر مند کر دیا۔ اس نے سر ہلایا۔ "لیکن ہم جائیں گے کیسے یہاں تو راستہ ہی نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"راستہ ہے صاحب! دھراؤ۔" بانور انیک طرف بڑھا۔ ان سے وہی سیٹ گراہا جس بیگ میں ڈال لی تھی انیت کیل آئی خیرات تھی رہے دیکھا وہ انیت میں ان کے کام آئی۔ یہاں ڈھلان بہت چٹانی اور کسی سہارے کے بغیر تھی۔ اگر ان کا پاؤں پھسلنا تو پھنے کی گنجائش کم تھی۔ وہ چوٹی کی طرف بھٹکے بھٹکے چل رہے تھے۔ بانور کا رخ ذرا نیچے کی طرف تھا پھر اس نے انیک پتے سے چھبکی کی طرف اشارہ کیا جو چوٹی کے ساتھ چمٹ کر جا رہا تھا۔ "اس سے جائے گا۔"

پڑتا تھا۔ دو گھنٹے میں وہ پہلے اس کا نصف حصہ طے کر کے تھے۔ ایک مناسب جگہ آرام کے لیے بیٹھتے ہوئے انیک نے ہانچتے اور ماتھے سے ہینٹا صاف کرتے ہوئے کہا۔ "اب سمجھ میں آیا کہ یہ جگہ اتنی محفوظ کیوں ہے کیونکہ کوئی یہاں تک آ ہی نہیں سکتا۔"

"بانگل صاحب مقامی لوگ بھی اصر نہیں آتے مادھر جانوروں کو کھلانے کے لیے کچھ نہیں ہے اور نہ ہی راستہ ہے۔"

"جب تمہارا ادا کیسے آیا تھا؟"

"صاحب وہ چوٹی کے دوسری طرف جانے کا راستہ تلاش کر رہا تھا کیونکہ اس طرف چارہ بہت ملتا ہے۔ اسے راستہ نہیں ملا تو چھوٹ گیا۔"

"کیا ہم شام تک وہاں آجائیں گے۔" انیک نے کتے کے سردالی پر ہانڈی کی طرف دیکھا۔

"کوشش کرے گا صاحب۔" بانور نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب چلو صاحب۔"

انیک باؤلی بانو است اٹھا تھا۔ اس کی ٹھنک تم نہیں ہوتی تھی مگر آگے چلے گا وہ یہاں بیٹھے نہیں رہ سکتے تھے۔ انیک بار بار وہ اس دیوار پر سفر کرنے لگے۔ جیسے جیسے وہ آگے جا رہے تھے وہ راستہ خطرناک اور کیا بے دور ہا تھا۔ وہ کھائے پر دیوار کو ٹوٹ جانے والا کھڑا انہوں نے جیسے جیسے چھوڑ دیا تھا۔ اگر بانور ساتھ نہ ہوتا تو انیک بھی اس جگہ سے نہیں گزر سکتا تھا اس نے اعتراف بھی کیا۔ "اگر ہم نہ ہوتے تو کوشش یہیں سے اچکی چلا جاتا۔ بے شک مٹا مٹے تھے مگر بے خطر نظر آ رہے ہوتے۔"

بانور نے انکسار کیا ہے کہا۔ "میں صاحب تم کے بھی بہت کیا، ہم نے تو صرف وہ کیا۔"

خدا خدا کر کے یہ اذیت ٹانگ مفر شتم ہوا مگر جہاں شتم ہوا وہاں صرف ایک سیدھی ڈھلان اور جاری تھی اور یہ اتنی بھرا رہی کہ اس پر قدم رکھنا بھی دشوار لگ رہا تھا۔ انیک کا ٹھنک سے برا حال تھا اور وہ امواد جگہ پہنچنے ہی ڈھیر ہو گیا۔ بانور نے اسے اترتی ڈر تک نکال کر پانی تو اس کے حواس کھانے آئے اور اس نے تشویش سے کہا۔ "ہم اس پر کیسے چڑھیں گے؟"

"صاحب پھپکی کی طرح۔" بانور نے کہا اور مٹی دیکھ کر کے دکھایا۔ مگر انیک اس طرح جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے بانور سے کہا۔

"تم دو پر جا کر کہیں رہی ہانڈی میں اس کی مدد سے

ایک دہشت زدہ ہو گیا۔ "یہ اتنا بڑا سارا راستہ اس سے کیسے گزر دیں گے؟"

"صاحب! میں لیکن راستہ ہے دوسری طرف جاتے گا۔" بانور نے کہا اور پھر اسے تسلی دینی۔ "صاحب بہت قہر پک نہیں ہے، میں اسی سے گیا تھا۔"

ایک نے خیر پر سے بانور کو دیکھا۔ وہ خود غور سے آدمی تھا غور جانا بیہوشی تھی۔ اس نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے، تم آگے چلو۔"

بانور نے پہلے پیچھے پر قدم رکھا اور دیوار سے پیچ کر آگے جانے لگا۔ کئی قدر دقت کے ساتھ ایک ہی اس کے پیچھے آگیا۔ ٹھہر رہی کی سانس تیز تھی اور چہرے پر غول تھا۔ پیچھے سے نیچے کچھ دور تک تو ڈھلان تھی اور اس کے بعد ایک غائب ہوتا تھا جو نہ جانے کتنا نیچے تک گیا تھا۔ یہاں دیوار کی قدم کھرا دی بھی تھی اس لیے آگے کر فٹ لیتے ہیں آسانی ہو رہی تھی مگر یہ آسانی بھی بہت معمولی تھی۔ وہ اپنی کئی رفتار سے سرک رہے تھے۔ ابھی بھی بانور اسے دیکھ کر کہتا تو ایک سانس ہو جاتا پھر بانور حرکت میں آئے کو کچھ اور اتنا جاتا کہ اسے کیسے قدم رکھنا ہے اور آگے بڑھنا پڑتا ہے۔ وہ بھی ایسا راستہ تھا۔ جسے ایک ایسے ہی صورت مہور میں کر سکتا تھا۔ راستہ بالکل نہیں تھا مشکل سے وہ سونے کا مہا تھا مگر اسے عبور کرنے میں انہیں ایک گھنٹے سے زیادہ کا وقت لگ گیا تھا اور اب وہ گھنٹے کے سروائی پہاڑی کے دوسری طرف تھے۔

اس طرف پہاڑی کے چین نے ایک سنگین ڈاکو حایا کھالی تھی۔ اس کے بعد وہ کسی بڑی دوڑ تک جاتی رہی۔ ڈھلان کی اور بہت سے ڈیڑھ ڈھلان تھی۔ اس سفر کے دوران میں ایک نے کئی بار بانور سے پوچھا کہ وہ دوسری طرف سے کتنے آگے تھے لیکن بانور نے ہر بار ایک ہی جواب دیا کہ میں واحد راستہ سے اور اب ایک نے اپنی آنکھوں سے دوسری طرف کا منظر دیکھ لیا تھا تو اسے بھی یقین آ گیا کہ وہ جس راستہ سے گزر کر آئے تھے وہی واحد راستہ تھا۔ بانور نے کو بھی لیا تھا کی طرف اشارہ کیا۔ "صاحب یہ سہ میاں پھوٹوں کا سکن۔"

ایک دھا آگے آئے۔ لیکن وہ ابھی سے نہ کے ٹپوں جا سکتا تھا۔ یہاں ڈھلان زیادہ تھی اسے خیال آیا اور اس نے بانور سے پوچھا۔ "تم نے بتایا تھا کہ تمہارے باپ کی بھیڑ تو پچھلے دنوں مارا تھا مگر پچھلے یہاں کیسے آئی؟"

"پچھلے دنوں بھیڑ کو نیچے ڈھلان پر ڈنک مارا تھا تب بابا

پچھو کا پیچھا کرتا یہاں تک آیا تھا اور اسی نے یہ کٹواں دیکھا تھا۔ پھر اس نے مجھے دکھایا۔" بانور نے وضاحت کی۔ "پر صاحب یہ بہت خطرناک ہے، پچھو رات کو اٹھ آتے ہیں پھر دن میں بھی آ جاتا ہے۔"

"میں اس کو نہیں میں بابا کو گا۔" ایک نے کہا تو بانور غور سے سوچا۔

"کیا کہہ رہا ہے صاحب اور جانا تو موت سے مر میں جاتا ہے۔"

"تم فکر مت کرو، کچھ نہیں ہو گا۔" ایک نے کہا۔ "ہنگ سے وہ ہنگ کا لوتو میں نے دیکھا تھا۔"

تو ایک نے غور سے اسے دیکھا اور اسے پہلے ایک نے اپنا ایک اتار دیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اس راستے پر سفر نہیں کر سکتا تھا اور بانور کے اپنے دونوں ہنگ لے جانا ممکن نہیں تھا اس لیے ایک نے ایک ہنگ کالی لڑائی کے پاس رکھوا دیا تھا وہی ایک طلب کر رہا تھا۔

بانور کی پشت پر بندھے ہوئے ایک ایک ہنگ تھا، بانور نہیں دیکھا تھا کہ اس میں کیا ہے؟ ایک نے اس سے ہنگ سے اس کی ذہنی کھول دی تو آخر سے وہ بندھ گیا سے کسی پلاسٹک ٹرا چھلکا مادی سے بنے ایسے سوٹ اٹل آئے جنہیں سر سے پہن لگ چکا تھا۔ ان پر ہڈ لگے ہوئے تھے اور ہڈ کے سامنے والا حصہ شفاف پلاسٹک کا تھا۔ ایک نے انہیں اس اتار دیا اور صرف ٹیکر میں آگیا۔ پھر وہ سٹے یہاں پہنچا۔ دونوں جواہر ڈال کر اوپر لیٹے قمار میں دونوں ہاتھ اسے دن کے آخر میں چھلکا دسنا تھے۔ ان میں ہاتھ ڈال کر اس نے سامنے کی ذہنی کھول کر وہی کھولنے لگا۔ پھر وہ کھولنے والے کے لیے تھے۔ بانور دیر سے انہیں ہاتھ بپ ایک نے ہور اسوٹ لیکن لیا تو ان سے پوچھا۔

"یہ کیا ہے صاحب؟"

ایک ہڈ کے پیچھے سے سٹھرایا۔ "پچھو سے بچنے کی ترکیب، ان لباس پر اس کا ڈنک اٹھ نہیں کرے گا۔"

بانور نے بے یقینی سے کہا۔ "کیسے صاحب؟ میاں پچھو کا ڈنک بہت تیز ہوتا ہے سوئی کی طرح۔"

"میں دیکھا ہوں۔" ایک نے کہا اور اپنی پشت پر بندھا ہوا ڈنک ایک اتار دیا۔ بانور کو طر نہیں تھا کہ اس میں کیا ہے۔ ایک نے انداز سے ایک پچھو سا ٹکڑی کا ڈنک اتار دیا اور اسے کھولا تو بانور نے وہ دیکھ کر ہٹ گیا اس میں ایک

www.paksociety.com

موٹاپا کریں کم...
 رہیں **slim** فٹ اور **Young!!**

طیبی
عرقِ اویسیول

موٹاپے میں کمی کی قدرتی دوا
 100 فیصد قدرتی بنائی ہوئی ہے۔

- جسم سے زائد چربی ختم کرتا ہے
- ہضم درست اور جگر کو ترقی دیتا ہے
- اجابت صاف کرتا ہے
- آنکھوں کی سوزش دور کرتا ہے
- ہاتھ پاؤں کی دھاتوں میں فائبر دیتا ہے

طیبی
 دواخانہ (پیرالیوٹ) لمیٹڈ
 گولپن - پاکستان www.layyebi.com.pk

www.paksociety.com

خطرناک زرد پتھر تھا، اس کا ذائقہ زیادہ طویل تو نہیں تھا مگر اس کی ذائقہ خاصی موٹی سی تھی۔ ایک نے اسے ہاتھ پر اٹھایا تو اس نے فوراً ذائقہ چٹایا مگر وہ دستانے کو پار نہیں کر سکا۔ بانور کو لگا کہ اس کا ذائقہ مسلسل گیا تھا اس کے بعد بھی پچھو بار بار کوشش کرتا رہا مگر اس کا تیز ذائقہ لباس میں نہیں ٹھس پار ہوا تھا۔ ایک نے اس کی خرافہ دیکھا اور پچھو کو اس کے ذائقہ سے پکڑ کر اٹھا کر وہاں نکلنے کے کہیں میں ڈال دیا۔ "تم نے دیکھا... یہ زہریلا ترین افریقی پکھو ہے۔ یہ سب سے بڑا پکھو بھی ہوتا ہے۔"

بانور نے ہاتھوں پر زبان پھیری۔ "صاحب یہ دوسرا لباس کس کا ہے؟"

"پتھار سے لیے ہے۔" ایک نے کہا۔ "اسے ہمیں کہہ دوں گا جب اس کو ہمیں میں اتریں گے تو پتھو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ ہم آرام سے انہیں پکڑ لیں گے۔" بانور تیار نہیں تھا مگر وہ ملازم تھا اسے علم تو ماننا تھا۔ مجبوراً اس نے لباس پہنا۔ اس میں نہ صرف دستانے بہت اچھے تھے جو اس کی انگلیوں میں بالکل فٹ آ گئے بلکہ پیروں میں جوتوں کی جگہ ایسے کرپ سولے تھے کہ اسے لگا جیسے اس نے بہت اونچی گرفت والا جوتا پہنا ہو اور اس کا خیال تھا کہ اس لباس میں اسے گری گئی اور زمین پر پڑتا مگر اسے ہلکا کر کے اسے ادا بھی کر لی یا زمین کا احساس نہیں ہوا تھا۔ بالکل رہا تھا جیسے اس نے کاشیا کا لباس پہنا ہو اور یہ اس میں ہوا کی آمد و رفت کا بندوبست تھا۔ بانور نے ایک جگہ بل خصوصیت کر دی بانور کی پھر ایک کی ہدایت پر ایک اور جگہ بل خصوصیت کر دوسری رتن بانور لگا۔ ایک نے کہا "ایک اضافی رتن بہتر ہوگی اگر سن دے تو ایک رتن سے نیچا اس کی نیل نکل گئی تو دوسری رتن میں ہجانہ لگی۔"

بانور نے دوسری رتن ادا کا مسئلہ پر بانور کی تھی لیکن وہ انہیں ایک ساتھ لے کر نیچے اترتے۔ اس بار ایک آگے ہوتا۔ اس سے اتنی جیک سے ایک بانور اور دوسرا مونسے تو اس کے ساتھ کی ایک چیز نکلی اور جب اسے سمجھ گیا تو یہ پاسٹک کا بنا ہوا شفاف بڑی ڈنل روٹی کے ساتھ کا ٹک بن گیا۔ اس میں دس ایک ایک خانے تھے جو آپ سے چھلنے اور بند ہوتے تھے۔ ایک نے اسے ایک کھپ سے اپنے سینے پر باندھ لیا۔

"یہ کیا ہے صاحب؟" بانور نے پوچھا۔
"پکھو رکھنے کا بیگ ہے۔" ایک نے کہا اور رتن چھوڑتا ہوا نیچے کی طرف جانے لگا۔ اس سے پاؤں بہت

ادھی طرح چٹان پر جم رہے تھے۔ کنوئیں کے کنارے پہنچ کر اس نے اندر بھاگنا اور اشارے سے بانور کو بھی آنے کو کہا۔ وہ رتی پکڑتا ہوا نیچے پہنچا اور اس نے پہلی بار کنوئیں میں جھانکا۔ اس کے دھنسنے کھڑے ہو گئے کیونکہ کنوئیں میں کم سوخت گہرا تھا اور اس کا قطر تیس پینتیس فٹ ضرور تھا۔ کنوئیں کی اندرونی دیواریں کھردری تھیں اور ان میں جگہ جگہ پتھر لپکے تھے یا سوراخ تھے۔ اوپر ہی حصہ روشن تھا مگر نیچے تاریک تھا۔ اس تاریکی میں بانور کو دیر لگا جیسے کوئی چیز حرکت کر رہی ہے یا دیواروں کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے۔ پتا نہیں یہ سچ تھا یا اس کا اہم تھا۔ کنوئیں کی تہ کے وسط میں کئی قد دروئی تھی اور اس میں پانی نہیں بنا۔ بہت سی کوئی چیز تھی۔ ان بھانپنا پر پانی کے کنوئیں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ایک نے ایک سی قدر ٹک کنارے سے رتی نکالی اور کنوئیں میں اتر گیا۔ اس نے بانور کو بھی اسی طرف سے آگے بولنا یہاں دو کنوئیں تھیں دیواروں سے دور تھے گویا پتھروں سے دور تھے۔ بانور بھی پہلے اس کے عقب میں اتر گیا۔ فوراً ہی آنے کے بعد ایک نے مانتورارین آگے کر کے اس کا سر نیچے کی طرف لپٹا تو انہوں نے اس آگے لپٹائی دینے لگا تھا۔ رتی ہوتے ہی دیواروں کے ساتھ حرکت کرتی چیز اس میں ٹھنکی پٹھانی۔ بانور کے ایک بار پر روٹنے لگا۔ اسے ہو گئے۔ یہ ناقابل فہم بنے اسے ساتھ لے پکھو تھے۔ اس کے پیروں سے پتھروں نکلنے لگے رکا تھا ابوت ایک کے پیروں پر بے پناہ دھنکی اور خوشی تھی۔ بانور نے ٹھہرا کر کہا۔ "صاحب میں نیچے نہیں جاسکتا۔"

"ذرا استہجائی ہو گا دان لیا سوں میں ہم بالکل محفوظ ہیں۔ تم میرے پیچھے رہو گے۔"

ایک نے رتی اٹھائی کی تودہ نیچے آیا تھا۔ رتی پکڑنے اور پھوڑنے کے لیے ایک خاص کھپ موجود تھا اس کی مدد سے رتی کو اٹھالی کر آسمان ہو گیا تھا۔ تودہ چٹا اینٹے کی طرح عام استعمال کرتے ہیں۔ بانور اس کے پیچھے دوسری رتی سے لٹک رہا تھا۔ ایک نیچے جانے ہوئے روٹنی تھا کہ کنوئیں کا معائنہ کر رہا تھا۔ وہ جس طرف روٹنی کرتا کنوئیں کی دیواروں کے ساتھ خاصی تھوڑی بڑے سے سیاہ پتھر نظر آتے۔ وہ دیواروں سے دور تھے اور رتی سے لٹک رہے تھے۔ کوئی پکھو ان تک نہیں آ سکتا تھا۔ ایک نے روٹنی کا رخ نیچے کی طرف کیا تو اسے وہاں فی کے ساتھ کالی جیسے پودوں کے جذبات نظر آئے تھے جو پھر دیواروں کے ساتھ اوپر تک

نے بے پروائی سے کہا۔ "تم فکر مت کرو میرے پاس کچھ اور چیزیں بھی ہیں ان کے ہوتے ہوئے مجھو ہمارے قریب بھی نہیں آئیں گے۔"

ایک کے پاس ایک بیگ اور تھا۔ ایک گھٹنے آرام اور ٹی سے فارغ ہو کر دو دو بارہ بیچے گئے۔ اس بار بانور کوئیں کے اوپر ہی جیسے میں رہا تھا وہ الگ دسی سے لنگ رہا تھا جبکہ ایک دوسری دسی کی دھ سے خاصا نیچے گیا۔ اس بار وہ وہاں آیا تو بہت پر جوش تھا۔ اوپر آنے پر اس نے بتایا۔ "میں نے ایک بڑی مادہ پکڑی ہے ایسا لگ رہا ہے وہ انڈوں سے بھری ہوئی ہے۔"

"یہ تو اچھا ہوا صاحب۔" بانور نے کہا۔ "آپ اسی لیے لو آیا ہے؟"

ایک نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر سر ہلایا۔

"ہاں امیر استغنیہ پورا ہو گیا ہے۔"

"ساحب کیا یہ مجھو اسی میں رہے گا۔" بانور نے شفاف پلاسٹک کا بیگ دیکھا جس میں اوپر سے نیچے تک سیاہ

مجھو بھرے ہوئے تھے۔

"ہاں یہ ایک دوا ان اس میں رہ سکتے ہیں۔ میرے پاس نیچے گاڑی میں خاص کنٹینر ہیں وہاں جا کر ان کو کنٹینر میں رکھ کر دوں گا۔"

شام قریب تھی۔ انہوں نے ایک جگہ منتخب کی۔ ان کے پاس پانی اور مجھو تھی۔ ان سے گزارش ہو جاتا۔ ایک نے اپنے بیگ سے ایک دھیرے والی بوتل نکالی اور جو جگہ انہوں نے منتخب کی اس کے چاروں طرف دائرے میں اچھڑے کیا۔ بانور رات یہاں گزارنے کے خیال سے پریشان تھا اس نے پوچھا۔ "یہ کیا ہے صاحب؟"

"یہ ایک دوا ہے اس کی بو سے مجھو بیاں نہیں آئیں گے۔"

"صاحب۔ دوا ہے تو اس کا اثر ختم بھی ہو سکتا ہے؟"

"اس کا اثر کم سے کم پورہ گھنٹے رہتا ہے۔ ابھی تم خود دیکھ لو گے۔"

اس وقت انہوں نے ہڈ اتار دیے تھے مگر لباس پہنا ہوا تھا۔ تار کی چھانے سے پہلے انہوں نے پانی اور مجھو سے پیٹ بھر لیا۔ جیسے ہی سورج غروب ہوا کچھو باہر آنے لگے۔ ان کی تعداد شروع میں تو آٹھ تھی مگر پھر اس میں تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ چاند طلوع ہونے تک کوئیں کے آس پاس کو سارا علاقہ ان خطرناک ترین سیاہ مجھوؤں سے بھر گیا۔ انہیں دیکھتے ہی بانور نے جلدی سے اچانک چڑھا

آ رہے تھے۔ ایک نے کہا۔ "یہ مجھو ہی کالی پر گزارہ کرنے ہیں کیونکہ یہاں ان کے کھانے کے لیے اور کچھ نہیں ہے۔ یہ کالی یقیناً بارش کے پانی سے مسموم پاتی ہے۔"

ایک کے انداز میں مختصاً دیکھی گئی جبکہ بانور ابھی تک خوف زدہ تھا حالانکہ وہ مجھوؤں سے خاصے محفوظ قافلے پر تھے مگر اسے خوف تھا کہ کوئی مجھو ہو پر دسی سے ہوتا اس تک نہ آجائے۔ اس لیے وہ بار بار اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی توجہ ایک کی باتوں پر نہیں تھی۔ ایک ڈرا نیچے دیوار کے ایک دروازے ہوئے جسے کے نزدیک تھا۔ اس نے اچانک دسی کو جھولا دیا اور اس جسے کے نزدیک چلا گیا۔ اسے وہاں دیوار کے ساتھ کئی بڑے سیاہ مجھو دکھائی دیے تھے اس نے ایک ابھرا ہوا مہر تمام کر خود کو وہاں جانے سے روکا۔ دسی چھوڑ کر اس نے دوسرے ہاتھ سے ایک مجھو کو اس کے ڈبک سے پکڑ کر اٹھالیا۔ اس سے پہلے مجھو نے اس کے استا سے پر ڈبک مارا تھا مگر وہ بھی اسے یاد کرنے میں ناکام رہا۔ ایک نے مہر چھوڑا تو بھول کر پیچھے آگیا اور پھر اس نے اپنے سینے سے منسلک بیگ کا ایک خانہ کھولا اور احتیاط سے مجھو کو اس میں ڈال دیا۔ خانہ مجھو کے لحاظ سے کسی قدر چھوٹا تھا مگر وہ کسی نہ کسی طرح اس میں آگیا۔ ایک نے زپ لگا کر خانہ بند کیا اور بانور کی طرف دیکھا۔

"لکنا آسان ہے۔"

"ہاں صاحب آسان ہے۔" بانور نے تھوٹک لنگر کر کہا۔ "پر میں اس طرح مجھو نہیں پکڑ سکتا۔"

"جس میں کچھ نہیں کرتا ہے بن تم میرے ساتھ کرو۔"

ایک نے کہا اور دو بارہ جھولا لے کر دوا لنگ چلا گیا۔ آگے ایک گھٹنے میں وہ دسی کچھ پکڑ چکا تھا اور یہ سب خاصے بڑے تھے۔ ایک جن کر پکڑ رہا تھا جو مجھو اس کی مرضی کے خلاف اٹھا و اسے دوا لنگ چھوڑ دیتا۔ بیگ بھرتے ہی اس نے بانور کو دوا لنگ اوپر جانے کا کہا اور اس کے پیچھے خود بھی دسی چڑھنے لگا۔ یہاں دونوں نے اپنا برسیاں الگ کر لی تھیں۔ وہ پھر کے دو بج رہے تھے اور ابھی انہیں دوا لنگ بھی جانا تھا۔ وہ بہ مشکل تاریکی کے قریب دوا لنگ پہنچے مگر جب بانور نے دوا لنگ کا کہا تو ایک نے طبیعتان سے جواب دیا۔ "آج دوا لنگ نہیں ہوگی آج ہم مجھو پکڑیں گے اور رات میں رکیں گے۔"

بانور کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ "صاحب یہ بہت خطرناک ہوگا۔"

"اس لباس کے ہوتے ہوئے ذرا بھی نہیں۔" ایک

گا۔

"تم لگتے کرو سب تیار ہے۔"

شاہ نور جس وقت اٹھا تو اس نے یارو اور قمار بخش کو
 شمال سے آتے دیکھا تھا مگر اس نے توجہ نہیں دی تھی، اس کا
 خیال تھا کہ وہ ضرورت کی وجہ سے باہر گئے ہوں گے۔ سحر
 اور ہاشید تیار تھے انہوں نے اپنی گاڑی سے تین بیگ بیک
 لٹوا لئے۔ ان میں جو زیادہ بڑی تھا وہ شاہ نور کے حصے میں
 آیا اور بڑی وہ ہاشید اور سحر نے اپنی ہتھکڑیوں پر لا دی تھیں۔ شاہ
 نور نے سحر سے کہا۔ "میں صاحب ایہ بیگ بھی مجھے دے
 دینا میں اٹھا لوں گا۔"

ہاشید: معنی پھر زندہ رہیں سکرایا۔ "شاہ نور بہت
 دیر لڑکا ہے ضرورت پڑی تو یہ تمہیں بھی اٹھا کر لے جاسکتا
 ہے۔"

"تم ضرورت ضرورت۔" سحر ہاشید کی بات ٹھکراندہ
 کر کے پلٹی۔ "میں اٹھا لوں گی۔"

شاہ نور کا خیال تھا کہ یارو اور قمار بخش بھی ان کے
 ساتھ جائیں گے۔ وہ قمار بخش کے بارے میں جانتا تھا۔
 اس کا خیال تھا کہ شاہ نور جو پھر پڑے گا اور شاہ نور نے کسی
 سے اس سے بارے میں نہ تھا مگر وہ یقین سے نہیں کہہ سکتا
 تھا۔ اس نے اس پر تیار وہ فور نہیں کیا تھا کیونکہ یہ ہاشید اور
 یارو کا مسئلہ تھا اس کا نہیں۔ وہ ایک سے نکلے تو ہاشید نے
 خلاف توقع شمال مغرب کے بجائے مغرب کا رخ کیا تھا۔
 شاہ نور نے کہا۔ "ادھر تہ نہونی دور پڑ سکتی۔"

"لگتے بہت کمرو میں ذرا اس علاقے کی سیر کرنا چاہو رہا
 ہوں۔" ہاشید نے کہا۔ سحر خاموش رہی تو شاہ نور نے سر
 ہلایا اور آگے بڑھ گیا۔ جیسے ہی آگے بڑھے اور ایک
 اٹھان میں داخل ہوئے کیپ سے یارو اور قمار بخش نکلا کر
 تیزی سے شمال مغرب کی طرف چلنے پڑے۔ سحر جلد
 رہا تھا اور وہ سب میں ہلکی سی قنارت آگئی تھی مگر ہندی کی وجہ
 سے ہوا ٹنک مٹی اور یہ قنارت بری نہیں لگ رہی تھی۔ ہاشید
 تمباکو نوشی کا عادی تھا اس لیے کچھ ہی دیر بعد اس کی سانس
 پھولنے لگی اور وہ ایک جگہ رک گیا۔ اس کے اٹھا۔ پلے میں سحر
 کی سانس قطعی سموار گئی۔ شاہ نور بھی تازہ دم تھا۔ سحر نے سر
 کر دیکھا۔

"رک بیوں گے ہو؟"

ہاشید ہندی سے چل پڑا۔ "کچھ نہیں ایسے ہی رات
 کی تھی۔"

"ہمیں رات کے بغیر بیٹنا ہے۔" سحر نے سخت لہجے میں

لپکا کر ایک ایسے ہی بیٹا رہا۔ پھر چھو ان کی طرف آتے
 گئے۔ مگر جہاں ایک نے اس پر سے کیا تھا وہاں پہنچ کر وہ رک
 گئے۔ انہوں نے اس حد سے آگے آنے کی کوشش نہیں کی۔
 کچھ دیر بعد وہ اس دائرے کے چاروں طرف پھیل چکے
 تھے۔ اگر ایک نے اس پر سے نہ کیا ہوتا تو وہ اس وقت ان
 کے پاس ہوتے۔ ایک نے کہا۔ "اگر ہم کسی طرح ایک دو
 ہاتھ لگی لے آئیں تو پتا چل جائے گا کہ کچھ ان کی موجودگی
 نہیں باہر آتے ہیں یا نہیں۔"

"صاحب، ہاتھ لگا کر آج بہت مشکل ہے، آپ نے
 دیکھا وہ کتنا تیز ہے۔"

"خیر ہمارا کام تو ہو گیا ہے۔" ایک نے سر ہلایا اور
 زمین پر دوڑا ہو گیا۔ چنان کی تختی سے بچنے کے لیے انہوں
 نے اس پر چاروں طرف پھیلنا شروع کیا اور اپنے ہاتھوں کو نیچے کے طور پر
 استعمال کر رہے تھے۔ ایک تو کچھ دیر بعد فرار کے لیے لگا کر
 باہر جاگ رہا تھا۔ اس پاس لا تعداد زہریلے پھوڑوں کی
 موجودگی میں غید آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ
 سوئی رہا تھا کہ یہ گورا صاحب تمام انتظامات کے ساتھ آیا
 تھا۔ کیا اسے پتا تھا کہ اسے اسے سارے پھوڑوں کا کیا
 کے؟ اس بیٹے یا نور بھی کسی قدر شوگر کی میں پتا گیا پھر وہ
 پونکھ اسے لگے تھیں تو ایک سی ٹوٹی آواز آئی تھی۔

ہو جا رہا ہے

صبح شاہ نور ہندی اٹھ گیا۔ وہ صرف چار گھنٹے سو رہا تھا
 مگر جڑہ اہم لگ رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں دوسرے
 انہوں نے اتنی مشقت بھی نہیں کی تھی وہ تھکے ہوئے تھے۔
 ہاشید کا پیرو بھی اتنا ترسنا کہ ان کے ہاتھ بہت تازہ دم
 اور تیار تھے۔ اس نے بالکل چھوڑ دیے تھے اور سب
 معمولی چست چست شربت کی تھی۔ فیاض نے ان سے لیے
 خاص طور سے بڑے پرتاؤں تیار کیا۔ ہائی سب سے ہائی مائیکر
 لگے تھے۔ شاہ نور نے محسوس کیا کہ ہاشید کسی قدر لگے بند تھا۔
 نا اہلی کے بعد اس نے شاہ نور کو بلایا اور کہا۔ "اب ہم پیدل
 چلیں گے۔"

"مجھے آپ کی مرضی صاحب۔" اس نے مستعدی
 سے کہا۔ "لیکن پھر آج شام تک وہاں پہنچنا مشکل ہو گا۔
 آگے بہت بہت خطرہ رک ہے۔"

"ہم کوشش کر سکتے ہیں۔" ہاشید نے کہا۔

"کون کون جانے گا صاحب؟" شاہ نور نے پوچھا۔

"میں ہاشید اور تم۔" سحر نے جواب دیا۔

"صاحب دونوں کے لحاظ سے کھانا پیو بھی رکھنا ہو

کہا۔ "تم بھی ہمہ رات سے پہلے چوٹی تک پہنچ سکتے ہیں۔"

شاہ نور نے مداخلت کی۔ "میم صاحب یہ رات ملوٹیل ہے، ہمہ رات تک بھی مشکل سے پہنچ سکتا ہے۔"

"رہنمائی دیکھو۔" سجاد نے کہا۔ وہ سب سے آگے تھی

اور ان دشوار گزار راستوں پر یوں روانہی سے چل رہی تھی

جیسے وہ ان کی مادی ہو۔ اس کی پشت پر موجود بیگ کم سے کم

دیں گے گرام و ذنی تھا۔ اس کے باوجود وہ آرام سے چل رہی تھی

تھی۔ اس کے مقابلے میں جوشید کے قدم بھی کھینچ کر کھڑا

جاتے تھے۔ وہ عادی نہیں تھا اور جسمانی لحاظ سے عمل نہ

تھی نہیں تھا۔ اب تک شاہ نور سمجھتا آیا تھا کہ اس ممبر کا اصل

مالک جوشید ہے لیکن اس وقت سار کے انداز سے لگ رہا تھا

کہ اصل کچھ دھڑکتی ہوئی بورا سے ہی فیملے کا اختیار حاصل

تھا۔ دو گھنٹے بعد وہ شمال مغرب میں گتے کے سردالی پہاڑی

کی سیدھا میں آچکے تھے اور شاہ نور کو چاہی نہیں چلا کہ وہ اس

جگہ سے گزرے تھے جہاں ایک کی گاڑی سوئی ہوئی تھی۔ یارو

نور قادر بخش نے گاڑی پہلے ہی دیکھ لی تھی۔ شاہ نور سے

اسے پھپھانے کے لیے جوشید اسے جان بوجھ کر دوسری طرف

نے گیا تھا اور اس وجہ سے ایک گھنٹے کا راستہ دو گھنٹے میں

ہوا تھا۔

ان تینوں کے بیکہ ہائیکس میں۔ الی، غور، ایک

ادویات اور ضرورت کی چیزوں کے ساتھ چلے پہلے پہلے

بھی تھے۔ شاہ نور اب آگے تھا کیونکہ راستہ اسے ہی معلوم تھا

اور وہ سوچ رہا تھا کہ کیا ان لوگوں کو اس جگہ لے جانا مناسب

تھا جہاں کچھ موجود تھے۔ سار نظر پڑ رہی تھی اس لیے وہ

اس کے برابر آگئی۔ "جوشید غافل ہے۔ منور نہیں جان

کر شاہ نور نے سجاد سے پوچھا۔ "میم صاحب آپ لوگ کچھ

کے لیے کیوں جا رہے ہیں؟"

سجاد کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ "کیا تم

لوگ واقعی نہیں جانتے ہو؟"

"میم صاحب... ہاں ہمارے گاؤں کے پاس کچھ

نہیں ملتا ہے۔ اور کیرتھر میں بھی کم ہے پر سنا ہے کھیر میں

بہت ملتا ہے اور لوگ ادھر کاڑھیں رہا ہے۔"

سجاد نے سر ہلایا۔ "اور یہ کام بہت ہوتا ہے۔"

"میم صاحب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سینہ کچھ کا

اچانک اتنا مانگ کیوں ہو گیا ہے اس میں کیا خاص بات

ہے؟"

سجاد نے پھر کچھ دیر بعد جواب دیا۔ "میں بھی نہیں

جانتی لیکن دوسرے شہر میں کچھ خریدنے کے لیے بہت سے لوگ

تیار ہیں۔"

شاہ نور کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا کیونکہ وہ جتنی

تیار کی کے ساتھ آئے تھے، انہیں معلوم تھا کہ لوگ کچھ کیوں

منہ مانگے داموں خرید رہے ہیں۔ وہ خود بھی اتنا خرچ کر کے

صرف تفریح کرنے نہیں آئے تھے۔ شاہ نور سوچ رہا تھا اور

پھر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ انہیں گتے کے سردالی چوٹی تک

لے جائے گا مگر اس سے آگے کچھ کہاں پائے جاتے تھے۔

وہ بھی نہیں جانتا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ کچھوڑوں والی جگہ

تلاش کرنا اتنا مشکل نہیں۔ ایک بار یہ لوگ گتے کے سردالی

چوٹی تک پہنچ جاتے تو آگے کا کام آسان تھا۔ اب اسے لگ

رہا تھا کہ بانو کی بات درست تھی، یہ کچھوچ کچھ اٹھوں

روپے میں فروخت ہوا ہے۔ تب ہی تو لوگ ان کی تلاش

میں پانچوں کی طرح تھک رہے تھے۔

اسے۔ "سجاد نے اپنا ٹکٹ کہا اس کا لہجہ بدلا ہوا

تھا۔ "میں نہیں سمجھتی ہوں۔"

شاہ نور کے لیے سوال اچانک اور غیر متوقع تھا۔ اس

نے جواب دیا۔ "اچھا، میں نہیں سمجھتی صاحب۔"

"کیا تو نے؟" سجاد کے لہجے میں لڑائی تھی۔

"ہاں تو میں نہیں سمجھتی صاحب، یہ نہیں سوچا۔" شاہ نور نے

سادگی سے کہنا۔

"تمہاری شادی ہوئی ہے؟"

شاہ نور کا لہجہ ہنسنا ہوا۔ اس نے کسی قدر مشکل سے

جواب دیا۔ "ابھی تک نہیں ہو جائے گی۔"

"اسی طرح سے جو کونیں پر ہوتا تم سے بات کر رہی

تھی۔" سجاد کا لہجہ ذرا ناگوار ہو گیا۔ شاہ نور حیران ہوا۔

"جی میم صاحب اسی سے ہوگی۔ رانی بہت اچھی

لڑکی ہے۔"

"اس میں کیا خاص بات ہے۔" سجاد کا لہجہ مزید

ناگوار ہو گیا۔ "تمہیں اس سے کہنا نہ پڑا وہ خوب صورت لڑکی

ہی سکتی ہے۔"

"میم صاحب، میرے لیے تو وہی خاص ہے۔" شاہ

نور نے بھی لہجہ بدل لیا۔ "اسے میرے ماں باپ نے

میرے لیے پسند کیا ہے اور اب وہ میری پسند ہے۔"

سجاد کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ اسے امید نہیں تھی

کہ یہ مادہ نظر آنے والا لڑکا یوں دو ٹوک انداز میں جواب

دے سکتا ہے۔ اس نے موضوع بدل دیا۔ "تم بھی شہر گئے

ہو؟"

شاہ نور نے سر ہلایا۔ "ایک بار ہا کے ساتھ کراچی

کیا تھا ہاں اہم سے ایک رشتے دار کی موت ہو گئی تھی۔

"شہر کیا گا؟"

"بہت اچھا۔"

سجاد نے ترقیب آمیز انداز میں کہا۔ "کراچی کچھ بھی نہیں، دنیا میں اس سے کچھ زیادہ خوب صورت شہر ہیں۔"

"ہوں گے ہم صاحب۔"

"تبدیل نہیں چاہتا کہ اس چھوٹے سے گاؤں سے نکل کر کسی بڑے شہر میں جا کر رہو۔" سجاد نے مزید بے تکلفی کا مظاہرہ کیا۔

"نہیں میم صاحب، مجھے اپنا گاؤں اچھا لگتا ہے۔ یہاں امان ہے، بابا ہے اور دینی بھی ہے۔"

"پر یہاں کچھ نہیں ہے، دولت نہیں ہے۔"

شاہ نور مسکراتے لگا۔ "آپ تو ایسا کہو میم صاحب۔ اگر یہاں دولت نہ ہوتی تو آپ لوگ اور آتا؟"

"تمہارا اشارہ سیاہ پتھروں کی طرف ہے تو یہ عارضی بات ہے، شہر میں کھانے کے بہت طریقے ہیں اور وہاں دولت بھی نسبتاً زیادہ ہے۔"

"ہوں گے ہم صاحب پر میں نے کبھی شہر اور اس کی دولت کے بارے میں نہیں سوچا۔"

جشید بہت دیر سے انہیں ساتھ دیکھ کر بچہ و تاب لگا رہا تھا۔ جب اس سے رہا نہیں کیا تو وہ استغناء سے نظر قدموں سے چلتا ہوا ان کے پاس آگیا اور غصے سے بولا۔

"تم دونوں ذرا آستید نہیں چلے گئے؟"

"بالکل نہیں کیونکہ ہمیں آج ہی ذرا اہل ہونا ہے۔"

سجاد بولی۔ "تم اپنی رفتار تیز کر دو۔"

"میں کوشش کر رہا ہوں۔"

"لیکن تمہارا سامان اگلا ضرور ہے۔" سجاد کا بچہ طوریہ ہو گیا۔ "افسوس کہ تم پہلے جیسے نہ چکنا چک رہے۔"

"تم میری نسل کو روک رہے ہو۔" جشید بے قابو ہوئے لگا۔

"میں نہیں تم خود اپنی نسل کو روک رہے ہو۔" سجاد کا انداز بھی جارحانہ ہو گیا۔ "خود کو فٹ رکھنا تمہاری راستہ داری ہے۔"

شاہ نور نے کہا۔ "میم صاحب، ہم رفتار کم کر لیتے ہیں۔"

"بالکل نہیں، ہم اسی رفتار سے چلیں گے۔" سجاد نے سخت انداز میں کہا اور رفتار بڑھا دی۔ جشید کچھ دیر تو ان کے ساتھ چلتا رہا اور پھر اس کی ہمت جواب دینے لگی اور وہ

رفتہ رفتہ پہلے کی طرح پیچھے ہو گیا۔ شاہ نور کو سجاد کے جد سے زیادہ سخت لگے اور انداز پر افسوس ہوا ہوا تھا۔ ایک مرد ہونے کے ناتے اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ ایک عورت مرد کو اس طرح قیل کرے۔ اسے جشید پر بھی حیرت تھی۔ اس کے گاؤں کے معاشرے میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ اس طرح سے نہیں آسکتی ہے۔ اس نے جان بوجھ کر اپنی رفتار سست کر لی۔ سجاد آگے لگی تو اسے احساس ہوا تب اس نے بھی اپنی رفتار سست کر لی۔ اس لیے جشید کو موقع ملا کہ وہ ان کے قریب رہ سکے۔ بارہ بجے وہ ایک جگہ کے اب دھوپ تیز تھی اور ان کو پسینے آ رہے تھے۔

ایک جگہ سائے میں بیٹھ کر انہوں نے پینا خشک کیا اور ہلکا ہلکا لگا لگا۔ غالباً سجاد کو بھی اپنے رویے کا احساس ہو گیا اور وہ جشید کے پاس ہی رہ گیا۔ شاہ نور ان سے زرا دور بیٹھ ہوا تھا۔ سجاد کی لاش سے جشید کا سوز بھرا ہوا تھا اور وہ پھر بے سہارے لگا۔ ایک بار پھر شاہ نور کو افسوس ہوا کہ جشید اپنی بہتری اپنی دولت بھول گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر شاہ نور نے قریبی ایک پرچہ لے کر اس کے پاس کا جائزہ لیا اور جب اسے کھلی بار دور عقب میں چند سائے سے حرمت کرتے دکھائی دیے مگر وہ اپنی دور تھے کہ یقین سے کہنا مشکل تھا وہ انسان تھے یا گری کی وجہ سے نظر آنے والے بڑے سادہ یا پھر جانور تھے۔ اچانک سجاد کی آواز آئی۔ "کچھ دیکھ رہے ہو؟"

شاہ نور چونکا اور جلدی سے نیلے سے پیچھے اتر آیا۔

"میم صاحب راستہ دیکھ رہا تھا، بہت سال بعد اس طرف آیا ہوں اس لیے شیک سے وہاں نہیں ہے۔"

"جوتی کئی دور ہے؟"

"ابھی دور ہے اگر نور آج کل دیر تو شاید راستہ سے پہلے وہاں پہنچ جائیں۔"

سجاد نے جشید کی طرف دیکھا۔ "ابھی آجھے دیر اور رکنا ہوگا اس کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔"

شاہ نور نے خیال ظاہر کیا۔ "صاحب سگریٹ بہت چاہیے اس لیے سانس جلد بھول جاتا ہے۔"

"صرف سگریٹ نہیں، یہ شراب اور دوسری بہت سی باتوں کا شکار ہے۔" سجاد نے کئی سے کہا۔ "افسوس مجھے دیر سے چاہیے۔"

سجاد نے وضاحت نہیں کی تھی کہ اسے دیر سے چاہیے کا افسوس کیوں تھا مگر شاہ نور نے محسوس کیا کہ ان دونوں کے

نیشنل

بدن کی سرکشی مزید نمایاں ہو گئی تھی۔ شاہ نور نے جینپ کر رخ پھیر لیا۔ سمار تیار ہوئی تو وہ آگے بڑھے۔ سمار نے پوچھا۔ ”یہاں کچھ ہوتے ہیں؟“

”ہاں نہیں میم صاحب... مجھے نہیں معلوم کہ کچھ کہاں ہوتے ہیں کیونکہ جہاں تک میں گیا ہوں، میں نے کچھ نہیں دیکھے۔“

”تم کچھ کہہ رہے ہو؟“ سمار نے مٹی خیز انداز میں پوچھا۔

شاہ نور نے مڑ کر اسے دیکھا اور سنجیدگی سے بولا۔

”جی میم صاحب۔“
 کچھ دیر بعد خطرناک مرحلہ آگیا جس میں وحیان راستے پر رکھنا لازمی تھا۔ ذرا سا قدم چوکنا اور وہ سیکڑوں ٹٹ گہری کھائی میں گر چکا جاتا۔ اگر زندہ بچ جائے تو ہڈی پل پل برابر ہوجاتی اور اس دیرانے میں نوری طبعی امداد کا ارکان بھی نہیں تھا۔ سناڑھے چہ بچے سورج مغربی افق پر جا ٹکا تھا اور کچھ دیر کی بات تھی جب تار کی پھا جاتی۔ ان کے پاس مارچ نہیں تھا۔ ان کی ضرورت نہیں تھی۔ راستہ ابھی باقی تھا جب سورج یک دم ادب گیا اور ماحول تاریک ہو گیا۔ انہوں نے مارچ نکال لیں اور ان کی روشنی میں سفر کرنے لگے۔ راستہ اتنا مشکل تھا کہ سمار بھی مضبوط عورت کے قدم ٹوٹ کر اٹھنے لگے تھے مگر شاہ نور اسے مسلسل چلنے کو کہہ رہا تھا۔ سمار نے تھم آواز میں کہا۔ ”میں بہت تھک گئی ہوں، لگ رہا ہے کہ جاؤں گی۔“

شاہ نور پلٹ کر آیا اور اس نے سمار کا ہاتھ تھام لیا۔ ”میرے ساتھ آؤ میم صاحب، بس تھوڑا سفر باقی رہ گیا ہے۔“

سمار کو نہیں معلوم کہ اس نے باقی راستہ کیسے طے کیا۔ اس کا سر چکر رہا تھا اور ہاتھ ہیروں سے جیسے جان لگی رہی تھی۔ اس راستے نے اسے کھالیا تھا اور جب شاہ نور نے کہا کہ وہ چوٹی کے پاس پہنچ گئے ہیں تو پھر اسے ہوش نہیں رہا تھا۔ جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک ہموار جگہ لیٹی ہوئی تھی۔ ان کا سلاخ پاس پڑا تھا اور شاہ نور اس کا سرا دلچا کر کے اس کے منہ میں پانی پکڑ رہا تھا۔ ہوش میں آتے ہی اس نے ٹوٹ لے کر بے تابی سے پانی پیا تھا پھر وہ اٹھ بیٹھی۔ شاہ نور نے پوچھا۔ ”میم صاحب لب کیسا ہے؟“

”میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے کہا اور آس پاس دیکھا۔ ”میں یہاں کیسے آئی؟“

”میں اٹھا کر لایا رہاں سے۔“ شاہ نور نے اشارہ

درمیان کوئی اور تعلق بھی تھا۔ سچی جھید سے ایسا سلوک کرنے کے بعد جب سمار نے اس سے چند منٹ ذرا آس کر بات کی تو اس کا سوڈ فوراً ٹھیک ہو گیا۔ ایک گھنٹے کے آرام کے بعد وہ آگے روانہ ہوئے۔ اب وہ پہلے گھر گئے کے سردار کی چوٹی سے زیادہ غاصٹے پر نہیں تھے مگر شاہ نور نے بتایا۔ ”ابھی لہا نور بہت مشکل سفر ہے۔“

”تم غلط کہہ رہے ہو۔“ جمشید نے اسے گھورا۔ ”پہاڑی یہ سامنے دکھائی دے رہی ہے اور راستہ بھی اتنا مشکل نہیں لگ رہا ہے۔“

”صاحب ابھی آپ خود دیکھ لے گا۔“ شاہ نور نے کہا۔ کچھ دیر بعد جب وہ تندرست ڈھلاؤں تک پہنچے جس کے بیچ میں ناقابل عبور کھائیاں تھیں تو انہیں راستے کی دشواری کا صحیح معنوں میں اندازہ ہوا۔ اس طویل پہاڑی دیوار تک پہنچنے میں انہیں شام ہو گئی جس کا سفر سب سے مشکل اور طویل تھا۔ شاہ نور نے ان سے کہا۔ ”چوٹی تک جانے کا ابھی ایک راستہ ہے۔“

سمار نے اس بار ایک دھار مارا راستے کو دیکھا جس کے دونوں طرف گہری کھائی تھیں اور فوری فیصلہ کیا۔ ”ہم ابھی جا لیں گے۔“

”سمار سوچ لو۔“ جمشید لڑتی آواز میں بولا۔ ”بہت مشکل ہے اور پھر رات ہونے والی ہے۔“

سمار نے سوچا اور پلٹ کر جمشید کی طرف آئی۔ ”تم یہاں دیک جاؤ ویسے بھی تمہاری حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں اور شاہ نور آگے جاتے ہیں۔“

جمشید غالباً اس کے لیے راضی نہیں تھا مگر وہ جانتا تھا کہ وہ اس راستے پر سفر نہیں کر سکے گا۔ اگر تار کی ہو گئی تو وہ کسی حادثے کا شکار بھی ہو سکتا تھا۔ اس کی حالت ٹھیک نہیں تھی اور سفر کے آخری حصے میں وہ ٹوٹ کر اٹار رہا تھا اس لیے مجبوراً وہ مان گیا۔ ”ٹھیک ہے میں یہیں رکتی ہوں لیکن تم واپس آنا کی پر مجھ سے رابطہ رکھنا۔“

سمار نے سر ہلایا اور آگے بڑھ گئی۔ شاہ نور پہلے ہی دیوار پر کوئی سوگڑ آگے جا چکا تھا۔ وہ راستے کا جائزہ لے رہا تھا۔ پہلا حصہ آسان تھا۔ شاہ نور نے سمار سے کہا کہ وہ بالکل اس کے پیچھے اور اس کے نقش قدم پر چلے۔ اس نے خیردار کیا۔ ”میم صاحب اپنے طور پر کچھ مت کرنا ورنہ گر جاؤ گی۔“

”میں خیال رکھوں گی۔“ سمار نے اپنے بال میٹ کر کہا۔ ہاتھ اوپر کر کے تجڑا بنانے کی کوشش میں اس کے

ہو۔

"آپ آپ ایسا نہیں کریں گی۔"
"اچھا بابا آپ نہیں کہیں گی۔" سخا نے اسے آگے دھکیلا۔ "آپ چلو، دیر ہو رہی ہے۔"

اور دونوں چوٹیا کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کیونکہ شاہ نور راستہ کو گھوڑا آیا تھا اس لیے اس بار وہ آدھے گھنٹے میں چوٹی تک پہنچ گئے تھے اور شاہ نور نے جو بھی نماز راستے کی طرف اشارہ کیا۔ "میں اس کی دوسری طرف جاتا ہوں۔"

سخا یہ راستہ دیکھ کر حوٹک لگی کر دو گئی۔ رات کے وقت اس پر جانے خود کشی کے مترادف لگ رہا تھا۔

بہار

بہار باب رہا تھا اور ان کو جانے دیکھ رہا تھا مگر جیسے ہی شاہ نور ذرا آگے لنگرے یک دم اس کی حالت میں تبدیلی آئی اور اس نے بائیں طرف تیز لڑائی کر کھڑا ہو گیا۔ ان دونوں کے نظروں سے انہیں ہوتے ہی وہ تیزی سے نیچے کی طرف گرا اور ایک بلند پتھان پر چڑھ کر اس نے تختہ میں دو پتھانوں کو پھر ہاکی ماری نکال کر ایک جن رہا کر بولا۔ "تم دونوں یہاں ہو؟"

اب بار بار دہراتا رہا حتیٰ کہ پتھانی بار بولے پر دوسری طرف سے جواب ملا۔ "صاحب ہم پاس ہیں میں جھپٹنے آ رہا ہوں۔"

"تم لوگ سست ہو۔" ہشید غرہا۔ "اسی طرح تو وہ آگے نکل جائیں گے۔"

"صاحب قادر بخش کو ان راستوں پر سفر کا تجربہ نہیں ہے اس لیے دیر ہو رہی ہے۔" یادو نے محذرت کی۔ واکا لائی اسی کے پاس تھا۔

"کو بخش کہہ رہا میرا ہونے سے پہلے یہاں پہنچ جاؤ۔" ہشید نے کہا اور واکا کی زبان گھڑا اس نے اپنے بیگ سے بیڑی نکالی اور اس سے تسخیر کرنے لگا۔ اور شراب سناڑ سے چھپا کر لایا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ کام کے دوران میں بیٹا بائیں پسند نہیں کرتی تھی۔ یادو اور قادر بخش اپنے ہوئے ایک گھنٹے بعد وہاں پہنچے تھے جب تار کی چھانے کے قریب تھے۔ وہ دونوں اس تھے اور ان کے پاس ہسپتال اور چھوٹی ڈال والی ٹاٹ کن تھی۔ ٹاٹ کن قادر بخش کے پاس تھی۔ ہشید نے دیر سے آنے پر انہیں سائی تھیں اور وہ خاموش رہتے رہے جب ہشید خاموش ہوا تو یادو نے کہنا۔

"صاحب باقی سب شیک ہے لیکن ہمیں ملنے والی بات

کا مسئلہ نہ ہوتا تو ہم سچ بھی جاسکتے تھے بلکہ ہمیں ایک کا انتظار کرتے۔ وہ وہاں تو اسی راستے سے آتا۔ لیکن اس نے وہیں تمہارے باب کے ساتھ کچھ کیا تو تم پھر کیا کر لو گے؟" شاہ نور کھڑا ہو گیا۔ "آپ شیک کہہ رہی ہیں؟ میں صاحب چلیں۔"

کچھ دیر بعد وہ کھتے کے سروالی چٹان کی طرف بڑھ رہے تھے یہاں راستہ مشکل نہیں تھا مگر ذہان بہت زیادہ تھی اور انہیں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑ رہے تھے۔ ذرا سی بات تھی انہیں واپس نے جا سکتی تھی اور منہ لٹکے کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ شاہ نور سوچا رہا تھا کہ اگر اس کا باب اس گورے کے ساتھ اسی طرف آیا تو انہیں راستے میں ان کی گاڑی اور دوسرا سامان کیوں نہیں ملا تھا؟ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ سخا تھانہ سمجھ رہی تھی۔ ایک گھنٹے بعد وہ چوٹی کے پتھان پہنچے تھے اور یہاں سے دوسری طرف جانے کا بہ ظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے سامان اسپر کر رکھا اور شاہ نور نے سخا سے کہا۔ "میں صاحب آپ یہاں رکھیں۔۔۔ میں راستہ دیکھتا ہوں۔"

"احتیاط کرنا۔" سخا نے کہا اور اسے وہی اسپر سے نکال کر دیا۔ "اگر کوئی پتھر نظر آئے تو اس پر یہ اسپر سے پتھر دینا وہ بھاگ جائے گا۔"

شاہ نور نے اسپر سے لیا اور آگے بڑھ گیا۔ چوٹی کی پشت کی طرف کچھ دیر سے منہ گھوس رہا تھا مگر اسے قریب سے دیکھنا ضروری تھا۔ یہاں ذہان بہت زیادہ تھی اور اب اسے چاروں باتھروں پر وہاں سے بھی پھٹا پڑ رہا تھا اور یہ مشکل کام تھا۔ بالآخر اس کے چہرے پر کچھ نماز سے ظہور کر گیا جو چوٹی کے دوسری طرف تھا رہا تھا۔ وہ واپس آیا تو سخا نے تابہ زور بتی تھی۔ اسے دیکھ کر اس نے اٹمین کا علم بل سانس لیا اور پھر اچانک اس کی حرکت کی کہ شاہ نور بھونچ کر وہ گیا۔ سخا نے اسے گلے سے لگا کر پیار کر لیا۔ "میں ڈر گئی تھی کہ تم کسی مشکل میں پڑ گئے ہو۔ اگر تم کچھ دیر اور تہاتے تو میں خود چل پڑتی۔"

شاہ نور جھیسپ رہا تھا۔ اس نے نظریں جھکا کر کہا۔ "آپ نے اچھا کیا جو نہیں آئیں۔"

"اور یہ جو کیا؟" سخا نے شوخی سے اس کا گول چھوا جہاں اس کے اذان لگے تھے۔

"میں صاحب۔" شاہ نور نے احتجاج کیا۔ "ایمان کریں میں غلط کر کا نہیں ہوں۔"

سخا تجید و اونٹنی۔ "میں جانتی ہوں تم اچھے لڑکے

دنیائے گمنام کی سب سے بڑی کتاب گزشتہ



جاسوسی ڈائجسٹ پینس ڈائجسٹ
ماہانہ پاکستانی گزشتہ

آج کل سے ہر ماہ حاصل کریں اپنے دروازے پر

ایک رسالہ آپ کے لیے 12 روپے در ماہ

(پیش روپے 10 روپے)

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 700 روپے

بہرے گا، انڈیا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے 8,000 روپے

ایک سال کے لیے 2,000 روپے

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد
رسالوں کے خریدار بن سکتے ہیں۔ تمام اسی حساب سے
ادائیگی کریں۔ ہم فوراً آپ کے لیے ہونے والے پتے پر
رہنما ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

یہ سب کا مفت کاپی ہر ماہ کے بہترین نمونے ہو سکتا ہے

یہ دن ملک سے قدر میں صرف ویسٹرن یونین یا مٹی گرام کے
ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجے پر
بھاری بینک فیس عاید ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔

ماہانہ شریک (نون نمبر: 0301-2454188)

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63 فی 11 انٹرنیشنل ویسٹرن یونین، قادیان، مین کوٹ روڈ، کراچی

فون: 35305313 فیکس: 35302551

"نہیں تیزی سے مت دکھانا، یہ راستہ خطرناک ہے۔"
"میں خیال رکھوں گا۔" شاہ نور نے کہا اور تیزی
سے سرکے لگا۔ سمارا اتنی تیزی سے نہیں سرک سکی تھی اس
لیے وہ اپنی رفتار سے سفر کرتی رہی۔ چند منٹ بعد شاہ نور اس
کی نظروں سے اڑھل ہو گیا۔ سمارا کا دلی شدت سے دھڑک
رہا تھا۔ اس کا سینہ چٹان کی طرف تھا اور وہ دونوں ہاتھوں
سے ہمارے لے کر جا رہی تھی۔ شاہ نور کے جاتے کے بعد اس
نے اپنی ہتلی کمر پر ہاتھ رکھا اور ہاتھوں کی پلٹ میں کڑوا
ہوا چھوٹا سا پستول محسوس کر کے تعویذ محسوس کی۔ وہ اس
بار زیادہ تیزی سے سرک رہی تھی۔ شاہ نور خاصا آگے جا چکا
تھا۔ جلد ہی وہ چوٹی کی دوسری سمت کھلی جگہ لگا اور وہاں
پہنچے ہی اس نے مارچ بند کر دی کیونکہ اس طرف چاندنی
کی روشنی تھی اور سب صاف نظر آ رہا تھا۔ اسے دور چڑھا
سمان نظر آ گیا مگر کوئی فرد دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ شاہ نور
مقام قدموں سے اس طرف بڑھا تھا کہ خائف مست سے
ایک عجیب وضع کا لباس پہنا ہوا شخص نمودار ہوا۔ اس لباس
نے اسے سر سے پیر تک ڈھک رکھا تھا۔ اس نے شاہ نور کو
دیکھ لیا اور منہ لگا۔

"کون ہو تم؟"

"میں شاہ نور ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ شاہ نور
نے محسوس کر لیا کہ بولنے والا گورہ تھا۔ وہ شخص اس کے
ارد گرد بول رہا تھا۔ "آپ ایک صاحب ہو؟"
ایک ہنکا۔ "ہاں میں ایک ہوں تم کون ہو؟"
"میرا بابا آپ کے ساتھ آیا ہے، وہ کہاں ہے؟"
"بابا۔" ایک نے سافان کے پاس پہنچ کر کسی چیز کو
لو لے ہوئے کہا۔ "مجھے فیس ہے فوراً۔"
"کیا؟ کیسا فیس؟" شاہ نور بے چین ہو گیا پھر اس
نے تقریباً پہنچ کر پوچھا۔ "میرا بابا کہاں ہے؟"
ایک نے جواب نہیں دیا۔ وہ اچھے گراں کی طرف
آئے گا۔ شاہ نور اس سے تقریباً تین گز کے فاصلے پر موجود
تھا۔ ایک کے ہاتھ میں کچھ تھا۔ جب وہ نزدیک آیا تو شاہ
نور نے دیکھا، اس نے ایک سیاہ بھو بھڑک رکھا تھا۔ اس کا
ڈنک آزاد تھا جو وہ بار بار ایک کے دھانے میں چبے ہاتھ
پر مار رہا تھا مگر دستانے پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ شاہ نور پیچھے
ہو گیا۔ "آپ نے بتایا نہیں صاحب۔"
"وہ بچھوڑ دالے کو میں میں گر گیا ہے۔" ایک
نے سہاٹ لے لیا۔ شاہ نور نے بے یقینی سے اسے
دیکھا۔

"نہیں میرا بابا زندہ ہے، وہ کہاں ہے؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے کی بات ہے۔ وہ چائیں کیں اس کوئیں کے قریب گیا تھا۔ اس میں اس جیسے ٹیکڑوں یا شاید ہزاروں ٹیکڑوں۔"

شاہ نور کا دل جیسے ڈوبنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے مگر اسے الیک کا رویہ عجیب سا لگ رہا تھا۔ اس نے ٹیکڑوں پر ہلکا ہاتھ اور اس کا ڈنک اس لباس پر اثر نہیں کر رہا تھا۔ اس نے ڈوبتے لپکے میں پوچھا۔ "یہ کچھ آپ نے وہیں سے پکڑا ہے؟"

"یہاں ایسے میں کچھ میرے پاس ہیں۔"

"اے ہوں اے لیں، یہ بہت خطرناک ہے۔"

نہیں۔

"بہنیں یہ میں تمہارے لیے لایا ہوں۔" الیک نے

کہا اور اپنا ٹیک پچھو اس کی طرف اچھال دیا۔ اس کا خیر لٹھا

کہ شاہ نور ہوشیار نہیں ہو گا مگر وہ نہایت پھرتی سے آئین

میں طرف ہوا اور کچھ اس کے پاس سے ہوتا ہوا پیچھے جا کر اور

پھر تیزی سے اپنے پاؤں کھینچے اور شاہ نور کی طرف آیا۔

درحقیقت وہ شاہ نور کو گتے لگا کر ان کی طرف ہلک رہا تھا۔

ایک لمحے میں ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ شاہ نور کی طرف آ رہا ہو۔

شاہ نور نے جھپٹے ہٹا پنا یا لیکن اس بار اس کا پاؤں پھسلا اور وہ

نیچے گر پڑا۔ کچھ دیر سے چند قدم دور تھا اور بہت جلدی سے آ رہا

تھا۔ شاہ نور کے پاس اٹھنے یا سر نہ ہونے کی طاقت نہیں تھی۔

مگر کچھ اس کے پاؤں سے چم ہی دو۔ تھا کہ ایک فارغ ہوا اور

پھو کے پر۔ تپے کڑ گئے۔ ایک گولی کے سانپے اس کی حیثیت

بنی نہیں تھی۔ فرار نے شاہ نور کے ساتھ الیک کو بھی چھ لایا۔

شاہ نور نے راستے دیکھا چھان چھان سے خار بار بار اس کی

اور اس کے ہاتھ میں نہ ہونے لگا۔

"شاہ نور تم ٹھیک ہو۔" سحر نے کہا اور ہسٹول ڈرٹ

ایک کی طرف کروا دیا جس کا ہاتھ اپنے لباس کی طرف جا رہا

تھا۔ "حرکت مت کرنا جان۔"

شاہ نور حیران ہوا۔ "جان؟... اس کا نام تو الیک

ہے۔"

"اس کی شخصیت کی طرح اس کا نام بھی جعلی ہے۔"

سحر نے کہا اور جان عرف الیک کو لگا دیا۔ "تم نے سنا

نہیں۔"

اس بار جان نے باوٹی تا خواست دونوں ہاتھ سر پر رکھ

لیے۔ پھر سحر کے جسم پر وہ ٹکٹوں کے ٹکڑے پھینک دیا۔ شاہ نور

ابتدائی جھٹکے سے سنبھل گیا تھا۔ اس نے سحر کو بتایا۔ "یہ بابا

کے بارے میں کہہ رہا ہے وہ ٹیکڑوں والے خار میں گر گئے

ہیں۔ یہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔"

"میں کچھ کہہ رہا ہوں اگر تم میں ہمت ہے تو اس خار

کے پاس جا کر دیکھ لو، اس کی لاش اندر پڑی ہوگی۔"

"بابا کو تم نے اٹھا لیا ہوگا۔" شاہ نور سسٹل ہونے

لگا۔ "میں جانتا ہوں بابا اس کی ٹھکانی نہیں کر سکتا۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" سحر نے کہا۔ "ہاں اور آئین

تجربہ کار کا ٹیڈ ہے وہ اس کی ٹھکانی نہیں کر سکتا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" جان نے سہاٹے لپکے میں کہا اور

سحر سے پوچھا۔ "تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو؟"

"یہ میری زندگی ہے۔" سحر نے کہا اور آگے بڑھی۔

اس نے ہسٹول کی جگہ کی گولی پر رکھتے ہوئے اس کی گولی

سجھائی لی اور اس کے لباس سے ایک ہسٹول پکڑ لیا پھر وہ

پیچھے لپکے اور ٹھہر گیا۔ "یہ میرا لگاؤ۔"

نہیں۔

"میں کہہ رہا ہوں لباس اتار دو۔" سحر کا لہجہ سفاک

ہو گیا۔ "اگر میں نے تمہارے گتے میں گولی ماری تو تم سب

کے ساتھ لپکے اس کے بعد ساری عمر کے لیے گھر چلا آئے۔

تم جانتے ہو میں کتنی شرمیلی ہوں تو مجھ پر کوئی چارٹ

لیکھا نہ گا۔"

اس جھکی سنے جان کو چھو کر دیا کہ وہ لباس اتار

لے۔ شاہ نور ٹیکڑوں والے کچھوں کی طرف جانے کے

لیے بے یقینی تھا مگر سحر نے اسے سختی سے روک دیا۔ "جو

میں کہوں گی، تم جو کرنا کہو۔"

سحر ایسے بھی اس کی بلکے تھی اور ابھی کچھ دیر پہلے

اس نے شاہ نور کی جان بچائی تھی۔ مگر وہ باپ کے لیے غلام

تھا۔ جان نے لباس اتار کر سامنے پھینک دیا اور نہ ہر پہلے

لپکے میں ہوا۔ "مزید کوئی حکم؟"

"شاہ نور یہ لباس پہنو۔" سحر نے کہا تو شاہ نور نے

لباس اٹھا کر دیکھا، یہ اس کے سائز سے بڑا تھا مگر ہاتھوں

اور پیر میں اس پر پوری طرح فٹ آیا تھا۔ اس نے زپ بند کی

اور پھر سر پر ہڈ فٹ کیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لباس

کچھ وقت پہننے کے لیے تھا۔ سحر نے ایک ہاتھ پر سر سے

خود پر کیا جس کی جڑ سے کپڑے کوڑے اور پھو بھگتے

تھے۔ اس نے جان سے پوچھا۔ "ٹیکڑوں والا کونوں

کہاں ہے؟"

"میں اس حالت میں وہاں نہیں جا سکتا۔" جان نے

انکار کیا وہ صرف ٹیکڑوں میں تھا۔ "یہ بہت خطرناک ہے،

پر بھی وہی لباس تھا۔ اس پر کئی بڑے سیاہ بچھو چل رہے تھے۔ شاہ نور نے بے تاب ہو کر اسے آواز دی۔ "بابا... بابا... میں ہوں شاہ نور... بابا تم میری آواز سن رہے ہو۔" بولنے ہوئے وہ دروازہ ہاتھ اور آنسوؤں سے اس کی نظر دھندلا رہی تھی۔

"شاہ... اچانک ہی قہقہے سے آواز آئی تو شاہ نور کو اپنے کانوں پر ٹھیک ٹھیک آگیا۔ آواز بالور کی تھی۔ شاہ نور چلا۔

"بابا تم ٹھیک ہو نا میری آواز سن رہے ہو۔"

"شاہ... یہاں سے... چلا جا۔" بالور رک رک کر کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک بابا! میں آ رہا ہوں۔" شاہ نور نے کہا۔ وہ ہاتھ لے کر چلا۔ یہ بچہ کیسے جانے۔ شاہ اس کی آواز سن کر قریب آگئی۔ شاہ نور نے اسے بتایا۔ "بابا زندہ ہے، میں اسے اپنے پاس رکھ رہی ہوں۔"

"ایک منٹ تم دے اور پرکھ لو گے؟"

"اب شاہ نے پرانہ کر لے آؤں گا۔"

شاہ نے کئی منٹ میں مہربانیاں کیں۔ یہ ممکن نہیں بنانا کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ ایک منٹ رکو۔" شاہ کچھ کر سامان تک آئی اور یہاں اسے مطلوب سامان مل گیا۔ اس میں بلیٹ اور گلیس تھے۔ ایسے گراہنی والے گلیس بھی تھے جن کی مدد سے بھاری سامان یا افراد کو بھی اُسیانے سے کھینچا جاسکتا تھا۔ شاہ ان تمام چیزوں کا استعمال جانتی تھی۔ اس نے شاہ نور کو سمجھایا کہ اسے بلیٹ اور گلیس سے کیسے کام لینا ہے۔ اس نے گراہنی والے گلیس اس سے اس سے شلک کیے جس کی مدد سے بالور کو اوپر کھینچا جاتا تھا۔ پھر اس نے اسے شاہ نور کو دیا۔

"یہ کھو ممکن ہے اس کی ضرورت ہو۔"

شاہ نور نے اسے ایک جیب میں رکھا، بلیٹ کمر سے باندھ کر اس سے رسی شلک کی لہر اسے چھوڑتا ہوا نیچے خلا میں گیا۔ ایک مارچ اس کے سینے سے لگی تھی اور وہ روشنی تھی۔ دوسری تیز روشنی والی سرچ لائٹ اس کی بلیٹ سے ٹک رہی تھی۔ روشنی ہوئی تو دیواروں پر موجود بچھوؤں میں کھلکائی مچا اور وہ سوراخوں اور ریشوں میں پھپھنے لگے۔ شاہ نور کو ڈراگ تھا مگر اسے تسلی بھی تھی کہ وہ اس لباس میں محفوظ ہے۔ رفتہ رفتہ وہ رسی سے جھستتا ہوا نیچے تک پہنچ رہا تھا۔ شاہ نور کے بے شمار بچھو تھے جو اسے دیکھ کر دور بھاگنے لگے۔ شاہ نور کے پاؤں زمین پر گئے تو اسے نرم سا احساس ہوا۔ اس نے سرچ لائٹ آن کی تو اس کی تیز روشنی میں وہاں فرش پر کالی کے

آدمی کو کٹ لیں تو وہ پانی میں گر رہا تھا۔

"اس کے باوجود تم ان کے پیچھے یہاں روڑے چلے آئے۔" سجاد نے ہنسی کی۔

"تم وہ جانتی ہو۔" جان نے جواب دیا۔ "بالی دی دے کیا تم صرف اپنے کام کے سلسلے میں یہاں آئی ہو؟"

"اب حرکت میں آ جاؤ۔" سجاد نے اس کا سوالیہ نظر انداز کر کے کہا۔ جان کو بھی اس کی طرف بڑھا۔ وہ سامان کے نزدیک جا رہا تھا مگر سجاد نے اسے ٹھکڑے کر اس سے دور رکھا۔ وہ اس پر کھل نظر رکھے ہوئے تھی اور کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھی۔ جان کے آگے نکلنے کے بعد اس نے سامان کا معائنہ کیا اور فوراً ہی اسے بچھوؤں والے پیک نظر آئے جن میں زندہ بچھو بکلا رہے تھے۔ "تم کنوئیں میں اترے تھے؟"

"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بچھو رات کے وقت بڑی تعداد میں خود باہر آ جاتے ہیں تو میں بھی کنوئیں میں نہ اترتا۔ اگر تم صرف ایک گھنٹا پہلے آئیں تو یہ ساری جگہ بچھوؤں سے بھری ہوتی تھی۔"

اور آگے آئے پر بچھوؤں والا کنواں آگیا۔ سجاد نے اچانک عقب سے جان کے سر پر ہینول مارا اور وہ کراؤ مچا کر آگے گرا۔ سجاد نے اپنی جیب سے قاتل کی باریکہ زور بٹا کر نکالی مگر جان کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیے۔ اسے قاتل منہ بھی نہیں لگا تھا۔ پھر اس نے سچ کر نیم بے ہوش جان کو محفوظ جگہ کیا اور خود شاہ نور کی طرف بڑھی جو کنوئیں کے نزدیک ڈھلان پر کھڑا تھا۔ اس نے دونوں گلیس اور ایک میں بندھی رسی دیکھ لی تھی۔ ایک میں خالی تھی۔ شاہ نور نے اشارہ کیا۔ "اس کی رسی کھینچو گی؟"

"شاید ان لوگوں کے کھول لی ہوگی۔" سجاد نے کہا۔ "نہیں اگر کھولتے تو دونوں کھولتے اور گلیس بھی نکالتے۔" شاہ نور نے جواب دیا۔ "مجھے شک رہا ہے آپ کی بات ٹھیک ہے اس نے بابا کو جان بوجھ کر آگے بھجوا دیا اور پھر وہی کھول دی ہوگی اور وہ کنوئیں میں گر گئے۔"

شاہ نور کی آواز بھرا گئی۔ سجاد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "جو جلد رکھو شاہ... ہم پہلے دیکھتے ہیں۔"

سامان میں مزید رسیاں موجود تھیں، انہوں نے خالی گلیس سے رسی باندھی اور پھر اس کی مدد سے شاہ نور کنوئیں کی طرف گیا۔ اس کے پاس طاقتور سرچ لائٹ تھی۔ وہ کنوئیں کے کنارے پہنچا اور اس نے نیچے روشنی ڈالی تو فوراً ہی بالور نظر آ گیا۔ وہ کنوئیں کی تہ میں سانس پڑا تھا اور اس کے جسم

ڈیڑھ نظر آنے لگے۔ بانو اور اسے ہی ایک ڈیڑھ پر پڑا ہوا تھا۔
کائی نے اس کی جان بچائی تھی مگر وہ زخمی تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"شاہ نور تو... کیوں آیا ہے؟"

"بابا میں اس لباس میں محفوظ ہوں۔" شاہ نور نے اسے یقین دلایا اور پھر اس کا جائزہ لیا۔ نیچے گرنے سے بانو کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی تھی اور شاید ایک ہاتھ میں بھی فریکچر ہوا تھا۔ شاہ نور نے ہمت کر کے اسے ہلٹ پہنائی اور اس سے دسی منسلک کر دی۔ بانو ضبط کے باوجود تکلیف سے کراہنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ بانو کو بیٹھ اور دسی سے منسلک کر کے شاہ نور نے سحر کو آواز دی۔ "میں نے بابا کو بیٹھ پہنایا ہے اسے اوپر کھینچو۔"

مگر سحر کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا۔ شاہ نور نے پھر آواز دی اور جب کوئی جواب نہیں آیا تو وہ خود ہو کر جانے لگا مگر اسی لمحے دسی ٹوٹ کر اندر آ گئی۔ شاہ نور ایک لمبے سے واہیں آیا مگر وہ اوپر نہیں تھا اس لیے بس چند انچی بچی گرا اور کئی ہڈی سے ٹک گیا تھا۔ اس نے فکر مند ہو کر دسی دیکھی، یہ کسی تیز و حاد آلے سے کاٹ دی گئی تھی۔ پھر اس نے بانو کی بیٹھ سے بندھی دسی تھامی اور اس لمحے یہ دسی بھی کٹ کر نیچے آ گئی تھی۔ اوپر کچھ ہوا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ کیا ہوا ہے؟

سحر کو کونکے کے پاس موجود بھی اور کبھی بھی چلت کر جان کی طرف دیکھتی تھی۔ چوٹ کے صدمے کو وہ نہ گروہ ہوٹ میں آ گیا تھا اور دفنانے جان میں اسے گایاں دے رہا تھا۔ سحر نے کہا۔ "اپنی زبان بند رکھو ورنہ تمہیں اس کونو بھیس دے گا۔"

"مجھے اب بھی کوئی خوش بھیجا نہیں ہے۔" اس نے زہرے لہجے میں کہا۔ "اور تم کیا اچھی ہو میں یہاں سزا پاؤں گا۔ میں جس ملک کے پاس پورٹ پر آیا ہوں وہ مجھے برا کرالے گا۔"

"اپنی باتوں سے تم خوش نہیں کاٹکار لگ رہے ہو۔" سحر ہنسی۔ "اس ملک کو پتا چل گیا تو تم ساری عمر اس کی ٹیل میں گزرو گے۔"

"تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" جان نے اچانک معنی خیز انداز میں کہا۔ "دوسال پہلے تک تو تم ایک قابلہ و جان تھے۔"

"اب وہ بات نہیں رہی۔"

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا۔ جمشید دھڑ کے بازار و عیار

نقص ہے۔ کیا تم جانتی ہو میں جگرت میں کیسے بچ گیا تھا؟"

سحر چوکی۔ وہ اضطراب کی طور پر جان کے نزدیک آگئی۔ "تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟"

دوسال پہلے سحر اور جمشید نے جان کے گرد گھیرا جگ کیا تھا مگر وہ میں موقع پر ہی کر فرار ہو گیا۔ سحر آج تک نہیں سمجھ سکی تھی کہ جان کو کیسے پتا چلا کہ وہ آ رہے تھے۔ وہ بس ایک منٹ پہلے نکل گیا تھا۔ اس کے بعد وہ چھلانے کی طرح غائب ہو گیا۔ جان مسکرایا۔ "مجھے جمشید نے فرار کرایا تھا۔ اسی نے مجھے ریز کی اطلاع دی تھی۔"

"جمشید نے؟" سحر نے بے یقینی سے کہا۔ "تم جھوٹ بول رہے ہو کہ اس کر رہے ہو؟"

"پتا نہیں چھوٹا لیکن۔"

"جمشید ایسا کیوں کر سنے لگا؟"

"روایت کے لیے۔" جمشید کی آواز آئی اور سحر کے عتب سے آئی تھی۔ وہ تھوڑی سے مڑی تھی، کچھ فاصلے پر جمشید دور اور سحر کے ساتھ کھڑا تھا اور وہ تینوں مسکراتے تھے۔ ان کے اٹھارہ دن کارن سحر کی طرف تھا۔ جمشید نے مسکراتے کہا۔ "اگر ایک ایسا تھا سا پستول پیسک دیتا کہ ہم رہا ہاں سے بات کر سکیں۔"

سحر نے جوتے سحر نے ہستول تان لیا تھا مگر ایک کے مقابلے میں تین ہتھیار تھے اور ان سب کا مقابلہ ناممکن تھا خاص طور سے قوریٹش کے ہاتھ میں نظر آنے والی شات گن بہت خطرناک تھی۔ ان کے حوالہ ان کے چہروں پر لکھے ہوئے تھے۔ وہ اسے شوت کر سکتے تھے۔ سحر نے ہستول والا ہاتھ نیچے کیا اور آگ سے بولی۔ "تم گھڑا انسان تو ہو لیکن کرپٹ بھی نکلو گے، اس کا بیٹے علم نہیں تھا۔"

"بشید مسکرایا۔" تو اب ہو گیا۔ "پھر اس نے آگ سے

بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ہستول لے لیا۔ "تو کا کہاں ہے؟"

"پتا نہیں، وہ مجھے چھوڑ کر نہیں گیا ہے۔" سحر نے

جھوٹ بولا۔

"وہ اس طرف پھوٹوں کے غار میں اپنے باپ کے

پاس ہے۔" جان نے فوراً بھانڈا پھوڑ دیا۔ "میں نے اس کے باپ کو کونو بھی میں پیسک دیا تھا۔"

"صاحب باقی کام میں کر دوں۔" یارو نے بے تابی سے کہا اور جیسے ہی جمشید نے سر ہلایا وہ کونکے کی طرف

لپکا۔ اس نے جاتے ہی کونکے میں غائب ہوتی رہنوں

دسیاں چاٹو سے کاٹ دیں۔ اس درمیان میں اسے شاہ نور کی

آواز سنائی دے رہی تھی مگر اس نے اپنا کام کیا اور واپس

تحت إشراف

ایکس میں موجود بچھوؤں کی مالیت ایک ارب روپے کے قریب تھی۔ یارو اس کے پاس چلا آیا پھر اس بار اس نے بولے مجھے کیا۔

”میں نے کہا صاحب امیر سے ہم کو بھی دو۔“

جشیہ نے چونک کر اسے دیکھا اور جلدی سے بولا۔
 ”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم بس یہاں سے واپس جاتے
 والے ہیں۔“

”نہیں صاحب تم جانے والے نہیں ہو۔“ یارو نے اپنے پستول کا رخ جمشید کی طرف کر دیا جبکہ قمار بخش کی شہوت مگن کا رخ بدستور سجاد کی طرف تھا۔ جمشید نے بے نیکی سے یارو کی طرف دیکھا۔

"تمہارا دل راج ہو سکتا ہے؟"

”ابھیں صاحب۔“ وہ کہا۔ ”دولت آدمی کا وارث
خواب کرتا ہے۔ تم کس لیے آئے تھے؟“

جیشید نے اپنا ہینٹول رکھ لیا تھا اور اب اس کے پاس موقع نہیں تھا کہ وہ اسے نکال سکتا۔ یارو نے آرام سے اس کا ہینٹول نکال لیا اور وہ اسے برا بھلا کہتا رہ گیا۔ یارو نے سامان سے ذرا نکال کر ۔۔۔ جیشید کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے۔ جیشید کے اسپرے پر قبضہ کر کے یارو نے خود پر اور پھر قادر بخش پر اسپرے کیا۔ اس نے فراخ دلی سے کام لیا تھا اور جب تک اسپرے ختم نہیں ہو گیا، اس نے اس کا ہینٹول دبا کر رکھا۔ پھر اس نے جیشید کا بیگ اٹھا کر ۔۔۔ قادر بخش کے حوائے کر دیا۔ اس میں قیمتی ترین پتھر تھے۔ سمار اور جان دم یہ خود بدلتے حالات دیکھ رہے تھے۔ سمار نے کہا۔ ”تم نے جو کڑواؤ سروں کے لیے کھوٹا تھا اب اس میں خود بھی فرق ہو گئے۔“

”شاید لیکن تمہیں کچھ مراحل سے گزرنا ہو گا۔“ جشیڈ نے کہا تو سجاد نے چونک کر بار بار کا درخت کی طرف دیکھا جو اسے حریص نظروں سے گھور رہے تھے۔ کا درخت نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا: ”بھلی بار کوئی میم ہاتھ لگی ہے۔ اوپر سے تو میم ہی لگتی ہے۔“ ”اندر سے بھی دیکھ لیتے ہیں۔“ یارو نے کہا اور سجاد کی طرف بڑھاتا کہ وہ تیز لچے میں بولے۔

"خیر نارگوئی میرے قریب نہ آئے۔"

”زندہ مہم صاحب“ یارو نے استہرا سید لکچر میں کہا۔

”اسکی بات نہ کرو ہم تو توبہ ہے اس کی تہہ ہے۔“

سارے کیم کئی۔ کئی ہی حوصلہ مند کسی بھی تو ایک صورت،
وہ ان حالات مردوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے

آکر جھینڈ سے بولا۔ "اب وہ دونوں باپ بیٹا قیامت تک
اسی کنوئیں میں رہیں گے۔"

”صرف دینی نہیں سمجھو اور لوگ بھی ساقیاست ہیں۔
کوئی میں رہیں گے۔“ جوشید نے سنی خیر احمد میں کہا۔

زبان بھیر کر کہا۔ "کیا تم قانون اپنے ہاتھ میں لو گے؟"

”قانون؟“ اس نے استہوار سیہ احمراز میں کہا۔
 ”یہاں کوئی قانون نہیں ہے۔“

”تم ان بچھوڑوں کے چکر میں ہو رہا۔“ سجاد نے بچھوڑوں کے ہیکس کی طرف اشارہ کیا۔ ”ٹھیک ہے تم بچھوڑے لے لو اس کے لیے کسی کی جان لینا ضروری نہیں ہے۔“

”یہ تمہاری نہیں تے گا۔“ جاننا چاہا۔ ”بات صرف ان
بچوؤں کی نہیں ہے بلکہ اس کنوئیں کی ہے جس میں ایسے
بزرگوں بچوؤں کا جوہن۔ تم اس خزانے کی مالیت کا اندازہ کر سکتی ہو۔“
جیشید بیس کے پاس بیٹھا ہوا بچوؤں کا سائنہ کر رہا
تھا۔ اس نے بے ساختہ کہا۔ ”میرے خدا میں نے اسنے
بڑے بچوئیں دیکھے، ان میں سے ہر ایک کم سے کم پانچ
کروڑ میں فروخت ہوگا۔“

پانچ کروڑ کا سن کر یارو اور تاجور بخش کے تاثرات بدل گئے۔ انہوں نے معنی خیز نظروں سے ڈیک دھڑکنے کو دیکھا۔ اس دوران میں جمشید نے خالی خانہ دیکھ لیا تھا جس سے جان نے کچھ ٹھٹھا لایا تھا اور جو سوار کی گولی کا نشانہ بن گیا۔
”سہ کیوں قاتل ہے؟“ اس نے جان سے پوچھا۔

”مثنیٰ پر خانہ کھرا رو کیا ہو گا اور وہ نکل گیا ہے۔“ جان نے جھوٹ بولا۔ یہ سننے لگا کہ ایک آنسو ڈوب رہا ہے۔ ان لوگوں میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ اس پاس دیکھنے لگے۔ خاص طور سے یارو اور قادر بخش ٹھہرائے ہوئے تھے۔ جشیہ نے جلدی سے اپنے بگ سے اسپرے نکال کر خود پر کیا۔ سحر آرام سے کھڑی رہی، اس نے جان کے جھوٹ کی تردید نہیں کی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ان لوگوں کی ٹھہراہٹ سے کیسے فائدہ اٹھائے۔ ابھی موقع نہیں تھا کیونکہ قادر بخش کی مثنیٰ گمن کارخانی کی طرف تھا۔ یارو اسپرے کے بارے میں چاہتا تھا، اس نے کہا۔

”صاحب! میرے ہاتھم کو بھی مارو۔“

”تم لوگ ہو شاپور رہو۔“ جمشید نے یارو کا مطالبہ نظر انداز کر کے کہا اور بچھوؤں والے بیگ اٹھا کر اپنے بیگ میں رکھنے لگا۔ اس نے بیگ سے سامان نکال دیا تھا کہ کہیں بچھو دپ کر نہ مر جائیں۔ اگر اس کی بات درست تھی تو اس اور

ہر اس سال فتنوں سے چاروں طرف دیکھا نظر وہاں کوئی چائے پناہ نہیں مگی افراد کا راستہ بھی نہیں تھا۔ یارو آگے بڑھ رہا تھا اور وہ پیچھے بہت رہی تھی۔ پھر اڑھائی گھنٹہ کی آمد آگئی۔ وہ اس سے ایک قدم بھی پیچھے ہوئی تو گر جاتی۔ اس نے مزید دیکھا اور یارو نے اچانک اسے پکڑ کر کھینچ لیا اور پھر زمین پر گر ادیا۔ وہ اسے کابلو کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تیار تیار اور جھکی رہی تھی۔ گاؤں خوش اب شاہ کن شانے پر مائج کر تماشہ دیکھ رہا تھا۔ ہمشید اور بان کو اپنی نظر پڑی ہوئی تھی۔ انہیں لگ رہا تھا کہ یہ لوگ انہیں بھی لٹاں چھوڑیں گے بھی اور ان کے سامنے چوہ کی بے فکری سے ایک سنگین ترین جرم کرنے جا رہے تھے۔ نیچے ڈرائیو اور باورچی تھا سنگین ان سے بھی غمناک ہوا تھا۔ اس ویرانے میں چند افراد کو کوئی کرنے کے لیے بہت جلد تھی۔

صورت میں کوئی بھی پتھو است و تک ہر سہا تھا۔
شاہ نور نے سوچا اور اس پرے نکال کر پہلے غور پر کیا۔
اس کا اثر ہوا جو پتھو اس کے آس پاس تھے وہ تیزی سے اور
بڑھ گئے۔ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر اس نے لباس کا
اوپرلی حصہ اتار اور پھر ہاتھ والا حصہ کھینچ کر گوشے کے بعد
باقی لباس سے الگ کر دیا۔ لباس اب بارہ ماہن کر اس نے
اپنے ہاتھوں پر اس پر لیا اور پھر دھو سکے دلی کے ساتھ
ابھرے ہاتھ پر ہاتھ ڈالے۔ اس کے ہاتھ دو بھی طرح بڑھ
رہے تھے مگر اسے خوف تھا کہ میں کوئی پتھو اس پر سے لے کر
لیے بغیر اس کے ہاتھ پر ڈال کر مار دے۔ شروع میں
آسانی ملی۔ ہاتھ کے ساتھ جھڑک کا کہ یہ سولہ دیوار پر
تھکی طرح تیرا ہاتھ وہ بھی فٹ تک چڑھ گیا۔ لیکن اس
کے بعد ٹکڑا ہونے لگی۔ یہ انہی رشتے اور پتھر کم ہو گئے
تھے اور جو بڑے ان میں خاصا بڑھ رہا تھا۔ کسی جگہ ہاتھ
رکھنے سے پہلے وہ اس کی زبان کو ہاتھ کی کوئی پتھو چسپا ہوا تو
کھینچا۔ اس نے یہ دیکھا اس جگہ ہاتھ اس پر سے گزرا
تھا۔ اس نے یہ دیکھا کہ ہاتھ سے بجایا تو کھینچا ہاتھ
خالی رہا۔ اس کے ہاتھ سے اس کا ہاتھ بھاگتا۔ پتھو اس کی پوتے
خارج تھے۔

پہلی میں اُس کے بعد مشکل مزید بڑھ گئی اور آخر یہ بھی
 ٹوٹ گیا تھا اب اسی کا ہنر پوسٹا اور وہ چھوٹے گھر ۲ تواریک ان تھا
 کہ باغیچہ کی طرح اس کی بنیادیں بھی ٹوٹ چکی تھیں۔ اس نے
 وہ تریاڑو اعتبار سے کام لے رہا تھا۔ اس نے اہم شرفت کی
 بندوبست پر تھا اور مندر پر تھر۔ باتیں نہ دہر رہی تھی۔ مندر
 سے کوئی بارہ فٹ نیچے ایک چھوٹا سا گھر تھا اور اسی پر کھڑی
 شاہ نور کھڑی پر بغیر کشت خراب نہ تھا۔ اس کا سانس پھولی گیا
 تھا اور اسے وہاں تک رہنی تھی۔ تو اس کے پاس پانی نہیں
 تھا۔ اسی نے اوپر دیکھا اب مندر تک مشعل سے کوئی ابھار
 مار رہا تھا جس پر وہ ہنسی رہا سکتا۔

اس نے دیوانہ کی تو اسے ایک جگہ انگلیاں پر، نے کی
ہنگاموں ہوئی۔ شاید فوراً اسے پر گرفت جہاں کہ خود کو، پر
آگیا۔ یہ کام بہت مشکل تھا اس کا سارا وزن سپرد تھے ہاتھ کی
انگلیوں پر آگیا تھا اور وہ نہیں ہاتھ سے اوپر کی جگہوں پر ہا
تھ جس پر ہاتھ جہاں کہ خود کو، پر گئے۔ پھر اسے دیوانہ
مردوں سے ملنے لگا اور اس نے ہاتھیں جاتھیں انگلیاں اس میں
جھاڑیں۔ اس کے دھڑھلے رہے تھے اور پورا وزن انگلیوں
پر آگیا تھا۔ پھر اس نے ہمت کر کے رازیں ہاتھ اوپر کیا۔ اب
وہ مندر سے تین فٹ نیچے تھا اسے ہلکے جگہ کا سہارا ہو رہا تھا

شاہ نور نے پریشانی سے کونجی کی اندر کی طرف دیکھا۔ اس طرف چاند لگی تھا، اوپر آگ لگی تھا اور وہاں روشنی لگی۔ وہاں کٹ جانے کے بعد وہ اسی نہیں پاسکتا تھا۔
شاہ نور دیکھ رہا تھا۔ اس نے عجیب لہجے میں کہا: "شاہ نور تجھے منع کیا تھا کہ نیچے پست آگے تو نہیں مارا۔"

”یہ بڑی سچیں ایسے شخصوں پر ہوتا تھا۔“ بشر بن ہارون
 کہا۔ ”اب یہ یاروں کا چارم ہے۔ راقم۔“ ”جی ہاں جالے
 کاوشیں کرتا ہوں۔“

"کیسے ان دیوانوں پر صرف تھوڑے سارے جملے
 "ایسا سب انسان ہی نہیں جیسا کہ ہم نے یاد کیا، بلکہ اس
 کی طرف سے اور کیا بھی ہو سکتا ہے۔ ہم نے تو اسے کہا کہ اس
 نے ایسے طرف کی دیکھو کہ جتنا کہ یہ جملے پر ہر قسم کی بار
 ابھر رہے ہو سن سکتے اور اس میں سے کچھ بھی سمجھیں تو رہے
 تھے۔ اگر وہ خوش کرتا تو اس کے پورے جانتے تھا۔ اس نے
 بتا دیا کہ خیال نہیں آیا کہ تمہارے وہ بھی شاید کسی مشکل میں پڑ گئی
 تھی، لیکن اس کی طرف سے جواب نہیں آیا اور پھر دوسرا کھٹ
 لیا نہیں۔ اس نے نیچے گر سنے والی دونوں دسیاں
 اٹھائیں اور ان کے کپڑے بنا کر ٹھانے پر رکھ دیے۔ وہ اس
 کے کام آتے۔ پھر وہ ان کے پاس آیا اور اس نے ایک
 ابھر سے اسے تو قلم لکھو تو اس نے کیا۔ اس نے جب دیکھا کہ وہ
 پڑھا تو وہ اس کے پاس گیا۔ اس نے اس کے دیکھ کر اس کے پاس
 دیکھ کر اس کے پاس نہیں گئی۔ اس نے وہ بار کو دیکھ کر اس کی اور
 پھر بتا دیا کہ وہ اس کے پاس سے اس کے پاس سے اس کے پاس سے
 اس کے پاس سے اس کے پاس سے اس کے پاس سے اس کے پاس سے

تیسرا

دیکھو۔ "تو کیا بچوں کی طرح مدد پا ہے۔ اور سے ملنے سے
ڈرتا ہے۔"

"تو تو سر جاتے کیوں مردار بنے ہو؟" یارو بلجایا۔
 "جیسے کوئی لگے تو تو بھی عورتوں کی طرح روئے۔"

”عورتوں کی طرح تو تیری زبان چل رہی ہے۔“
تو درخش نے ترکی - ترکی جواب دیا پھر سہار سے کہا۔

”پتھول چھیک دے یہ مت جھنکا کہ میں اسی کی وجہ سے
جسمیہ روالوں کا۔ میں تین تھک ٹٹوں گا اگر تو نے پتھول

میں نے پہچان لیا تو ایک نئی فائر میں تم دونوں مارے جاؤ گے۔
سزا جاتی تھی کہ شہادت کرن کی کوئی ان دونوں کے

ایسے کافی ہو گئے۔ قادیان میں گن رہا تھا جیسے ہی اس نے صحت کیا
سوار نے ٹیلے میں پستول کا رخ اس کی طرف کیا مگر وہ اس

سے پہلے زبردستی چکا تھا۔ رہا اسکا اور تو سزا نے آٹھ مہینے بعد کرکس۔ مہر جب مولی کا چھوٹا لکھنؤ میں چلیا گیا تو اس سے

تعمیم کیوں کہ اسے ٹیڈی بئیر، گاؤں کی لڑکیوں سے بھرا ہوا فیلڈ
 اور اس کے ہاؤس کی کھڑکیوں کا منظر دیکھ کر انداز تھا کہ

وہ اس کی نالی کا رخ اس کی طرف کرنے کے لیے دو بار گرا رہا تھا۔ تباہ کن ہونے پر وقت چھا، تب تک کرشناٹ گن کی نالی "وز

ہی تھی اور کوئی مجھے نہیں تھا۔ نے یاد کو ایک طرف دھکیلا اور دیکھ کر ان دونوں کی طرف لپکی۔ قادر کاٹش وٹا ہوا۔

کونرا کہ اس پر چا ماہر احمد۔ وہ بہت طاقتور آدمی تھا اور اس نے شائے بن کر بیخ فخر بنائے اور نور کی طرف کھینچا تھا۔

اسی نے پہلے گرو نرنگر، یا مادہ خاں نے عقب سے چوڑی قوت سے اس کی گدلی پر ہتھول کا دست مارا اور وہ مدد

ہو کر گھر چلا۔ شاو نور نے اسے ایک طرف وسمیل دیا اور
ہانپتے ہوئے بولا۔

”آپ تمہیک ہوا میں صاف ہے؟“

تو وہ بخشش دیکھ کر ماری۔ "نہیں، تم باہر کیسے آئے؟"

دنوں ہاتھ زمین تھے اور دو ناخن بھی لوٹ گئے تھے۔ وہ
نہ حال نہ رہا تھا مگر پٹے باپ کے لیے بھرے گاڑی میں

جائے کو تیار تھا۔ لیکن یہ اس ایجنٹ کے کہیں کی بات نہیں تھی۔
تیار نہ تھا اور پھر اسی سے جو شہر کو کھیل دیوے۔ ”تمہارے

ہاں اس لئے لی تائی تائی۔ سوچتے ہیں۔ شہنشاہی ہر دلی
اس کے بارے میں سوچیں سے کلام۔

ان کے بھروسہ، تم کو پایا اور ایک نئے شے سے وہ بالکل کھل گیا۔

جناح کو روکا اور پہنچ سکا تھا۔ اللہ سے مدد مانگتے ہوئے اس نے وہ بازار اٹھوایا اور وہ ایک پتھر پر گیا۔ اس نے اسے تھام لیا اور

اس کے بعد کہ بااثر ہاتھ منظر کی طرف لپکا اور اسے ایسا لگا

کہ وہ منہ پر تک نہیں آتی تھیں۔ مگر اس کا ہاتھ منہ پر تک نہ پہنچتا تو سرفٹ کی گہرائی اس کی آنکھ تھی۔ نہ مانے کسے اس

نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس پر رحم نہیں کیا۔ چند

اتحاد بھی مندر پر پر ہوا اور خود کو اوپر اٹھا لیا۔ مندر پر کے کنارے لٹ کر وہ تیز سانسوں کے درمیان خود کو گھمبیر رہا۔

تھیں اس مشقت نے ان کا وفاق پھر دیا۔ اسی لئے اسے سجاد کے لئے کی آواز آئی۔ شاو نور جو تک گیا۔ سجاد کسی مشکل

میں لگ رہی تھی۔ یہ جگہ جہاں سے چلتے، اہل نہیں تھی اس لیے وہ کھٹے کھٹے توہمیں کے دوسری طرف سرکے لگا۔ یہ

وانترو ٹھاسا بڑا اتحاد۔ وہ دوسری طرف پھٹچا اور خطرہ ہو اگر ایک لمحہ کو اسے پھر آگیا تھا۔ آج میں نے اپنی برداشت سے

زیادہ لذت کی تھی۔ گھومتی چٹان کے ماتھے دو آگے بڑھا اور پھر اسے تھارو کھائی کی جیسے پارو نے گراپا ہوا تھا۔ وہ اسے

آپ کو بھی اس کی کوشش کرنا چاہیے۔
۱۱/۱۱/۱۱

نہا۔ اس نے کہا: ”میں صاحبِ بس، جو تجھے بھیج رہا ہوں۔“

یاد رکھو کہ اگرچہ یہ سچ ہے کہ جو انسان اپنے لیے کچھ کرے گا وہ اس کے لیے کچھ کرے گا۔

تب اس کی جیب میں موجود ہتھولے میں ایک چمکی آیا اور اس نے ہتھولے نکالتے ہی اس کی زبان پر کھولے مارنے۔ چاموچی و ہاتھ

فائر کی آواز میں وہ بھاگتی تھی۔ وہ ٹرپ کر لینی ٹھکرا کر گرنے لگی۔
اسے وہاں پہنچ کر اپنی زچہ لیا۔ پھول کی مال یہ وہ

کے سر پر رکھ دینی اور قادر بخش سے کہا۔ "نہیں چھوٹے۔" میں اسے گولی مار دیاں گی۔"

مکمل طور پر یورپ کی طرف متوجہ ہو رہا تھا اور اس نے ایک
مکمل طور پر یورپ کی طرف متوجہ ہو رہے تھے۔ یورپ کی طرف متوجہ

ہوتے ہی قادر بخش نے تائب کن تمام لی گئی اور اس قدر
چاہ کی طرف توجہ اس نے دیکھی کہ وہی میں سر ہٹا دیا۔

”تو ایسی کچھ نہ فرما۔“ یہ دلچسپ جواب تھا۔ ”یہ بہت قلم

نور تے فہمے ہر سہ کی۔
کارہ بخشے عمارت سے اپنے مانجھی کی طرف

"ان دونوں کو کس جی کے کسی اسپتال تک پہنچا کر۔"
جان نے ہالو اور یارو کی طرف اشارہ کیا۔
"وہ کیسے؟"

"میں سب بتاؤں گا لیکن تم وعدہ کرو کہ مجھے ایک چانس دو گی؟"

سجاد سوچ میں پڑ گیا۔ وہ حقیقت ان دونوں کو یہاں سے نکل کر ناپالنگ بھی آسان نہیں تھا اور راستے میں مزید کوئی حادثہ پیش آنے کا چارہ امکان تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہاں سے کس طرح وہ نکل جائے۔ اگر وہ خود کسی کاغذی رابطہ جگہ تک جاتے اور مدد طلب کرتے تو اس میں بھی بہت وقت لگ سکتا تھا۔ پھر اسے جان کا خیال بھی تھا وہ اسے ساتھ نہیں لے جاسکتی تھی کہ مشکل ترین راستوں پر اس پر نظر رکھنا دشوار ہو جاتا اور وہ کوئی شرارت کر سکتا تھا یا فخر ہو جاتا۔ وہ بہت عیار اور خطرناک انسان تھا۔ اسے میں جان کی پیشکش نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ "تم کس طرح سے تھوڑی مدد کر سکتے ہو؟"

"یہ مجھ پر چھوڑ دو۔" جان نے اصرار سے کہا۔ "اگر میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا تو تم بھی اپنا وعدہ پورا نہ کرنے کے لیے آزاد ہو گی۔"

"اوکے۔" سجاد نے گہری سانس لی۔ "مجھے منظور ہے اب ہو تو تم کیا کر سکتے ہو؟"

"میں اہل کا پٹر منگوا سکتا ہوں۔" جان نے انکشاف کیا۔ "مجھے یہاں سے اہل کا پٹر لے جانے کے لیے آج۔" سجاد حیران رہ گیا۔ "اس کا مطلب ہے تم نے ایک بار پھر میں سر پر اتار دینے کا بندوبست کر لیا تھا۔"

جان نے سر ہلایا۔ "میری بد قسمتی کہ میں تمہاری موجودگی کا اندازہ نہیں لگا سکا ورنہ زیادہ محتاط رہتا۔"

"تم ایسا کا پٹر کیسے منگواؤ گے۔ تمہارے پاس رہ پڑ ہے؟" نہیں سٹیلا بیٹ فون ہے۔ میرے اس بیگ کی ایک خفیہ جیب تھا ہے۔" جان نے سر سے اشارہ کیا۔ سجاد نے بتائی ہوئی جگہ سے ایک چھوٹا سا مو بائی فون سائز کا سیلا بیٹ فون نکال لیا۔ اس نے جاکو سے جان کی جھکڑیاں کاٹ دیں اور سیلا بیٹ فون اس کی طرف بڑھایا اور بولی۔

"اچیکر فون آن کر لو، میں سننا چاہوں گی کہ تم کس سے کیا کہتے ہو اور وہ کیا کہتا ہے؟"

"یہ ایک مقامی ایکٹس ہے۔" جان نے کہا اور سیلا بیٹ فون آن کر کے ایک خبر ملایا۔ اس نے اچیکر آن کر لیا تھا۔ کل ریسروہ نے ہالے لے لیا۔" سجاد جھپٹا کر کہا۔

میں کامیاب رہے۔ دو فٹ پھوڑ کے علاوہ بھی اسے کئی چھٹیں آئی تھیں مگر اس کی حالت خطرے میں نہیں تھی۔ ابتدائی طبی امداد کے بعد یہ سوجن سانسے آیا کہ اسے نیچے کیسے لے جایا جائے کیونکہ تپلی دیوار سے اسے کسی صورت نہیں گزرا جاسکتا تھا۔ شاہ نور نے کہا۔ "میں اسے کندھے پر اٹھا کر لے جاؤں گا۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔" سجاد بولی اور یارو کی طرف اشارہ کیا۔ "اور پھر یہ بھی ہے یہ کیسے جائے گا۔"

"یہ جہنم میں جائے گا۔" شاہ نور نے خند لہجے میں کہا۔ "اسے میں ابھی پھوڑوں والے کنویں میں پھینکا ہوں۔ میں جانتا ہوں اس گتے کی دانی پر نظر ہے اسی لیے اس نے رسیاں کالی نہیں۔"

یارو جو رو دھو کر خاموش ہو گیا تھا یہ سن کر پھر چلانے اور محالیاں مانگنے لگا۔ سجاد نے اسے جھڑکا۔ "خاموش رہو۔" شاہ نور نے کہا۔ "ان سب کو یہیں چھوڑ، میں آپ اور صاحب چلتے ہیں۔"

یہ سن کر جان کسمسانے لگا۔ "تم ایسا یہاں چھوڑ جاؤ گے؟" "ہاں اور اسی حالت میں۔" سجاد نے سر دھجے میں کہا۔ "خدا کے لیے تم جانتی ہو یہ جگہ پھوڑوں کا سگنا ہے۔"

جان ہلچلایا۔ "مجھے آزاد کر دو میں وعدہ کرتا ہوں تمہارے کام آؤں گا اور وہ لٹا کر لے جانے میں مدد کروں گا۔"

مگر سجاد نے اس کی بات پر توجہ نہیں دی اور تاور پیش کو بلا سگ کی جھکڑی سے جکڑ دیا۔ پھر اس نے یارو کے زخم پر کس کر پکڑا ہوا۔ اس کی قسمت کہ شریان کاغذ کی جگہ ورنہ وہ لب تک خون بہنے سے ہی مر جاتا۔

سجاد اور شاہ نور کھالی رہے تھے۔ جشید نے پٹر کی بوتل سنبھالی تھی اور اس سے پٹر لے کر رہا تھا۔ آزاد ہونے کے بعد اس نے سجاد سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اس سے نظریں چرا رہا تھا۔ سب سے بڑھ کر جان تھا۔ سجاد کی دھمکی نے اسے فکر مند کر دیا تھا۔ وہ کسی سوچ میں غم تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے سجاد سے کہا۔ "سنو میں یہاں نکلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا؟"

"مجھے ایک چالس پاس ہے ہوگا۔"

"کیسا چالس؟"

"تم مجھے آزاد کر کے یہاں چھوڑ جاؤ اگر میں نکل گیا تو میری قسمت ہوگی ورنہ تم وہاں آ کر مجھے پکڑ سکتی ہو۔"

"کہاں سے وہاں آ کر؟"

نیشنل

اذیت میں تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے سے ڈا پہلے ٹیلی کا پٹر نمودار ہوا تو روشنی ہو چکی تھی۔ اس میں پائلٹ کے ساتھ جان کا مقامی ایجنٹ تھا اور وہ یہ جان کر خیر ان ہوا تھا کہ جان کی پہلی کا پٹر میں نہیں جا رہا تھا۔ بانور اور پٹر کو ٹیلی کا پٹر میں منتقل کیا۔ سمار اور شاہ نور بھی ساتھ تھے۔ پہلی کا پٹر میں زیادہ گنپاش نہیں تھی مگر وہ کسی نہ کسی طرح سب اس میں آئی گئے۔ پہلی کا پٹر غصا میں بلند ہوا تو نیچے جان کا پٹر پش اور جشیدہ گئے تھے۔ جشیدہ گنپاش کی وجہ سے نہیں جاسکا تھا۔ اب اسے بھی پہل اور پھر گاڑی میں جانا تھا۔

پہلی کا پٹر مشکل سے آدھے گھنٹے میں کراچی کے ایک ہرکلب پر اترا۔ پائلٹ نے پہلے ہی ایسیو ٹیس کے لیے کال کر دی تھی۔ اس لیے جب وہ وہاں پہنچے تو وہ عدد ایسیو ٹیس آچکی تھیں۔ بانور اور یارو کو ان میں منتقل کر کے ایک اسپتال پہنچایا گیا جہاں انہیں طبی معائنہ دیا گیا۔ بانور کے زخموں کی حالت زیادہ خراب ہو چکی تھی۔ اس لیے اس کا آپریشن کر دیا۔ یارو کے زخم سے گولی نکال دی گئی تھی۔ شاہ نور اور سمار ان کے ساتھ تھے۔ پولیس آئی تو سمار نے ان سے بات کیا اور شاہ نور پھر ان کو جب اس نے دیکھا پولیس والے سمار سے بہت احترام سے پیش آ رہے تھے۔ انی وجہ سے پولیس کا معاملہ بہت آسانی سے ختم کیا۔ بانور کی حالت خطرے سے باہر تھی مگر ابھی اسے آپریشن کا زخم بھرنے تک اسپتال میں رہنا تھا اس کے بعد اسے پانٹر کر کے قید جانے کی اجازت دی جاتی۔ شاہ نور کے زخموں کی مرہم پٹی بھی کر دی گئی تھی۔

۲۶ مئی ۲۰۱۶

اس وقت وہ ایک فور اسٹار ہوٹل کے کمرے میں تھے۔ سمار نے کسی طرح اس کے لیے لباس منگوایا تھا۔ شاہ نور کے کپڑے خراب ہو رہے تھے۔ پہلے بھی وہ پینٹ شرٹ پہنتا رہا تھا مگر اس وقت اسے اپنا آپ بدل ہوا لگا تھا۔ خود سمار نے بھی نہاد دھو کر لباس بدل لیا تھا اس نے والہانہ نظروں سے شاہ نور کو دیکھا۔ "میں نے ٹھیک کہا تھا۔" اس نے شاہ نور کو شانوں سے کچڑ کر ڈرینگ نچل کے آئینے کے سامنے کیا۔ "اب تمہیں کون گاؤں کا لڑکا کہہ سکتا ہے؟"

شاہ نور نے آہستہ سے کہا۔ "مہم صاحب..."

"مجھے سنا رکھو۔" وہ بات کاٹ کر بولی۔

"سمار لیا لی۔" شاہ نور نے گہری سانس لی۔

"انسان لباس سے بدل نہیں جاتا... وہ جو ہوتا ہے وہی رہتا ہے۔ میں گاؤں کا رہنے والا ایک معمولی لڑکا ہوں۔"

ایک گھنٹے کے اندر اس لوکیشن پر پہلی کا پٹر چاہیے۔

"ایک گھنٹے میں مشکل ہے جناب۔" دوسری طرف سے کسی مقامی نے موبل پیج میں کہا۔ "ڈیڑھ گھنٹے لگے گا۔"

"او کے ڈیڑھ گھنٹہ لیکن اس سے ایک منٹ اور پر ہوا تو تمہارا ٹیکشن مارا جائے گا۔"

"ایک سیکنڈ بھی اوپر نہیں ہوگا۔" دوسری طرف سے کہا گیا تو جان نے کال کاٹ دی اور سمار نے اس سے فون لے لیا۔ "پہلی کا پٹر ان کلب لے جائے گا اور وہاں سے تم ایسیو ٹیس طلب کر سکتی ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" سمار نے کہا اور اس نے جان کے بیگ کی کمر تلاشی لی اور تمام ایسی چیزیں اپنے قبضے میں کر لیں جو اس کے خیالی میں جان کے پاس نہیں ہونا چاہیے تھیں۔ ان میں جان کے کاغذات اور پاسپورٹ بھی تھا۔ پھر اس نے پچھو پکڑنے والے حفاظتی لباس اور دوسری چیزیں نیچے کو بھیجیں۔ پھینک دیں۔ سارا اسلحہ پہلے ہی کنوئیں میں پھینک چکا تھی صرف ایک اس کا پستول وہ گیا تھا۔ جان یہ سب بے بسی سے دیکھ رہا تھا مگر کچھ کہہ نہیں سکتا تھا کیونکہ سمار کے پاس پستول تھا۔ جشیدہ غیر جانب دار ہو گیا تھا اور باقی سب بے بسی تھے۔ شاہ نور جان اور جشیدہ کی تقریبی کر رہا تھا۔ سمار آتی تو خالی ہاتھ تھی۔ اس نے جان سے کہا۔

"اب تم یہاں سے کوئی پچھو نہیں پکڑ سکو گے۔" اس نے تمام پچھو کنوئیں میں آڑا کر دیے تھے۔

"تم نے میرا پاسپورٹ قبضے میں لے لیا ہے۔"

"ہاں انٹرم پر سونج کس لہجہ میں اور پورے حق سے تو تمہیں یہ پاسپورٹ مل جائے گا اور تم یہاں سے جا سکو گے۔ دوسری صورت میں یہ پاسپورٹ تمہارے کمرے کے ساتھ متعلقہ ملک کے سفارت خانے کے حوالے کر دیا جائے گا اور تم پھر بہت مشکل سے یہاں سے جا سکو۔ مگر دنیا میں تمہیں سکون سے نہیں رہ سکو گے۔"

"تم مجھے گرفتار کر رہی ہو۔" جان نے نلی میں سر ہلایا۔

"میں میں چاہتی ہوں کہ تم یہاں سے وٹج ہو جاؤ ورنہ تم پھر پچھوؤں کے چکر میں پڑ جاؤ گے۔"

جان سوچ میں پڑ گیا پھر اس نے بادل ناخواستہ سر ہلایا۔ "او کے۔"

شاہ نور اور جشیدہ نے مل کر بانور کو پہلی کا پٹر میں جانے کے لیے تیار کیا۔ اس کی ٹوٹی ٹانگ ہور ہاتھ کو باندھ دیا گیا تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں۔ سمار نے کوشش کر کے ہڈیوں کو سیٹ کر دیا تھا اس سے بانور کو سکون ملا تھا ورنہ وہ خاص

"نہم میرے لیے معمولی نہیں ہو۔" سجاد بولی۔ پھر وہ
 اواس ہو گئی۔ "میں ابھی عورت نہیں ہوں میں نے بہت تھوڑے
 زندگی گزار دی ہے۔ میں پاکستانی نہیں ہوں۔ لیکن شاہ نور
 خدا گواہ ہے میں نے تم سے صرف محبت محسوس کی ہے۔ میں تم
 سے کچھ بھی نہیں مانگ رہی کیونکہ میں اس کا شوق نہیں ہوں۔"
 "ایسے تہ نہیں سمجھو۔۔۔ سجاد بی بی۔" شاہ نور نے کہا۔
 "کوئی انسان پورا اپنا پیار دہرا نہیں دیتا ہے ہر ایک میں
 کوئی نہ کوئی کمی خالی ہوتی ہے۔"
 "تم مجھے ابھی عورت سمجھتے ہو؟"

"ہاں آپ اب ان تمام لاپتہ لوگوں سے اچھی ہو جو
 دوست کی خاطر اپنے بیٹے انسانوں کا خون کرنے سے گریز
 سب کرنے کو تیار تھے۔ لیکن سجاد بی بی میں اب شک نہیں سمجھ
 گا کہ آپ کون ہوں اور یہ سب کیوں کر ہوئی ہو؟"

"میں یقینی ہوں۔" سجاد نے گہری سانس لی۔ وہ
 شاہ نور کو بتانے لگی کہ اس کا تعلق فخری میاں کا تعلق کرنے
 والی ایک بڑی اقوامی ایجنسی سے ہے جو جاغداروں کے غیر
 قانونی استعمال اور ان کی اس فنگ وروٹ کے لیے کام
 کرتی ہے۔ سجاد کا تعلق پاکستان سے تھا۔ اس کا باپ
 پاکستان سے جا کر تھرائی میں آباد ہو گیا تھا اور اس نے ایک
 مقامی عورت سے شادی کی تھی وہی وہ ہے جس کے فخری
 میں دونوں منہوں کی جھلک ہو رہی تھی۔ فخری کے لیے
 بعد سجاد انڈیا کے تھرائی کے لیے کام کرنے لگی تھی۔ پھر
 وہ ان ایجنسی میں آ گئی۔ اسے جان پہچانے کا مشن تھا کہ
 تھرائی انڈیا کے ایک بڑے اسکور تھا۔ اس کے خدشات میں
 ہتھیار بڑھ رہے تھے۔ سجاد اور اس کے پاس پانچ جوشیلے گولیاں تھیں کہ
 وہ پاکستان میں تھا۔ جوشیلے پاکستانی تھا مگر ان دونوں آدمیوں نے
 لینڈ میں قیم تھا۔ وہ دونوں جان کے لیے پاکستان آئے۔
 یہاں جوشیلے نے دھوکا دیا اور دونوں جوشیلوں کے پیچھے پڑ گیا۔

"مگر آپ نے اسے چھوڑنے کا وعدہ کیا ہے؟"
 سجاد منکرائی۔ "صرف پاکستان کی حد تک۔ وہ یہاں
 سے نکل کر جہاں جائے گا اسے امر پورٹ پر ہی گرفتار کر لیا
 جائے گا اور بالآخر وہ جیل جائے گا۔"

"پر سجاد بی بی یہ کچھ سے کینسر کے مرض کی دوا دانی
 بات۔۔۔"

"بھوت ہے اس کی کوئی دوا نہیں سن رہی جس میں سیاہ
 پتھر کا ہر استعمال ہو۔" سجاد اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"پھر یہ کچھ اتنے بچکے کیوں رکھے ہیں؟"

"میں نہیں دیکھتی ہوں۔" سجاد نے اپنا ٹیپ

آپ کہا اور شاہ نور کو ایک دیکھو رکھائی۔ اس میں مشرقی بوجھ
 سے غلط رکھتے والے دولت مند ترین لوگ سناپ اور پتھر
 پالتے رکھتی رہے۔ وہ اپنی امارت کا اظہار کرنے کے لیے
 بڑا سیاہ پتھر اور زبردستی ترین کوبرا سناپ پالتے تھے۔ پھر
 پتھروں کے آپس میں مقابلے ہوتے تھے اور ان پر
 کروڑوں کی شراہ لگائی جاتی تھی۔ ان لوگوں کی وجہ سے دنیا
 بھر میں سیاہ پتھر کی قیمت بڑھ گئی تھی۔ ہتھ بڑا پتھر ہوتا اتنی
 زیادہ قیمت بولی۔ یہ لوگ اب بپتی تھے اور ان کے لیے
 چند کروڑ پاکستانی روپوں کا کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ویلیر
 دھانے کے بعد سجاد نے کہا۔ "ان کے انٹینس یہاں قیم
 ہیں اور ان کے دھانے پتھر اور ایک نامی شمس کی پتھر کی خرید
 رہے ہیں۔ یہ سب پتھر کا کوئی ہے اور پاکستان کی حکومت کو
 اس کی بروکس تمام کر لی جائے۔"

"شمارہ مسکرایا۔" سجاد بی بی اب حریف میں انسانوں کی
 کوئی قدر قیمت نہیں ہے پر سناپ پتھر کی قیمت ہے۔"

"اب تم کیا کہو گے؟" سجاد نے پوچھا۔
 "میں جانتا ہوں کہ پاسی دونوں گا۔ درمیان میں گاؤں
 جاؤں گا اور ان کو اپنا کر آؤں گا۔ پھر یا با کو گاؤں سے
 دیکھوں گا۔"

"سجاد نے اس کا احوال دیکھ کر تو شاہ نور انکار کرنے لگا۔
 "آپ نے پہلے ہی دیکھنے کا شروع کر دیا ہے۔"

"وہ ایک بات ہے یہ تمہارا حق ہے۔" سجاد نے رقم
 زبردستی اس کی جیب میں ڈال دی۔ شاہ نور جانے لگا تو سجاد
 کی آنکھیں نم ہوئیں، وہ اس کے گلے لگی مگر اس نے دم نہ ہٹا
 نہیں کی بڑے پیچھے کی تھی اور شاہ نور نے اسے منع کر دیا تھا۔ وہ
 دروازے کی طرف بڑھا تھا کہ سجاد نے اسے داکا۔ "ایک
 منٹ رکو تمہارے لیے ایک چیز ہے۔"

"خار نے اسے ایک بڑے کورڈا دیا۔ شاہ نور نے پوچھا۔
 "اس میں کیا ہے؟"

"اسے نہیں ایسے میں بھولی کر دیتا۔"

شاہ نور کو لیا اسپتال میں بانور کے سرہانے بیٹھ کر
 دیکھنے کا موقع ملا تھا اس نے کھولا تو اندر ایک شیشے کے جس
 میں ایک خاصا بڑا سیاہ پتھر تھا۔ یہ کیم سے کم دو سو گرام تھا۔
 کرسٹل ہارن کے ساتھ ایک پرچی تھی اور اس پر ایک فون
 نمبر کے ساتھ پتھر لکھا تھا۔ "یہاں کالی کرو اور یہ پتھر دو
 قیمت کا نہیں ہے چل گیا ہے۔"

شاہ نور مسکراتے لگا اور ہارن بند کر دیا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1